

خواجه نصیر

شکای

مترجم

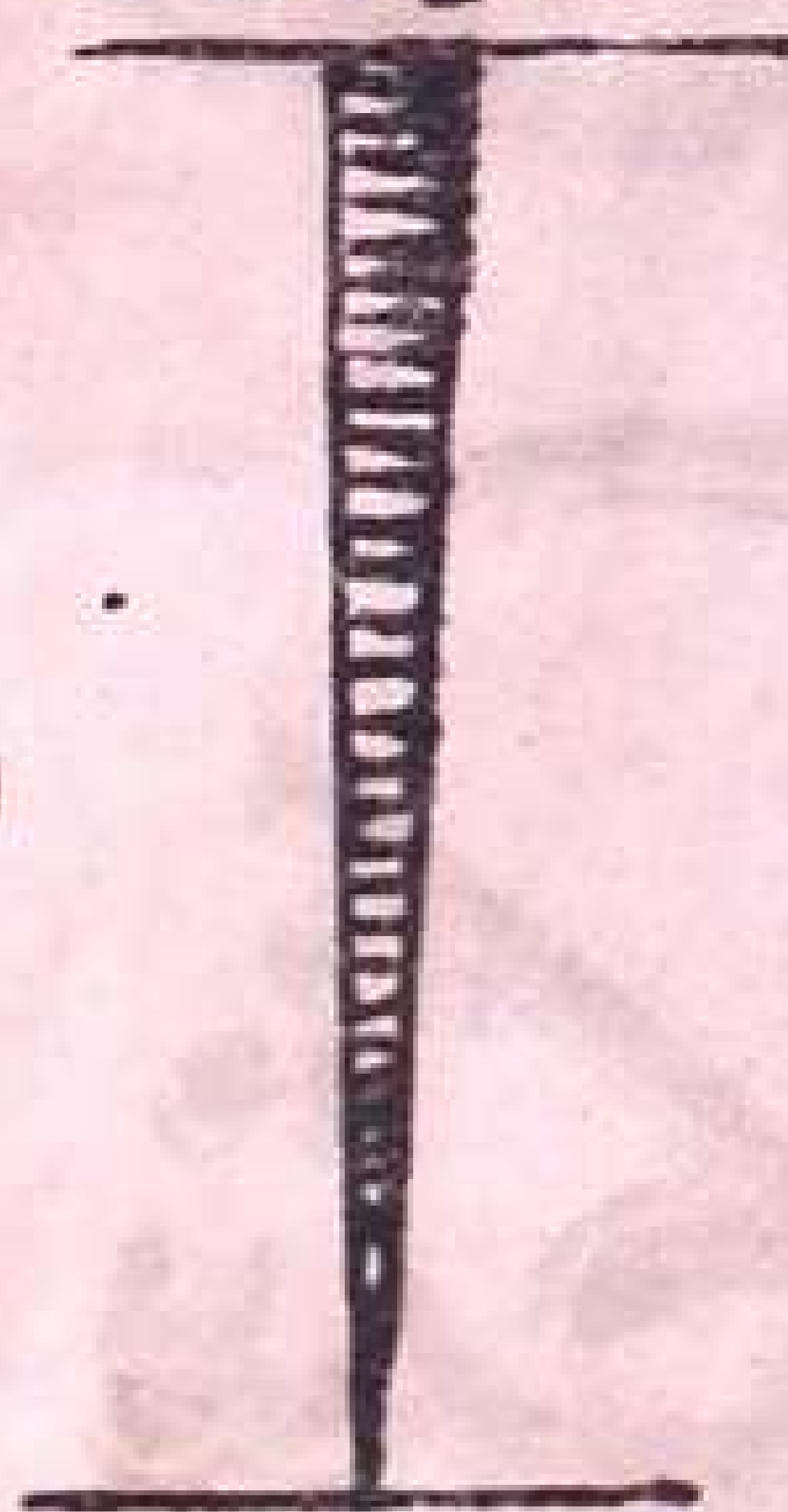
منظر الحق علی

مترجم

راوی

﴿جملہ حقوق اشاعت﴾

برائے ہندوستان
بنام نسیم بہک ڈپو لکھنؤ
محفوظ رہیں



قیمت
دش لاکھ روپیہ

کلاکٹو

نسیم بہک ڈپو لاٹس روڈ لکھنؤ
ٹیلیفون - ۱ - - - - ۲۴۵۵۹

بزرگوں سے سنتے آئے تھے کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور یہ کہ اگر وقت سے پہلے وہ کام کر لیا جائے تو کوئی ڈھنگ کا نہیں ہوتا۔ لیکن اس مقولے پر یقین اب کیا ہے۔ ۲ پنے ناول "خونریز" میں میں نے ایک ناول کا ترجمہ جلد از جلد پیش کروں گے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن ہر کیوشش یا یہ کہیں کہ ارادے کیے باوجود میں اس ناول کا ترجمہ نہ کر سکا۔ کچھ تبدیلیاں اور اتفاقات نے اجازت نہ دی اور کچھ یہ ہوا کہ دوسرے ناول درمیان میں آ گئے۔ اسی عرصے میں اکثر قارئین کے خطوط موصول ہوئے جن میں اور باتوں کے علاوہ یہ تقاضا ضرور ہوتا کہ میں وہ ناول فوراً پیش کروں جس کا میں نے "خونریز" میں وعدہ کیا تھا۔ میں اپنا ان قارئین کا مشکور ہوں کہ انہی کے تقاضوں نے آخر کار مجھے اس ناول کے ترجمے پر اکسایا اور معذرت خواہ بھی ہوں کہ انہیں خاصا طویل انتظار کرنا پڑا۔

بہر حال چار سال کے بعد اپنا وعدہ وفا کرتے ہوئے میں روحانی مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ یہ ناول، جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، وہی ہے جس کا آپ کو شدت سے انتظار تھا۔ یعنی "دی پیمسٹ کنگز" ناول کے متعلق مجھے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ یہ ہیگرڈ کا ناول اور میرا ترجمہ ہے۔

اکثر قارئین کی یہ بھی فرمائش ہے کہ اب میں مختلف قسم کے (نوکیے طرز کے ناول پیش کروں۔ چنانچہ اب میں جس ناول کا ترجمہ کر

۴
رہا ہوں وہ بالکل انوکھا اور بے حد عجیب و غریب ہے۔ "خوابوں کے
شکاری" کے بعد اور انشاء اللہ بہت جلد یہ ناول آپ کے ہاتھوں
میں ہوگا۔

امید ہے کہ سیرت پیش کردہ ہر ناول کی طرح "خوابوں کے شکاری"
کو بھی آپ پسند فرمائیں گے۔ خصوصاً اس لئے کہ یہ ہیگرڈ کے پچھلے
تمام ناولوں سے مختلف ہے۔

حسب معمول یہ ناول بھی بھارت میں منیم بک ڈپوٹکھنڈ
اور پاکستان میں مکتبہ کائنات لاہور شائع کر رہا ہے۔

مظہر الحق علوی

۲۸ اکتوبر سنہ ۱۹۶۷ء

خانپور سید وارہ

(حمد آباد)

تہذیب

ایک خط کا اقتباس، جو زولو لینڈ اور خاص بادشاہ کے کرائے سے لکھا گیا۔

ہر مٹی میں صدمہ

اس علاقے کے زولو لوگ ایک سفید خام لڑکی کی عجیب و غریب کہانی سناتے ہیں۔ یہ سفید خام لڑکی زولوؤں کے بادشاہ ڈنگا کے زمانے میں تھی اور کہتے ہیں کہ اس کے جسم میں زولوؤں کی اس زبردست دیوی کی روح حلول کر گئی تھی جو خود بھی، زولوؤں کی روایت کے مطابق، سفید خام تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ سفید خام لڑکی حیرت انگیز حد تک خوبصورت اور ناقابل یقین حد تک بہادر تھی۔ اور خونریز دریا کی جنگ سے پہلے — جو بوٹروں اور زولوؤں کے درمیان ہوئی تھی — اس لڑکی نے خوب عروج حاصل کیا تھا۔ اس لڑکی کا لقب "خاکون زولا" یا مختصراً "زولا" تھا اور "زولا" کا مطلب ہے آسمان۔ یہ اس مناسبت سے کہ اس دیوی کا نام، جس کی روح بقول زولوؤں کے اس لڑکی میں حلول کر گئی تھی، انکوسا زانہ زولا یعنی "خاتون انلاک" تھا۔

یہ لڑکی معلوم ہوتا ہے، ایک آوارہ گرد مگر مہم جو عیسائی مبلغ کی بیٹی تھی۔ لیکن ڈنگان نے جو اس وقت زولوؤں کا بادشاہ تھا، حسنہ کی آگ میں اس لڑکی کے والدین کو قتل کروا دیا۔ چنانچہ اس کے بعد اس لڑکی

یا زولانی خاص زولوؤں کے دارالسلطنت میں جا کر ڈنگان اور پوسے زولو قبیلے کے لئے بد دعاؤں کا کہنا ہے کہ اسی بد دعا کی وجہ سے ڈنگان مالا گیا اور اسی بد دعا کا اثر تھا کہ زولوؤں کو پھر شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور ان کا پورا قبیلہ تتر بتر ہو گیا۔

ڈنگان اور اس کے قبیلے والے اس لڑکی اور اس کی بد دعاؤں سے خوف زدہ تھے چنانچہ آخر کار انہوں نے اس لڑکی کو ایک دوسرے قبیلے کے وچ ڈاکڑوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ عجیب قبیلہ تھا جس کے لوگ بونے، گئے، جود رختوں کو پوجتے تھے اور جودور، بہت دور گھنے اور پر خطر جنگوں اور بے آب و گیاہ صحرا کے اس پار ایک عجیب خطے میں آباد تھے۔ بونوں کی اس سلطنت میں اس سفید فام لڑکی سے پہلے کبھی کوئی شخص، سفید فام یا سیاہ فام، نہ گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس لڑکی کے چلے جانے کے بعد بھی اس کا "سراپ" زولوؤں کے سر پر سمنہ لاتا رہا اور ان کے زوال کا باعث بنا۔

اگر اس عجیب و غریب لڑکی کی عجیب و غریب کہانی کے متعلق میں اور زیادہ باتیں معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو تمہیں مطلع کروں گا۔ لیکن اس کا امید کم ہی ہے۔ ڈنگان کی موت کو، جو سنہ ۱۸۴۷ء میں واقع ہوئی تھی، حالانکہ پندرہ سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج بھی زولو لوگ اس عجیب و غریب قوم کی مالک لڑکی کے متعلق کچھ کہتے ڈرتے اور گھبراتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ روایت ان لوگوں نے شاید اس لئے بتائی ہے کہ میں نہ تو فوجی افسر ہوں اور نہ مبلغ بلکہ ایک ڈاکڑ ہوں اور چونکہ میں نے ان کے مریضوں کا بڑی کامیابی سے علاج کیا ہے اس لئے وہ مجھے اپنا دوست

سمجھتے ہیں۔ جب میں نے ان کو "اند ڈنڈا ز" سے پوچھا اس کوئی کچھ متعلق تو پہلے تو ان لوگوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ لیکن جب میں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ پوری کہانی بڑی ہی مختصراً ہے اور یہ کہ یہ داستان مولو کے ساتھ ہی چلی گئی۔

اب یہ شخص مولو وہ ہے جس نے ڈنگان کے بھائی اور کاملے چندیر شا کا کو قتل کیا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ ڈنگان کی موت بھی اسی شخص مولو کی سازش تھی۔ بہر حال پانڈا کے تحت نشی ہو لفظ کے بعد یہ شخص مولو زولو لینڈ سے غائب ہو گیا۔ اور پھر معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں گیا یا اس کا کیا پتہ ہے۔

آپ کا دینا

؟

مذکورہ لفظ ہے۔ یعنی وہ افسر اعلیٰ جو براہ راست بادشاہ کے ماتحت ہوتے تھے۔ ہم انہیں مشیر یا قبیضہ کے بزرگ بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر مولو، شا کا اور ڈنگان کی لرزہ خیز کہانی کے لئے ملاحظہ ہونا اول "خونریز" منظر جمعہ نسیم بک ڈیو لکھنؤ۔

مظہر الحق علوی

پہلا باب

ایک لڑکی

عجیب ادا اس اور خاموشی سے پر تھی وہ۔ دن ناقابل برداشت حد تک گرم تھا۔ ان کا قیام ایک دریا کے قریب اور بلند مقام پر تھا اور سطح مرتفع کے دائیں طرف کوئی دو میل دور سمندر یوں نظر آتا تھا جیسے وہ پانی کے بجائے گاہک اور جام تیل کا سمندر ہو۔ دو میل دور و سما کنی سمندر تھا اور یہ علاقہ وہ تھا جو ساحل پونڈ لینڈ کہلاتا ہے۔ اور یہاں اس سطح مرتفع پر سے ایک لڑکی جس کا نام ہم آپ کو بتا دیا کہ ریکل تھا۔ ادا اس اور مخموم نظروں سے اس سمندر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ لڑکی کا پورا نام ریکل ڈیو تھا۔

جیسا کہ ہم نے کہا یہ سہ پہر کا وقت تھا لیکن دھوپ نہ تھی کیونکہ بھورے رنگ کا کراٹر آیا تھا جو اس قدر گاڑھا تھا کہ اس نے سورج کی شعاعوں کو اوپر ہی ادا پر روک دیا تھا۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ ہوا بند تھی چنانچہ فضا میں گھٹن تھی۔ چھکڑا چلانے والے کافر ٹام نے ریکل کو بتایا تھا کہ ایک زبردست طوفان بازو باراں۔ بلکہ طوفان کا باپ آسنے والا ہے جو قحط سالی کو ختم کر دے گا اور یہ کہ کافر ٹام اس طرف چلا گیا تھا جہاں پہاڑوں کے ایک گہرے شکاف میں مویشی تھے جن کی رکھوالی دو دوسرے کافر کر رہے تھے، تاکہ وہ ان مویشیوں کو اس طرف ہدہ کالائے۔ چونکہ اس سطح مرتفع پر گھاس کے میدان نہ تھے جو

خوابوں کے شکاری

۱۰

چراگا ہوں کا کام دے سکتے، اس لئے مولشیوں کو ان پہاڑوں کی طرف بھیج دیا گیا تھا۔ ٹام نے رکپل سے کہا تھا کہ وہ مولشیوں کو پڑاؤ میں ہنکالائے گا کیونکہ اس نے کہا تھا۔ ایسے طوفان میں مولشیوں کا خوفزدہ ہونا لازمی ہے اور خوفزدہ ہو کر وہ بھاگ جائیں گے اور میلوں دور نکل جائیں گے اور مولشیوں کے بغیر ان کی حالت اور بھی خراب ہو جائے گی حالانکہ اس وقت بھی صورت حال امید افزا نہ تھی۔ بہر حال ٹام نے پہاڑوں کی طرف جانے وقت یہی کہا تھا۔ لیکن ریکلن افریقہ اور کافروں میں رہی تھی اور ان کے مزاج اور فطرتوں سے واقف تھی چنانچہ جانتی تھی کہ مولشیوں کو ہنکالانے کا ٹھنڈا ایک بہانہ تھا۔ ورنہ ٹام صرف اس لئے پڑاؤ میں مل گیا تھا کہ بچے کو دفن ہوتے نہ دیکھ سکے۔ کافروں کو موت پسند نہیں آتی۔ کم سے کم ایسی موت پسند نہیں آتی جو بستر پر آئے البتہ وہ میدان جنگ میں اس موت کو بھی خندہ پیشانی سے لے لیا کرتے ہیں جو دشمن کے بھالے کے روپ میں آئے۔ اس کے علاوہ ٹام کو اس بچے سے خاصی انسیت ہو گئی تھی جو اس دنیا میں اپنی مختصر زندگی گن کر خدا کے پاس چلا گیا تھا۔

بہر حال اب اسے دفن کر دیا گیا تھا اور پہاڑوں کی طرف جانے سے پہلے خود ٹام نے سخت دس دس گلاخ زمین میں اپنے ہاتھوں سے اس کی ننھی سی قبر کھودی تھی، ریکلن، جس کی عمر صرف پندرہ سال تھی، مروجہ بچے کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر اس کی آخری آرام گاہ تک لے گئی تھی۔ ریکلن کے باپ نے صندوق میں سے اپنا بیڑہ نکال کر پہنا تھا اور ننھے مصوم کی قبر پر کھڑے ہو کر آخری دعا پڑھی تھی۔ اس کے بعد دونوں باپ بیٹی نے مل کر قبر میں مٹی ڈالی تھی اور اوپر چند پتھر جما دئے تھے اور چونکہ امن موسم میں وہاں پھول نہ آگئے تھے اس لئے انھوں نے چھوٹی موٹی اور اسی قسم کے دوہرے پودوں کی ٹہنیاں توڑ کر قبر پر چڑھادی تھیں۔

اس جلوس جنازہ میں صرف دو ماتم کرنے والے تھے۔ ایک رکپل اور دوسرا اس کا باپ۔ البتہ دو پہاڑی خرگوش ایک چٹان کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک لنگور چٹان کی چوٹی پر سے جھانک جھانک کر تجسز و تکفین کی اس کارروائی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اور پھر جب وہ اکھا گیا تو اوپر سے ایک پتھر لڑھکاکر چینچا ہوا بھاگ گیا۔ چنانچہ آپ چاہیں تو ان دو پہاڑی خرگوشوں اور اس لنگور کو تجسز و تکفین کی رسومات میں شریک سمجھ لیں۔ رکپل کی ماں بہر حال جلوس جنازہ میں شامل نہ تھی اول تو اپنے بچے کی موت کے صدمے نے اسے نڈھال کر دیا تھا اور پھر وہ بخار میں بھی مبتلا تھی۔ چنانچہ وہ اس خیمے میں بے سدھ سی پڑی تھی۔ جو چھکڑے کے قریب الٹا دہ کر دیا گیا تھا۔ بچے کو دفن کر کے باپ اور بیٹی خیمے میں پہنچے تھے۔

رکپل کی والدہ مسز ڈیو، اس سفری چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی جس میں اموٹن کے بجائے کھال کی ٹپیاں بھری ہوئی تھیں اور یہ ٹپیاں وہ تھیں جو چھکڑے میں سے کھولی گئی تھیں۔ مسز ڈیو کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ رکپل کو یہ منظر ہمیشہ یاد رہا۔ خیمے میں بلا کی اس عتی اور اس کے پردے اٹھا دئے گئے تھے کہ اندر تھوڑی بہت ہوا آو آسکے۔ رکپل کی والدہ نے جو گون پن رکھا تھا اس کا رنگ کبھی سبز رہا ہوگا لیکن مسلسل استعمال اور پھر سفر میں پنہنے رہنے کی وجہ سے یہ چمکٹ ہو گیا تھا۔ مسز ڈیو خیمے کی دیوار کی طرف کودنے چپکے چپکے رو رہی تھی اور رکپل کا باپ ایک طرف کھڑا اپنا جتہ اتار رہا تھا اور اسے تہہ کر کے اپنے صندوق میں رکھ رہا تھا۔ اس کے بشرے سے معصومیت کے ساتھ ساتھ ہی مذہبی جنوں بھی عیاں تھا۔ وہ بیک وقت دلی اور آپک پانگل کا چہرہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کا ماتھا بلند تھا، رنگت دھوپ میں جھلسی ہوئی آنکھیں حلقوں میں دھنسی ہوئی، ہونٹ آہیں میں سختی سے پھنچے ہوئے تھے، قد لا نسا اور بدن دبلا پتلا۔ وہ بڑے انہماک

خوابوں کے شکاری

سے اپنا جبہ تہہ کر رہا تھا اور وہ خود یعنی رچل خاموش اور وحشت زدہ سی کھڑی ہوئی تھی اور چاہتی تھی کہ جلد از جلد اس خیمے سے نکل جائے اور کہیں اکیلی بیٹھ کر اپنا غم برداشت کرنے یا اسے بھولنے کی کوشش کرنے۔ اس خاموش، غمناک منظر کو رچل کبھی نہ بھلا سکی۔ آخر کار جبہ تہہ کرنے کا مرحلہ تہہ ہو گیا۔ سٹرڈیو نے اسے آہستہ سے کپڑے کی ایک پٹیلی میں رکھا اور پھر پٹیلی اس صندوق میں رکھ دی گئی جس کا ایک قلابہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس صندوق میں کبھی جب ان لوگوں کا اپنا گھر تھا تو وہاں، وہ میلے کپڑے رکھے جاتے تھے جو دھو بی کو دئے جائے دلتے ہوتے تھے۔ اور اب رچل کا باپ صندوق بند کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا، اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر اوڑا پاک اور طائی لے کر اپنی کمر سیدھی کی اور مصنوعی بشارت سے اپنی بیوی سے کہا:۔

”نہ رو جینی۔ نہ رو۔ خدا جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔ خدا نے دیا تھا اور خدا نے لے لیا۔ ہمیں شکایت نہ کرنی چاہیے۔“

رچل کی ماں ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی نیلی نیلی آنکھوں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں غم تھا، ملامت تھی اور بغاوت بھی۔ ”یہ بات تم پہلے بھی کہ چکے ہو جو ہاں۔ گراہم ٹاؤن میں جب ہمارا دوسرا بچہ مر گیا تھا تو اس وقت تم نے یہ الفاظ کہے تھے اور یہ الفاظ سننے سننے اب میں ٹھک گئی ہوں۔ یہ نہ کہو کہ میں شکایت نہ کروں۔ یہ نہ کہو کہ میں خدا کا شکرا داکروں۔ کوئی ماں اس خدا کی تعریف نہ کرے گی جو اس کی اولاد کو اس سے چھین لیتا ہے حالانکہ خدا چاہتا تو وہ میرے ہاتھوں کو عمر حنر عطا کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ کیا تو یہ کیا کہ مجھے بخاریں مبتلا کر دیا کہ میں اپنے بچے کو دودھ نہ پلا سکوں۔ میں نے پھر بھی کچھ نہ کہا کہ چلو اسے گائے کا دودھ ہی پلائیں گے لیکن اس گائے کو بھی سائب نہ ڈس لیا اور تم ابھی میرے جگر کے ٹکڑے کو مٹی میں دبا کر آئے ہو۔ اگر یہی ہے تمہارے

خدا کا انصاف تو مجھے ایسا انصاف نہیں چاہئے۔ اگر یہی ہے اس کے یہاں کا دستور
تو مجھے کناپڑتا ہے کہ تمہارے خدا سے زیادہ تو کافر حمل جوتے ہیں۔

”جینی! جینی! یہ تم کفر پاک رہی ہو“ ریچل کے باپ نے کانپ کر کہا۔ تو بہ
کد جینی۔ ٹوبہ کرو۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ تمہارا بچہ اس وقت جنت میں
مزے کر رہا ہے۔“

”تو جاؤ تم مناؤ خوشیاں اور مجھے اپنے حال پر تھوڑو۔ آج سے میں صرف یہی
دعا کروں گی کہ میری کوکھ سوکھ جائے اور اب میرے کوئی اولاد نہ ہو“۔ بعد پھر وہ جوش
اور غصے کے عالم میں بڑی تیزی سے بولنے لگی ”جوہان! قصور تمہارا، صرف تمہارا ہے
جو کچھ ہوا ہے اس کے ذمہ دار تم ہو۔ تم بھولے نہ ہو گے کہ میں نے کیا کہا تھا تم سے۔ جب
تمہارے سر میں اس سفر کا سودا سمایا تھا تو میں نے صاف صاف لفظوں میں تم سے کہہ دیا
تھا کہ اگر ہم اس سفر پر روانہ ہوئے تو ہمارا بچہ زندہ نہ رہے گا۔ اور دیکھو میری
پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی اور اب میں دوسری پیشین گوئی کر رہی ہوں۔“ مرزہ دیوک
کی آواز بھڑکائی۔ ”جوہان! اسی سفر میں ہم بھی مر جائیں گے۔ میں بھی مر جاؤں گی اور
تم بھی مر جاؤ گے لیکن بچہ زندہ رہے گی اور اس کے ساتھ وہ سب کچھ ہوگا جو اس
کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ وہ اپنی عمر کو پہنچ کر طبیعت موت مرے گی لیکن ہم۔۔۔۔۔

خیر! میرے لئے تو یہ ہے کہ موت کو کل نہ ہو تو آج آجائے کیونکہ میں جلد از جلد اپنے بچوں
کے پاس پہنچ جانا چاہتی ہوں جنہیں تمہارے خدا نے اٹھا لیا ہے۔“

”پیشین گوئی کرنا گناہ ہے“ ریچل کے باپ نے جلدی سے کہا ”یہ خدا اور
اس کے اصولوں سے بغاوت ہے کیونکہ غیب کا حال۔۔۔۔۔“

”گناہ اور بغاوت ہی سہی لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے وہ سچ ہے۔ جوہان! میری
والدہ غیب والی تھیں۔ ان میں وہ باطنی قوت تھی جس کے ذریعہ وہ ان چیزوں

کو دیکھ لیتی تھیں جو نظر سے اوجھل ہوتی تھیں اور وہ واقعات معلوم کر لیتی تھیں جو مستقبل قریب میں وقوع پذیر ہونے والے ہوتے تھے۔ ان کی یہ خصوصیت مجھے درٹے میں لگا ہے اور اگر ماں کا ورثہ پانا بھارت اور گناہ ہے تو یوں ہی سہی۔ جوہان ! جب میں تم سے شادی کرنے جا رہی تھی تو میری والدہ نے خبردار کر دیا تھا کہ تم سے شادی کرنے کے بعد میری زندگی سکون اور چین سے بسر نہ ہوگی لیکن ان کی میں نے ایک نہ سنی تھی۔ جوہان ! اب میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں، جو کچھ ہونے والا ہے اس سے خبردار کر رہی ہوں لیکن تم میری نہ سنتے ہو اور نہ سنو گے۔ خیر ! میں تقدیر کا لکھا برداشت کرنا ہے اور اب ہماری تمہاری اور میری زندگی کے کچھ زیادہ دن باقی نہیں رہ گئے ہیں۔ البتہ صرف ریکل کی عمر طویل ہے۔ مردوے ! مسز ڈیو نے بڑے تسخیر اور طنز سے کہا "میں جانتی ہوں کہ تم کیوں افریقہ کے جنگلوں اور کافروں میں گھستے جاتے ہو۔ میں جانتی ہوں کہ کونسا پلج تمہیں کشاں کشاں بے دنیوں کی بستیوں کی طرف لئے جا رہا ہے۔ صرف یہ لالچ کہ بے دین کافر تمہیں قتل کر دیں اور تم شہید کہلاؤ۔" تو قتل کر دینے "داناہیں"۔ ریکل کے باپ نے کہا "شہادت خوش قسمتوں کو ملتی ہے۔ اگر میں راہ حق میں آرا گیا تو یہ میرے لئے اور میرے سپہاندگان کے لئے قابل فخر بات ہوگی۔"

"ٹھیک ہے ہو جاؤ شہید"۔ مسز ڈیوک نے کراہ کر کہا اور چار پانی میں ڈبے سی گئی۔ "میرا بچہ۔۔۔ میرے جگر کا ٹکڑا، وہ کیوں مر گیا۔ تم نے اپنے سر پر شہادت کا تاج رکھنے کے لالچ میں میرے جگر کے ٹکڑے کو بھینٹ چڑھا دیا۔ بڑی بھاری قیمت ادا کی ہے تم نے اس نام نہاد شہادت کے تاج کی۔ وہ غریب مفت میں اپنی جان سے گیا۔ جوہان ! جو شہادت کی تلاش میں گیا ہو، جس کی زندگی کا قول و آخر مقصد شہادت حاصل کرنا ہو اسے نہ تو شادی کرنی چاہئے اور نہ بچے ہی پیدا کرنا چاہئیں۔"

رہ چل اب زیادہ برداشت نہ کر سکی چنانچہ وہ وہاں سے بھاگ آئی تھی۔ اور اب دور بیٹھی اس سمندر کی طرف دیکھ رہی تھی جو دو میل دور نظر آ رہا تھا۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ ریکل کی عمر پندرہ برس کی تھی لیکن جنوبی افریقہ میں لڑکیاں امریکہ کی طرح بڑھ جاتی اور جلد ہی جوان ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ شب و روز کے تجربات نے بھی ریکل کی سمجھ بوجھ کو پختہ کر کے اس پر صیقل کر دی تھی چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے والدین کے متعلق ایک صحیح اور قطعی رائے قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ ان کی خوبیوں اور کمزوریوں سے بھی واقف ہو چکی تھی وہ انگریز تھی اور انگلستان میں پیدا ہوئی تھی لیکن انگلستان اور روس کے متعلق اسے کچھ یاد نہ تھا اور سبب اس کا یہ تھا کہ ابھی اس کی عمر چار سال کی ہی تھی کہ مسٹر اور مسز ڈیو کے کر جنوبی افریقہ چلے آئے تھے۔

ریکل کی پیدائش کے کچھ عرصے بعد ہی اس کے باپ پر تبلیغ کا جنون سوار ہوا تھا۔ ریکل کا باپ اچھا خاصا اور عقلمند شخص تھا اور ایک دیہات کے گرجا میں پادری کی خدمات انجام دے رہا تھا کہ اتفاقاً اسے لندن میں پادریوں کے ایک اجلاس میں شرکت کا موقع ملا۔ بس وہاں سے آتے ہی اس پر یہ جنون سوار ہوا اور "خدا کی آواز" پر لبیک کر کے اور سب کچھ تھوڑ چھوڑ کر اور اپنی بیوی اور بیٹی کو لے کر جنوبی افریقہ آ گیا یہ باتیں ریکل کو اس کی ماں نے بتائی تھیں اور یہ بھی بتایا تھا کہ مسز ڈیو کے رشتہ دار اس کے شوہر یعنی مسٹر ڈیو کے اس ارادے کے سخت مخالف تھے اور اسے جنوبی افریقہ آنے سے روک رہے تھے لیکن مبلغ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر ڈیو اور اس کے سسرال والوں میں جھگڑا شروع ہو گیا اور نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ مسٹر ڈیو نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ خدا کے حکم سے انحراف کر کے ایک زبردست گناہ کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اب وہی صورتیں تھیں

یا ڈیو مسٹر ڈیو اپنے شوہر کے ساتھ چلی چلے یا پھر طلاق حاصل کرے۔ مسٹر ڈیو اپنے شوہر سے بہت زیادہ محبت تھی، خود مسٹر ڈیو بھی اپنی بیوی کو جان سے زیادہ چاہتا تھا اور بڑا عمدہ انسان تھا، الٹا یہ کہ اس پر مذہبی جنون سوار ہو گیا تھا اور بس قصہ مختصر مسٹر ڈیو اپنے شوہر کے ساتھ جنوبی افریقہ آنے کے لئے تیار ہو گئی۔ جب وہ لوگ جنوبی افریقہ جانے والے جہاز میں سوار ہو رہے تھے تو اس وقت مسٹر ڈیو نے چند دنوں پہلے ہی اس سفر کے متعلق پیشین گوئی کی تھی۔

مسٹر ڈیو نے جہاز میں سوار ہوتے وقت بھی کہا تھا :-

”میں اپنے وطن سے جا رہے ہیں اور اب بھی کبھی یہاں آنا نصیب نہ ہو گا کیونکہ افریقہ کے وحشیوں اور کافروں کے ہاتھوں مارا جانا ہمارے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ مسٹر ڈیو کی اس پیشین گوئی اور غیب دانی کے متعلق کوئی سائنٹفک توجیہ تلاش کرنا تو ممکن نہیں البتہ ضرور ہے کہ مسٹر ڈیو اسکا چٹان کے ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور اس خاندان میں کہتے ہیں کہ مسٹر ڈیو کی والدہ اور دادی کو بھی غیب دانی کا عطیہ عطا ہوا تھا اور پورے خاندان والے اس مورد ثانی عطیہ پر یقین رکھتے تھے۔ مسٹر ڈیو کی اس پیشین گوئی کو کسی نے سچ سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو البتہ اس کے عزیز و اقربا نے سو فیصدی سچ سمجھ لیا۔ چنانچہ انھوں نے مسٹر ڈیو کو روکنے کی اپنی کوششیں اور بھی تیز کر دیں۔ حتیٰ کہ مسٹر ڈیو نے بھی اپنی بیوی کو اپنے ساتھ جنوبی افریقہ چلنے سے روکا اور کہا کہ وہ تو بہر حال شہادت کا خواہاں تھا ہی لیکن اپنی بیوی کو کیوں خواہ خواہ اپنے ساتھ گھسیٹے۔ اسے اپنی بیوی سے محبت تھی۔ اور وہ اس خیال سے کانپ کانپ اٹھتا تھا کہ اس کی نازک بدن اور خواہش بیوی وحشیوں کے بھالوں کا شکار ہو جائے گی چنانچہ اس نے مسٹر ڈیو سے کہا کہ وہ چونکہ خدا کی آواز پر لبیک کہہ رہا ہے اس لئے اس کا جنوبی افریقہ کے کافروں میں جانا ضروری

ہے بلکہ یہ اس کا فرض ہے۔ چنانچہ وہ اکیلا ہی جائے گا اور جو کچھ جیتے گی برداشت کرے گا البتہ وہ، یعنی مسٹر ڈیو، اس کے ساتھ نہ چلے کیونکہ ان پر خطر اور جھٹکا جنگلوں میں مسٹر ڈیو کو گھسیٹنے کا اسے کوئی حق نہیں ہے۔

اور اس وقت مسٹر ڈیو نے اپنی حیرت انگیز اخلاقی جرأت اور مستقل مزاجی کا ثبوت دیا۔ اس نے کہا کہ اپنے عزیزوں کی مخالفت کے باوجود اس نے مسٹر ڈیو سے شادی کی ہے اور اب وہ اس کی شریک حیات ہے۔ اس کے دکھ اور سکھ برابر کی شریک ہے۔ جہاں بھی مسٹر ڈیو جائے وہاں جانا اس کے لئے فرض ہے۔ وہ جس حال میں اسے رکھے گا وہ رہے گی اور یہ کہ ان کی قسمت میں کافروں کے ہاتھوں قتل ہونا ہی لکھا ہے تو یو نہی سہی۔ وہ دونوں ساتھ ہی مریں گے۔ چنانچہ مسٹر ڈیو کے عزیز، اقربا خاموش ہو رہے اور ایک دن مسٹر اور مسٹر ڈیو اپنی چار سالہ بچی ریکیل کو لے کر جنوبی افریقہ جانے والے ایک جہاز میں سوار ہو گئے اور پھر۔۔۔ ان دونوں کے رشتہ داروں اور دوستوں کو ان میاں بیوی اور بچی کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ ان کا کیا بنا۔

مسٹر ڈیو، اس کو، بیوی اور بچی کے افریقہ کے ساحل پر اترنے کے بعد سے لے کر ہماری کہانی کے آغاز تک کی سرگزشت چند سطور میں بیان کی جاسکتی ہے۔ جوہان ڈیو ایک مبلغ کے طور پر سراسر ناکام رہا۔ کیپ کا لونی کے مشرقی حصے میں بوئیر آباد تھے اور جوہان نے اسی جگہ اپنی تبلیغ کا آغاز کیا تھا اور بوئیر نہ چاہتے تھے کہ ان کے کافر غلاموں کو عیسائی بنالیا جائے۔ خود کافروں کو بھی عیسائی بننا پسند نہ تھا۔ وحشت، ظلم اور جنگلی پن کافروں کو صدیوں سے ورثے میں ملتا چلا آیا تھا۔ وہ ہزاروں سال سے ان دیوتاؤں کو پوجتے آئے تھے جن کی عجیب و غریب قوتوں اور ان کی روایتوں پر یقین رکھتے تھے۔ چنانچہ

بویئروں کے کافر غلام بھی عیسائیت قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہ وہاں ڈیو
ایک صاف دل، مخلص اور ولی صفت انسان تھا لیکن افریقیوں کی فطرت
سمجھنے سے قاصر تھا اور نہ جانتا تھا کہ یہ لوگ اپنی بربریت اور اپنے وحشیانہ
توانین کو ترک نہ کر سکتے تھے۔ ان کے گناہوں کی، جس میں جوہان نے
ان کی مذہبی رسومات اور دوسرے رواج بھی شامل کر لئے تھے، وہ مکان کی
چھت پر کھڑے ہو کر سخت مذمت کرتا اور اگر وہ کسی کافر کو چوری یا زنا کرتے
یا جھوٹ بولتے پکڑ لیتا تو پھر جوہان اسے سخت سزا کا مستحق ٹھہرا دیتا
اور حکومت کو مجبور کرتا کہ اس کافر کو سزا دی جائے۔ اور یہ اور بات ہے کہ
حکومت جوہان کی ان "اپیلیوں" کی طرف کوئی دھیان نہ دیتی۔ چوری جھوٹ
اور زنا وغیرہ تو کافروں کی گھٹی میں پڑا تھا اور ان باتوں کو وہ گناہ نہ سمجھتے
تھے۔ اس کے علاوہ جوہان نے بڑی خود سری کا ثبوت دیتے ہوئے —
اپنی اس خود سری کو جوہان نے خلوص کہا تھا — اپنے آپ کو مقامی
گریجاسے وابستہ کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے صبر کا پیمانہ
چھلکا ہی گیا۔ جوہان کی تنگ نظری اور کڑھن نے اس علاقے کی فضا کو
گرم کر دیا۔ چنانچہ یوں ہوا کہ اس کے اور بویئروں کے درمیان ایک جھگڑا
شروع ہو گیا۔ بویئر بڑے مقول لوگ تھے لیکن جوہان نے انھیں برے منہ
میں دیکھا اور ان کے متعلق نہ صرف بری رائے قائم کر لی بلکہ اپنے خیالات
لکھ کر انگلستان کے مذہبی اخبارات و رسائل میں اشاعت کے لئے بھیج
دئے۔ جوہان کے اس مضمون نے ایک آگ سی لگا دی اور بویئروں کے
خلافت ایک پرفان اٹھ کھڑا ہوا۔ بویئروں کے ترک وطن کرنے کے جوہات
تھیں ان کی ایک وجہ یہی مخالفت تھی جو جوہان کے مضمون نے پیدا کر دی تھی۔

جوان کی مجنونانہ سرگرمیوں نے بویروں میں غم و غصے کی ایک عام ہل دوڑا دی اور انھوں نے اسے دھکی دی کہ اگر اس نے اپنی "آخر اپر داری" جاری رکھی تو وہ اسے گولی مار دیں گے۔ انگریزی حکام کو جوان کی وجہ سے امن و امان کا خطرے میں نظر آیا اور انھوں نے بھی اس مبلغ سے درخواست کی کہ وہ یا تو اپنے مباحثے بند کر دے یا اس علاقے سے چلا جائے۔ جوان چاہے جتنا مستقل مزاج بھی لیکن اپنی مخالفت کے طوفان کو وہ بھی برداشت نہ کر سکا لیکن چونکہ وہ تبلیغ کرنے سے باز نہ رہ سکتا تھا اس لئے اس نے خاموشی پر یہ علاقہ چھوڑ جانے کو ترجیح دی۔ لیکن سوال صرف یہ تھا کہ وہ جائے کہاں۔ جوان ڈیو کووٹے میں خاصی دولت ملی تھی اور وہ واپس انگلستان جاسکتا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں تو نہ آئی البتہ اس کی بیوی نے یہ تجویز کی کہ وہ لوگ انگلستان لوٹ چلیں اور وہاں پہنچ کر جوان اپنا سہارا کلیسا کے انگلستان اور عوام کے سامنے پیش کر دے۔ یہ مشورہ بے حد مناسب تھا اور جوان نیم رضا مند ہو بھی گیا تھا لیکن وہ رات بھر اپنی بیوی کی امنی تجویز پر غور کرتا رہا اور دعائیں مانگتا رہا اور صبح اٹھتے ہی اس نے اپنی بیوی کی یہ تجویز رد کر دی اور کہا کہ یہ شیطان ہے جو بیوی کے ذریعہ اسے بہکا رہا ہے جس طرح اماں تو ا کے ذریعہ اس نے حضرت آدم کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا تھا۔

اس نے کہا کہ وہ کیا منہ لے کر انگلستان جائے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ بڑے جوش و خروش سے اور شہادت کی آرزو لے کر گیا تھا لیکن ناکام و نامراد۔ واپس آگیا۔ اس نے کہا کہ وہ یہ ذلت برداشت نہ کر سکے گا۔ وہ نہ بھرف انسانوں بلکہ خدا کے نزدیک بھی ذلیل و خوار ہوگا۔ اس نے کہا کہ اس کی بیوی اگر

چاہے توڑ پھیل اور نوزائیدہ بچے کو لے کر (اس بچے سے پہلے مسٹر ڈیو کی پلو بچیاں پیدا ہو کر مر گئی تھیں) انگلستان چلی جائے البتہ وہ خود افریقہ میں ہی رہے گا اور اپنا فرض انجام دیتا رہے گا۔ جوہان کی ملاقات چند انگریزوں سے ہوئی تھی جن سے اس نے ایک مقام ناٹال کے متعلق سنا تھا جہاں انگریز آباد ہونے لگے تھے۔ اس جگہ۔ یعنی ناٹال میں۔ معلوم ہوا کہ بردہ فروش بھی نہ تھے اور کافروں کو غلام بنانے والے بوئیر بھی نہ تھے اور وہاں کے باشندوں کی "روشنی" اور "سیدھا راستہ" دہتانے والے کی سخت ضرورت تھی۔ خصوصاً اس قبیلے کے جس کا نام زولوٹھا، بادشاہ کی راہبری کرنا ضروری تھا۔ اسے بتایا گیا کہ اس بادشاہ کا نام شاہ کا یا ڈنگان (اسے یاد نہ رہا کہ یہ کون سا بادشاہ تھا) تھا اور یہ بادشاہ اپنے کفر میں حد سے بڑھ گیا تھا اور سخت ظالم تھا۔ اس غضبناک اور ظالم بادشاہ کو عیسائی مہمانوں کی جوہان کو بڑی آرزو تھی۔ چونکہ وہاں بوئیر نہ تھے اس لئے اسے یقین تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔

مسٹر ڈیو اپنے شوہر کے اس ارادے کے متعلق اس کی تقریر سننے اور روتی رہی کیونکہ اب شہادت کا وہ تاج بہت قریب نظر آ رہا تھا جس کی آرزو میں جوہان مڑا جا رہا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ مسٹر ڈیو کو اس تاج سے خون ٹپکتا بھی نظر آ رہا تھا۔ اس کے علاوہ مسٹر ڈیو کو یقین تھا کہ کافروں کو عیسائی بنانا ممکن نہیں۔ کم از کم فی الحال ممکن نہیں۔ کافر جنگجو لوگ تھے اور وہ جانتی تھی کہ جنگجو قبائل کی فطرت بدنما قریب قریب ناممکن ہے جس طرح کہ ایک عادی شرابی کی سب سے بڑھی کمزوری شراب ہوتی ہے اسی طرح ان قبائل کی سب سے بڑھی کمزوری جنگ و جدل تھی۔ شرابی شراب نہیں چھوڑ سکتا اور جنگجو قبائل جنگ سے باز نہیں رہ سکتے۔ رہی ان کی یہ عادت کہ وہ بہت سی بیویاں کرتے تھے۔ اور

جوان الہ کے اس رواج کا سخت مخالفت تھا۔ تو ان کا یہ رواج ملک ماعول کے مطابق و مناسب تھا۔ یہ سب باتیں مسز دیو جانتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ اس سفر میں اس کا نوزائیدہ بچہ بھی اللہ کو پیارا ہو جائے گا۔ اس کے باوجود اس نے اپنے شوہر کو اکیلا چھوڑ کر انگلستان لوٹ جانے سے انکار کر دیا جس طرح کہ گیارہ برس پہلے اس نے انگلستان میں رہنے اور اپنے شوہر کو اکیلا ہی افریقہ کی طرف جانے دینے سے انکار کر دیا تھا۔

بے شک مسز دیو نے محبت کی بنا پر یہ آخری فیصلہ کیا تھا کیونکہ وہ بڑی وفادار اور محبت کرنے والی بیوی تھی۔ لیکن چند دوسری وجوہات بھی تھیں جن کی بنا پر اس نے انگلستان لوٹ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ تقنا و قدر پر یقین رکھتی تھی اور سب سے بالائی یہ کہ وہ تھک چکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ لوگ اپنی موت کی طرف جارہے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ موت کو آنا ہے تو آجائے۔ مسز دیو نے موت سے ڈرتی تھی اور نہ اپنی عاقبت سے۔ بہت ممکن تھا کہ اسے دوسری دنیا میں سکون اور چین مل جائے اور اگر یہ نہ ہوا تب بھی یہ تو ہوشیار کہ اسے دنیا کے پھیلوں سے نجات مل جائے گی اور وہ سکون کی نیند سوسکے گی۔ اور اسے سکون اور نیند کی سخت ضرورت تھی۔ پھر یہ سکون بڑا سکون اور نیند موت کی ہی نیند کیوں نہ ہو۔ وہی ریکل تو اس کے متعلق، مسز دیو کو یقین تھا کہ وہ زندہ رہے گی اور اپنی عمر بوری کرے گی۔ مسز دیو کو یہ بھی یقین تھا کہ ریکل کو ان وحشتناک جنگلوں میں بھی سکون مل جائے گا چنانچہ وہ ریکل کی طرف سے مطمئن اور بے فکر تھی۔ چنانچہ یوں ہوا کہ اس نے انگلستان لوٹ جانے سے انکار کر دیا اور کوئی بیسیویں دفعہ پھر سامان سفر درست کرنے لگی اور وہ نہ جانتی تھی کہ ان کی منزل کہاں ہے۔

گرم اور دھندلاؤد سہ پہر میں بیٹھی ہوئی ریکل انہی باتوں پر غور کر رہی ہے۔
 بے شک وہ ایسی پوری سرگزشت سے پوری طرح واقف نہ تھی لیکن یہ باتیں اسے
 کسی نہ کسی اور رفتہ رفتہ ادھر ادھر سے معلوم ہو گئی تھیں اور چونکہ وہ زیرک اور
 ہوشیار تھی اس لئے دوسری باتوں کے متعلق اندازہ لگا کر جہاں جہاں ضرورت
 تھی وہاں اس نے خانہ پرسی کر لی تھی۔ ریکل کا کوئی دوست اور کوئی ساتھی نہ تھا
 چنانچہ سوچنے اور غور کرنے کے لئے اسے کافی وقت مل جاتا تھا۔ اسے اپنے باپ
 سے ہمدردی تھی اور اس کے خیالات اور کوششوں سے ہمدردی تھی کیونکہ اسے
 احساس تھا کہ اس کا باپ ایک شخص ہے اور اس کے خیالات نہ صرف بڑے
 شریفانہ ہیں بلکہ ان میں بڑی وسعت بھی ہے۔ لیکن دماغی اور جسمانی طور پر وہ
 سراسر اپنی ماں کی بیٹی تھی۔ اس کے چہرے کے نقوش ہو، ہو اس کی ماں کے ہی
 تھے۔ حسین اور پرکشش۔ آنکھیں باپ کی تھیں جو بھوری تھیں اور قد بھی باپ کا
 کہ لانا تھا۔ البتہ باپ کی امتیازی خصوصیات میں سے اسے صرف ہونقل مزاجی
 اور دلیری ورثے میں ملی تھی اور بس۔ رہی دوسری باتیں تو اسے غیب میں ہی کا خاندانی
 عطیہ ورثے میں ملا تھا۔ کسی اندرونی جذبے اور غالباً چھٹی جس کے ذریعہ وہ اپنی
 ماں کی طرح، ہونے والے واقعات کے متعلق بہت پہلے سے معلوم کر لیتی تھی۔ اپنی
 اس پیش بینی کا خود ریکل کو بھی احساس تھا اور وہ اپنی ماں کی طرح بڑی ہی وفاساً
 بھی تھی۔

ریکل خوش نہ تھی۔ کچھ یہ بات نہ تھی کہ سفر کی صوبتیں، راستے کی مشکلات
 اور استوائی خطے کی جھاڑا لے والی گرمی اس کے اعصاب و جذبات پر ایسا انداز ہوئی
 ہو۔ جی کہیں۔ ان باتوں کی تو وہ عادی تھی۔ البتہ اسے اس بچے سے بڑی محبت
 تھی جو اس دنیا میں نہ رہا تھا۔ ریکل کو یقین تھا کہ دوسری دنیا میں وہ اپنے اس

بھائی کو ضرور دیکھ لے گی لیکن — وہ جانتی تھی — اس کے لئے اسے ابھی کافی سے زیادہ انتظار کرنا ہوگا۔ اسے اپنی ماں سے محبت تھی اور اس کی حالت پر ریحیل کو رحم آتا تھا خصوصاً اب جبکہ مسرودیو بیمار تھی۔ اس کے علاوہ ریحیل اپنی ماں جسے متفق تھی اور اس کا اسے بھی احساس تھا کہ اس کا یہ سفر سراسر بیکار اور احمقانہ تھا۔ اس کا باپ بقول کافروں کے افق پر چمکتے ہوئے ایک ستارے کی طرف بڑھا جا رہا تھا اور اگر وہ چلتے چلتے دنیا کے آخری سرے پر بھی پہنچ گیا تب بھی وہ ستارہ اتنے ہی فاصلے پر ہوگا جتنا کہ اب تھا۔

ریحیل تو وہ اپنے متعلق زیادہ نہ سوچتی تھی تاہم گراہم ٹاؤن میں اس نے تنہائی محسوس نہ کی تھی کیونکہ وہاں اس کے ساتھی دوسرے بچے تھے جو زیادہ تر ڈچ تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بڑے گنوار تھے تاہم وہ انسان اور سفید فام تھے۔ چنانچہ جب وہ ان بچوں کے ساتھ کھیل رہی ہوتی تو یہ بھول جاتی کہ وہ ان بچوں سے زیادہ عقلمند، ہوشیار اور مہذب تھی۔ مثلاً وہ عہد نامہ حقیق اور عہد نامہ جدید پڑھ رہی ہوتی تھی۔ یہ اس کے باپ نے اس کو سکھایا تھا۔ اس کے برخلاف اسی کے ساتھی "ٹال" یا بوئیر زبان میں رک رک کر سچے کر کے بڑی مشکل سے کوئی لفظ پڑھ پاتے تھے۔ اس کے علاوہ ان بچوں نے ولیم فارچ کا نام تک نہ سنا تھا۔ خیر ریحیل کو بھی ولیم فارچ یا یونانی زبان سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ تھی البتہ وہ دوستی اور دوستوں کی بھوک تھی۔ لیکن اب اس کا کوئی دوست اور ساتھی نہ تھا۔ افریقہ کے ان جنگلوں میں وہ اکیلی تھی۔ اگر اس کا کوئی ساتھی تھا تو اس کا باپ تھا جو دن بھر عاقبت کی باتیں کیا کرتا اور جنت کے خواب دیکھا کرتا تھا یا اس کی وہ ماں تھی جو خیالات کی دنیا میں لٹی تھی اور جسے اپنے اور اپنے شوہر کے سر پر موت سایہ فگن نظر آرہی تھی۔

چٹا نچر ریحل اکیلی اور اداس تھی۔

ریحل کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور ان آنسوؤں میں وہ سمندر ڈوب گیا جو دور پر نظر رہا تھا۔ ریحل نے اپنے ایک ہاتھ کی پشت سے، جس کی جلد کو افریقہ کے سورج نے جھلس دیا تھا، اپنی آنکھیں پوتھیں اور پھر ان دو عجیب کپڑوں کی طرف دیکھنے لگی جو جنوبی افریقہ میں "ہارٹینسٹوٹ دیوتا" کے نام سے مشہور تھے۔ یہ کپڑے آپس میں کسی بات پر بڑی خونخواری سے لڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو رگید رہے تھے۔ دفعۃً ریحل کی آنکھ سے ایک مٹاسا آنسو ایک کپڑے کے سر پر ٹپک پڑا۔ اس ایک آنسو نے اس کپڑے کو خوفزدہ کر دیا یا شاید اس نے سمجھ لیا کہ بارش ہونے لگی ہے۔ بہر حال وہ بھاگ کر قریب پڑے ہوئے خشک گھاس کے ایک ڈھیر میں چھپ گیا۔ اس کا حریف کپڑا بڑے فخر سے اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا اور فحش انداز سے ادھر ادھر دیکھنے لگا جیسے اس نے بزور بازو اپنے حریف کو بھگا دیا ہو۔

میں اسی وقت ریحل کو اپنے پیچھے پیروں کی چاپ سنانی دی۔ ایک بار پھر اس نے اپنے ہاتھ کی پشت سے، کیونکہ اس جنگل میں ہی ایک رومال دستیاب تھا، آنسو پونچھے اور گردن گھما کر دیکھا کہ اس کا باپ لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا آ رہا تھا۔

"روتی کیوں ہو ریحل؟" اس نے پوچھا "کیا اس لئے کہ تمہارا بھائی خدا کے پاس چلا گیا ہے؟ یہ گناہ ہے بیٹی۔"

"لعنہ ر کی موت پر یسوع مسیح بھی توروئے تھے حالانکہ لعنہ ر ان کا بھائی نہ تھا"

ریحل نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا اور پھر اس خیال سے کہ جو ہان کو جرمانہ معلوم ہو اس نے جلدی سے اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ میں دو ہارٹینسٹوٹ دیوتاؤں کو جنگ کرتے دیکھ رہی تھی۔

جو ہان دیو ریحل کی پہلی دلیل کا، جو کتاب مقدس سے تھی، کوئی جواب نہ دے

سکتا تھا چنانچہ اس نے اپنی بیٹی کی دوسری بات پھر لی۔

”تمہاری اس دلچسپی میں ظلم کا عنصر ہے“ جوہاں نے کہا ”نہ صرف اس لئے بھی کہ میں نے سنا ہے کہ لڑکے اور بڑے بھی ان بے زبان کیرٹوں کو لڑا تھے اور ان کی ہار جیت پر شرط بدلتے ہیں۔ یہ ظلم ہے۔“

”میں نہیں قدرت، ظالم ہے آبا۔ قدرت بڑی ظالم ہے“ اور اس نے اپنے بھائی کی ننھی سی قبر کی طرف دیکھا۔

اس دفعہ بھی جوہان کوئی جواب نہ دے سکا چنانچہ رچل نے پوچھا:

”اماں اب اچھی ہیں؟“

”نہیں۔“ جوہان نے جواب دیا ”بلکہ ان کی طبیعت اب کچھ زیادہ ہی

بگڑ گئی ہے۔ وہ شدت جذبات سے بے قابو رہی ہیں اور ہر بات اور ہر چیز کو صحیح روشنی میں دیکھ نہیں سکتیں۔“

رچل مٹھی اور اپنے والد کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔

”آبا! آپ انھیں واپس کیوں نہیں لے جاتے؟ وہ سفر کے قابل نہیں ہیں

اور ان جنگلوں میں آپ انھیں گھسیٹ رہے تو یہ — — آپ کی

زیادتی ہے۔“

رچل کے منہ سے یہ الفاظ سن کر جوہان کو غصہ آگیا اور وہ اپنی بیٹی کو سرزنش

کرنے لگا اور پھر اس نے ”خدا کی پکار“ پر بیٹک نہ کہنے کے گناہ پر ایک تقریر

جھاڑ دی۔

اس دفعہ پھر اسے رچل کی اس بات کا کوئی جواب نہ ملا چنانچہ وہ بڑے غصہ

کے عالم میں کہنے لگا کہ ماں بیٹی نے اس کے خلاف سازش کر رکھی ہے اور یہ کہ شیطان

ان دونوں کو اپنا آلہ کار بنارہا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ دونوں، یعنی اس کی بیوی

اور بیٹی، اسے اس بینک اور رہائی کا کام سے روک دیں۔

ریچل خاموش کھڑی اپنے باپ کو غصے میں چیختے چلاتے دیکھتی اور سنتی رہی یہاں تک کہ جو ہنس کا غصہ کافی باک جھک کے بود فرد ہو گیا

”اس وقت ہم سب کچھ زیادہ پریشان ہو گئے ہیں“ جوہان نے اپنے تیلے ہاتھ سے اپنا بلند ماتھا گڑتے ہوئے کہا ”میں سمجھتا ہوں کہ سخت لڑنی اور خدا کی طرف سے ہماری — اس — اس — کیا کہتے ہیں؟ — آزمائش نے ہمیں گھبرا دیا ہے۔ خدا ہمیں اور ہمارے ایمان کو آزار دہا ہے اور — میں یہاں کیوں آیا تھا۔ اس وقت؟ — ہاں۔ یاد آیا — تمہاری ماں کچھ بھی کھا نہیں رہی ہے بلکہ کھل طلب کر رہی ہیں۔ اب یہاں پھل کہاں ملیں گے؟ تم جانتی ہو کہ کھل کہاں سے حاصل کئے جاسکتے ہیں؟“

”ان جنگلوں میں پھل نہیں آگتے آبا“ ریچل نے کہا لیکن پھر دفعۃً اس کا چہرہ دمک اٹھا ”ٹھیک ہے۔ اب یاد آیا ہے مجھے۔ جس دن ہم نے یہاں پڑاؤ ڈالا تھا تو اسی دن میں اماں کے ساتھ دریا پر گئی تھی اور ہم دریا کا خشک پٹ عبور کر کے اس جزیرے پر پہنچ گئے جو دریا کے عین زرخ میں ہے۔ وہاں چند پھول آگ رہے تھے نم زمین میں اور ہم یہی پھول توڑنے گئے تھے۔“

”میں پھلوں کے متعلق پوچھتا ہوں اور تم پھلوں کے متعلق بتا رہا ہو۔“

”آپ سنئے تو۔ اس جزیرے پر بہت سی گوز بری آگ رہی تھیں اور کچی نہیں بلکہ پوری طرح پکی ہوئی بھی تھیں۔“

”تو پھر جاؤ اور چند توڑ لاؤ۔ شام ہونے میں ابھی کافی دیر ہے چنانچہ ابھی اترنے

سے پہلے ”یقیناً واپس آ جاؤ گی“۔

ریچل پلٹ کر چل دی لیکن چند قدم چلنے کے بعد ٹھہر گئی۔

”ابا!“۔

”کیا ہے مٹی؟“۔

”اماں نے مجھے دریا کی طرف جانے کی۔ اکیلے جانے کی ممانعت

کر دی ہے۔“۔

”و کیوں؟“۔

”اس لئے کہ وہاں کچڑ میں ہیں شیروں اور گھڑیاؤں کے پیروں کے نشانات

نظر آئے تھے۔“۔

”اگر وہاں شیر اور گھڑیاں ہوئے بھی تو خدا تمہیں ان سے محفوظ رکھے گا“۔

جوان نے بڑے استقلال سے جواب دیا۔ کیونکہ خدا کی ذات میں اپنا زبردست

یقین ثابت کرنے کا اس سے بہتر موقع اسے اور کب مل سکتا تھا؟ ”تم ڈر تو

نہیں رہی ہو۔“۔

”و نہیں ابا۔ میں ڈرتی نہیں ہوں۔ شاید اس لئے کہ مجھے اپنی اور اپنی زندگی

کی پروا نہیں ہے۔ میں ٹوکری لے کر ابھی جاتی ہوں۔“۔

ایک منٹ بعد ہی وہ ٹوکری ہاتھ میں لٹکائے دریا کی طرف جا رہی تھی

اور وہ اس وسیع و عریض ویرانے میں بہت چھوٹی سی اور اکیلی معلوم ہوتی

تھی۔ جو بان خاموش کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا اور پھر یکایک ایک عجیب

طرح کی برجینی نے اس پر غلبہ حاصل کر لیا اور اس کے دل میں ایک آواز نے

کہا کہ اس نے منن تنہا ریچل کو دریا کی طرف بھیج کر بڑی حماقت کا ثبوت دیا تھا۔

”اس کی حفاظت کے لئے خدا اپنے فرشتے بھیج دے گا۔“ وہ آپ ہی آپ

بڑا بڑا کاش کہ میرا اعتقاد نچتہ ہوتا۔ میرا اعتقاد ابھی کمزور ہے اور غالباً
اسی وجہ سے میری راہ میں مشکلات حاصل ہو رہی ہیں اور غالباً اعتقاد کی اسی
ناپختگی کا سہارا لے کر شیطان مجھے بار بار درغلانے کی کوشش کرتا ہے۔ میرے
خیال میں مجھے بھی ریچل کے پیچھے پیچھے چل دینا چاہیے۔ اسے اکیلی بھجنا تو خطرناک۔
لیکن نہیں۔ جینی مجھے پکار رہی ہے۔ میں اسے اکیلی چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ خدا
ریچل کی حفاظت کرے گا۔ لیکن مجھے جینی کو نہیں بتانا ہے کہ ریچل دریا کی طرف
گئی ہے۔ ریچل بخیر و خوبی لوٹ آئے گی کیونکہ یہ طوفان آج رات تو پھٹ پڑنے والا
نہیں ہے۔ طوفان بادباراں شاید کل آئے گا۔

دوسرا باب

ایک لڑکا

وہ دریا — یہ دراصل روم توانہ کی ایک کافی بڑی شاخ تھی — جس کی طرف پھیل جا رہی تھی بظاہر بہت قریب نظر آتا تھا لیکن حقیقت میں وہ کافی دور تھا — ان کے پٹہ اڈے سے کم سے کم ڈیڑھ میل کے فاصلے پر —

ریچل نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتی اور یہ اس نے غلط نہ کہا تھا کیونکہ دیری اور بے خوفی اس لڑکی کی امتیازی خصوصیت تھی۔ ریچل کو یاد تھا کہ وہ کبھی کسی چیز سے خائف نہ ہوئی تھی البتہ کبھی کبھی وہ اپنے باپ سے خوفزدہ ہو جاتی تھی خصوصاً اس وقت جب وہ ریچل کے کسی ”مصوم گناہ“ سے غضبناک ہو کر اسے عاقبت کے عذاب سے ڈرانے لگتا لیکن اس وقت بھی ریچل کا خوف دیر پا ثابت نہ ہوتا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کا باپ عاقبت کے سلسلے میں یقیناً مبالغے سے کام لے رہا تھا۔ چنانچہ یوں ہوا کہ اس وقت بھی ریچل بڑی بے خوفی سے دریا کی طرف جا رہی تھی حالانکہ اس وقت اور اس جگہ اسے جلی اور فطری طور پر خوفزدہ ہونا چاہئے تھا۔

یہ جگہ اور یہ جنگل بالکل ہی غیر آباد تھا۔ دور دور تک کسی انسان کا پتہ نہ تھا اس کے علاوہ چاروں طرف گہری خاموشی طاری تھی اور دور سلسلہ کوہ پوچار بار بجلی یوں چمک رہی تھی جیسے غیر ارادی عفریت اپنی آتش زبانیں پھینکا رہے ہوں ہوا بند تھی۔ کسی درخت کا ایک پتہ تک نہ ہل رہا تھا کسی جھاری میں کوئی

کیڑا تک نہ سرسرا رہا تھا کسی پتھر کے نیچے دبکا ہوا کوئی جھینگر تک نہ بول رہا تھا اور فضا اس گہری خاموشی سے جیسے بوجھل ہو رہی تھی۔ ہر جاندار — ننھے سے کیڑے سے لے کر بڑے سے بڑے ہاتھی تک — کہیں چھپ گئے تھے اور اور اس وقت تک اپنی پناہ گاہ سے باہر نہ آنے والے تھے جب تک کہ طوفان بار بار ایں اپنا زور آزمائے کر گزر نہیں جاتا۔

دریا کی طرف جاتی ہوئی ریکل نے ماحول اور اپنے آپ میں ایک عجیب اور ناقابل فہم تبدیلی محسوس کی۔ یہ تبدیلی اپنے رگ وریشے میں اپنے خون میں اور اپنے خیالات میں محسوس کر رہی تھی۔ اس کے دماغ کے درپے یکایک کھل گئے تھے اور اس کی روح جیسے ان دریچوں سے جھانکنے لگی تھی۔ وہ ایک نئے وجود اور اثر کو اپنی زندگی کے قریب آتے محسوس کر رہی تھی اس کی نسائیت دفعۃً انگڑائی لے کر بیدار ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر بلوغت کی دمک اور تازگی پھول کی طرح کھل اٹھی اور اس پر ناگہاں یہ انکشاف ہوا کہ اب وہ بچی نہ رہی تھی بلکہ جوان ہو چکی تھی۔ اور ایک عجیب جذبہ اس کے دل میں موجزن تھا۔

اور اب جیسے وہ ایک خواب کے عالم میں دریا کے ڈھلوان کنارے پر سے اتر رہی تھی۔ یہ کنارہ سنگلاخ اور یہ ڈھلان تقریباً عمودی تھا۔ وہ دریا کے پٹ میں اتر گئی۔ بارشوں میں یہاں بڑے زور و شور سے پانی بہا کرتا ہو گا لیکن اس وقت یہ دریا تقریباً خشک تھا اور اس کے ریتیلے پٹ میں یہاں وہاں بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے اور خاردار جھاڑیاں آگ رہی تھیں اور جگہ جگہ گڑھے بھی تھے جن میں پانی بھرا ہوا تھا اور یہ پانی آسمان پر گوندتی ہوئی بجلی کے لئے آئینے کا کام دیر ہا تھا۔ سامنے وہ جزیرہ تھا جس پر گوزبرنی کی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ یہ جزیرہ دراصل دریا کے زچ

میں زمین کا ایک اُبھار تھا جو سطح دریا سے کچھ زیادہ بلند نہ تھا اور صرف پانچ فٹ لمبا تھا۔ اس جزیرے کے عین بیچ میں چٹانیں تھیں، چٹانوں میں درخت اُگے ہوئے تھے اور ایک درخت دوسرے تمام درختوں سے بلند تھا۔ اس جزیرہ کے پیچھے اصل دریا تھا اور یہ دریا اس خشک موسم کے اواخر میں بھی خاصا چوڑا تھا۔ تقریباً ایک سو گز چوڑا۔ اور خشک بھی نہ تھا۔ اس میں پانی بہہ رہا تھا لیکن زیادہ گہرا نہ تھا۔ یعنی اسے چھکڑے میں بیٹھ کر عبور کیا جاسکتا تھا۔

دور نظر آتے ہوئے سلسلہ کوہ پر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ یہ بارش پیچھے چوبیس گھنٹوں سے مسلسل ہو رہی تھی اور ایسی تندہی سے۔ اور اس علاقے پر بھی، جہاں ریچل تھی، بادل منڈلا رہے تھے جو دم بدم زیادہ سے زیادہ گاڑھے اور غلیظ ہوتے جا رہے تھے اور ان میں بھرے ہوئے پانی سے بوجھل ہو کر جیسے زمین کی طرف جھکے آ رہے تھے۔ فضا کی گھٹن زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔ ریچل خشک پٹ عبور کر کے جزیرے پر آ گئی۔ یہاں کئی چھوٹے چھوٹے جزائر تھے جنہیں کیچڑاؤ دیا پانی کی نالیاں سی ایک دوسرے سے جدا کر رہی تھیں۔ ریچل جس جزیرے پر پہنچی تھی وہ ان تمام جزیروں سے زیادہ بڑا اور زیادہ بلند تھا اور اسی پر وہ پھیل گئے ہوئے تھے جنہیں توڑنے دے آئی تھی۔ ریچل بڑی احتیاط سے پکی پکی گوز بری توڑ کر ٹوکری میں ڈالنے لگی۔

ریچل ابھی چل توڑنے میں مصروف ہی تھی کہ فضا ہولے ہولے کرا بنے لگی۔ بند ہوا ایک دم سے کھل گئی اور پھر ترن بستیہ ہوا کے جھونکے آئے اور اس کا زور بڑھنے لگا۔ آثار اچھے نہ تھے اس کے باوجود ریچل پھل توڑنے میں مصروف رہی۔ آسمان جیسے بڑبڑانے اور غرغرائے لگا۔ یہ بادل تھے جو آہستہ آہستہ گرج رہے تھے اور پھر۔ ٹپا ٹپا۔ پانی کی موٹی موٹی بوندیں ٹپکے لگیں۔ اب وہاں ٹھہرا خطرے

سے خالی نہ تھا۔ ریل پھل توڑتے توڑتے جزیرے کے دوسری طرف نکل گئی تھی اور دریا کے خشک پٹ تک پہنچنے کے لئے اسے پورا جزیرہ عبور کرنا تھا۔

ابھی صبح دوسری طرف پہنچی بھی نہ تھی کہ طوفان و فتنہ پھٹ پڑا۔ ہوا کا تیز جھکڑ میدان کی طرف سے آیا اور جزیرے پر کی جھاڑیوں اور درختوں کو جھنجھوڑتا ہوا سمندر کی طرف نکلا چلا گیا۔ چند منٹ تک ایسی گہری خاموشی طاری رہی کہ ریل بمشکل آگے بڑھ سکی اور پھر دفعۃً روشنی ہو گئی۔ خوفناک روشنی ایسا معلوم ہوا جیسے آسمان میں آگ لگ گئی ہو اور اس آگ کی چمک زمین پر بھی اتر آئی اور حد نظر تک کا منظر سرخ و سفید روشنی میں نہا گیا۔ ریل ٹھوکر میں کھاتی گرتی پڑتی اور اپنے پھولے ہوئے سانس کو قابو میں کرنے کی کوشش کرتی آخر کار جزیرے کے اس کنارے پر پہنچ گئی جہاں سے اسے دریا کے خشک پٹ میں ہوئیں گز چوڑا ہوگا اترنا تھا۔ وہ دریا میں اترنے ہی والی تھی کہ اس نے ایک آواز سنی۔ گھٹا گھٹاتی ہوئی گرج کی آواز جو اتنی زوردار اور ایسی بلند تھی کہ طوفان کے شور سے بالا سنائی دیتی تھی۔ اس آواز کے سننے کے ساتھ ہی ساتھ اس نے کچھ دیکھا بھی۔ بار بار بجلی چمک رہی تھی اور اس کی روشنی میں وہ دیکھ رہی تھی، صاف طور سے دیکھ رہی تھی کہ دریا کے دوسرے کنارے پر ایک سفید فام لڑکا کھڑا ہوا تھا۔ وہ تیج تیج کر ریل سے کچھ کہہ رہا تھا۔ طوفان کے شور اور گھٹنی گرج کی وجہ سے اس کی آواز ریل تک ظاہر ہے کہ نہ پہنچ رہی تھی لیکن جب بھی بجلی چمکتی ریل کو اس سفید فام لڑکے کے ہومٹ ہلتے ہوئے نظر آ جاتے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کچھ اشارے بھی کر رہا تھا صاف ظاہر تھا کہ وہ کسی طرف سے سفر کرتا ہوا وہاں آ گیا تھا کیونکہ اس کا گھوڑا قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ ریل یہ سوچتی ہوئی کہ یہ سفید فام لڑکا اس طرف کہاں سے آ گیا، دریا کے پٹ میں اتر پڑی۔ لیکن ادھیرا اتنا گاڑھا تھا کہ چلنا مشکل ہو رہا تھا۔

چنانچہ بجلی چمکتی تو ریحیل تیزی سے آگے بڑھ جاتی اور بجلی غائب ہو جاتی تو وہ بھی رک جاتی۔ اس طرح بجلی کی روشنی میں وہ دو دفعہ تیزی سے آگے اور اس اجنبی لڑکے کی طرف بڑھی تھی کہ اس نے دیکھا کہ وہ اجنبی لڑکا اب دیوانوں کی طرح ہاتھ ہلاتا رہا تھا اور پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر تیج رہا تھا۔ ریحیل نے اس کے اشارے اب سمجھ لئے۔ لڑکا اسے آگے بڑھنے سے روک رہا تھا چنانچہ ریحیل کے قدم خود بخود رک گئے اور وہ سوچنے لگی کہ لڑکا اسے آگے بڑھنے سے کیوں منع کر رہا تھا؟

۱۔ امد دوسرے ہی لمحے اسے اس سوال کا جواب مل گیا۔

دریا کے بہاؤ کی طرف کوئی سوگزدور دریا ایک موڑ مڑ گیا تھا۔ اور دفعۃً اس موڑ پر ایک چادر آب نمودار ہوئی جس کی چوٹی کف آلود تھی۔ یہ چادر آب تناور درختوں اور بہت سے جنگلی جانوروں کی لاشوں کو اپنے ساتھ گھسیٹتی، خوفناک تیزی سے ریحیل کی طرف لڑھکتی چلی آرہی تھی۔ سیلاب نے زبردست سیلاب ریحیل کی طرف بڑھا چلا آرہا تھا۔ سلسلہ کوہ پر بارش ہوتی رہی تھی اور اسی طرف سے یہ سیلاب آیا تھا۔ ریحیل گہرا کر آگے کی طرف بھاگی لیکن چند قدم کے بعد ہی اسے معلوم ہو گیا کہ وہ دوسرے کنارے تک کسی صورت نہ پہنچ پائے گی۔ چنانچہ وہ جہاں تھی وہیں وحشت زدہ سی کھڑی رہ گئی کیونکہ عناصر کے تصادم کی خوفناک گرج اور بڑھتے ہوئے سیلاب کے مہیب شور نے اس کے حواس گم کر دیئے تھے۔ ریحیل کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ کیا کرے اور وہ سیلاب اسے اپنی آغوش میں لینے کے اور اسے اپنے ساتھ گھسیٹ لے جانے کے لئے بڑی برق رفتاری سے بڑھا چلا آ رہا تھا۔

یکایک بجلی بڑے زور سے چمکی۔ اور اس کی روشنی میں ریحیل نے دیکھا کہ وہ اجنبی لڑکا تیزی سے ریحیل کی طرف بھاگتا آرہا تھا۔ دفعۃً بجلی ایک

کڑا کے کے ساتھ تڑپ کر گری۔ لڑکے سے صرف تیس قدم دور ایک بڑا سا
 پتھر بجلی کے آتش کوڑے کی تاب نہ لا کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور خود لڑکا بھی لڑکھڑا
 گیا۔ لیکن وہ جلد ہی سنبھل کر پھر بھاگا آ رہا تھا اور اب وہ بہت قریب پہنچ
 چکا تھا لیکن چادر آب ریحل کے اور بھی قریب دھنس آئی تھی۔ سیلاب ایک
 لڑھکتے ہوئے پہاڑ کی طرح گھڑ گھڑاتا ہوا لڑھکا چلا آ رہا تھا۔ اس آبی
 پہاڑ کی کئی اونچی اونچی چوٹیاں تھیں اور ہر چوٹی کف آلود تھی۔ اور سب سے
 اگلی چوٹی پر ایک مردہ بھینسا نظر آ رہا تھا۔ لڑھکتی ہوئی موج اسے گھسیٹتی لاری
 تھی اور اسے یوں اوپر نیچے جھلار ہی تھی کہ معلوم ہوتا تھا جیسے یہ مردہ بھینسا
 حملہ کرنے کے لئے بھاگا آ رہا ہو۔ یہ بھینسا ریحل کے پہلو کے عین سامنے تھا
 اور ریحل کو شدت سے احساس ہوا کہ چند منٹ بعد ہی وہ بڑے بڑے سینگوں
 کی طرح کھا کر چکی ہوگی۔

لیکن دوسرے ہی لمحے ایک مردانہ سفید بازو اس کی کمر گرفت میں لئے
 اس جزیرے کی طرف گھسیٹ رہا تھا۔ چادر آب کی بیرونی تہ ریحل سے ٹکرا
 گئی اور اس کے قدم تقریباً اکھڑ گئے۔ لیکن ریحل بہادر اور پھر تیلی تھی اس کے
 علاوہ اس مردانہ بازو کے لمس نے اس کی رگ وریشے میں برقی لہریں سی دوڑا
 دی تھیں اور اس کے گمشدہ حواس معجزانہ طور پر مجتمع ہو گئے تھے چنانچہ
 وہ سنبھل گئی اور پانی میں چلتی ہوئی تیزی سے جزیرے کی طرف بڑھی۔
 دوسری موج آئی اور ان کے گھٹنوں سے لپٹ گئی۔ جزیرہ کا کنارہ اب صرف
 پانچ گز دور رہ گیا تھا اور وہ جان لیوا سیلاب شاید دس گز دور تھا۔

”وہ ساتھ جئیں گے اور ساتھ ہی مر جائیں گے۔“ ایک آواز نے ریحل کے کان میں
 اور انگریز محاذبان میں کہا۔

ریچل نے اور اس اجنبی لڑکے نے ایک چھلانگ لگائی اور وہ جزیرے کے کنارے پر پڑے۔ وہ ڈھلان چڑھا رہے تھے کہ غصے سیلاب نے ان کی ٹانگیں پکڑ لیں۔ وہ انھیں پیچھے کی طرف گھسیٹے لگا۔ ایک موٹی ٹہنی ترچا رخ سے لڑکے کے کندھے پر لگی۔ وہاں سے اس کی قمیص پھٹ گئی، جلد بھی پھٹ گئی اور خون نکل آیا۔ اس ٹہنی سے لڑکے پر وار کر کے موج کا غصہ جیسے ذرا کم ہوا اور وہ آگے بہہ گئی۔ ٹہنی کی ضرب اتنی شدید تھی کہ لڑکا اسے برداشت نہ کر سکا اور لڑکھڑا کر اوندھے منہ گرنے ہی والا تھا کہ ریچل کے ہاتھوں نے اسے سنبھال لیا اور وہ دونوں ڈھان کنارے پر اوپر تک چڑھ گئے اور اب اس تباہ کن ہلکے یوں کہیں کہ جان لیوا سیلاب کی دسترس سے باہر تھے۔

اور یوں اس طوفانِ بادباراں نے اور اس سیلاب نے جو ریچل کو نگل جانے والا تھا، ریچل اور اس لڑکے کی ملاقات کرادی جس کا نام رچرڈ واریس تھا اور یوں رچرڈ واریس ہماری ہیروئن ریچل ویو کی زندگی میں آگیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ دونوں قریب قریب بیٹھے چمکتی ہوئی بجلی کی روشنی میں ایک دوسرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ رچرڈ قبول صورت لڑکا تھا، عمر سترہ سال سے زیادہ نہ تھی البتہ عمر کی مناسبت سے اس کا قد ناٹا تھا، بدن گٹھا ہوا اور مضبوط، بال ریچل کے بالوں کی ہی طرح سنہرے آنکھیں ریچل کی آنکھوں کی طرح بھوری اور چہرے کے نقوش ریچل کی ہی طرح پُرکشش۔ اگر کوئی انجان شخص ان دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھتا تو انھیں بہن اور بھائی یقین کر لیتا۔

”کون ہو تم؟“ اس نے اپنا منہ چرڈ کے کان کے قریب لے جا کر اور چیخ کر پوچھا۔ ”اور یہاں کیوں آئے ہو؟“

”میرا نام رچرڈ واریٹ ہے“ اس نے بھی بچھ کر جواب دیا۔ ”اور یہ میں نہیں جانتا کہ یہاں کیوں آگیا۔ غالباً کوئی قوت محض تمہیں بچانے کے لئے مجھے اس طرف گھسیٹ لائی تھی۔ شاید کسی غیبی قوت نے مجھے اس طرف بھیج دیا ہے۔“

”بے شک کسی غیبی قوت نے ہی تمہیں یہاں بھیج دیا ہے۔“ رچل نے کہا۔ ”اگر تم نہ آجاتے تو میں اب تک مر چکی ہوتی۔ قابلِ فخر موت مر چکی ہوتی جیسا کہ میرے ابا کہتے ہیں۔“

”یہ تو میں نہیں جانتا کہ قابلِ فخر موت کیسے ہوتی ہے“ رچرڈ نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔ ”البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ اگر میں نہ آگیا ہوتا تو سیلاب اس وقت تمہیں سمندر کی طرف بہائے لئے جا رہا ہوتا اور تمہارے جسم میں ایک بھی ہڈی سلامت نہ ہوتی۔ کیا اسی کو کہتے ہیں قابلِ فخر موت؟“

”یہ تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ شاید تمہارے والد مبلغ نہیں ہیں۔“

”ہاں واقعی میرے والد مبلغ نہیں ہیں بلکہ وہ فوجی افسر ہیں، بحری فوج کے افسر بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ تھے کیونکہ اب وہ ایک شکاری اور تاجر ہیں اور ہم لوگ ناٹال سے آئے ہیں۔ لیکن تمہارا نام کیا ہے؟“

”رچل دیو۔“

”رچل دیو۔۔۔ دم۔۔۔ بے حد پیارا نام ہے۔۔۔ ہاں تو رچل دیو تم جلد ہی دھل دھلا کر پاک و صاف ہو جاؤ گی کیونکہ کوئی دم میں بڑے زوروں کی بارش ہونے والی ہے۔ یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں ہم پناہ لے سکیں۔“

”میں اتنی ہی پاک و صاف ہوں جتنے کہ غالباً تم۔“ رچل نے بڑی متانت

سے جواب دیا۔ ”البتہ صرف یہ ہے کہ سیلاب نے میرے لباس اور بدن پر ذرا

پکچر لگا دیا ہے اور بس۔ تم جا کر پناہ لے سکتے ہو۔ میں یہیں ٹھہرتی ہوں کہ بارش۔
مجھے پاک و صاف کر دے۔

”یا پھر سردی تمہارے اعضاء اکٹرا دے یا بجلی گر کر تمہیں راکھ کر دے۔
واہ! بڑا عمدہ فیصلہ کیا ہے تم نے۔ بات یہ ہے ریکل کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔
خدا کی قسم تمہیں ذرا بھی غلیظ نہیں سمجھتا۔ ہاں تو کوئی پناہ گاہ ہے یہاں ہے۔
ریکل نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا غصہ غائب ہو چکا تھا۔
”ہاں۔ ایک جگہ ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔“ ریکل نے کہا اور اپنا ایک ہاتھ
رچرڈ کی طرف بڑھا دیا۔

رچرڈ نے ریکل کا نرم و نازک ہاتھ پکڑ لیا اور وہ دونوں ایک دوسرے
کا ہاتھ پکڑے جزیرے کی بلند ترین چوٹی کی طرف چل دئے۔ یعنی اس
طرف جہاں درخت تھے۔ وہاں بہت سے پتھروں نے مل ملا کر ایک غار بنا دیا۔
تھا اور یہ وہی غار تھا جس میں، جب وہ یہاں آئے تھے ریکل اور اس کی ماں
سستائے کے لئے بیٹھ گئے تھے۔ جب وہ غار کی طرف بڑھ رہے تھے تو بجلی کڑک
کر ایک درخت پر گری۔ یہ درخت کافی مضبوط اور بلند تھا اور غار کی چھت پر
کھڑا ہوا تھا۔ درخت کے پرچے اڑ گئے۔ درخت کے قریب چھپا ہوا کوئی درندہ
گھبرا کر بھاگا اور ان دونوں کے قریب سے پھنکارتے ہوئے نکلا چلا گیا۔
”یہ تو کوئی محفوظ جگہ معلوم نہیں ہوتی“ رچرڈ نے چلتے چلتے رک کر کہا۔
”لیکن ٹھیک ہے۔ چلو۔ بجلی دوبارہ اسی جگہ نہ گرے گی۔“

”مناسب رہے ہو گا کہ تم اپنی بندوق یہیں رکھ دو کسی جگہ“ ریکل نے مشورہ دیا
کیونکہ اتنا آؤدھ بھی جانتی تھی کہ وہاں بجلی کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور رچرڈ کی بندوق
اس کے کندھے سے لٹک رہی تھی۔

”نہیں“ رچرڈ نے جواب دیا ”یہ بندوق بالکل نئی ہے اور دیرے اہل“

نے مجھے دی ہے اور میں اسے اپنے پاس ہی رکھوں گا۔“

اور جب وہ اوپر پہنچ کر غار میں داخل ہو ہی تھے کہ بارش ہونے لگی بڑے زوروں کی۔ غار کچھ ایسے رخ تھا کہ پانی ادھر ادھر بہ جاتا تھا اور اندر نہ پہنچ پاتا تھا۔ چنانچہ غار اندر سے خشک تھا۔ کبھی یہ جزیرہ پورا اکا پورا زیر آب رہا ہوگا چنانچہ غار میں بہت سا کوڑا کرکٹ پڑا ہوا تھا۔ رچرڈ اور رچل خشک پتوں اور ٹہنیوں کے اس انبار پر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں ہی سردی سے کانپ رہے تھے اور ان کے اوڑھنے کو ظاہر ہے کہ کچھ نہ تھا۔

”اگر یہاں الاؤ جل رہا ہوتا تو یہ غار ہمارے لئے بڑا آرام دہ بن جاتا“ رچل نے کہا۔ اس کے دانت نکل رہے تھے۔

رچرڈ چند ٹاہنیوں تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے وہ چھوٹا سا چرمی بیگ کھولا جو بندوق کی پٹی سے لٹکا رہا تھا اور اس میں سے تھوڑا سا سفوف، چھماق اور آتش گیر فیلہ نکالا۔ اس نے چھماق اور لوہے کی رگڑ سے چنگاریاں بھاڑیں اور آخر کار فیلے کو سلگانے میں کامیاب ہو گیا اور جب وہ خشک پتے اور ٹہنیاں جمع کر رہا تھا تو رچل فیلے پر پھونکیں مار رہی تھی۔ اس کے بعد کام آسان تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی غار کے دہانے میں ایک ننھا سا الاؤ جل رہا تھا اور اس کا دھواں غار میں بھرنے کے بجائے باہر نکل رہا تھا۔ اور اب وہ دونوں اپنے گیلے کپڑے سکھا سکتے اور اپنے سر و جسموں میں گرمی پہنچا سکتے اور جب ان کے جسم میں گرمی پہنچی تو ان کی بٹاشیت عود کر آئی اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے احساسات بھی ابھر آئے۔

”سخت بھوک لگ رہی ہے مجھے“ رچل نے کہا۔

خوابوں کے شکاری

۳۹

ایک بار پھر رچرڈ کسی سوچ میں پڑ گیا اور پھر وہ اپنے کوٹ کی جیبیں ٹیٹو لئے لگا اور آخر کار ایک جیب میں سے ایک لمبی اور موٹی بیرنگ نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔
یہ دھوپ میں سکھایا ہوا گوشت تھا۔

”بلٹا نگ کھا سکتی ہوں؟“ اس نے پوچھا۔

”کیوں نہیں کھا سکتی؟“ رچرڈ نے جواب دیا۔

”تو پھر یہ بیرنگ کھیں گا ٹینی ہوگی۔“ رچرڈ نے اسے بلٹا نگ اور چاقو دیتے ہوئے کہا۔ ”میرا ہاتھ ذرا درد کرنے لگا ہے۔“

”میرے خدا!“ رچرڈ نے جلدی سے کہا ”کس قدر خود غرض ہوں میں بھی۔ تو میں بھول ہی گئی تھی کہ تمہارے کندھے پر چوٹ آگئی ہے۔ لاؤ۔ میں لکھوں ذرا۔“

رچرڈ اپنا کوٹ اتار کر گھٹنوں کے بل جھک گیا اور رچرڈ نے کھڑے ہو کر دیکھا کہ اس کے کندھے سے ذرا نیچے بازو پر کی جلد پھٹ گئی تھی اور گوشت برا دھڑ گیا تھا۔ غار کے دہانے میں جلتے ہوئے الاؤ کی روشنی میں رچرڈ کے زخم کا معائنہ کیا تو وہ رچرڈ کو کچھ زیادہ ہی گہرا معلوم ہوا۔ قارئین! بھولے ہوں گے کہ رچرڈ کے پاس رومال نہ تھا۔ چنانچہ اس نے رچرڈ سے خود اس کا رومال طلب کیا، رومال لے کر غار کے دہانے پر گئی، اسے بارش کے پانی سے نکویا، واپس آکر رچرڈ کا زخم دھو لے اور زخم پر اسی رومال کی پٹی کس دی۔
”فکر کی کوئی بات نہیں۔“ رچرڈ نے کہا ”چند دنوں میں زخم مندمل ہو جائے گا۔ اب تم کوٹ پہن لو۔“

”واہ! بڑی ہوشیار ہو تم تو“ رچرڈ نے تعریفی نظروں سے رچرڈ کی طرف دیکھا ”زخم دھوتے اور مرہم پٹی کرتے تمہیں کس نے سکھایا؟“

”ابا کا فروں کے زخموں کی مرہم چٹی کیا کرتے ہیں اور میں ان کا ہاتھ بٹاتی

ہوں۔“ ریحل نے جواب دیا۔

وہ پھر غار کے دہانے میں پہنچی، برستے ہوئے پانی میں اپنے ہاتھ دھوئے اور پھر چاقو اٹھا کر بلٹا نگ یا سکھائے ہوئے گوشت کے قتلے کاٹنے لگی۔

اس نے اصرار کر کے پہلے چند قتلے رچرڈ کو کھلائے کیونکہ وہ دیکھ رہی تھی کہ خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ خود اس نے ایک دو ہی قتلے کھائے اور جب رچرڈ نے اصرار کیا تو وہ بولی تھوڑا سا گوشت بچا رکھنا مناسب ہوگا کیونکہ کہا نہیں جاسکتا کہ انھیں کب تک اس جزیرے پر ٹھہرنا پڑے گا۔ اور اب رچرڈ کو معلوم ہوا کہ اس کے حسین ساتھی نے پہلے اسے کیوں کھلایا تھا۔ اسے بڑا غصہ آیا۔ اپنے آپ پر بھی اور ریحل پر بھی لیکن ریحل نے ہنس کر کہا:-

”میں نے کافروں کو کہتے سنا ہے کہ عورتوں سے پہلے مردوں کو کھانا دینا چاہئے کیونکہ دنیا میں ان کی اہمیت زیادہ ہے۔ مرد عورتوں سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔“

”تمہارا مطلب ہے عورتوں سے زیادہ خود غرض ہوتے ہیں۔“ رچرڈ نے تصحیح کی۔

اور حیرت سے اس عقلمند لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جو اس کی ساتھی تھی اور جو اپنے حصے کا گوشت آہستہ آہستہ چبا رہی تھی غالباً یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اس کی بھوک کی تسکین ہو چکی ہے اور پھر وہ اصرار کرنے لگا کہ ریحل بقیہ گوشت بھی کھالے کیونکہ ————— اس نے کہا ————— وہ صبح کسی جانور کا شکار کرے گی۔

”تم شکاری ہو؟“ ریحل نے موضوع بدلنے کی غرض سے پوچھا۔

”اور نہیں تو کیا“۔ رچرڈ نے سسینہ پھلا کر جواب دیا ”میرا مطلب ہے ایک

حد تک شکاری ہوں“۔

”کس حد تک؟“۔

”اب تک میں نے ایک ہرن اور ایک ہاتھی کا شکار کیا ہے۔ شیر کا شکار اب تک نہیں کرسکا۔ دراصل میں ابھی ایک شیر کے پنجوں کے نشانات کے سہارے اس کا تعاقب ہی کر رہا تھا لیکن وہ پتھروں میں سے نکل کر یوں تیزی سے بھاگا کہ میں اس پر گولی نہ چلا سکا۔ میرا خیال ہے ریچل، وہ شیر تمہارا تعاقب کر رہا تھا“۔

”وہ شاید“۔ ریچل نے کہا ”اس علاقے میں شیر ہیں ضرور کیونکہ ہر رات میں انھیں دھاڑتے اور غراتے سنا کرتی ہوں“۔

”خیر تو میں اسی شرکاء تعاقب کرتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچ گیا تھا اور وہاں جرت سے کھڑا تھیں اس جزیرے پر بھاگتے دیکھ رہا تھا کہ میں نے سیلاب کا شور سنا اور دیکھا کہ سیلاب آ رہا تھا اور یہ بھی دیکھا کہ یہ سیلاب تمہیں بہا لے جائے گا اور پھر ————— پھر تم جانتی ہو کہ کیا ہوا۔“

”ہاں جانتی ہوں“۔ ریچل نے کہا اور اس کی آنکھوں میں تارے روشن ہو گئے۔ ”رچرڈ! میری جان بچانے کے لئے تم نے اپنی جان خطرے میں ڈال دی تھی“ اور پھر اس نے تقریباً سرگوشی میں اضافہ کیا ”چنانچہ میری جان اور میری زندگی اب تمہاری ہو“۔ رچرڈ نے ریچل کی طرف دیکھا۔

”آج صبح میں یہ آرزو کر چلا تھا کہ اپنی اس نئی بندوق سے ایک شیر مار لوں اور یہی میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو تھی اور آج رات ایک نئی آرزو نے میرے دل میں جنم لیا ہے۔ یعنی یہ آرزو کہ تمہیں اپنی بنا سکوں اور اب میری زندگی کی سب سے

”بڑی آرزو یہی ہے۔“

پھر ان دونوں کی نظریں چار ہوئیں حالانکہ اس وقت ریکل کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی تاہم اسے رچرڈ کی آنکھوں میں اسی چمک اور ایسا جذبہ نظر آیا کہ وہ اپنی نگاہیں جھکانے پر مجبور ہو گئی۔

”کہاں جا رہے ہو تم؟“ ریکل نے پوچھا۔

”واپس اپنے ابا کے فارم میں جو جراثیم رائیٹ مین واقع ہے میرے ابا کے

علاوہ وہاں تین دوسرے آدمی بھی وہاں رہتے ہیں۔ دو بوئیر اور ایک انگریز۔“

”اور میں ناٹمال جا رہی ہوں جہاں سے تم آرہے ہو“ ریکل نے جواب دیا۔ چنانچہ

آج رات کے بعد ہم پھر کبھی نہ مل سکیں گے حالانکہ میری زندگی اب تمہاری ہے۔

بشرطیکہ ہم یہاں سے زندہ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔“

عین اسی وقت طوفان، جس کا زور عارضی طور پر کم ہو گیا تھا، بڑے لرزہ خیز

زور و شور سے پھر کھٹ پڑا ساتھ ہی ہوا کے جھکڑ چلنے لگے اور بارش کا زور بھی بڑھ

گیا۔ بجلی مسلسل چمک رہی تھی اور کڑک اور گرج کی آوازیں ایسی مسلسل تھیں اور

اتنی زوردار تھیں کہ پورا جزیرہ بلکہ دھرتی لرزتی محسوس ہوتی تھی چنانچہ ظاہر ہے کہ

وہ دونوں ایک دوسرے کی آواز بھی نہ سن سکتے تھے اس لئے آپس میں باتیں کرنا

ممکن نہ رہا تھا۔ چنانچہ وہ بجموراً خاموش ہو رہے۔

رچرڈ اٹھ کر غار کے دہانے پر پہنچا اور جھانک کر باہر دیکھنے لگا۔ فوراً ہی اس

نے پلٹ کر ریکل کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔ وہ اٹھ کر رچرڈ کے قریب

جا کھڑی ہوئی۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں وہ کچھ نہ دیکھ سکی۔ چند ثانیوں بعد

ہی بجلی چمک اور اس کی روشنی میں ریکل کو بھی وہ نظر آ گیا جو رچرڈ کو نظر آیا تھا۔

تقریباً پورا جزیرہ ————— سوائے اس بلند مقام کے جس کے ایک غار

کے دہانے میں وہ دونوں کھڑے ہوئے تھے ————— زیر آب تھا۔ دریا خوفناک

حد تک بڑھا ہوا تھا اور کھن آلود پانی شور مچاتا ہوا سمندر کی طرف بہا چلا جا رہا تھا۔

”اگر پانی اور بڑھا تو ہم غرق ہو جائیں گے۔“ رچرڈ نے رچل کے کان میں چیخ کر کہا۔

رچل نے اثبات میں سر ہلایا اور بولی :-

”چلو ہم آخری دعا مانگ لیں۔“

”کیونکہ وہ“ قابل فخر موت“ جس کا ذکر جوہان کیا کرتا تھا اس وقت رچل کو قریب — بہت قریب نظر آرہی تھی۔

وہ رچرڈ کو غار میں گھسیٹ لائی اور دونوں بچے — کیونکہ وہ اب تک پوری طرح بالغ نہ ہوئے تھے — گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ ان کے ہونٹ ہل رہے تھے اور ہاتھ آسمان کی طرف، بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ غار کی چھت کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد کڑک اور گرج کی آوازیں مدھم پڑ گئیں۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کی آوازیں سن سکتے تھے۔

”کیا دعا مانگی تم نے؟“ رچرڈ نے پوچھا۔

”یہی کہ تم بچ جاؤ اور اماں میرے مرنے کا زیادہ غم نہ کریں“ رچل نے بڑی سادگی سے جواب دیا ”اور تم نے؟“

”میں نے؟ — یہی — کہ تم بچ جاؤ — میں نے اپنی ماں کے

لئے کچھ نہیں کہا کیونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اور اب تو سرے سے بھول ہی گیا۔“

”وہ دیکھو“ رچل نے غار کے دہانے کی طرف انگلی اٹھا کر جلدی سے کہا۔

رچرڈ نے غار کے دہانے کی طرف دیکھا اور وہاں جلتے ہوئے الاؤ کی زوردار روشنی میں اسے دو جگادری سائے سے نظر آئے۔ یہ سائے مھوڑے رنگ کے تھے جو غار کے دہانے کے سامنے ٹہل رہے تھے اور بار بار رک کر غار میں جھانکنے لگے تھے۔

”مشیر“ رچرڈ نے کہا اور اپنی بندوق اٹھالی۔

”گولی نہ چلانا مبادا تم انھیں غصہ دلا دو“ رچرڈ نے جلدی سے کہا ”غالباً یہ مشیر ہماری طرح غار میں پناہ لینا چاہتے ہیں لیکن یہ جلتا ہوا الاؤ انھیں غار میں داخل ہونے نہ دے گا“

رچرڈ نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر اسے یاد آیا کہ بندوق میں بھری ہوئی بارود گیلی ہو کر بیکار ہو چکی ہوگی۔ چنانچہ اس نے رچرڈ کی مدد سے سیلی ہوئی بارود بندوق میں سے نکالی اور وہ بارود، جو اس نے خشک ہونے کے لئے فرش پر پھیلا دی تھی، بندوق میں بھر لی۔ اس کام میں ان کے پانچ منٹ صرف ہو گئے۔ وہ دونوں اٹھے اور ایک بار پھر غار کے دہانے میں جا کھڑے ہوئے۔ رچرڈ کے ہاتھ میں بندوق تھی۔

وہ زبردست طوفان اب گزرنے یا ختم ہونے لگا تھا، بارش کا زور بھی کم ہو چلا تھا اور اب بجلی اب بھی چمک رہی تھی لیکن کمزور تھی، اور انہی بجلیوں کی کمزور اور تقریباً مہیب روشنی میں انھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا وہاں جزیرے کی چوٹی یا بلند ترین مقام پر دو مشیریوں ٹہل رہے تھے جیسے بنجرے میں بند ہوں ہو وہ بے حد نچی آواز میں غرا غرا کر بڑے بے چینی کے عالم میں چاروں طرف دیکھ رہے تھے اور یہ مشیر تنہا بھی نہ تھے بلکہ جزیرے پر رہنے والے دوسرے جانور بھی۔۔۔ ہرن، بارہ شگھے اور بک۔۔۔ سیلاب سے بچنے کے لئے جزیرے کے

نشیبی جھتے میں سے گویا ہجرت کر کے وہاں بلندی پر آ گئے تھے اور شیران چوپایوں پر حملہ کرنے کی کوشش کیے بغیر ان کے درمیان ٹھل رہے تھے اور یہ چوپائے بھی شیروں سے ذرا بھی خوفزدہ ہوئے بھی بغیر خاموش کھڑے تھے اور اپنی تھوکتھنیاں اٹھائے ہوئے سو گھ رہے تھے۔ یہ واقعی عجیب منظر تھا کہ شکار اور شکاری یکجا تھے۔ نہ تو شکاری شکار کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور نہ ہی شکار شکاری سے ڈر کر بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”تم نے ٹھیک ہی کہا تھا رچل“ رچرڈ نے کہا ”یہ جانور خوفزدہ ہیں چنانچہ ہمیں نقصان نہ پہنچائیں گے البتہ پانی اگر اور بڑھا اور یہ جانور پناہ لینے کے لئے غار میں گھس آئے ایک دم سے تو ہمیں اپنا بچاؤ کرنا ہوگا۔ آؤ۔ ہم الاؤ اور بھڑکا دیں۔“ چنانچہ انھوں نے الاؤ میں ڈھیروں خشک پتے اور ٹہنیاں جھونک دیں اور غار کے انتہائی سرے پر جا کر بیٹھ گئے اور منتظر رہے۔ لیکن جب بہت دیر تک شیروں اور دوسرے جانوروں نے غار میں گھسنے کی کوشش نہ کی تو ان دونوں کا خوف جاتا رہا اور اب وہ ایک دوسرے کو اپنی زندگی کے حالات سناتے ہوئے معلوم ہوا کہ رچرڈ وارین پچھلے پانچ برس سے افریقہ میں ہی تھا۔ اس کی والدہ کے انتقال کے بعد اس کا باپ ترک وطن کر کے افریقہ آ گیا تھا خصوصاً اس لئے کہ اس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ حکومت سے پنشن بے شک ملتی تھی لیکن اس کی تنخواہ سے نصف اور اس رقم میں بمشکل ان کی گذر میسر ہو سکتی تھی۔ چنانچہ رچرڈ کے والد کا خیال تھا بلکہ اسے امید تھی کہ نئے ملک میں وہ اپنی قسمت بنائے گا۔ جراث لائینٹ میں ایک فارم اس کے نام الاٹ کر دیا گیا لیکن ہر نو آباد کار کی طرح ابتدا میں اسے بھی نقصان برداشت کرنا اور نا کامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ چنانچہ وہ ہاتھیوں کا شکاری اور ہاتھی دانت کا تاجر بن گیا۔ یہ کام

اس نے ساجھے میں شروع کیا تھا اور اس وقت وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اور بڑے کامیاب شکار کے بعد ناٹال کے ساحلی علاقے کی طرف لوٹ رہا تھا یہ علاقہ ان دنوں بالکل ہی گمنام تھا اور کبھی کوئی سفید فام اس طرف نہ گیا تھا سوائے رچرڈ کے باپ اور اس کے ساتھیوں کے۔ اس دفعہ اس نے رچرڈ کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی تھی اور اس سفر سے لوٹنے کے بعد — رچرڈ نے بڑی اداس آواز میں کہا — اسے کیپ ٹاؤن کے ایک کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا جائے والا تھا کیونکہ رچرڈ کے والد کے پاس اب تک اتنی دولت نہ تھی کہ وہ رچرڈ کو اعلیٰ تعلیم دلوا سکتا۔ لیکن — رچرڈ نے کہا — وہ شکاری بننے کا ارادہ کر چکا تھا حالانکہ اس کا اٹھارہ سالہ اپنے والد کے سامنے نہ کیا تھا۔ بہر حال وہ شکاری بننا چاہتا تھا اور اپنے فارم کی طرف — اس نے کہا — وہ اسی وقت متوجہ ہو گا جب وہ شکار کرنے کے قابل نہ رہے گا جب وہ اپنی سرگزشت سنا چکا تو ریکل اپنی کہانی سنانے لگی اور رچرڈ بڑے غور اور توجہ سے سنتا رہا۔

”تو تمہارے ابا پاگل ہیں؟“ جب وہ خاموش ہوئی تو رچرڈ نے پوچھا۔
 ”نہیں۔ یہ تم نے کیسے کہہ دیا؟“ ریکل نے جواب دیا ”وہ بہت عمدہ اور بھولے آدمی ہیں۔“

”بات ایک ہی ہے۔ بھولے پاگل اور احمق میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوتا تو وہ تمہیں گوزبری لانے کے لئے یہاں تنہا نہ بھیج دیتے اور وہ بھی یہ دیکھتے ہوئے کہ طوفان کوئی دم میں آیا ہی چاہتا ہے۔“

”واہ! خود تمہارے ابا نے ایسے موسم میں خود تمہیں شیر کے شکار کو نہیں

بھج دیا؟“ ریچل نے کہا۔

”انہوں نے کہاں بھیجا ہے۔ میں خود ہی چلا آیا۔ میں ایک ہرن مارنے چلا تھا لیکن شیر کے پنجوں کے نشانات دیکھے تو اس کے پیچھے ہولیا۔ اب تک ہمارے چھکڑے کافی دور نکل گئے ہوں گے۔ خدا جانے میں کس طرح ان تک پہنچ سکوں گا اور یہ تو بہر حال حقیقت ہے کہ اگر میرے والد اور ان کے ساتھیوں نے مجھے تلاش کیا بھی تو ظاہر ہے کہ وہ مجھے یہاں تلاش کرنے نہ آئیں گے خصوصاً اس لئے کہ بارش نے میرے گھوڑوں کے سموں کے نشانات مٹا دیے ہوں گے۔“

”لیکن فرض کرو کہ کل تمہیں وہ نہ ملا۔۔۔ میرا مطلب ہے تمہارا گھوڑا۔ تو پھر تم کیا کر دو گے؟“ ریچل نے پوچھا۔

”ہمارے پاس تو کوئی گھوڑا ہے نہیں کہ تمہیں مسترد دے سکیں۔“
”تو پھر میں پیدل ہی اپنے ابا اور ان کے ساتھیوں تک پہنچنے کی کوشش کر دوں گا“ بچہ نے جواب دیا۔

”لیکن اگر ان تک نہ پہنچ پائے تو؟“

”تو پھر میں تمہارے پاس آ جاؤں گا کیونکہ اگر میں آگے بڑھا تو اس علاقے کے کافر تجھے قتل کر دیں گے۔“

”لیکن تمہارے ابا کیا خیال کریں گے؟ کیا حالت ہو جائے گی ان کی؟“

”وہ صرف یہ سوچیں گے کہ چلو ایک بیٹا کم ہو گیا۔ چند دنوں تک

میرا سوگ بنائیں گے اور بس۔ افریقہ میں بڑے خطرناک اور گھنے جنگلی ہیں جن میں شیروں کے علاوہ وحشی لوگ بھی بستے ہیں چنانچہ اکثر دفعہ ایسا ہوا کہ شکاری جنگلوں میں گئے، وہیں اور پھر غائب ہو گئے ہیں۔“

ریچل خاموش رہی۔ وہ اس موضوع پر اب زیادہ گفتگو کرنا نہ چاہتی تھی
 چنانچہ اس نے رچرڈ سے کہا کہ وہ جا کر دیکھ آئے کہ ان کے شیر کیا کر رہے تھے اس وقت
 رچرڈ اٹھ کر غار کے دہانے تک گیا، جھانک کر باہر دیکھا اور پھر یہ مژدہ سنایا کہ طوفان
 گزر چکا تھا، آسمان میں چاند روشن تھا اور یہ کہ اس کی روشنی میں شیر کہیں نظر
 نہ آ رہے تھے اور نہ ہی دوسرے جانور وہاں تھے۔ وہ شاید کہیں چلے گئے تھے۔ اس
 کے علاوہ اس نے کہا۔ دریا کا چڑھا ہوا پانی بھی اترنے لگا تھا۔ رچرڈ کی ان اطلاعات
 نے ریچل کو مطمئن کر دیا اور اس نے وہ سارے سارے پتے اور ٹہنیاں جو وہاں
 بڑی رہ گئی تھیں الاؤ میں جھونک دیں۔ ایک بار پھر وہ دونوں ایک دوسرے
 کے قریب بیٹھے باتیں کر رہے تھے لیکن ان کے پیوٹے نیند سے بوجھل ہو چلے تھے۔
 اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے گہری نیند سو رہے تھے۔

تیسرا باب

خدا حافظ

ان دونوں میں سے پہلے ریچل بیدار ہوئی۔ آنکھ کھلتے ہی اسے پہلا احساس سخت سردی کا ہوا کیونکہ بالاد میں اب صرف چند گاریاں اور راکھ ہی رہ گئی تھی۔ وہ اٹھ کر غار سے باہر آگئی۔ پو پھٹ رہی تھی۔ بارش پوری طرح ختم گئی تھی اور ہوا بھی بند تھی۔ گیلی زمین اور دریا سے اٹھتی ہوئی دھند اتنی گاڑھی تھی کہ ریچل دو گز دور کی چیز بھی نہ دیکھ سکتی تھی۔ اس خوف سے کہ مبادا سوئے ہوئے شیر دہاں پر جا پڑے یا ان کے سامنے پہنچ جائے وہ غار کے دہانے سے زیادہ دور جانے کا جرأت نہ کر سکی۔ غار کے دہانے کے قریب ہی ایک بڑی سی چٹھی چٹان میں ایک کھڈ تھا جو گزشتہ رات کی بارش کے پانی سے بھرا ہوا تھا۔ ریچل نے یہ پانی پیا اور اسی سے منہ ہاتھ دھوئے۔ وہاں نہ تو صابن تھا نہ پوڈر اور نہ تولیہ اور نہ کنگھی۔ چنانچہ وہ منہ ہاتھ دھو کر اور گیللا ہاتھ اپنے بالوں پر پھر کر غار میں واپس آگئی۔

رچرڈ اب تک بیدار نہ ہوا تھا۔ ریچل نے بچھتے ہوئے الماؤ کو گنی چنی ٹہنیوں سے لک بھنجائی کہ رچرڈ کو گرمی ملتی رہے اور پھر خود رچرڈ کے قریب بیٹھ کر اس کی طرف دیکھتی رہی۔ صبح کی ملکی روشنی اب ان کی پناہ گاہ میں رنگ آئی تھی۔ ریچل کو یہ بے خبر سو یا ہوا لڑکا بہت زیادہ حسین اور بے حد پیارا معلوم ہوا اور اس کا دل ایک عجیب، انجانے اور میٹھے میٹھے جذبے سے پُر ہو گیا۔

ایسا جذبہ اس نے پہلے کبھی محسوس نہ کیا تھا۔ یہ ایک نیا، ایک انوکھا اور بڑا ہی پیارا جذبہ تھا۔ کسی وجہ سے، کسی طرح سے رچرڈ اب اس کے لئے دفعۃً بہت پیارا بن گیا تھا۔ وہ اسے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز سمجھنے لگی تھی اور یکا یک اسے احساس ہوا کہ کچھ بھی ہو جائے۔ چاہے زمانے کی گردشیں ہی کیوں مہم جائیں۔۔۔ وہ رچرڈ کو عمر بھر نہ بھلا سکے گی۔ اُنسبیت اور محبت کی اس رد کے بعد اس کے دل میں ایک دوسری لہر اٹھی۔ اداسی کی دردناک لہر۔ کیونکہ اسے یاد آیا کہ جلد ہی ان دونوں کو جدا ہونا تھا۔ رچرڈ ہی اپنے راستے چلا جائے گا۔ وہ اپنے راستے چلی جائے گی اور پھر ان دونوں کی ملاقات شاید کبھی نہ ہوگی۔ کم سے کم فی الحال تو ریچل کو اس کا یقین تھا اور اس میں تعجب کی کوئی بات بھی نہ تھی کیونکہ وہ دونوں مخالفت سمتوں میں جا رہے تھے۔ رچرڈ کیپ کا لونی اور ریچل ناٹال کی طرف۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ ان دونوں کی دوسری ملاقات کا مکان بظاہر نظر نہ آتا تھا۔

لیکن پھر بھی۔۔۔ پھر بھی۔۔۔ ایک عجیب سالیقین اس سے کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ ایک احساس اسے کچھ اور ہی یقین دل رہا تھا۔ پیش بینی کی وہ قوت جو اس کے اجداد اور والدہ کی طرف سے ورثہ میں ملی تھی بیدار ہو چکی تھی اور ریچل جانتی تھی، اسے احساس تھا کہ اس کی اور رچرڈ کی زندگیاں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ قدرت نے ان دونوں کو محض اس لئے ملا یا ہے کہ ان کی قسمتوں پر ہر لگا دی جائے۔ ایک ایسی ہر جو رچرڈ اور ریچل کو آپس میں باہم وابستہ کر دے۔ اور ریچل جانتی تھی کہ یہ ہر لگا چکی تھی ان کی قسمتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہو چکی تھیں۔

ریچل یہاں بیٹھے بیٹھے شاید پھر او بچ گئی۔ بہر حال اس نے ایک خواب دیکھا اور

اس خواب کے ذریعہ بہت سے انکشافات کئے گئے۔ وحشت انگیز اور ہنگامہ خیز مناظر، خواب میں، اس کی نظر کے سامنے بہت دور تہہ کھلتے چلے گئے۔ جنگ و ہشت خون اور قتل و غارت کے مناظر اور اس نے نعروں کی آوازیں اور درد و تکلیف کی چیخیں بھی سنیں۔ یہ نعرے جنگی نعرے تھے اور یہ چیخیں منظر موں کی چیخیں تھیں۔ اور پھر اسے یوں نظر آیا جیسے وہ پاگل ہو چکی ہے اس کے باوجود ایک ملکہ کی حیثیت سے حکومت کر رہی ہے۔ موت بار بار اس کے قریب آتی ہے اور پھر پسپا ہو جاتی ہے۔ رچرڈ دارین اس کے ساتھ ہے۔ اب وہ اسے گنوا چکی ہے۔ اور وہ اسے تلاش کر رہی ہے۔ رچرڈ دارین کو تلاش کر رہی ہے۔ ہسپب، انجانے اور اندھیرے مقامات میں اور غیر قدرتی اندھیری رات میں اسے تلاش کر رہی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے رچرڈ مر چکا ہے اور وہ خود زندہ ہے اور اسے تلاش کر رہی ہے۔ ہر جگہ تلاش کر رہی ہے۔ وہ دنیا سے گزر کر موت کی وادی میں اسے تلاش کر رہی ہے۔ ان لوگوں میں تلاش کر رہی ہے جو مر چکے ہیں۔ اور پھر رچرڈ اسے مل جاتا ہے اور یہیں اسے اپنی طرف بلا لیتی ہے۔ کس طرح؟ یہ وہ نہ معلوم کر سکی۔

اور پھر اسے ایک اور منظر نظر آیا۔ آخری منظر۔ اور یہ منظر اس وقت بھی یاد رہا جب وہ اس خواب کے دوسرے مناظر کو تقریباً بھلا چکی تھی یہ آخری منظر اس کے دماغ پر چپکا رہا۔ آخر تک چپکا رہا۔ ۱۹۹۹ - ۱۹۸۸
اس نے دیکھا کہ ایک جنگل ہے جس میں بڑے اور عظیم الشان درخت کھڑے ہوئے ہیں۔ ان درختوں کے تنے ناقابل یقین حد تک موٹے ہیں اور خود درخت حیرت انگیز حد تک بلند ہیں۔ ان درختوں کے لے اور اس جنگل میں اندھیرا اتنا گہرا ہے کہ غیر محسوس نہیں بلکہ ٹھوس معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اسے جاتھ سے چھوا

جاسکتا ہو۔ ان درختوں کے درمیان راستے اور گنڈنڈیاں ہیں اور صبح کی روشنی کی لکیریں ان راستوں پر اتر آتی ہیں اور ایک عورت پر پڑ رہی ہیں۔ یہ عورت کوئی اور نہیں بلکہ غور بھل ہے جس نے کسی دیوی کا لباس پہن رکھا ہے۔ یعنی کھال کا سفید تپہ اس کے لائے بال کھلے ہیں اور صبح کی روشنی اس کے بالوں کو سنہرا رنگ دیر ہی ہے اور یہی سنہری کرنیں ایک عجیب مخلوق پر پڑ رہی ہیں یہ ہیں نائنیاں ہی لیکن بونے ہیں اور ان کے چہروں کی رنگت ایسی ہے جیسے دھول میں آٹے ہوئے ہوں۔ ایک بونا، جو سوکھے مارے بندر سے مشابہ ہے، ایک زبردست درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا ہے اور اس منظر کی وسعت میں بڑا ہی حقیر اور بے حقیقت معلوم ہوتا ہے اور اب یہ روشنی سہکتی ہوئی ایک اور شخص پر جا ٹھہری۔ یہ شخص سفید فام ہے نیم عریاں ہے اس کی داڑھی بھورے رنگ کی ہے اور وہ چمڑی رسیوں کے ڈور یہ ایک درخت سے بندھا ہوا ہے۔ یہ رچرڈ وارین ہے جو اب ایک جوان مرد بن چکا ہے اور اس کے قدموں میں چوڑے پھل والا کھالا پڑا ہوا ہے۔ اور یہاں یہ خواب دفعۃً ختم ہو گیا کیونکہ ایک آواز اسے پکار رہی تھی۔ رچرڈ کا آواز۔ بچل نے آنکھیں کھول دیں۔ رچرڈ اس کے سامنے کھڑا جمائیاں لے رہا تھا۔

”اٹھو بھئی۔ کافی دن چڑھ گیا ہے۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ تم عجیب معلوم ہو رہی ہو۔ بچار ہو کیا؟“ رچرڈ نے کہا۔
 ”میں تو کبھی کی جاگ گئی تھی۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”کیا مطالب ہے تمہارا؟“

”کچھ نہیں۔ صرف یہ کہ ایک منٹ پہلے تم۔۔۔۔۔ بھوت معلوم ہو رہی تھیں اب تم پھر اڑکی بن چکی ہو۔ یہ غالباً روشنی اور سایوں کا کرشمہ ہوگا۔“

”بھوت معلوم ہو رہی تھی؟ — ہم — بہر حال میں نے سبھوٹ لیا۔
 کیا اسی قسم کا کوئی خواب دیکھا تھا۔ سنو گے؟“

اور اس نے اپنے خواب کا آخری حصہ، ربر دست درختوں کے جنگل
 والا حصہ رچرڈ کو سنا دیا۔ بقیہ خواب اسے یاد نہ تھا۔

”یہ عجیب خواب تھا تمہارا“ وہ خاموش ہوئی تو رچرڈ نے کہا ”کاش کہ
 تم پورا خواب دیکھ لیتیں کیونکہ میں یہ معلوم کرنے کے لئے بیتاب ہوں کہ پھر
 کیا ملے گا“

”یہ ہمیں ایک دن معلوم ہو جائے گا“ رچرڈ نے بڑی سنجیدگی اور بڑے
 یقین سے جواب دیا۔

”تو تمہارا مطلب ہے کہ — تمہارا یہ خواب سچا ہے رچرڈ؟“
 ”ہاں رچرڈ۔ ایک دن میں تمہیں اس درخت سے بندھا دیکھ لوں گی۔“
 ”تو پھر بھی تم میرے بندھن کاٹ کر یا کھول کر مجھے آزاد کر دینا“ رچرڈ نے
 مسکرا کر کہا ”بڑی دلچسپ لڑکی ہو تم بھی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ خواب خانی
 پیٹ کا نتیجہ ہے۔ تم بھوکے ہو۔ ٹھیک ہے۔ یہ بچا ہوا گوشت تم کھا لو۔“
 ”نہیں۔ میں اسے ہاتھ تک نہ لگاؤں گی۔ باہر ایک پتھر کے کھڈ میں پانی
 بھرا ہوا ہے۔ جا کر اپنا بازو دھو آؤں۔ میں دو بارہ پٹی کس دوں اس پر۔“
 رچرڈ رچرڈ کے خواب اور اس کے یقین پر دلی ہی دلی ہیں حیرت کرتا غار
 سے باہر چلا گیا۔ چند منٹوں بعد واپس آیا تو اس کے چہرے اور بالوں سے پانی
 ٹپک رہا تھا۔

اس نے سرگوشی میں کہا:

”رچرڈ! میری بددلی دینا تو ذرا۔ غار کے قریب ہی ایک ٹکڑا کھڑا ہوا ہے

دھند میں بھی میں نے اسے دیکھ لیا۔ آج ہم اسی کے گوشت کا ناشتہ کریں گے۔
 ”ریچل نے اس کے ہاتھ میں بندوق پیرادی اور خود بھی اس کے پیچھے ہی
 غار سے باہر آگئی۔ دہانے کے دائیں طرف اور صرف تیس گز دور ایک تنگڑا بک
 کھڑا ہوا تھا۔ ریچل ایک پتھر کے پیچھے دبک گئی اور رچرڈ پیٹ کے بل بک
 کی طرف رنگینے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا نشانہ سٹانہ جائے۔ بک نے
 چونک کر اپنی گردن گھمائی اور تھوٹھنی اٹھا کر ہوا سونگھنے لگا۔ رچرڈ نے
 جلدی سے بندوق اٹھا کر شست باندھی اور اس سے پہلے کہ بک حملہ پنج
 بھر کر بھاگتا، اس نے لیبلی دبا دی۔ بک ہوا میں اچھلا اور مردہ ہو کر
 گرا خوشی سے ایک نعرے کے ساتھ رچرڈ اٹھ کر بک کی طرف بھاگا اور
 ریچل، جو موت کے منظر کو برداشت نہ کر سکتی تھی، اٹھ کر غار میں چلی گئی۔
 آدھے گھنٹے بعد رچرڈ اور ریچل الاؤپر بھونے ہوئے گوشت کو بڑی
 رغبت سے کھا رہے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہو کر انھوں نے پھر بندوق بھری اور غار سے باہر
 آگئے۔ دھند اب تک مٹی نہ تھی لیکن سورج طلوع ہو چکا تھا اور اب بڑی
 آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ جزیرے کی چٹانوں سے بچتے اور پتھروں سے
 ٹھوکریں کھاتے وہ دونوں آگے بڑھے۔ دریا جس تیزی سے چڑھ آیا تھا تقریباً
 اسی تیزی سے اتر بھی گیا تھا۔ اور جزیرے پر درختوں کے تنے، بڑے بڑے
 پتھر، جالوروں کی لاشیں اور بہت سے مردہ سانپ پڑے ہوئے تھے۔
 جنھیں سیلاب اپنے ساتھ بہا لایا تھا اور پھر جزیرے پر چھوڑ گیا تھا۔ ان
 دونوں شیردن کا، جو گزشتہ رات نظر آئے تھے، کہیں پتہ نہ تھا شاید
 وہ پانی اترنے کے بعد تیر کر دوسرے کنارے پر پہنچ گئے تھے اور وہاں سے

اپنے بھٹ کی طرف چلے گئے تھے۔ رچرڈ اور ریکل سنبھل سنبھل کر چلتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچ گئے اور ایک پتھر پر بیٹھ گئے کیونکہ انھیں معلوم نہ تھا کہ۔ پانی کتنا گہرا تھا اور پٹ کتنا چوڑا تھا۔

جب وہ یوں دونوں بیٹھے ہوئے تھے تو گاڑھی دھند کو چیرتی ہوئی ایک آواز ان تک پہنچی یہ آواز دریا کے دوسرے کنارے پر سے آ رہی تھی۔ ”مسی!“ اس آواز نے ڈچ زبان میں پکار کر کہا۔ ”تم وہاں ہو جزیرے پر مسی۔“

”یہ ٹام ہے۔ ہمارا چھکڑا چلانے والا“ ریکل نے رچرڈ سے کہا۔ ”مجھے تلاش کرنے آیا ہے۔ رچرڈ! ذرا میری طرف سے جواب تو دیدو۔“ چنانچہ رچرڈ نے، جس کے پھیپھڑے مضبوط تھے، چیخ کر جواب دیا:-

”ہاں۔ میں یہیں ہوں، محفوظ ہوں اور دھند کے ٹپنے اور دریا کے اترنے کا انتظار کر رہی ہوں۔“

”شکر ہے خدا کا“ ٹام کی آواز سنائی دی ”ہم تو ڈر رہے تھے کہ تم ڈوب گئی ہو گی۔ لیکن یہ تمہاری آواز کو کیا ہوا؟ وہ ایک دم سے بدل کیوں گیا؟“ اس لئے کہ ایک انگریز صاحب میرے ساتھ ہیں۔“ ریکل نے جواب دیا۔ ”ٹام! تم جا کر صاحب کا گھوڑا تلاش کرو اور ایک رستہ لے آؤ پھر دھند کے ٹپنے کا انتظار کرو۔ اس کے علاوہ کسی کو پڑاؤ کی طرف دوڑا دو کہ پادری صاحب اور میری والدہ سے کہہ آئے کہ میں محفوظ ہوں چنانچہ وہ نکر نہ کریں۔“

”میں یہیں ہوں ریکل۔“ جو بان کی آواز نے کہا۔ ”میں رات بھر

تمہیں تلاش کرتا رہا تھا اور انگریز کا گھوڑا ہم نے پکڑ لیا ہے۔ ابھی تم وریا میں نہ اترنا۔ دھند مٹ جائے گی تو پھر ہم دیکھ سکیں گے کچھ۔“

”بڑی خوشخبری سنائی ہے یہ تمہارے ابا نے۔“ رچرڈ نے کہا۔ البتہ اپنے ساتھیوں تک پہنچنے کے لئے مجھے اپنا گھوڑا خوب بھگانا پڑے گا۔“ رچل کا منہ لٹک گیا۔

”ہاں“ وہ بولی ”بڑی خوشخبری ہے یہ۔“

”تو پھر تم خوش ہو کہ میں جا رہا ہوں؟“ رچرڈ نے قدرے خفگی سے پوچھا۔

”اسے خوشخبری تو تم نے کہا ہے۔“ رچل نے بڑی نرمی سے جواب دیا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ میں خوش ہوں کہ انہیں گھوڑا مل گیا ہے اور بس۔ یہ نہیں کہ میں اس پر سوار ہو کر چلا جاؤں گا۔ رچل! میرے چلے جانے سے دیکھ ہو گا تمہیں؟“ رچرڈ نے پُر امید نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”ہاں دیکھ ہو گا کیونکہ ہم دونوں دوست بن گئے ہیں۔ تمہیں تو کوئی دیکھ نہ ہو گا اور افسوس بھی نہ ہو گا کیونکہ وہاں۔۔۔۔۔ کیپ کا لوئی ہیں تمہیں بہت سے ساتھی اور دوست مل جائیں گے لیکن تمہارے چلے جانے کے بعد ان جنگلوں میں میں اکیلی رہ جاؤں گی۔ میرا کوئی دوست، کوئی ساتھی نہیں ہے۔“

اور رچرڈ نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور اس کے دل میں یکایک وہی جذبہ موجزن ہو گیا جو کوئی ایک گھنٹہ پہلے رچل کے دل میں موجزن ہو گیا تھا۔ یعنی اس وقت جب رچرڈ سو رہا تھا اور رچل بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے یہ پُریم آنکھیں اس کے

دل کو اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے۔
محبت کے متعلق رچرڈ کچھ نہ جانتا تھا۔ یہ اس کے لئے ایک بے معنی نام تھا
لیکن یہ جذبہ اس کے لئے بالکل نیا اور انوکھا تھا۔

”یہ تم نے کیا کر دیا ہے رچل؟“ اس نے بڑے اکھڑپن سے پوچھا۔
”میں۔۔۔ میں۔۔۔ تمہیں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا اور یہ واقعی عجیب
بات ہے کیونکہ لڑکیوں کو میں نے کبھی پسند کیا ہی نہیں لیکن۔۔۔“
اس نے ایک جوش کے عالم میں اضافہ کیا ”تم نے تو جیسے مجھ پر جادو کر دیا
ہے اور اگر اپنے آبا کا خیال نہ ہوتا اور میرا ضمیر مجھے ملامت نہ کر رہا ہوتا
تو خدا کی قسم میں تمہیں چھوڑ کر نہ جاتا۔ کبھی نہ جاتا۔ میں تمہارے ساتھ
چلتا یا تم جس طرف جانتی تھو تمہارا تعاقب کرتا۔ بتاؤ رچل بتاؤ۔ یہ تم نے
کیا کر دیا ہے؟“

”کچھ نہیں کیا۔ کچھ نہیں کیا۔“ رچل نے ہچکلی لے کر کہا ”۔ سوائے
اس کے کہ تمہارے زخمی بازو پر ٹپی کس دی تھی“

”یہ کوئی بات نہ ہوئی“ رچرڈ بولا ”زخم پر ٹپی تو کوئی بھی باندھ سکتا

تھا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ غلط ہے لیکن خدا کرے کہ میں اپنے ساتھیوں

تک نہ پہنچ پاؤں کیونکہ اگر ایسا ہوا تو پھر میں واپس تمہارے پاس آ جاؤں گا“

”نہیں۔ نہیں۔ یہ غلط ہے۔ تمہیں واپس نہیں آنا ہے۔ تمہیں جلد از

جلہ یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے۔ تمہارے آبا فکر کر رہے ہوں گے“

رچل نے کہا۔

اور وہ رو پڑی۔

”بس۔ بس۔ بند کرو اپنا یہ رونا دھونا“ رچرڈ نے بے چینی سے

پہلو بدل کر کہا " میں — میں آنسو بہانا نہیں چاہتا — ہاں — میں
 رونے نہیں چاہتا — اور میں کیوں رونے لگا ؟ محض اس لڑکی سے جدائی
 کے خیال سے جسے میں نے گزشتہ کل سے پہلے دیکھا تھا نہ تھا ؟ —
 یہ آخری الفاظ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی ۔ صرف یہی نہیں بلکہ
 اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو نکل کر اس کے رخساروں پر
 لڑھکنے لگے ۔

چند لمحوں تک وہ دونوں اسی طرح بیٹھے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے
 رہے ۔ دونوں کو ہی ایک دوسرے کی حالت پر رحم آ رہا تھا — اور وہ
 دونوں سو رہے تھے ۔ اور پھر چرڈنے اپنے دل میں کسی چیز کو جوش مارتے
 محسوس کیا — ہم اسے محبت تو نہیں البتہ جلیبت کہہ سکتے ہیں —
 اور اس نے ریچل کو اپنی آغوش میں گھسیٹ کر اس کے ہونٹ چوم لئے ۔
 اس کے بعد وہ ایک دوسرے کے کندھے پر سر ٹکائے روتے رہے ۔
 آخر کار چرڈ ریچل کو اپنی آغوش سے الگ کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا :
 " دیکھا اب ، ہم دوست ہیں " ۔

" ہاں ۔ " ریچل نے اپنے ایک ہاتھ کی پشت سے آنکھیں مل کر کہا " لیکن
 یہ میں نہیں جانتی کہ تم نے مجھے اس طرح کیوں چوما ؟ اس لئے کہ تم میرے دوست
 ہو یا تم چاہتے ہو کہ میں بھی تمہیں چوم لوں ؟ " ۔

چرڈ خاموش کھڑا رہا ۔ اس کے ابرو پر بل پڑ گئے تھے اور اسی سوال
 پر غور کر رہا تھا کہ اس نے ریچل کے ہونٹ کیوں چومے تھے ۔ لیکن وہ یہ مسئلہ
 حل نہ کر سکا چنانچہ اس نے کہا :
 " ریچل ! تمہیں اپنا اوٹ پٹا رنگ خواب یاد ہے کہ میں ایک درخت سے

ہندھا ہوا ہوں اور خدا جانے کیا ہو رہا ہے ؟ بہر حال یہ خواب عمدہ نہ تھا۔
اور میں اس کے متعلق سوچتا بھی ہوں تو خوفزدہ ہو جاتا ہوں اس کے باوجود
چاہتا ہوں کہ یہ تمہارا خواب سچا ہو کیونکہ اگر ایسا ہوا تو ہم بچہ ملیں گے۔
شب بخیر کہنے کے لئے ہی سہی لیکن مل تو جائیں گے۔

”ہاں رچرڈ“ اس نے اپنا ہاتھ آہستہ سے رچرڈ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔
”مجھے یقین ہے کہ ہم ملیں گے۔ ضرور ملیں گے اور میں سمجھتی ہوں کہ شب بخیر
نہیں بلکہ صبح بخیر کہیں گے۔ ہماری ملاقات ہوگی رچرڈ۔ ضرور ہوگی۔
اور وہ رچرڈ کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

عین اسی وقت جنگل کی طرف سے ہوا کا ایک جھونکا آیا اور دھند کو
اپنے ساتھ گھسیٹ لے گیا اور یکایک شفاف آسمان میں چمکتے ہوئے بجلی
یوں کیے کہ جلتے ہوئے سورج کی شعاعیں بڑی فراغت سے نیچے اتر کر تسپہ
گئیں۔ جیسے کسی نے جادو کی چھڑی گھما کر منظر بدل دیا ہو۔ کیونکہ نظر یہ آیا کہ
بارش میں دھلے ہوئے کنول کے پھولوں پر تتلیاں بیٹھی دھوپ کھا رہی تھیں
اور چھپاتے ہوئے رنگ برنگے پرندے درختوں کی ٹہنیوں پر پھدک رہے
تھے اور دھوپ میں پرواز کر رہے تھے اور فاختاؤں نے شور مچا رکھا تھا اور جنگلی
کبوتر اپنا لہذا لاپ رہے تھے۔ طوفان کی دہشت اور رات کا اندھیرا ماضی کی
چیز بن چکا تھا۔ دنیا ایک انگڑائی کے کمر بیدار ہو گئی تھی اور ہر طرف خوشیاں
تھیں، محبت تھی، اور رنگینیاں تھیں۔

اور قدرت کی یہ تیز رفتاری رچرڈ اور رچیں کے دل پر بھی اثر انداز ہوئی۔
طوفان کے خوف اور موت کے سائے تلے ان کی فطرت تبدیل ہو گئی تھی۔ گزشتہ
رات وہ دونوں تقریباً پوری عمر کے بن گئے تھے لیکن اب پھر وہ کم عمر بن چکے

تھے اور اس وقت وہ جدائی اور مستقبل کے متعلق نہ سوچ رہے تھے بلکہ یہ سوچ رہے تھے کہ دریا کس طرح عبور کیا جائے۔ گزشتہ رات ریچل نے اور ابھی تھوڑی دیر پہلے رچرڈ نے جو انوکھا جذبہ محسوس کیا تھا وہ ان کے لاشعور میں جا سو یا تھا۔

دوسرے کنارے پر ریچل اپنے باپ ٹام اور چند دوسرے کافروں کو کھڑا دیکھ رہی تھی اور رچرڈ بھی دیکھ رہا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ اس کا گھوڑا کھڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں دوڑ کر لب دریا پہنچے۔ یہاں پانی اتنا گہرا تھا کہ وہ دریا عبور

نہ کر سکتے تھے اور پھر ٹام اور جوہان دیو کے اشاروں اور چیخوں کی راہبری میں وہ بہاؤ کے مخالف سمت میں چند سو گز آگے بڑھ کر آخر کار ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں اترتا ہوا پانی چٹانوں پر سے بہہ رہا تھا چنانچہ گہرا نہ تھا چند ثانیوں کے توقف کے بعد رچرڈ اور ریچل ہاتھ میں ہاتھ دے کر دریا میں اتر پڑے۔ یہاں اتنا خطرناک ٹونہ تھا البتہ دشوار گزار ضرور تھا۔ جب وہ سامنے والے کنارے کے قریب پہنچے تو ٹام نے ایک موٹا سا رستہ ان کی طرف پھینک دیا کیونکہ پانی گہرا اور دھارا تیز تھا۔ دونوں نے یہ رستہ پکڑ لیا اور ٹام اور دوسرے کافرانہیں کنارے کی طرف گھسیٹے لگے۔ اور آخر کار رچرڈ اور ریچل صحیح سلامت دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ دونوں ہی سر سے پیر تک کھینچے ہوئے تھے لیکن ہنس رہے تھے۔

”او! او!“ کافروں نے تالیاں بجا کر کہا ”مسی زندہ ہے۔ بچلیاں اس پر گری نہیں ہیں بلکہ اس نے بچلیوں کو لوٹا دیا ہے اور پانی اسے غرق نہ کر سکا۔ مسی بچلیوں اور پانی میں حکمرانی کرتی ہے۔“

اور اسی وقت اور اسی جگہ کافروں نے، جیسی کہ ان کی عادت تھی، ریچل کو وہ لقب دیا جو اس کی زندگی کو یکسر بدلی دینے والا تھا۔ یہی وہ لقب تھا جو

ریچل کو مستقبل قریب میں ایک دیومی بنا دینے والا تھا اور اسی کی وجہ سے اسے وہ کردار ادا کرنا تھا جو پہلے کسی سفید فام لڑکی نے ادا نہ کیا تھا اور اسی لقب کی وجہ سے اسے افریقہ کے اس پُر اسرار خطے میں جانا تھا جہاں کسی سفید فام اور سیاہ فام شخص کے بھی قدم نہ پہنچے تھے۔

اور یہ لقب تھا "خاتون برق" یا بالکل صحیح ترجمہ کیا جائے تو "خاتون افلاک"۔

"بیٹی! میرا تو خیال تھا کہ اب میں تمہیں کبھی نہ دیکھ سکوں گا۔" جوہان نے کہا جس کا رنگ سفید ہو رہا تھا اور بشرے سے اب بھی پریشانی اور خوف عیاں تھا۔ "یہ جانتے ہوئے بھی کہ طوفان آنے والا ہے میں نے تمہیں اتنی دوزخ دیا۔ یہ میری غلطی بلکہ حماقت تھی۔ خدا جانتا ہے کہ کس قدر پریشان رات گزری ہے ہماری۔ میری اور تمہاری ماں کی۔ بہر حال تمہاری ماں کو اب تک معلوم ہو چکا ہو گا کہ تم محفوظ ہو۔ شکر ہے۔ خدا کا شکر ہے۔"

اور جوہان نے اپنی بیٹی کو آغوش میں سمیٹ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔ "ابا! آپ نے کہا نہیں تھا کہ خدا میری حفاظت کرے گا؟ اور اس نے میری حفاظت کی کیونکہ اس نے رچرڈ کو بھیج دیا۔ کیونکہ اگر رچرڈ نہ آ جاتا تو میں غرق ہو چکی ہوتی۔" ریچل نے کہا۔

"بے شک۔ خدا وسیلوں سے مدد کرتا ہے۔" جوہان نے کہا "لیکن ریچل تمہارا یہ نو جوان دوست کون ہے جسے تم رچرڈ کہہ کر مخاطب کر رہی ہو؟ میرے خیال میں تو ان صاحب کا دوسرا خاندانی نام بھی ہو گا۔"

"جی ہاں" رچرڈ نے جواب دیا۔ "سوائے کافروں کے ہر شخص کا خاندانی نام ہوتا ہے چنانچہ میرا نام وارین ہے۔"

”دارین؟“ جوہان نے کہا ”طالب علمی کے زمانے میں میرا ایک دوست دارین تھا۔ اسکول چھوڑنے کے بعد میں نے اسے پھر کبھی نہ دیکھا البتہ معلوم ہوا کہ وضو کی فوج میں بھرتی ہو گیا ہے۔“

”تو پھر یہ میرے والد ہی ہوں گے کیونکہ میں نے انہیں اکثر کہتے سنا تھا کہ ”پچھلے سو برسوں میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا دارین فوج میں بھرتی نہ ہوا تھا۔“ تمہارے والد یقیناً وہی دارین ہیں جو میرے دوست تھے۔“ جوہان نے کہا ”کیونکہ تمہاری شکل و صورت میرے دوست کی سی ہے۔ میں تمہارے ابا کی شکل و صورت بھولا نہیں ہوں کیونکہ کوئی پینتیس برس پہلے ہم دونوں ایک ہی کمرے میں سوپا کرتے تھے اور اب تم نے میری بیٹی کی جان بچا لی ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے۔ لیکن اپنی سرگزشت تو مجھے سناؤ۔“

چنانچہ رچرڈ اور ریچل نے مل کر پوری سرگزشت جوہان کو سنا دی۔ جہاں رچرڈ بھول جاتا تو ریچل اور جہاں وہ بھول جاتی تو رچرڈ اس کو نصیحت کر دیتا۔ لیکن اس سرگزشت کا آخری حصہ، یعنی جب رچرڈ نے ریچل کے ہونٹ چومے تھے، ان دونوں میں سے کسی ایک نے بھی ستانا مناسب نہ سمجھا یا شاید وہ اس واقعہ کو بھول گئے تھے۔

”حقیقت میں خداوند خدا نے ہی تم دونوں کی حفاظت کی ہے۔“ جب وہ خاموش ہوئے تو جوہان نے کہا ”اور اب رچرڈ، میرے بیٹے، تمہارا کیا ارادہ ہے؟ یہ گھوڑا یہاں سے کوئی ایک میل دور اطمینان سے چر رہا تھا اس طرح کہ زمین اس کی پیٹھ پر سے پھسل کر پیٹ پر آگئی تھی۔ چنانچہ ہم نے اسے پکڑ لیا۔ میں حیران تھا کہ یہاں کون سفید قام آگیا اور کہاں سے آگیا کیونکہ تم جا تو یہ علاقہ قطعی غیر آلودہ ہے۔ بہر حال میرے ایک ملازم نے بعد میں بتایا کہ گزشتہ کئی برس

کے وقت اس نے دو چھکڑے دیکھے تھے۔ یہاں سے جنوب کی طرف کوئی پانچ میل دور۔ میرے اس ملازم کے بقول یہ چھکڑے ساحل کی طرف جا رہے تھے ان چھکڑوں کے ساتھ جو سفید فام تھے انھوں نے میرے ملازم کو بتایا کہ وہ لوگ کیپ کالونی کی طرف جا رہے ہیں اور یہ کہ طوفان آنے سے پہلے پہاڑی علاقہ سے نکل جانا چاہیے ہیں۔ ان لوگوں نے میرے ملازم سے کہا تھا کہ اگر اس کی ملاقات تم سے ہو جائے تو وہ ان کا یہ پیغام پہنچا دے کہ تم جلد از جلد ان کے پیچھے روانہ ہو جاؤ اور یہ اگر تم نے انھیں نہ جالیا تو وہ لوگ پونڈولینڈ کے اس طرف اس جگہ تمہارا انتظار کریں گے جس کا نام کھری سلوٹ ہے اور جہاں کئی مہینوں پہلے تم نے قیام کیا تھا۔

”ہاں۔ اس جگہ سے میں واقف ہوں۔“ رچرڈ نے کہا۔ لیکن اس منزل تک تیس میل کا سفر ہے۔ چنانچہ مجھے فوراً روانہ ہو جانا چاہئے ورنہ وہ لوگ میری تلاش میں نکل پڑیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ جوہان نے کہا۔ ”لیکن پہلے تم ہمارے پڑاؤ میں چل کر کچھ کھاپی لو۔“

”وہ جی نہیں۔ میں کھا چکا ہوں اور میرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے کھوڑا سا گوشت اپنے تھیلے میں رکھ لیا ہے۔ مجھے چلنا چاہئے ورنہ ابا بھ پر تحفا ہوں گے۔ بات یہ ہے۔“ رچرڈ نے اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میں ابا سے اجازت حاصل کئے بغیر ہی شکار کو نکل پڑا تھا۔“

”بیٹے! جوہان کو پندرہ لٹاؤ کے دریا بہانے کا موقع خدادے۔ یہ نافرمانی ہے اور اب تمہیں تجربہ ہو ہی گیا ہے کہ کیا نتیجہ ہوتا ہے بزرگوں کی نافرمانی کرنے کا۔“

"جی ہاں۔ تجربہ ہو گیا ہے۔" رچرڈ نے کنکھیوں سے ریچل کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر میں نے یہ نافرمانی نہ کی ہوتی تو اس وقت آپ کی صاحبزادی زندہ نہ ہوتیں۔ بہر حال جیسا کہ آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ خدا نے ہی مجھے اس طرف بھیجا یا تھا۔ اچھا خدا حافظ۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اپنا کی نافرمانی کر کے خوش ہوا ہوں اور آپ بھی خوش ہوں گے کہ اس کی نافرمانی کی وجہ سے میں عین وقت پر آپ کی بیٹی کی جان بچانے پہنچ گیا۔" ہاں میں خوش ہوں۔ اکثر دفعہ بُرائی سے اچھا نتیجہ نکل آتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہمیں بُرائی پر ہی کمر باندھ لینا چاہئے۔ بُرائی بُرائی ہی ہے اور اچھائی ہی اچھائی ہے۔" جوہان نے کہا کیونکہ وہ نہ جانتا تھا کہ اور کیا کہے۔

رچرڈ اس موضوع پر بحث نہ کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس وقت وہ ریچل سے رخصت ہو رہا تھا۔ اور بڑی سی خاموش رخصتی تھی یہ۔ یہ دونوں ہیں کسی ایک نے بھی منہ سے کچھ نہ کہا۔ انھوں نے مصافحہ کیا اور ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے اور پھر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر۔ اور یہ اچھا ہی ہوا کہ جوہان یہ الفاظ نہ سن سکا۔ رچرڈ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور ایک بار بھی پلٹ کے دیکھے بغیر دور پر نظر آتے ہوئے پہاڑوں کی طرف چل دیا۔

"ارے آبا! بلائیے اسے" ریچل نے بے چینی سے کہا۔

"کیوں؟" جوہان نے پوچھا۔

"میں اسے اپنا پتہ دینا اور خود اس کا پتہ لینا چاہتی ہوں۔"

"ہمارا کوئی پتہ نہیں ہے بیٹی۔ اس کے علاوہ رچرڈ بہت دور نکل گیا۔"

ہے اور پھر تمہیں ایک اجنبی کا پتہ کیوں چاہئے جس سے اتفاقہ ملاقات ہو گئی تھی؟۔

”اس لئے ابّا کہ اس نے میری جان بچائی ہے“ ریحل نے قدم سے تلخی سے جواب دیا۔

اور پھر وہ کچھ کسے بغیر پٹی اور پڑاؤ کی طرف چل دی۔ اور یہ راستہ اسے بے حد طویل معلوم ہوا۔

پڑاؤ میں پہنچی تو دیکھا کہ اس کی ماں کی طبیعت اب نسبتاً بہتر تھی۔ کم سے کم بخار اتر گیا تھا اور۔ اور مسز دیو اپنے لیٹر سے اٹھنے کے قابل ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس وقت وہ اپنے مرحوم بچے کے کپڑے اور پوٹو سے صندوق میں بھر رہی تھی اور رو رہی تھی۔ بڑا ہی غمناک منظر تھا اور بڑی ہی قابل رحم حالت ہو رہی تھی مسز دیو کی۔ اوّل تو اس لئے کہ وہ رو رہی تھی اور دوم اس لئے کہ نقاہت سے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ جب اس کی نظر ریحل پر پڑی تو اس نے اپنی ہانہیں کھول دیں اور کچھ کسے بغیر اپنی بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔

”اماں! آپ میری وجہ سے پریشان تو نہ تھیں؟“ ریحل نے پوچھا۔
 ”نہیں۔ بیٹی۔“ مسز دیو نے جواب دیا۔ ”میں جانتی تھی کہ تم محفوظ رہو گی۔ یہ میں شروع سے ہی جانتی تھی یہ تمہارے ابّا کی حماقت تھی کہ انہوں نے ایسے وقت میں اور ایسی جگہ تمہیں بھیج دیا۔ لیکن ریحل کبھی کسی کی بھی حماقت تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی کیونکہ طویل عمر تمہارے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ ریحل! حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، کیسے ہی

خطرات سے تمہارا سابقہ کیوں نہ پڑے، تم خوفزدہ نہ ہونا کیونکہ تم اپنی عمر طبعی کو پہنچ کر مرو گی۔ ہاں۔ اس وقت جب بوڑھی ہو چکی ہو گی۔

”آپ کی اس پیشین گوئی سے مجھے خوشی حاصل نہیں ہوئی“ ریحل نے کہا ”دنیا کوئی اچھی جگہ نہیں ہے اور زندگی کوئی مزیدار چیز نہیں۔ خصوصاً ہم جیسے لوگوں کے لئے جن کا نہ کوئی وطن ہے اور نہ گھر بار۔“

”بیٹی! زندگی میں دکھ بھی ہوتے ہیں اور سکھ بھی۔ دکھ کے بغیر سکھ نہیں ملتا

اور سکھ کے بعد دکھ لازمی ہے۔ بہر حال ہماری زندگی جیسی بھی ہے ہمیں

برداشت کرنی ہے اور اس راستے پر، جو ہمارے لئے مقدر ہو چکا ہے،

ہمیں اس وقت تک چلتے رہنا ہے جب تک کہ ہماری آخری منزل نہیں آجاتی

اس منزل سے ہمیں نہ تو ایک قدم آگے بڑھنا ہے اور نہ ایک قدم پیچھے ہٹنا

ہے۔ لیکن ریحل! آج تم یکسر بدل گئی ہو۔ یہ تبدیلی میں تمہارے چہرے پر

کے جذبات میں دیکھ رہی ہوں۔ کیا بات ہے بیٹی؟“

”بات ایک نہیں ہے۔ بلکہ بہت سی ہیں۔ میں آپ کو پوری داستان

سنادوں گی۔ ایک بات بھی چھپائے بغیر شروع سے آخر تک سنا دوں گی

سننا پسند کریں گی آپ؟“

مسز دیو نے اثبات میں سر ہلادیا۔ اس اثناء میں وہ اپنے مرحوم بچے

کے کپڑے تہہ کر کے رکھ چکی تھی۔ اس لئے اس نے ایک آہ بھر کر صندوق کا ڈھکن

بند کیا اور اسی پر بیٹھ کر ریحل کی کہانی سننے لگی۔

ریحل نے بتایا کہ رچرڈ وارین سے اس کی ملاقات کس طرح ہوئی،

کس طرح اس نے ریحل کی جان بچائی، اس نے اس عجیب رات کا ذکر

تفصیل سے کیا جو انہوں نے جزیرے پر کے غار میں بسر کی تھی اور باہر

بہل رہے تھے، اس نے کہا کہ رچرڈ بے خبر سو رہا تھا اور وہ خود کس طرح اسی قریب بیٹھی جاگ رہی تھی اور اس وقت پو پو پو رہی تھی اور پھر اس نے اپنا خواب سن کیا جس میں اس نے رچرڈ کو اور اسے آپ کو بھی جو ان دیکھا تھا اور یہ کہ اس نے سفید چٹہ پہن رکھا تھا اور رچرڈ ایک درخت سے بندھا ہوا تھا اور یہ کہ یہ منظر کسی پراسرار اور اندھیرے جنگل کا تھا جس میں عظیم الشان درخت رہے تھے اور پھر اس نے کہا کہ اس وقت اس کے دل میں ایک الٹا کھا جذبہ جو جڑ بن ہو گیا تھا اور پھر لب و لہجہ اس نے یہی جذبہ دوبارہ محسوس کیا تھا اور پھر ان دونوں نے — اس نے اور رچرڈ نے — ایک دوسرے کے منٹ چومے تھے اور جدائی کا خیال کر کے کس طرح دونوں روئے تھے۔

اور وہ خاموش ہو گئی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ مسنر دیو نخواستہ ہو جائے گی اور اس کے ایسے خیالات اور اس حرکت پر کہ رچرڈ نے اس کے ہونٹ چومے تھے، سے سرزنش کوئے گی جیسا کہ اس کا باپ، اگر یہ داستان سنتا تو، ضرور سرزنش کرتا مگر مسنر دیو نہ نخواستہ ہوئی نہ ہی اس نے سرزنش کی۔ اسکے برخلاف اس نے اپنے تپے ہاتھ آگے بڑھا دیے اور رچرڈ کے بالوں میں اپنی انگلیوں سے گھسی سی کرتے ہوئے کہا:

”پریشان اور ادا اس نہ ہو رچرڈ۔ تم سمجھتی ہو کہ اب تمہاری اور رچرڈ کی ملاقات کبھی نہ ہوگی۔ لیکن نہیں۔ تم اسے پا لوگی۔ اسی عالم میں جس عالم میں تم نے اسے خواب میں دیکھا ہے۔ یا کسی اور طرح۔ بہر حال تم ایسے پا لوگی۔“

”اماں! اگر مجھے اس کا یقین ہوتا تو میں کبھی بھی غم نہ کرتی اور اگر مجھے یقین ہو گیا کہ ہماری ملاقات ہوگی، ضرور ہوگی تو پھر میں کسی بات کی پروا نہ کروں گی لیکن“ رچرڈ نے قدرے حیرت سے اضافہ کیا ”میں نہیں جانتی کہ مجھے رچرڈ

سکا اتنا خیال کیوں ہے ؟۔

”ہاں۔ یہ تم ابھی نہیں جانتیں لیکن ایک دن تمہیں خود بخود اس سوال کا جواب مل جائے گا اور جب تمہیں اس سوال کا جواب مل جائے تو اس کے بعد بھی رچرڈ کا انتظار کرنا، یہ انتظار کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو گھبرانہ جانا اور یہ یاد رکھنا کہ یہ بات تمہاری ماں نے کہی ہے اور تم جانتی ہو کہ میں اپنے اجداد کی طرح پیش بن ہوں۔ اچھا اب ذرا رچرڈ دارین کا حلیہ تو بیان کر دو کہ میں اسے یاد رکھوں کیونکہ میرا خیال ہے کہ میں اسے دیکھ نہ سکوں گی۔“

چنانچہ رچرڈ نے بڑی تفصیل سے رچرڈ کا مکمل ترین حلیہ بیان کر دیا۔ اور جب وہ بیان کر چکی تو دفعۃً پوچھا:-

”اماں! ہمیں انہی دیرانوں میں سفر کرنا ہے؟ اگر آپ کہیں تو ابا یہاں سے واپس نہ لوٹ چلیں گے؟۔“

”شاید لوٹ چلیں“ مسز دیو نے جواب دیا ”لیکن یہ میں نہ کہوں گی ان سے کیونکہ وہ خیال کریں گے کہ میں نے انہیں ان کے فرض کی ادائیگی سے باز رکھا اور پھر وہ مجھے کبھی معاف نہ کریں گے۔ یہ سفر پاگل پن ہے، ہم کیپ کاؤنی یا انگلستان میں خوش رہ سکتے تھے لیکن تمہارے آبا کو ایک دھن لگ گئی ہے اور اب یہی دھن ان کی اور ہماری بھی قسمت بن چکی ہے۔ رچرڈ! اپنے آبا کے متعلق کوئی بُری رائے قائم نہ کرنا۔ وہ تو زندہ ولی ہیں اور یہ دنیا ولیوں اور ان کے اہل و عیال کے لئے، خصوصاً ان کے اہل و عیال کے لئے بہت بُری جگہ ہے۔ تم سمجھتی ہو کہ وہ سنگ دل اور بے درد ہیں، انہیں نہ تو میرا خیال ہے اور نہ ہی اس بچے کا غم ہے جو اس دنیا میں نہیں رہا۔ لیکن نہیں بیٹی! تمہارے آبا سنگ دل نہیں ہیں۔ اس بچے کی موت کا غم انہیں ہم سے زیادہ ہے۔ رات

کے وقت، جب میں آنکھیں بند کئے پڑی تھی اور تمہارے ابا سمجھ رہے تھے کہ میں سو گئی ہوں تو اس وقت میں نے انھیں کراہتے اور یہ دعائیں گتے سنا تھا کہ خدا مجھے صبر جمیل عطا فرمائے اور خود انھیں اپنا فرض انجام دینے کی توفیق بخشے اور گذشتہ رات وہ تمہاری فکر میں پاگل ہو گئے تھے اور جب کافروں نے پتھر پھینکے تو میں سے انکار کر دیا تو وہ اس زبردست طوفان اور اندھیری رات میں اور چمکتی ہوئی بجلی کی روشنی میں سہلے دیکھتے تھے تنہا تمہاری تلاش میں دریا کی طرف چلے گئے اور تمہیں نہ پا کر جب واپس آئے تو فکر اور تشویش سے نیم جان تھے۔ پوچھتے ہی وہ پھر دریا کے کنارے پر تھے کیونکہ تمہاری بخت اور پریشانی انہیں کسی پل چین نہ لینے دیتی تھی۔ لیکن یہ باتیں وہ تمہیں کبھی نہ بتائیں گے محض اس خیال سے کہ کہیں تم یہ نہ سمجھنے لگے جاؤ کہ خدا کی قوتوں پر سے ان کا اعتبار اٹھ گیا ہے۔ چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں چنانچہ میں اعتراض کئے لیتی ہوں اور جانتی ہوں کہ تمہارے ابا عجیب آدمی ہیں۔ اگر میں نے ان کے ارادوں میں مزاحم ہونے یا ان کو بدلنے کی کوشش کی تو وہ پاگل ہو جائیں گے اور پھر میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کروں گی۔ وہ جیسے بھی ہیں۔۔۔ بڑے پاکیزے۔۔۔ میرے سرتاج ہیں۔ میں انہیں اپنے خیالات اور اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنا نہیں چاہتی۔ وہ جیسے بھی ہیں مجھے پسند ہیں اور میرے ہیں کیونکہ میں نے انھیں اسی طرح پسند کیا تھا۔ چنانچہ ریکل جتنی بھی خوش رہ سکتی ہو رہو۔ زندگی کو جیسی بھی وہ ہے قبول کرو جس طرح کریں نے قبول کر لیا ہے۔ لیکن میری زندگی تو اب ختم ہونے والی ہے اور تمہاری زندگی کا آغاز اب ہو رہا ہے اس لئے اسے خوشگوار بنانے کی کوشش کرو، جس حال میں رہو خوش رہو، کبھی حرف شکایت لب پر نہ لاؤ اور آخر میں زندگی کے سکھ اور مسرتیں تمہارے قدم چومیں گی۔ میری نئی زندگی تو اب وہاں شروع ہوگی۔ اور اس نے اس میدان کی طرف اشارہ کیا جہاں اس

خوابوں کے شکاری

۷۰

کابچہ دفن تھا۔ " ششمن ! تمہارے ابا آ رہے ہیں۔ آؤ۔ اب سامان باندھنے
میں میرا ہاتھ بٹاؤ کیونکہ آج سہ پہر کے وقت ہی ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا ہے۔"

چوتھا باب

اشمیل

جس عجیب ماحول میں اور جس ڈھنگ سے ریچل کی پرورش ہوئی تھی ایسی پرورش کبھی کسی شریف، خاندانی اور انگریز لڑکی کی نہ ہوئی ہوگی۔ اس کا کوئی رشتہ کوئی دوست اور کوئی سہیلی نہ تھی کیونکہ جس زمانے کا حال ہم قلمبند کر رہے ہیں اس زمانے میں افریقہ میں شریف اور اعلیٰ خاندان کے لوگ آباد نہ ہوئے تھے چنانچہ وہاں نہ تو کوئی ایسا لڑکا تھا اور نہ لڑکی جو ریچل کی طرح شریف ہوتی اور اس کا دوست یا اس کی سہیلی بن سکتی چنانچہ تقریباً شروع سے ہی اس کے صرف دو ساتھی رہے تھے۔ ایک تو اس کا باپ جو مذہبی جنوں میں مبتلا تھا اور دوسری اس کی ماں جو ایک دل شکستہ عورت تھی، جو اپنے مرے ہوئے بچوں کو ہر دم یاد کیا کرتی تھی اور جو خاموش اور اُداس رہا کرتی تھی۔

ان دو کے علاوہ کافر تھے جو تقریباً شروع سے ہی ریچل کو ملا سمجھتے تھے یا یوں کہئے کہ ان کے درمیان ریچل ایک ملکہ کی طرح رہتی تھی اور سبب اس کا یہ تھا کہ اس زمانے میں جیسا کہ ہم نے کہا، افریقہ میں کچھ زیادہ انگریز آباد نہ ہوئے تھے۔ چنانچہ افریقیوں نے پہلے کبھی ریچل جیسی حسین — کیونکہ وہ واقعی حسین تھی — دلیر، بے خوف اور ساتھ ہی ساتھ رحم دل لڑکی نہ دیکھی تھی۔

اس طوفانی رات کی کہانی، جو ریچل نے جزیرے پر گزاری تھی اور جب دریا چڑھا ہوا تھا، جنگل کی آگ کی طرح افریقہ کے طول و عرض میں پھیل گئی تھی۔

صرف یہی نہیں بلکہ افریقیوں کے ہر کراں میں اس کہانی کو عجیب و غریب رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا گیا تھا۔ چنانچہ کافروں نے کہا کہ ریچل "آسمانی ہستی" ہے یعنی ساحرہ یا دیوی ہے جو بجلیوں پر حکمرانی کرتی ہے اور انھیں جس طرف چاہے لوٹا سکتی ہے۔ بجلیاں اس کے تابع فرمان ہیں۔ اسی لئے اس پر نہیں گرتیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس جزیرے پر یقیناً بجلیاں گرتیں اور ریچل کو جلا کر خاک کر دیتیں۔ اس کے علاوہ کافروں نے یقین کر لیا، وہ پانی پر چل سکتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اس زبردست سیلاب سے، جو تناور درختوں اور بڑے بڑے جانوروں کو بہا لے گیا تھا، کیسے بچ سکتی تھی؟ اور آخر میں یہ کہ درندے اس کے خد متکار تھے کیونکہ ٹام اور دوسرے کافروں نے شیروں کے پنجوں کے نشانات اس غار کے دہانے پر دیکھے تھے جس میں ریچل اور اس کا ساتھی پناہ گزین تھے۔ چنانچہ مشہور ہو گیا کہ ریچل نے ان شیروں کو بلایا تھا کہ وہ دوسرے جانور اس کی اور اس کے ساتھی کی حفاظت کرتے رہیں۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ وہ، ریچل، شیروں پر بھی حکمرانی کرتی تھی۔ چنانچہ یوں ہوا کہ ریچل کو وہ لقب دیا گیا جو اس کی زندگی میں ایک اہم کردار ادا کرنے اور اسے زولولینڈ اور وہاں سے افریقہ کے ایک دور دراز اور گمنام خطے میں لے جانے والا تھا اور یہ لقب تھا "سردارن" یا "دھاتون افلاک" یہ تو اس لقب کا ترجمہ ہے۔ اصل افریقی لقب تھا — "ان کو سا زانہ زولا" یا مختصراً صرف "زولا" اور زولا یا زولور بمعنی افلاک، وہ زبردست قبیلہ بھی تھا جس کی دھوم اس وقت پورے افریقہ میں تھی۔ اور ریچل کا دوسرا لقب تھا "اودا دے"۔ ری۔ سلوانا — جس کا مطلب ہے "جنگلی جانوروں کی بہن"۔ لیکن یہ دونوں لقب چونکہ خاصے طویل تھے اس لئے "ان کو سا زانہ زولا" گھس پٹ کر صرف "زولا" رہ گیا اور پورے جنوبی افریقہ

میں ریچل "زولا" (افلاک) کے نام سے مشہور ہو گئی اور اس وقت تک کی افریقیہ
کی پوری تاریخ میں ریچل وہ پہلی بڑی تھی جو اس مقدس و محترم لقب سے مشہور
ہوئی۔۔۔ زولا۔۔۔ وہ دیوی جس کے سامنے قبیلہ زولو کا تندو، ظالم
اور زبردست بادشاہ ڈنگان بھی سر جھکانے والا تھا۔

تقریباً بچپن سے ہی ریچل کے تعلقات افریقیوں سے بڑے خوشگوار رہے
تھے۔ بے شک وہ ان سے بے تکلف نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی البتہ وہ ان کی
فطرتوں کا اندازہ لگا لیتی اور ان کے خیالات پڑھ لیتی تھی اور اس کی یہ خصوصیت
تھی جس نے کافروں کی نظر میں اسے ممتاز کر دیا تھا۔ چنانچہ کافر اسکی عزت
کیا کرتے تھے اور وہ خود بھی انھیں دلیل و پنج نہ سمجھتی تھی۔ چنانچہ وہ ایک جنگجو
سپاہی سے، ایک کافر عورت سے اور ایک بچے سے بھی بڑی نرمی اور صاف دلی
سے گفتگو کیا کرتی تھی اس کے باوجود وہ جس طرف نکل جاتی کافروں کے ہاتھ
سلام کرنے کے لئے اٹھ جاتے۔ اور ان کے سراسر اہرام سے جھک جاتے کیونکہ
وہ "ان کو سازائے زولا" تھی، عظیم تھی اور خاتونِ افلاک تھی۔ کافر جو ہان
پر ہنسا کرتے تھے، پیٹھ پیچھے اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے لیکن وہ ریچل پر نہ ہنستے
تھے۔ ریچل کی والدہ کی بھی کافرا تہی عزت نہ کرتے تھے۔ مسنر دیو کو کافروں نے ایک
عجیب لقب دے رکھا تھا جس کی وجہ تسمیہ خود کافر بھی نہ بنا سکتے تھے یا شاید
بتانا نہ جانتے تھے۔ اور مسنر دیو کا لقب تھا "وہ پھول جو قبر پر اگتا ہے۔"

"یعنی" نگلی گور، جو ہان کو انھوں نے جو لقب عنایت کیا تھا اس میں شریعت
نام کو نہ تھی یعنی یہ۔۔۔ "وان باتوں کے متعلق چیخنے والا جنھیں وہ خود نہیں
سمجھ سکتا" یا مختصراً صرف "چیخنے والا"۔ جو ہان جب کافروں کو مخاطب
کر کے دعا عطا کر رہا ہوتا تو جوش میں آ کر اتنی اونچی آواز میں بولنے لگتا کہ اس کی آواز

پھٹ پھٹ جاتی۔ بس اسنی وجہ سے اسے یہ خطاب دیا گیا تھا۔ رہا وہ باتیں
 ”جنہیں وہ خود نہیں سمجھ سکتا“ تو یہ کافروں نے اس کی تبلیغ اور مذہبی خیالات کے
 متعلق نہ کہا تھا بلکہ خود اپنی رسومات کے متعلق کہا تھا جنہیں جوہان نے کبھی سمجھنے کی
 کوشش نہ کی اور کافروں کے بقول ان رسومات کو وہ کبھی سمجھ بھی نہ سکتا تھا۔ خصوصاً
 ان کی شادی اور گھریلو قسم کی رسومات جن کے خلاف جوہان بڑی زوردار تقریریں کر کے
 اور چیخ و چیخ کر ان سادہ لوح کافروں کو بالکل وحشت زدہ کر دیتا تھا۔ چنانچہ کافروں
 نے یقین کر لیا کہ ”تیخنے والا“ ان کی ان رسومات کی مذمت محض اس لئے کرتا ہے
 کہ وہ ان رسومات کو سمجھ نہیں سکتا۔

ان کافروں کے علاوہ ریچل کے چند دوسرے دوست بھی تھے۔ وہ قدرت کی
 بانہوں میں پٹی پٹی چٹائی چٹائی سمندر، گھاس کے میدان، شفاف آسمان، ہرے بھرے
 جنگل اور گنگائی ہوئی ندیاں۔۔۔۔۔ یہ سب اس کے ساتھی تھے کیونکہ وہ انہیں
 کے درمیان اکیلے رہی تھی۔ ان چیزوں کا سکون اور بے ضرر پن ریچل کو پسند تھا۔
 خود ریچل بھی کبھی جاندار پر ہاتھ نہ اٹھاتی تھی الا یہ کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ
 ہو۔ اگر وہ کبھی انٹسٹوپ کے ریوڑ کے قریب سے گزرتی تو وہ اس پر حملہ نہ کرتے
 اور نہ ہی اس سے خوفزدہ ہو کر بھاگتے اگر کسی جھاڑی میں پرندے بیٹھے ہوتے
 اور ریچل ان کے قریب سے گزرتی تو پرندے بھی نہ اڑتے بلکہ جہاں ہوتے وہیں بیٹھتی
 سے بیٹھے رہتے۔ اکثر دفعہ وہ ہاتھیوں کے گروہ کے بہت قریب پہنچ جاتی اور انہیں چارہ
 کھاتے یا آرام کرتے دیکھا کرتی حتیٰ کہ وہ جنگلی بھینسوں کے درمیان سے بیدھڑک
 نکلی چلی جاتی۔ صرف دو جانوروں سے ڈرتی تھی۔ ایک سانپ اور دوسرے
 گھڑیاں۔ دونوں لعنتی جانور تھے۔ ان دو کے علاوہ ریچل کسی جانور، کسی
 درندے سے نہ ڈرتی تھی اور جانور اور پرندے بھی اس سے نہ ڈرتے تھے۔

ریچل اور رچرڈ کی ملاقات کے بعد، جس کا ذکر پچھلے کسی باب میں کیا جا چکا ہے، ریچل اور اس کے والدین ڈیرے خیمے اٹھا کر آگے روانہ ہو گئے۔ سفر مشکل اور خطرناک تھا چنانچہ ان کی رفتار بہت سست رہی اور آخر کار وہ لوگ بخیر و خوبی ناٹاں پہنچ گئے۔ ابتدا میں ان لوگوں نے ٹھیک اسی جگہ قیام کر دیا جہاں آج شہر ڈربن آباد ہے۔ جس زمانے کا حال ہم قلمبند کر رہے ہیں اس زمانے میں وہاں چند جاہل اور اکھڑ قسم کے لوگ آباد تھے جو کافروں میں گھر رہتے تھے اور شکار اور تجارت کر کے کما کھا لیتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں میں قیام کر کے جوہان نے اپنی تبلیغ شروع کر دی۔ یہ کافر، جو ان تاجروں اور شکاریوں کے ساتھ رہتے تھے، وہ پناہ گزین تھے جو زولو لینڈ سے بھاگ کر آئے تھے۔ جوہان کی کوششیں یہاں بھی بار آور ثابت نہ ہوئیں اور یہاں بھی اس کے اور ڈربن میں بسنے والوں کے درمیان جھگڑے ہونے لگے۔

ساکروں کے درمیان لینے والے یہ لوگ عجیب زندگی گزار رہے تھے۔ جوہان ظاہر ہے کہ اس بات کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ گناہوں کی سیخ کنی کرنا اور لوگوں کو راہ راست پر لانا وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔ چنانچہ وہ ان لوگوں کے طرز زندگی کی سخت الفاظ میں مذمت کرنے لگا۔ اور موقع بے موقع ان لوگوں کی بے راہ روی پر حملے کرنے لگتا۔ ہر جگہ ————— چاہے خوشی ہو یا غمی، ————— وہ پہنچ جاتا اور بڑے زوردار دلائل سے ان لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کرتا۔ جوہان نے کئی برسوں تک اپنی تبلیغ جاری رکھی، کئی برسوں تک اس کے اور ڈربن والوں کے درمیان جھگڑا جاری رہا یہاں تک کہ ایک بار پھر جوہان جلا وطن تھا۔ چنانچہ ڈربن میں بھی اس کا کام اسی طرح ناکامی میں ختم ہو گیا جس طرح دوسرے مقامات میں ختم ہو گیا تھا۔ ایک بار پھر جوہان کی بیوی اور بیٹی نے سوچا

کتاب جوہان کا ول ٹوٹ گیا ہوگا اور وہ جنوبی افریقہ کو آخری سلام کر کے اپنے آبائی وطن کی طرف روانہ ہو جائے گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ جوہان خدا جانے کس مٹی سے بنا تھا کہ اس نے فوراً ہی اعلان کر دیا کہ اس کا فرض اسے پکار رہا ہے۔ یہاں نہیں تو جنگلوں اور وحشیوں میں اسے کامیابی نصیب ہوگی۔ چنانچہ وہ اپنی بیوی، بیٹی اور گنتی کے چند ملازموں کے ساتھ ڈربن سے چل پڑا۔

اور اس دفعہ جوہان نے جو ارادہ کیا وہ بے حد خطرناک تھا۔ وہ اس ارادے سے ڈربن سے چلا تھا کہ اب وہ زولو لینڈ میں قیام کرے گا اور اس قبیلے میں قیام کرے گا جس کی ہمدردی اور مظالم کی داستانیں افریقہ کے اس سرے سے اس سرے تک سنائی جاتی تھیں۔ جب جوہان ڈربن سے چلا ہے تو زولوؤں کا مشہور بادشاہ شاکا، جو تاریخ میں کالے چنگیز کے نام سے مشہور ہے، مرچکا تھا۔ اور اب اس کا بھائی ڈنگان، جو شاکا کا قاتل بھی تھا حکومت کر رہا تھا۔ اور اگر ایک واقعہ نہ ہو گیا ہوتا تو جوہان شاید زولو لینڈ میں پہنچ کر ڈیرے ڈال دیتا۔ وہ لوگ ڈربن سے چالیس میل دور آچکے تھے کہ رات انھوں نے ایک چٹمے کے کنارے قیام کر دیا۔ یہ چٹمہ دراصل اس عظیم دریا کا معاون تھا جو دریائے توگیلا کے نام سے مشہور ہے۔ دریائے توگیلا زیادہ دور نہ تھا اور اسی دریا کے دوسری طرف سے ڈنگان کی مملکت شروع ہو جاتی تھی۔ چنانچہ یہ دریا زولو لینڈ کی گویا سرحد تھا۔

جہاں ان لوگوں نے قیام کیا تھا۔ وہ بے حد خوبصورت مقام تھا مشرق

سلاہ شاکا: ڈنگان کے لرزہ خیز مظالم کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا ناول "خونریز" مطبوعہ نسیم بک پریس

(منظر الحق علوی)

کی طرف اور صرف ایک سی دور بحر ہند افق تک ہر س لے رہا تھا اور مغرب کی طرف ایک بلند و بالا چٹان سراٹھائے کھڑی تھی اور اس پر سے گرتا ہوا چشمہ سیاہ چٹان کے پس منظر میں سفید دھوئیں کی ایک لکیر کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے جس چشمے پر قیام کیا تھا اس کے قدموں میں یہی چشمہ بہہ رہا تھا۔ سیما بی سانب کی طرح بل کھاتا ہوا یہ چشمہ دریائے توگیلا میں جا گرا تھا۔ یہ پورا خطہ ایک کافی بڑے پارک کی طرح معلوم ہوتا تھا جس میں یہاں وہاں درخت اگ رہے تھے اور ہرنوں، اینٹیلوپ اور بک کے ریوڑ کے ریوڑ گھاس چرتے نظر آ رہے تھے اور ان ریوڑوں کے درمیان ایک زبردست گینڈا گویا چل قدمی کر رہا تھا۔

کھڑکھڑاتا ہوا جھکڑا ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ کافر ملازم بھوکے پیلوں کو چھکڑے سے کھولنے میں مصروف تھے کہ رچیل اپنے گھوڑے پر سے اتر کر چھکڑے کی طرف دوڑی کہ سہارا دے کر اپنی ماں کو چھکڑے سے اتار لے۔ رچیل اب ایک جوان، طویل قامت، پھر تیلی اور مضبوط و تندرست لڑکی بن چکی تھی مسز دیو کے بال سفید ہو چلے تھے، جسم اور بھی دبلا ہو گیا تھا اور وہ کچھ زیادہ ہی بوڑھی معلوم ہو رہی تھی۔ بڑی بی نے اپنا ایک پیر چھکڑے کی دیوار سے باہر ٹسکا دیا اور پھر شش و پنج کے عالم میں کھڑی رہی۔ کیونکہ اسے زمین بہت دور نیچے اور پیلوں کے کھر بہت قریب معلوم ہو رہے تھے۔

”بھلانگ لگا دو اماں“۔ رچیل نے ہستے ہوئے کہا۔ اب اس کی آواز میں جوانی کا رس تھا اور ہنسی میں چاندی کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ ”میں پڑ لوں گا آپ کو“۔

مسز دیو اب بھی شش و پنج کے عالم میں کھڑی رہی۔ چنانچہ رچیل آگے بڑھی اور اس نے اپنی ماں کی طرف دونوں ہاتھ بڑھا دیے اور کہا

پھلٹے پر سے اٹھا کر زمین پر کھڑا کر دیا بالکل اسی طرح جس طرح ہم کسی بچے کو بوزینے پر چڑھ گیا ہو، ادھر ادھر اٹھا لیتے ہیں۔

”بڑی طاقتور ہو گئی ہو تم تو ریحل“ مسز دیو نے تعریفی نظروں سے اپنی بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے حیرت سے کہا ”یقین نہیں آتا کہ تم وہی ریحل ہو جسے میں گود میں اٹھائے اٹھائے پھرا کرتی تھی۔“

”ان جنگلوں میں جس کی زندگی گذری ہو وہ خود بخود طاقتور بن جاتا ہے اماں“ ریحل نے بڑی بشارت سے جواب دیا۔ ”آئیے۔ ذرا چل قدمی کر لیجئے۔“

پھلٹے میں بیٹھے بیٹھے آپ کی ٹانگیں اکڑ گئی ہوں گی۔ اور وہ اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر اسے ٹیلے کی عین چوٹی کے کنارے پر لے آئی۔

”کس قدر خوبصورت منظر ہے“ ریحل نے کہا ”ایسا حسین منظر میں نے پورے افریقہ میں آج تک تو کہیں دیکھا نہیں اور وہ دیکھئے۔۔۔ ہر نوں کاریوڑ۔۔۔ اور وہ کیا ہے؟۔۔۔ گینڈا ہے۔۔۔ خدا کرے کہ ام پر حملہ نہ کروئے۔“

مسز دیو نے پہلے سمندر کی طرف دیکھا اور پھر جنگل کے درختوں اور میدان کی طرف اور آخر میں گردن گھما کر اپنے پیچھے اس عظیم الشان چٹان پر نظر کیا جس کے ایک پہلو پر اندھیرے کے سائے اتر آئے تھے کیونکہ سورج مغرب کی طرف جھک گیا تھا۔

اس چٹان پر نظر ہڑتے ہی مسز دیو کا چہرہ دفعۃً متغیر ہو گیا۔ ”میں اس مقام سے واقف ہوں“ مسز دیو نے جلدی سے کہا۔ میں نے اسے پہلے بھی دیکھا ہے۔

”پہلے بھی دیکھا ہے!“ ریچل نے کہا ”یہ کیسے ہو سکتا ہے! ہم آج پہلی دفعہ تو یہاں آئے ہیں۔“

”یہ میں نہیں کہہ سکتی بیٹی لیکن میں اس خطے سے واقف ہوں۔ یہ عظیم الشان حٹان جس پر سے چٹمے کا وہ آبشار گر رہا ہے، اور وہ تین درخت جن کے سائے میں کھڑے ہوئے وہ ہک — ریچل — یہ وہی مقام ہے۔“

”اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی جگہ جہیں جانی پہچانی معلوم ہوتی ہے حالانکہ ہم پہلی دفعہ وہاں گئے ہوتے ہیں۔ یہاں بھی شاید ہی معاملہ ہے۔ یہاں ہم پہلے نہیں آئے البتہ یہ جگہ آپ نے خواب میں دیکھی ہو تو دوسری ہی بات ہے۔“

”خواب میں! — خواب میں — شاید خواب میں ہی دیکھا تھا — لیکن وہ خواب کیا تھا؟ — ریچل رورہی ہے — ریچل رورہی ہے —“

بیٹی میں سمجھتی ہوں کہ ہم اسی جگہ مقیم ہو جائیں گے اور شاید — شاید — جہم۔“

”ٹھیک ہے اماں۔ ٹھیک ہے۔“ ریچل نے مسر دیو کی بات کاٹ کر جلدی

سے کہا۔ وہ اپنی ماں کی پیشین گوئی سننا نہ چاہتی تھی یا شاید اس نے اندازہ

لایا کہ اس کی ماں کیا کہنے والی تھی۔ ”اگر ہم نے یہیں قیام کر دیا تو پھر ٹھیک ہے

صح تو یہ ہے کہ میں خود بھی زولو لینڈ میں جانا نہیں چاہتی۔ میں نے سنا ہے کہ زولو

بادشاہ ڈنگاں بڑا ہی ظالم ہے، جو آئے دن لوگوں کو قتل کیا کرتا ہے۔ ابابکھی

سے عیسائی نہ بنا سکیں گے اور یہ جگہ تو جنت ہے بالکل اور — وہ دیکھئے۔

میں جنت میں حضرت آدم بھی ہیں۔“

مسر دیو نے ریچل کی انگلی کی سیدھ میں دیکھا۔ فضا شفاف تھی چنانچہ دور تک

چیزیں آسانی سے دیکھی جاسکتی تھیں۔ اور مسر دیو نے تین چار سو گز کے فاصلے پر

بے شخص کو دیکھا جس نے کھال کا لباس پہن رکھا تھا۔ یہ شخص سفید قدم تھا۔

وہ پیٹ اور گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا ایک چھوٹے سے ٹیلے پر چڑھ رہا تھا۔ یقیناً وہ اس بک کا شکار کرنا چاہتا تھا جو اس ٹیلے کے دوسری طرف مزے سے گھاس چر رہا تھا اس اجنبی کے پیچھے ہی پیچھے اس کا ایک کافر ملازم گھوڑے پر سوار چلا آ رہا تھا جس نے اپنے ہاتھ میں اپنے آقا کے گھوڑے کی لگام پکڑ رکھی تھی۔

”ہم“ مسند دیو نے بڑی دلچسپی سے اس اجنبی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”یہ شخص حضرت آدم کے بجائے رابن سن کر مذکور زیادہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ تم جانو، حضرت آدم جنت میں ظاہر ہے کہ جانوروں کا شکار نہ کرتے ہوں گے۔“
 ”اب ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت آدم سبزی خور تھے — خود ابا سبزی خور بننا چاہتے ہیں اور — وہ دیکھئے — اس نے بندوق چلا دی۔“

فورا ہی اجنبی کی بندوق نے نیلا نیلا دھواں اُگل دیا اور اس کے فوراً بعد ہی ہاتھی مار بندوق کا دھماکا سنائی دیا۔ بک اُچھلا اور مردہ ہو کر زمین پر گرا۔ دوسرا بک جو قریب ہی چر رہا تھا، بندوق کے دھماکے کی آواز سے خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر بھاگ پڑے۔ درخت کی چھاؤں میں اونگھتا ہوا گینڈا بہر بڑا کر اٹھ کھڑا ہوا، ہوا سو ننگھی اور پھر اپنا سر جھکا کر اور دم اٹھا کر اجنبی سفید خام کی طرف بھاگا۔
 ”افوہ! یہ تو ہماری جنت میں خون خرابہ ہو رہا ہے“ کاش گینڈا اس سفید خام کو رگید کر رکھدے جس نے اس جنت کے سکون میں خلل ڈال دیا ہے“ ریحل نے کہا۔ لیکن اس اجنبی نے گینڈے کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا ہے اور اب وہ خود اپنے گھوڑے کی طرف بھاگا جا رہا ہے۔“

ریحل نے یہ غلط نہ کہا تھا۔ آدم — یا جو کچھ بھی اس کا نام تھا — جرت انگیز تیزی سے اپنے گھوڑے کی طرف بھاگ رہا تھا۔ گینڈا بھی اس سے چالیس گز دور تھا کہ اجنبی اپنے گھوڑے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ جھانگ لگا کر گھوڑے

خوابوں کے شکاری

۸۱

پر سوار ہوا اور اسے دائیں طرف موڑ کر بھٹکا دیا۔ اس کا کافر ملازم، اپنے گھوڑے پر سوار، اس کے پیچھے تھا۔

گینڈا چند ثانیوں تک شش و پنج کے عالم میں کھڑا رہا۔ غالباً وہ یہ فیصلہ کر رہا تھا کہ اس عجیب قسم کی مخلوق پر حملہ کیا جائے یا نہیں۔ اور اس نے ایک آخری فیصلہ کر لیا۔ وہ پلٹا اور مخالف سمت میں بھاگتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ہی اجنبی سفید فام اپنے کافر ملازم کے ساتھ پھر نمودار ہوا وہ دونوں اس جگہ پہنچے جہاں ہک پڑا ہوا تھا۔ سفید فام نے گھوڑے پر سے اتر کر باب کو ذبح کیا، اسے اٹھا کر اپنے ملازم کے گھوڑے پر ڈال دیا، خود اچک کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اب وہ دونوں سیدھے اس طرف آرہے تھے جہاں ریچل اپنی ماں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔

”لو۔ وہ تو اسی طرف آرہے ہیں“ ریچل نے کہا ”اب یہ میں نہیں جانتی کہ اس شخص کے استقبال کا طریقہ کیا ہے جس نے کھال کا لباس پہن رکھا ہو۔“ غالباً اجنبی کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ اس کا عجیب و غریب لباس ان دو عورتوں پر جو ٹیلے کی چوٹی پر کھڑی ہوئی تھیں، کچھ اچھا اثر نہ ڈال رہا تھا۔ بہر حال اس نے اپنے گھوڑے کی نگاہیں کھینچ لیں۔ پہلے دونوں عورتوں اور پھر اپنے لباس کی طرف دیکھا جو شیر کی کھال اور ایک پتلون پر مشتمل تھا۔ اور اس کی یہ پتلون بھی عجیب تھی کہ نہ برائی کھال کی بنی ہوئی تھی۔ اجنبی سفید فام ریچل اور اس کی ماں سے کوئی ساٹھ گز دور کھڑا ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ریچل کی نظریں تھکی چٹا پنچہ وہ غروب ہوتے ہوئے سورج کی روشنی میں اجنبی کے خدو خال دیکھ سکتی تھی۔ وہ سر سے لنگا تھا اور خاصا قبول صورت تھا، رنگت جھلسی ہوئی تھی اور اس کی عمر پینتیس سال کی رہی ہوگی۔ اس کی آنکھیں کالی تھیں اور اس

کے کالے اور لائے بال کندھوں پر پڑے ہوئے تھے۔ ایک لمحہ تک ریچل اجنبی کی طرف اور اجنبی ریچل کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اس نے گھور کر اپنے کافر ملازم کو صاف اور گونجدار آواز میں کوئی حکم دیا اور اپنے گھوڑے کی باگ موڑ کر چل دیا لیکن اس کا کافر ملازم اپنا گھوڑا بڑھاکر دونوں ماں بیٹی کی طرف آیا یہاں تک وہ ان دونوں کے قریب پہنچ گیا اور اب اس نے گھوڑے پر سے اتر کر انہیں بڑے ادب سے سلام کیا۔

”کیا ہے؟“ ریچل نے زولو زبان میں پوچھا۔ یہ زبان اب وہ بڑی روانی سے اور صحیح بول لیتی تھی۔

”وہ ان کو سی کاس (یعنی خاتون) اس کافر نے جواب دیا۔“ میرے آقا کے خیال میں تم بھوکے ہو گی چنانچہ انھوں نے یہ بک تمہاری خدمت میں تحفہ بھیجا ہے۔“ اور کافر نے وہ رسی کھول دی جس کے سہارے بک گھوڑے کی زین پر بندھا ہوا تھا۔ بک زمین پر آ رہا۔

ریچل نے اپنی نگاہیں دوسری طرف پھیر لیں کیونکہ بک خون میں لت پت تھا اور ریچل خون دیکھ نہ سکتی تھی۔

پھر اس نے کہا:-

”میرے والد اور میری والدہ تمہارے آقا کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ تمہارے آقا کا نام کیا ہے اور وہ کہاں رہتے ہیں؟“

”خاتون! ہم کافروں میں وہ ابو جوسی (شیر) کے نام سے مشہور ہے لیکن اس کا نام ہاشمیل ہے۔“

”ہاشمیل! یہ کیا نام ہوا! آہاں! تمہارا مطلب ہے ہاشمیل۔ یہ انکو سی ہاشمیل رہتے کہاں ہیں؟“

”جنگل میں“ کافر نے جواب دیا۔ ”ان کے کراں تک اگر آدمی گھوڑے پر سوار ہو تو دو گھنٹے کا سفر ہے اور ان کے کراں کا نام مافوقی ہے اور وہ وہاں واقع ہے“ اور کافر نے عظیم چٹان کی طرف اشارہ کیا اور بولا ”ہاشمیل شکاری ہیں اور زولوؤں سے تجارت کرتے ہیں۔“

”وہ تمہارے یہ ہاشمیل صاحب ڈچ ہوں گے“ رچل نے کہا جس کا شوق تجسس بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

کافر نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں۔“ وہ بولا ”سردار ڈچ لوگوں سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ ہارج کے لوگوں میں سے ہیں۔“

”ہارج کے لوگوں میں سے اس کی مراد یقیناً شاہ ہارج سے ہے چنانچہ یہ ہاشمیل صاحب انگریز ہیں۔“

”ہاں۔ ہاں۔ خاتون۔ تمہاری طرح انگریز ہیں۔ کافر نے خوش ہو کر کہا ”انکو ہاشمیل کو تم کوئی پیغام دینا چاہتی ہو؟“

”ہاں۔ انکو ہاشمیل سے یا جنگل میں رہنے والے شیر سے جو ڈچ لوگوں سے نفرت کرتا ہے اور زبرا کی کھال کی پتلون پہنتا ہے، کہنا کہ میرے والد اور میری والدہ ان کے اس تحفے کا شکر یہ ادا کرتے ہیں اور امید ہے کہ انکو ہاشمیل سے انچیر ہوں گے۔ بس جاؤ۔“

کافر مکر یا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ رچل کا یہ پیغام دراصل مذاق یا لطیفہ ہے۔ آپ جانے زولو بڑے ہنسوڑ اور لطیفہ باز ہوتے ہیں۔ پھر اس نے رچل کا پیغام لفظ بہ لفظ دہرایا، سلام کر کے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس طرف چل دیا جس طرف اس کا آقا گیا تھا۔

”ریچل ! تم اپنے والد کے آنے تک اس کافر کو روک رکھیں تو مناسب ہوتا۔“

مسز دیو نے کہا۔

”کیا فائدہ ہوتا ماں۔“ ریچل نے کہا۔ ”ابا صرف یہ کرتے کہ اشمیل صاحب کو بلا کر اس سے مذہبی بحث کرنے لگ جاتے کہ اس کے مذہبی خیالات معلوم کر سکیں اور اگر ضرورت ہو تو راہ راست پر لے آئیں۔ اور ماں ! میں اس اشمیل سے ملنا تو خیر دور کی بات ہے اس کی صورت تک دیکھنا نہیں چاہتی۔“

”کیوں؟“

”اس لئے کہ وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ میرے خیال میں وہ بہت بُرا آدمی ہے۔ اس کے باوجود“ ریچل نے بڑے یقین سے اضاؤ کیا ”ہم اس شخص سے بچ نہ سکیں گے۔ یہ ہمارے پاس اتار رہے گا۔ کاش کہ راستے میں گینڈا اس کا خاتمہ کر دے۔“

مسز دیو حالانکہ جانتی تھی کہ ریچل نے بڑی عجلت میں اشمیل کی متعلق یہ رائے قائم کر لی ہے۔ تاہم وہ اپنی بیٹی سے متفق تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ ریچل جسمانی طاقت اور دماغی زور میں اپنی ماں سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ بالکل اسی طرح کہ مسز دیو اپنے شوہر سے زیادہ ذہین اور ہوشیار تھی۔ یہ واقعی عجیب بات تھی کہ ریچل جیسی بہادر، نڈر، ذہین اور عقلمند لڑکی اس شخص کے نطفے سے، جو تنگ نظر اور بھنوں قسم کا شخص تھا، اور جسے کسی خانقاہ کا حجرہ بسانا چاہئے تھا، اور اس عورت کے لہجے سے پیدا ہوئی تھی جو نرم دل تھی، جو ہونے والے واقعات کا اندازہ لگانا لیتی تھی اور جو بڑی صابر اور صوفی قسم کی تھی۔

باپ کی طرف سے ریچل کی کوئی خصوصیت ورثے میں نہ ملی تھی سوائے جسمانی ساخت کے پاپھر وہ عالمانہ اور ادیبانہ فطرت تھی جس کی وجہ سے وہ ہر زبان آسانی سے سیکھ لیتی تھی۔ مثلاً وہ جنگلوں اور دیرالوں میں پلی اور بڑھی تھی اس کے باوجود

وہ یونانی زبان میں کتاب مقدس اپنے باپ سے بھی زیادہ روانی اور صحت کے ساتھ پڑھ لیا کرتی تھی اور ہومر بھی پڑھا کرتی تھی۔ ہومرا سے بہت پسند تھا کیونکہ اس کے ہمدرد ہیرو اور خون کے پیاسے اور جنگجو زولو سپاہیوں کی یاد دلاتے تھے۔ جوہان نے اپنی بیٹی کو اس کے علاوہ چند دوسرے علوم بھی سکھائے تھے۔ اور رچل بڑی ذہین اور تیز طالب علم ثابت ہوئی تھی اور یہاں آکر جوہان کا ورثہ ختم ہو جاتا تھا۔ جوہان کی ذکاوت اور ذہانت مذہبی جنوں کے دائرے میں محدود ہو کر رہ گئی تھی اس کے برخلاف رچل بڑی تیز فہم تھی اور اس کی ذہانت کا میدان بھی بڑا وسیع تھا۔ وہ ہر بات کی منطقی دلیل تلاش کر لیا کرتی، ہر پہلو پر غور کرتی اور ہر چیز پر تنقید کی نظر ڈالتی۔ رچل اپنے باپ کی طرح خدا کی ذات پر یقین ضرور رکھتی تھی لیکن وہ اندھی مقلد نہ تھی۔ اس کے باپ کے نزدیک بربریت اور وحشت گناہ تھی لیکن رچل ان دونوں چیزوں کو کافروں کے لئے نہ صرف ضروری سمجھتی تھی بلکہ اس کے نزدیک یہی افریقیوں کا تمدن تھا۔

اپنی ماں کی طرف سے رچل کو کچھ زیادہ ہی ورثے ملتے تھے۔ مثلاً بیٹریں کلامی صبر و تحمل اور غیب دانی۔ البتہ غیب بینی کی یہ عجیب قوت اس پر پوری طرح حاوی نہ تھی بلکہ دوسری قوتوں اور خصوصیات نے اس خصوصیت کو اس پر غلبہ حاصل کرنے نہ دیا تھا۔ وہ مستقبل کا اندازہ لگا لیتی تھی اور ہونے والے واقعات اسے معلوم ہو جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ خوفزدہ نہ ہوتی تھی۔ وہ طویل القامت اور جسمانی طور پر مضبوط تھی لیکن یہ دونوں باتیں اس کی نسائیت پر اثر انداز نہ ہوتی تھیں۔ اس کے نزدیک یہ امتیازی خصوصیت — یعنی غیب بینی — اس کے داغ کا ایک خاص عنصر تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس کے لئے وہ دروازہ کھول دیا گیا تھا جو دوسروں کے لئے بند تھا چنانچہ وہ اس دروازے میں جھانک کر دیکھتے ڈرتی نہ تھی جس

طرح کہ اس کی ماں ڈرا کرتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ جب اس نے اشیاء کو دیکھا تو اسے فوراً پتہ چل گیا یا یوں کہئے کہ یقین ہو گیا کہ یہ شخص اس پر اور اس کے والدین پر کوئی مصیبت لے آئے گا اور یہ کہ اسی شخص کی وجہ سے واقعات کا دھارا کسی اور طرف مڑ جائے گا۔ قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ جب ریچل کی ملاقات رچرڈ سے ہوئی تھی تو اس نے اپنے اور رچرڈ کے مستقبل کے متعلق بہت سی باتیں خود بخود معلوم کر لی تھیں۔ بالکل اسی طرح اس نے اشمیل کے متعلق بھی اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص اس کے اور اس کے والدین کے مصائب کا بانی بننے والا تھا اس کے باوجود وہ اس شخص سے اور اس کی برائیوں سے خائف نہ ہوئی البتہ وہ اشمیل سے بچنا اور کسی بھی ناگہانی مصیبت کے لئے تیار رہنا چاہتی تھی اور بس۔ لیکن فی الحال اس نے ان باتوں پر زیادہ غور نہ کیا کیونکہ وہ جو ان اور خوش طبع بھتی اور اشمیل کی پتلون اسے بڑی مضحکہ خیز معلوم ہوئی تھی چنانچہ اسے یاد کر کے وہ ہنسنے لگی۔

ریچل اور مسنر ویو اشمیل کے متعلق باتیں کر رہی تھی کہ جو ہان آگیا۔ وہ اب تک ایک چٹائی شکاف میں گھسا بھاڑیاں کاٹتا رہا تھا کہ پڑاؤ کے گردان کی ردک یا بولہ بنا دیا جائے۔ ان برسوں میں جو ہان میں بھی خاصی تبدیلی ہو گئی تھی پچھلے کسی باب میں ہم نے جو ہان کا تعارف اپنے قارئین سے کرایا تھا تو وہ اتنا بوڑھا نہ تھا۔ اس کے سر کے بال غائب ہو چکے تھے یعنی اس کی چند یا نیکل آئی تھی چہرہ بھی ست گیا تھا، سر پر جو گئے چنے ہال باقی رہ گئے تھے وہ سفید تھے اور پھر اس نے داڑھی بھی چھوڑ رکھی تھی جو سفید اور گھنی تھی۔ اس کی آنکھیں کہیں دور دیکھا کرتی تھیں اور ان کی چمک مجھسی گئی تھی۔

”یہ تک کہاں سے آگیا؟“ جو ہان نے مردہ جانور کی طرف اشارہ کر کے

پوچھا۔

ریچل نے اسے اشمیل کی آمد کی پوری داستان سنا دی اور مسٹر ویو کو جس بات کا خدشہ تھا وہی ہوئی یعنی جو ہاں ریچل پر خوب خطا ہوا۔
”یہ بڑی بد اخلاقی کا ثبوت دیا ہے تم نے“ وہ بولا ”بلکہ یہ سراسر ہمارے مذہب کے منافی ہے۔“

”کیا منافی ہے“ ریچل نے پوچھا۔

”تمہیں چاہئے تھا۔ اور یہی تمہارا اخلاقی اور مذہبی فرض بھی تھا۔
کہ تم اسے پڑاؤ میں چلنے کی دعوت دیتیں۔ تم کسی کا ظاہر دیکھ کر اس کے متعلق ایک رائے قائم کر لیتی ہو اور یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ اس نے شیر کی کھال اور
اور زبرا کی کھال کی پتلون پہن رکھی تھی اور اسی سے تم نے اس کے متعلق ایک رائے
قائم کر کے اسے ذلیل اور بیچ سمجھ لیا حالانکہ یہ لباس جنگل میں رہنے والے کے لئے
بے حد مناسب ہے۔ تمہیں یہ نہ بھولنا چاہئے ریچل کہ ہمارے اجداد جنگلوں
میں ہی رہتے اور کھال کا ہی لباس پہنا کرتے تھے۔“

”یہ میں جانتی ہوں آبا۔“ ریچل نے جواب دیا ”اب آپ مجھے زیادہ
سرزنش نہ کریں کیونکہ مجھے ہانڈی جو لھے کی فکر کرنی ہے مجھے وہ شخص جس کا
نام اشمیل ہے، ذرا پسند نہیں آیا۔ مجھے اس کی صورت سے چرچ ہو گئی اور
وہ بھی پہلی ہی نظر میں، اس کے علاوہ وہ یہاں ٹھہرا بھی نہیں بلکہ گھوڑے
پر سوار ہو کر فوراً چل دیا۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اسے پڑاؤ میں چلنے کی
دعوت دینا میرا نہیں بلکہ اماں کا فرض تھا لیکن وہ خاموش کھڑی اس
کی طرف دیکھتی رہیں۔ ایک لفظ نہ کہا منہ سے۔ اگر آپ اس سے ملنے کے
لئے ایسے ہی بے تاب ہیں تو کل چلے جائیے اس کے کراں میں البتہ مجھے اپنے

ساتھ نہ گھسیٹے۔ اچھا۔ اب ٹام کو یہاں بھیج دیجئے کہ اس بک کو پھیل کر گوشت لے آئے پڑاؤ میں۔“

”ٹام تو بونا بنانے میں مصروف ہے۔ جوہان نے جواب دیا ”چنانچہ اس بک کو میں ہی صاف کئے لیتا ہوں۔“

”نہیں۔ نہیں۔ ریچل نے جلدی سے کہا ”اس کام سے آپ کو بھی تنہا ہی نفرت ہے جتنی مجھے۔ چنانچہ اس سے رہنے دیجئے یونہی۔ ہمارے ملازم فرصت پالیں تو پھر انھیں ہی بک کو چھیلنے کے کام پر لگا دیا جائے گا۔ ہمارے پاس تھوڑا سا گوشت ہے بچا ہوا میں اسے پکا ہی لوں گی اور تھوڑے مٹھی دانے آہل لوں گی۔ اب آپ جا کر باڑھ بنانے میں ملازموں کی مدد کیجئے اور میں چولھا جلاتی ہوں چل کر۔“

ریچل عموماً جلد اور فوراً ہی سہ جاپے کرتی تھی۔ اس چیز پر جو تکے کا کام دے رہی ہوتی۔ اکثر یہ کندہ ہوا کرتا تھا۔ سر رکھتے ہی وہ آنکھیں بند کر لیتی اور چند سکنڈ بعد ہی گہری نیند سو رہی ہوتی۔ لیکن اس رات ایسا نہ ہوا۔ اس کا چھوٹا سا خیمہ چھکڑے کے رنج لگا ہوا تھا۔ چھکڑے میں جو ہاں اور مسنردیو سو رہے تھے اور ریچل اس خیمے اور اپنے بستر میں پڑی جاگ رہی تھی۔ کافروں کو اس رات بک کا گوشت شکم سیر ہو کر کھانے کو ملا تھا چنانچہ اب وہ الاؤ کے گرد بیٹھے بھنگ پی رہے تھے، باتیں کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ الاؤ کی آگ، جو باڑھ کے قریب جل رہا تھا، رفتہ رفتہ مدھم پڑ گئی اور کافروں کی ہنسی کی آوازیں خراٹوں میں تہریں ہو گئیں۔ ریچل کی آنکھیں بھی بند ہونے لگیں اور وہ اونگے گئی۔ لیکن کہیں قریب سے ہی لکڑ بجھے کی قہقہہ نما چیخ کی آواز ابھری اور ریچل کی آنکھ کھل گئی۔ لکڑ بچھوں نے شکار کئے ہوئے بک

کی بو پالی تھی اور اب وہ بومایا باڑھ کے باہر چکر لگا رہے تھے کہ شاید گوشت کا
ایک آدھ لوٹھرا گھٹنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ریچل اٹھی، قریب دکھی ہوئی
بندوق اٹھائی، کندھے پر کبل ڈالا اور خیمے سے باہر آگئی۔

شفاف آسمان میں چاند چمک رہا تھا اور اس کی روشنی میں ریچل کو کربجے
نظر آ گئے۔ وہ دو تھے اور باڑھ کے چاروں طرف بڑے بے تابانہ چوکے لگا رہے
تھے۔ چھکڑوں کے پٹیوں سے بندھے ہوئے بیل اور بم سے بندھے ہوئے
گھوڑے ان مردار خور چوپایوں کی بو پا کر بے چین ہونے لگے تھے۔ بیل ہولے ہولے
دکرا رہے تھے اور گھوڑے پھنکار رہے تھے۔ باڑھ زیادہ بلند نہ تھی چنانچہ
ریچل کا سر باڑھ کے اوپر نمایاں تھا۔ لکڑی بگھوں نے اسے دیکھا اور بھاگ گئے۔
اگر ریچل چاہتی تو وہ ان دونوں یا ایک کو مار گرا سکتی تھی۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا
اول تو اس لئے کہ اسے کسی کی بھی جان لینا پسند نہ تھا حتیٰ کہ لکڑی بگھوں کی بھی نہیں۔
دوم اس لئے کہ وہ اپنے والدین اور کافروں کو بیدار کرنا نہ چاہتی تھی۔ چنانچہ اس
نے چند خشک لکڑیاں الاؤ میں جھونک دیں اور بندوق کی ہتھی پر ٹھوڑی ٹکاس
کر اسی جگہ کھڑی دور پر نظر آتے ہوئے سمندر کی طرف دیکھتی رہی۔ چند گز کے
فاصلے پر ہرنوں اور بارہ سنگھوں کا ایک ریوڑ اپنی پیاس بجھانے کے لئے دریا
کی طرف جا رہا تھا۔ پندرہ بیس منٹ گزر گئے لیکن لکڑی بگھے واپس نہ آئے چنانچہ
ریچل واپس اپنے خیمے میں پہنچی اور اپنے بستر پر دراز ہو گئی۔

اس وقت وہ اشمیل اور اس کے مضحکہ خیز پتلون کے متعلق سوچ رہی
تھی جو زبردستی کھال کی بنی ہوئی تھی وہ حیران تھی کہ اس شخص سے اسے پہلی ہی
نظر میں نفرت سی کیوں ہو گئی تھی اور اس وقت اشمیل اس سے بیچاس گز کے
فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ چنانچہ۔ اس نے سوچا۔ جب وہ ریچل کے قریب

خوابوں کے شکاری

ہوگا تو اس کی ریحل کی، نفرت کس اتھا کو پہنچ جائے گی۔ اس کے باوجود اشمیل وہ بد قسمت شخص ہو سکتا تھا جو ہندو دنیا میں اپنا سب کچھ لٹا کر اور بالکل ہی مفلس قلاشی ہو کر جنگلوں میں چلا آیا تھا۔ ریحل نے اکثر لوگوں کے متعلق سنا تھا کہ پہلے وہ امیر تھے لیکن اپنی دولت دونوں ہاتھوں سے لٹا رہے اور جب ان کے پاس کچھ نہ رہا اور عزیز اقربا نے آنکھیں پھیر لیں تو وہ ترک وطن کر کے افریقہ کے جنگلوں میں جا بسے۔ اور رفتہ رفتہ خود بھی وحشی یا نیم وحشی بن گئے۔ اور اشمیل ان لوگوں میں سے ہو سکتا تھا اس لئے اس قابل بھی نہ تھا کہ اس کے متعلق سوچا جائے۔ چنانچہ ریحل نے اسے اپنے ذہن سے جھٹک دینے کی کوشش کی اور چونکہ اب بھی نیند کا دور دورہ تک پتہ نہ تھا۔ اس لئے وہ رچرڈ وارین کے متعلق سوچنے لگی۔

ریچل اور رچرڈ کی پہلی ملاقات کو ایک طوفانی رات میں جزیرے پر ہوئی تھی، کئی برس گزر چکے تھے اور تب سے لے کر اب تک ریحل کو اپنے ساتھی کی خیر خبر معلوم نہ ہوئی تھی۔ اس کے متعلق کچھ نہ سنا تھا۔ وہ یہ تاک نہ جانتی تھی کہ رچرڈ زندہ بھی تھا یا نہیں۔ البتہ اس کا اسے یقین تھا کہ اگر وہ مر گیا ہوتا تو ریحل کو اس کا احساس ہو جاتا۔ قصہ مختصر اس نے اب تک رچرڈ کے متعلق کچھ نہ سنا تھا اور شاید اسے کبھی رچرڈ کی کوئی خبر معلوم نہ ہوگی لیکن اس پر بھی اسے یقین نہ تھا کیونکہ اگر اسے اس بات کا یقین ہوتا تو اس کا تمام سکھ اور خوشیاں (ریچل بہر حال ایک سکھی اور خوش باش لڑکی تھی) معدوم ہو جاتیں اور وہ اس اور غمگین رہنے لگتی۔ یہ لڑکا، جس سے ریحل اپنی زندگی میں صرف ایک دفعہ ملی تھی، اس کے دل میں بس گیا تھا اور نہ ہی وہ اس کے پہلے مگر رخصتی ہو سے کو بھولی تھی۔

رچرڈ کے متعلق ہی سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی اور اس نے ایک خواب دیکھا جو رچرڈ کے متعلق تھا۔ بے حد طویل خواب تھا چنانچہ ریحل کو یہ خواب پورا کا پورا

تو یاد نہ تھا البتہ یہ اسے ضرور یاد تھا کہ اس خواب میں اس نے شور و غل کی آوازیں سنی تھیں، کافروں کے ہتھیار کالے چہرے دیکھے تھے، بھالوں کے پھلوں کو بجلیوں کی طرح چمکتے دیکھا تھا اور ہاں۔ وہ سفید فام اجنبی بھی موجود تھا جس کا نام اشمیل تھا اور جس کی صورت سے ریکل کو چڑھتی۔ البتہ اس خواب کا ایک حصہ سے اچھی طرح یاد تھا۔ اور یہ کہ رچرڈ وائین، جو اب پوری طرح جوان ہو چکا تھا، پورا مرد بن چکا تھا، ریکل پر جھکا اسے خبردار کر رہا تھا۔ اس سے کہہ رہا تھا کہ اسے ریکل کو، ایک خطرہ لاحق ہے اور یہ کہ وہ اس شخص اشمیل سے ہوشیار رہے۔

دفعۃً ریکل کی آنکھ کھل گئی۔ نیچے کے دروازے سے صبح صادق کی روشنی نظر آرہی تھی اور ریکل ایک عجیب طرح کی بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ وہ کچھ کرنا چاہتی تھی۔ کوئی کام تاکہ اس کی یہ بے چینی دور ہو جائے، اس کا دھیان بٹ جائے۔ پڑاؤ میں سوتا پڑا ہوا تھا۔ اب تک کوئی بیدار نہ ہوا تھا۔ لیکن کیا کرے وہ؟ اور اسے اس سوال کا جواب فوراً ہی مل گیا۔ سمندر زیادہ دور نہ تھا چنانچہ وہ سمندر تک جا کر اس میں نہانے کے بعد دوسرے لوگوں کو بیدار ہونے سے پہلے پڑاؤ میں واپس آسکتی تھی۔

پانچواں باب

نونی

سمندر پڑاؤ سے زیادہ دور نہ تھا البتہ پنج میں ایک جنگل حائل تھا جس میں
خونخوار درندے اور وحشی کافر بھٹک رہے تھے چنانچہ اس جنگل کو عبور کر کے محض
ہمانے کے لئے سمندر تک جانا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن رچل اس قسم کے
خطرات کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔ کئی برسوں پہلے اس نے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ اگر
جنگلی جانوروں کو چھڑا نہ جائے تو وہ حملہ کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ البتہ
دگینڈے سے بچ کر رہنا ضروری تھا کیونکہ کسی پر بھی نظر پڑتے ہی حملہ کرنے کے لئے
ڈر پڑنا گینڈے کی فطرت ہے۔ لیکن گینڈا بڑے ڈیل ڈول کا جانور ہوتا ہے
اور کافی فاصلے سے نظر آجاتا ہے۔ چنانچہ اس سے کترا کر نکلا جاسکتا ہے۔ رہے ہاتھی
شیر اور جنگلی بھینسے تو رچل جانتی تھی کہ وہ انسان کی صورت دیکھتے ہی بھاگ جاتے
ہیں۔ کئی دفعہ رچل کو اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ البتہ کبھی کبھی وہ حملے کی کوشش بھی کرتے
میں یعنی اس وقت جب وہ بھاگنے کے بجائے جم کر کھڑے رہیں اور آپ کی طرف
گھورتے رہیں۔ وہ وحشی کافروں سے بھی نہ ڈرتی تھی۔ کافر ہمیشہ اس کے سامنے
احترام سے جھک جاتے تھے حتیٰ کہ وہ کافر بھی جنہوں نے اس سے پہلے کبھی دیکھا
نہ ہوتا۔ تاہم اس نے احتیاطاً اپنی دونالی بندوق اٹھا کر اس کی ایک نالی میں کارتوتا
اور دوسری میں چھڑے بھر لئے اور پھر ٹام کو بیدار کر کے اس سے کہا کہ وہ سمندر پر
ہمانے جا رہی ہے۔ ٹام نیم باز آنکھوں سے رچل کی طرف دیکھتا اور خوابناک

آواز میں اسے اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ریچل نے ٹام کی اس بڑبڑاہٹ کو سنی ان سنی کر کے ہارھ میں سے چند جھاڑیاں ہٹا کر راستہ بنایا، پڑاؤ سے باہر آئی اور دوسرے ہی لمحے وہ صبح کی دھند میں گھس کر غائب ہو چکی تھی۔

جنگلی جانوروں کی آمدورفت سے پیدا شدہ پگڑنڈی پر چلتی اور شبہم میں بھیگی ہوئی گھاس کو روندتی اور میدانوں اور گھاٹیوں میں سے گذرتی اور ٹیلوں پر چڑھتی اور اترتی ہوئی ریچل کوئی بس منٹ بعد سمندر کے کنارے پر تھی اور اس وقت صبح کی روشنی بڑھنے لگی تھی۔ سمندر پر سکون تھا۔ جلد ہی ریچل نے ایک بے حد عمدہ اور مناسب جگہ تلاش کر لی۔ چاروں طرف کھڑی ہوئی چٹانوں کے درمیان ایک تالاب سا تھا۔ ریچل اپنے کپڑے اتار کر اس تالاب کے کھنڈے اور شفاف پانی میں اتر پڑی اور اب وہ نہار ہی تھی اور ایک ماہر پیراک کی طرح تالاب کے اہل کنارے سے اس کنارے تک بتر رہی تھی اور اس وقت وہ ایک عورت سے زیادہ ایک جل پری معلوم ہوتی تھی۔

جی بھر کر ہنا چکنے کے بعد وہ تالاب میں سے نکل آئی۔ تولے سے جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی، اپنا جسم خشک کیا لیکن بال کھیلے چھوڑ دئے کہ ہوا انھیں سکھا دیگی اب اس نے کپڑے پہنے اور اسی جگہ کھڑے ہو کر سورج کو طلوع ہوتے دیکھنے لگی۔ جو سمندر میں سے جیسے سراجھا رہا تھا۔

وہاں کھڑے ہوئے اسے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ یکایک اس نے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ آواز سے معلوم ہوا ہاتھاکا دڈ گھوڑے کھتے اور ریچل کی طرف ہی چلے آ رہے تھے لیکن دھند اس قدر گھاڑھی تھی کہ گھوڑے دکھائی نہ دیتے تھے۔ چند سکند کے بعد وہ دھند میں سے نکل آئے اور پہلی چیز وہ اسے

نظر آئی وہ سیاہ و سفید دھاریاں تھیں اور ریکل یہ سوچ کر ہنس پڑی کہ اس نے زبرا کو گھوڑے سمجھ لیا لیکن فوراً ہی اس کی ہنسی نے دم توڑ دیا کیونکہ یہ دھاریاں اشمیل کی پتلون کی تھیں۔ یہ اشمیل ہی تھا جس نے پتلون زبرا کی کھال کی سی پن رکھی تھی لیکن شیر کی کھال کی جگہ اب اس نے ایک ڈھیلا ڈھالا کوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور دوسرے بے سوار گھوڑے کو لگام سے پکڑے اپنے پیچھے بھگاتا لارہا تھا۔ ریکل نے تو یہ اٹھا کر اپنے کھلے اور کھجکے ہوئے بالوں پر ڈال لیا اور جلدی سے بندوق اٹھا کر اس کا گھوڑا چڑھا لیا۔ اسے اس شخص پر اعتبار نہ تھا۔ ریکل نے کچھ زیادہ کتابیں نہ پڑھی تھیں البتہ اس نے اکثر کہانیوں میں پڑھا تھا کہ کس طرح کنواری لڑکیوں کو اکیلی پا کر مرد اٹھالے جاتے ہیں اشمیل کو دیکھ کر ریکل ذرا خوفزدہ ہو گئی تھی لیکن جب اس نے دوسری نال کا گھوڑا چڑھا لیا تو اس کا خوف زائل ہو گیا اور جرأت عود کر آئی۔

”اگر اس نے دست درازی کی کوشش کی تو میں اسے اس گستاخی کا مزہ چکھا دوں گی“ وہ دن ہی دل میں بولی ”ہاں اگر وہ دس منٹ پہلے آیا ہوتا تو میں اپنا بچاؤ نہ کر سکتی۔ لیکن اب سمجھ لوں گی اس سے“

اس اثنائے اشمیل قریب پہنچ چکا تھا اور اپنے گھوڑے کی لگائی کھینچ رہا تھا اور ریکل نے دیکھا کہ وہ بے حد خوفزدہ اور گھبراہٹا ہوا تھا۔ اشمیل کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور ہونٹ کا نیپ رہے تھے۔

”وہ گینڈا اس کے تعاقب میں ہے شاید“ ریکل نے سوچا اور پھر بلند آواز میں

پوچھا ”کیا بات ہے جناب؟“

”معافی چاہتا ہوں محترمہ“ اشمیل نے اپنی گونجدار آواز میں بڑی شائستگی سے

کہا ”معافی چاہتا ہوں کہ میں آپ کی تفریح میں مغل ہو رہا ہوں لیکن وہ۔۔۔“

وہ دفعتاً خاموش ہو گیا۔

”کیا ہوا زولوؤں کو؟“ ریچل نے اشمیل کی شائستگی سے دل ہی دل میں حیران

ہوتے ہوئے پوچھا۔

”ہونا کیا تھا محترمہ۔ ان کا ایک دستہ، جو پوری طرح مسلح ہے، اسی طرف

آ رہا ہے۔“

”اس طرف آ رہا ہے۔“

”جی ہاں۔ وہ مفردوں کو تلاش کر رہے ہیں۔ یہ بھگورے، جو تعداد میں غالب

ہیں، ایک گھنٹہ پہلے میرے کراں کے قریب سے گزرے تھے اور زولوؤں کا دستہ

ان کے تعاقب میں ہے۔ چنانچہ میں تم لوگوں کو خبردار کرنے بھاگا آیا۔ پڑاؤ میں پہنچا

تو معلوم ہوا کہ تم یہاں آگئی ہو چنانچہ میں تمہیں پڑاؤ میں لے جانے آیا ہوں مبادا تم

زولوؤں کے ہتھے چڑھ جاؤ یا اپنے ماں باپ تک نہ پہنچ پاؤ۔“

”بہت بہت شکریہ جناب“ ریچل نے بڑے سکون سے کہا ”لیکن میں زولوؤں

سے نہیں ڈرتی کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ وہ مجھے انگلی تک نہ لگائیں گے۔“

”تم حسین ہو، نوجوان ہو اور سفید فام ہو پھر اس یقین کی وجہ؟“

”وجہ تو میں نہیں جانتی“ ریچل نے سنس کر کہا ”لیکن میں انکو ساڑا نہ زولا

کے نام سے مشہور ہوں اور زولا اس نام کا بڑا احترام کرتے ہیں چنانچہ وہ مجھے

چھونے تک کی جرأت نہ کریں گے۔“

”انکو ساڑا نہ زولا اشمیل نے حیرت سے کہا ”یہ تو۔ یہ تو۔ زولوؤں

کی ایک زبردست دیوی ہے اور کہتے ہیں کہ سفید نام ہے۔ یہ لقب تمہیں کیسے

مل گیا؟۔ لیکن خیر۔ سوار ہو جاؤ جلدی سے۔ زولو پہلے تو تمہیں قتل کر دیں گے

اور نام و لقب بعد میں پوچھیں گے۔ تمہارے، یا بہت زیادہ پریشان ہیں؟“

” لیکن اماں پریشان نہ ہوں گی۔ وہ جانتی ہیں ” ریحل آپ ہی آپ بڑبڑاتی اور گھوڑے پر سوار ہو گئی جسے اشمیل ساتھ لایا تھا۔

اور ان دونوں نے مزید کچھ کہے بغیر اپنے گھوڑے پڑاؤ کی طرف بھگا دئے ابھی وہ ڈھلان چڑھ کر اس کی چوٹی پر پہنچے ہی تھے کہ سورج طلوع ہو گیا۔ اس کی کرنوں نے سمندر پر اور ساحل پر چھائی ہوئی دھند کو جیسے نکل پیا لیکن ان کے سامنے۔ ان کے اور پڑاؤ کے درمیان۔ دھند بدستور چھائی ہوئی تھی۔

ناگہاں ریحل کو اس دھند کے کنارے پر ڈوانسانی سائے بھاگتے نظر آئے آگے آگے ایک بے حد حسین اور سڈول جسم کی کافر لڑکی تھی جو ریحل اور اشمیل کی طرف بے تحاشہ بھاگی آرہی تھی۔ اس لڑکی کی رنگت عام حبشیوں کے مقابلے میں کھلتی ہوئی تھی اور وہ بدن سے تنگی تھی البتہ اس نے اپنی کمر سے کپڑے کا ایک ٹکڑا باندھ رکھا تھا جو ” موچا “ کہلاتا ہے۔ لڑکی لڑکھڑا رہی تھی۔ وہ بے حد تھکی ہوئی تھی اور ٹدھال ہو کر گرنے کے قریب تھی۔ اس کے پیچھے ایک ” تگرڈا “ زولوسپا ہی اپنا بھالا ہلاتا بھاگا آرہا تھا۔ لڑکی لڑکھڑا کر زمین پر گری۔ وہ ہانپ رہی تھی، اس کی زبان باہر نکل آئی تھی اور آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ وہ جہاں گری تھی وہیں پڑی رہی۔

” چلو۔ جلدی چلو “ اشمیل نے کہا۔ ” یہ لڑکی ان بھگڑوں میں سے ایک

ہے جن کا تعاقب کر کے زولوسپا ہی قتل کر رہے ہیں۔ “

لیکن ریحل نے اپنے گھوڑے کی ناک میں کھینچ لیں۔ لڑکی نے اسے دیکھا تو وہ کوشش کر کے اٹھی اور ریحل کی طرف اتنی تیزی سے بھاگی کہ اپنے تعاقب میں آتے ہوئے زولوسپا ہی سے بہت آگے نکل آئی۔ قریب آ کر کافر لڑکی ریحل کی مانگوں سے لپٹ گئی۔

”مجھے بچالو۔ سفید خام خاتون۔ مجھے بچالو۔“ لڑکی نے اکٹھری اکٹھری سانسوں کے درمیان کہا۔

”اگر یہ تمہاری ٹانگیں نہیں چھوڑتی تو اسے گولی مار دو اور بھاگو یہاں سے۔“ اشمیل نے کہا۔

”لیکن بجائے اس کے کہ ریچل اشمیل کے اس مشورے پر عمل کرتی وہ کھوڑے پر سے اتر آئی اور آگے بڑھتے ہوئے زووسپا ہی کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔

”بس رک جاؤ۔“ ریچل نے کڑک کر کہا۔

اور زووسپا ہی یوں رک گیا جیسے اس کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئی ہوں۔

”اب بتاؤ کیا چاہتے ہو تم؟“ ریچل نے پوچھا۔

”اس لڑکی کو“ زولو نے جواب دیا۔ ”مجھے یا تو اسے گرفتار کرنا ہے یا پھر قتل کرنا ہے۔“

”کس کے حکم سے؟“

”ہمارے بادشاہ ڈنگان کے حکم سے۔“

”اور اس لڑکی کا گناہ کیا ہے؟“

”یہ ساحرہ ہے۔ لیکن اسے سفید خام عورت! تم کون ہوتی ہو یہ

سوالات پوچھنے والی؟“

”میں وہ ہوں جس کے حکم کی تعمیل تمہیں کرنی ہے۔“ ریچل نے سینہ تان کر

جواب دیا۔ ”والپس جاؤ اور اس لڑکی کو چھوڑ دو۔ یہ میری ہے۔“

سپاہی نے حیرت سے ریچل کی طرف دیکھا، چند ثانیوں تک غامض کھڑا

رہا لیکن پھر اس نے ایک بھیا نک قہقہہ لگایا۔ ایک بار پھر وہ ریچل اور لڑکی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”میں کہتی ہوں واپس جاؤ“۔ ریچل نے چیخ کر کہا۔

سپاہی بدستور آگے بڑھتا رہا۔

”واپس جاؤ ورنہ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ“۔ ریچل نے تیسری دفعہ کہا

”اگر میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے بغیر ڈنگان کے پاس گیا تو بھی مارا جاؤنگا“

زولوسپاہی نے کہا جو بڑا ہی بہادر معلوم ہوتا تھا۔ پھر وہ کافر لڑکی سے مخاطب

ہوا۔ ”نوئی! تم کیا کہتی ہو؟ چل رہی ہو میرے ساتھ یا میں تمہیں اسی جگہ قتل

کردوں۔“

اور اس نے اپنا بھال بلند کیا۔

لڑکی زمین پر ڈھے گئی۔

”قتل کر دو مجھے“ لڑکی نے مردہ آواز میں کہا۔ میں واپس نہ جاؤں گی۔

میں نے ڈنگان پر سحر نہیں کیا ہے کہ وہ ہر رات مجھے خواب میں دیکھتا ہے۔

مجھے موت کی دامن بننا تو منظور ہے لیکن ڈنگان کی بیوی بننا منظور نہیں۔

اگر میں اس کے کراں میں رہی تو اس کی بیوی بن کر نہیں بلکہ روح بن کر رہوں گی۔

”ٹھیک ہے۔ میں تمہارے یہ الفاظ ڈنگان تک پہنچا دوں گا۔ الوداع

نوئی“ اور اس نے اپنا بھالا اور بھی زیادہ بلند کر کے ریچل سے کہا۔

”سفید فام عورت! بہت جاؤ ایک طرف۔ تمہیں قتل کرنے کا حکم مجھے نہیں

طا ہے۔“

جو اب دینے کے بجائے ریچل نے اپنی ہندوق اٹھا کر ہتھی کندھے سے لگائی

اور نالیوں کا رخ زولوسپاہی کی طرف کر دیا۔

”یہ کیا کر رہی ہو!“ اشمیل چینی ”اگر اس زولو سپاہی کو ایک خراش تک بھی آگئی تو اس کے ساتھی ہم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ پاگل ہو گئی ہو تم تو۔“

”اور تم یقیناً بزدل ہو۔“ رچل نے زولو سپاہی پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا اور پھر زولو زبان میں بولی ”سنو اور پائے نو گیلیا کے اس طرف کا علاقہ ڈنگان انگریزوں کو دے چکا ہے اور یہاں اسے کسی کو بھی قتل کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ یہ لڑکنی میری ہے ڈنگان کی نہیں۔ اگر تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو مارے جاؤ گے۔“

”ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ کون مرتا ہے“ زولو نے ہنس کر کہا اور نوئی کی طرف جھلانگ لگا دی۔

اور یہ آخری الفاظ تھے جو زولو کی زبان نے ادا کئے۔

رچل نے شست باندھی اور ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر بلبلی دبا دی۔ ایک دھماکے کی آواز سے وادی اور ٹیلے گونج اٹھے، زولو ہوا میں اچھل کر پست گرا اور ٹپے بغیر ٹھنڈا ہو گیا۔ اشمیل اپنا گھوڑا بڑھا کر قریب آیا اور حیرت سے اس عجیب منظر کو دیکھنے لگا کہ وہ زولو سپاہی، جو ایک ہی لمحے پہلے ہنس رہا تھا اور بول رہا تھا، اب وہ مردہ پڑا ہوا تھا، ڈھال اس کے چہرے پر آ پڑی تھی۔ چنانچہ اس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا، رچل تن کر کھڑی ہو گئی تھی، اس کے ہاتھ میں صندوق بھٹی جس کی نالی سے اب بھی دھواں نکل رہا تھا، سٹول بدن والی نوئی رچل کے قدموں میں بیٹھی اپنی نجات دہندہ کی طرف لیوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ عورت خفیں اس کی محافظ روح ہو اور پھر وہ دو گھوڑے تھے جن میں سے ایک نے اپنے کان کھڑے کر رکھے تھے اور دوسرا قریب آگئی ہوئی گھاس پر منہ مار رہا تھا۔

”میرے خدا! یہ کیا کر دیا تم نے؟“ اشمیل نے کہا۔

”انصاف“ رچل نے مختصر سا جواب دیا۔

”تو پھر اس انصاف کا خمیازہ تم ہی بھگتو۔ میں اپنا گلا کٹوانے کے لئے یہاں

کھڑنے سے رہا۔“

”کون کہتا ہے تمہیں یہاں کھڑنے کے لئے؟“ رچل نے بڑے سکون سے کہا

”مجھے تمہاری مدد اور حفاظت کی ضرورت نہیں۔ میرا ایک زبردست محافظ

ہے اور وہی میری حفاظت کرے گا۔“

اشمیل کو کوئی جواب نہ سوچھا چنانچہ کچھ کے بغیر اپنے گھوڑے کی باگ موڑ

دی اور اسے جواہان پڑاؤ کی مخالف سمت بھگا دیا۔ دوسرا زائد گھوڑا اپنے

آپ ہی اس کے پیچھے بھاگ پڑا۔ تھوڑی دیر بعد ہی دھندا نہیں بچ چکا تھی۔

رچل اور نوٹی وہاں اکیلی رہ گئیں۔

عین اسی وقت پڑاؤ کی طرف سے نوردن اور چیخوں کی آوازیں سنائی دیں

یہ آوازیں اس وادی میں سے آرہی تھیں جو اس ٹیلے، جہاں رچل اور نوٹی تھیں،

اور پڑاؤ کے درمیان تھی۔

”ڈننگان کے سپاہی میرے لوگوں کو قتل کر رہے ہیں“ نوٹی نے کہا۔

”تم چلی جاؤ یہاں سے ورنہ وہ لوگ تمہیں بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔“

رچل ایک لمحے تک سوچتی رہی۔ یہ تو بہر حال ظاہر تھا کہ اب پڑاؤ تک

پہنچنا ممکن نہ رہا تھا۔ اگر وہ دونوں لڑکیاں گھوڑے پر سوار ہوتیں تب بھی پڑاؤ

میں نہ پہنچ سکتیں کیونکہ درمیان میں زوالو حائل تھے۔ دفعۃً ایک حیاں بھلی کی سی

تیزی سے رچل کے دماغ میں کوند گیا۔ جس ٹیلے پر وہ کھڑی ہوئی تھیں وہ جھارپول

سے ڈھکے ہوا تھا اور جس پر سے موسم باراں میں ایک کافی چوڑا اور گہرا چشمہ بہا

سکرتا تھا۔ یہ چشمہ تو اس وقت خشک تھا البتہ اس کے پیٹ میں جگہ جگہ پانی کے گہرے دلدلی کھڈ تھے۔ ایک بڑا سا کھڈ عین اس کے قدموں میں تھا۔

”درا میرا ہاتھ بٹاؤ تو ہم یہ لاش نیچے پانی میں پھینک دیں۔“ ریچل نے کہا۔

نوئی فوراً تیار ہو گئی۔ دونوں بدقت تمام زولو کی لاش ٹیلے کے کنارے تک گھسیٹ لائیں اور پھر اسے اوپر سے لڑھکا دیا۔ لاش ایک جھپاکے کے ساتھ کھڈ میں گرمی اور غرق ہو گئی۔

”اس پانی میں مگر کچھ موجود ہیں“ ریچل نے کہا ”جب میں اس طرف سے گزر رہی تھی تو میں نے ایک مگر کچھ دیکھا تھا اچھا!۔۔۔ اب یہ ڈھال اور بھالا اٹھاؤ اور میرے ساتھ آؤ۔“

نوئی نے اس حکم کی تعمیل کی۔ زندگی کی امید کے ساتھ اب اس میں بڑی بھرتی آگئی تھی۔ وہ دونوں ٹیلے کی ڈھلان اتر کر وادی میں اور چشمے یا پلوں کیلئے کھڈ کے کنارے پہنچیں۔ کھڈ کے پانی میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی اور بڑی بڑی کھناؤنی قندھیاں بار بار سطح آب پر نمودار ہو جاتی تھیں۔ ریچل نے غلط نہ کہا تھا۔ چشمے میں بہت سے مگر کچھ موجود تھے۔

”اب تم یوں کرو۔“ ریچل نے کہا ”کہ اپنا سوچا کھول کر اس پتھر پر ڈال دو۔ زولو اگر نہیں تلاش کرتے اس طرف آگئے تو یقین کر لیں گے کہ.....“

نوئی نے اثبات میں اپنا سر بلایا، اپنی کمر کے گرد بندھا ہوا کپڑے کا ٹکڑا کھولا، اسے پانی میں بھگوایا اور قریب کے ایک پتھر پر ڈال دیا۔ اب وہ بالکل سنگی تھی اس نے ریچل کا ایک ہاتھ پکڑ لیا اور اب وہ دونوں ایک سے دوسرے پتھر پر چھلانگیں لگاتی آگئے بڑھ گئیں۔ ظاہر ہے کہ پتھروں پر قدموں کے نشانات نہیں بنے۔ ریچل جب

خوابوں کے شکاری

سے سمندر کے کنارے اور چٹانوں میں گھرے ہوئے تالاب یا کھڑے ہیں نہار ہی تھے تو اس نے اپنے اسی غسل خانے کی چٹانی دیوار میں ایک چھوٹا سا غار دیکھا تھا۔ اس غار میں جو پانی تھا وہ تین فٹ سے زیادہ گہرا نہ تھا اور پھر وہ آبی پودوں اور بیلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ وہ کھڑا جس میں ریتل نے غسل کیا تھا، کوئی دو سو قدم لمبا تھا چنانچہ اگر وہ اس کا چار کاٹ کر جاتے تو اس کے ریتیلے ساحل پر ان کے قدموں کے نشانات بن جاتے اور زولو سپاہی انھیں آسانی سے تلاش کر لیتے۔ اس کے علاوہ ساحل کے سامنے کھلا میدان تھا اس لئے زولو انھیں کافی فاصلے سے دیکھ بھی سکتے تھے۔

”تیرنا جانتی ہو؟“۔ ریتل نے پوچھا۔

”نوئی نے پھر اثبات میں سر ہایا چنانچہ وہ دونوں پانی میں اتر پڑیں اور تیرتی رہیں دوسرے کنارے پر پہنچ گئیں جہاں وہ چھوٹا سا غار تھا اور اب وہ دونوں اس غار میں اس طرح بیٹھی ہوئی تھیں کہ آبی بیلوں نے انھیں پوری طرح ڈھک رکھا تھا۔

وہاں بیٹھے ہوئے انھیں پانچ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ انھوں نے آوازیں سنیں جو قریب آ رہی تھیں۔ ریتل اور نوئی فوراً پانی میں اتر کر اس طرح بیٹھ گئیں کہ اب ان کے سر سطح آب پر ابھرے ہوئے تھے اور ان کے بالوں کا رنگ آبی سیلوں کے کالے اور پیلے رنگ میں اس طرح مل جل گیا تھا کہ کوئی بھی ان کے بالوں اور بیلوں میں تمیز نہ کر سکتا تھا۔

”زولو“، نوئی نے کہا اور یوں کانپی کہ پانی میں لہریں پیدا ہو گئیں۔ وہ مجھے تلاش کر رہے ہیں۔“

”خاموش اور بے حرکت رہو“۔ ریتل نے جواب دیا ”اب میں گولی نہیں چلا سکتی۔ بندوق گیلی ہو گئی ہے۔“

آوازیں خاموش ہو گئیں اور دونوں لڑکیوں نے سمجھ لیا کہ باتیں کرنے والے جا چکے تاہم احتیاط کے تقاضے سے مجبور ہو کر وہ بدستور پانی میں بیٹھی رہیں اور یہ چھا ہی ہوا کہ وہ باہر نہ نکل آئیں کیونکہ فوراً ہی انھوں نے پھر آوازیں سنیں اور اس دفعہ بہت قریب سے۔ زولو تالاب کے چاروں طرف گھوم رہے تھے۔ دو زولو اس غار کے بہت قریب آ گئے تھے جس میں ریچل اور نوئی بیچھی ہوئی تھیں۔ اور وہاں آکر وہ دونوں سستانے کے لئے ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ کافی کی لٹکتی ہوئی جھاروں میں سے جھانک کر ریچل ان دوزو لوسپا، بیوں کو بخوبی دیکھ سکتی تھیں۔ دونوں ہی دیوہیکل تھے اور ان کے بھالوں کے پھل سرخ تھے۔

”تم نرے بیوقوف ہو“ ایک زولو نے دوسرے سے کہا ”خواہ مخواہ ہمیں تھکا مارا۔ مگر مجھوں نے نوئی کو کھالیا۔ اس کا جادو اسے مگر مجھوں سے نہ بچا سکے گا۔ کیچڑ میں تم نے قدموں کے جو نشانات دیکھے تھے وہ کسی عورت کے نہیں بلکہ لنگور کے تھے۔“

”تمہارا خیال شاید غلط نہیں ہے۔“ دوسرا بولا ”خصوصاً اس لئے کہ نوئی کا مویا ہمیں ایک پتھر پر پڑا مل گیا تھا۔ لیکن پھر بومبا کہاں گیا جو نوئی کا تعاقب کر رہا تھا؟ اور گھاس پر خون کے داغ کہاں سے آ گئے؟“

”ایک معمولی سی عقل والا بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے۔“ پہلے نے جواب دیا۔ یقیناً بومبا نے اس جگہ نوئی کو جالیا اور زخمی کر دیا ہوگا اب نوئی ٹھہری عورت اور عورت ہوتی ہے ٹھہر چوک اور بزدل۔ چنانچہ زخمی ہونے کے بعد وہ بھاگ کر اپنے خوف کے اندھے پن میں چشمے میں کود پڑی ہوگی جہاں مگر مجھوں نے اسے کھالیا۔ رہا بومبا تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ یا تو زولو لینڈ واپس چلا گیا ہے یا پھر کسی جھاڑی میں پڑا خزانے لے رہا ہوگا۔ قدموں کے نشانات سفید فام عورت

کے تھے جو اپنے بچوں پر کھال لپیٹ لیتی ہے (مطلب جو تے پہنتی ہے) اس طرف سفید فاموں کا پڑاؤ ہے لیکن بادشاہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم جارج کے آدمیوں سے کوئی قرض نہ کریں۔ چنانچہ ہمیں سفید فاموں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔“

”اگر ایسا ہی ہے تو پھر ہمیں واپس چلنا چاہئے کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سفید فاموں کے ساتھ ہماری کچھ جھڑپ ہو جائے۔ ڈنگان کو ہم نوٹی کا موچا دکھا دیں گے تو اسے اطمینان ہو جائے گا اور پھر وہ سکون کی نیند سو سکے گا۔ یہ نوٹی بڑی ہی پراسرار ہوگی کہ اس نے ڈنگان پر جادو کر دیا اور ہمارا بادشاہ رولینڈ کی تمام لڑکیوں کو چھوڑ کر اس کتیا کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ نوٹی نے ڈنگان کی حرم میں داخل ہونے سے کیوں انکار کر دیا؟ اگر اس نے ایسا نہ کیا ہوتا تو اس کے کراں والوں کو گھر بار چھوڑ کر فرار نہ ہونا پڑتا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ مری نہیں بلکہ کچھ اور بن گئی ہے۔ تم جانو وہ جڑیل بھٹی اور جڑیلیں جو چاہیں اور جیسی چاہیں صورت اختیار کر سکتی ہیں۔ چنانچہ نوٹی یا تو پرندہ بن گئی ہے یا شاید سانپ۔ خیر۔ دوسرے کوئی اور صورت اختیار نہ کر سکیں گے سوائے خاک اور راکھ کے ڈھیر کے۔ ہم نے سب کو قتل کر دیا ہے۔ نوٹی کی ماں کو اور اس کے جادوگر باپ کو اور اس کی دوسری چار ماؤں کو اور اس کے بارہ بھائیوں اور بہنوں کو۔“

یہ تفصیل سن کر نوٹی پھر کانپ گئی اور اس کے کانپنے سے پانی پھر لرز اٹھا اور اس کے رزنے سے ہلکی سی آواز پیدا ہو گئی۔

”پھلیاں ہیں یہاں تو“ پہلا زو بولا وہ ایک مچھلی تو خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ یہاں پانی کچھ زیادہ گہرا معلوم نہیں ہوتا کہ تو دو چار مچھلیاں

پکڑ لیں۔“

”نہیں بھئی۔ دوسرے زولو نے جواب دیا۔“ مچھلیاں تو سمندر کے ساحل پر بسنے والے کھاتے ہیں۔ بڑی ذلیل غذا ہے یہ۔ ہر چند کہ میں بھوکا ہوں لیکن مچھلی نہ کھاؤں گا۔“

اور ساتھ ہی اس نے ایک پتھر اٹھا کر پھینکا جو ریکل کے پہلو میں دھکا۔ ریکل نے تکلیف کی چیخ روکنے کے لئے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔ دونوں زولو سپاہی اٹھے، چند ثانیوں تک وہیں کھڑے بڑی زوردار آواز نکالتے رہے اور پھر ہاتھ میں ہاتھ دے دہاں سے چلے گئے۔

ریکل اور نوئی، زولوؤں کے چلے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک آبی بیوں میں چھپی رہے کہ کیا پتہ دوسرے زولو اس طرف نکلیں آئیں۔ لیکن سرد پانی آخر کار ناقابل برداشت ہو گیا اور وہ دونوں ریٹک کر کنارے پر آ گئیں اور وہاں بیٹھ گئیں۔ دونوں کے بدن پر آبی بیلیں اب بھی لپٹی ہوئی تھیں۔ دونوں دھوپ میں بیٹھ رہیں کہ ان کے سرد جسم ذرا گرم ہو جائیں۔ نوئی اس قدر ٹنڈھال بلکہ نیم جاں اور ہی تھی کہ ریکل کو خوف ہوا کہ کہیں وہ مر ہی نہ جائے۔

”اٹھو بہن!“ ریکل نے کہا ”تمہاری زندگی تمہارے سامنے ہے۔“

”کاش کہ میری زندگی میرے پیچھے ہوتی“ نوئی نے کراہ کر کہا ”تم ہماری زبان تو سمجھ سکتی ہو؟ چنانچہ تم نے سن ہی لیا کہ اس زولو نے کیا کہا۔ میری ماں، میری سوتیلی مائیں، میرے بھائی اور میری بہنیں قتل کر دی گئیں۔ اور میری وجہ سے۔ اور دیکھو! میں بے حیا زندہ ہوں۔ خاتون! تم نے مجھ پر رحم کیا اور میری جان بچائی۔ لیکن بہتر ہوتا کہ تم بومبا کو مجھ پر اپنا بھالا چلا لینے دیتیں۔ کاش کہ میں بھی اپنے لوگوں کے ساتھ موت کی نیند سو جاتی۔“

ریچل خاموش رہی کیونکہ فی الحال کچھ کہنا اور نوئی کی ڈھارس بندھانا فضول تھا۔ اس نے نوئی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پیار و محبت سے دبایا۔ نوئی بہت دور سے بھاگتی آئی تھی چنانچہ بے حد تھکی ہوئی تھی اور پھر اپنے عزیز و اقربا کی موت کے غم نے بھی اسے نڈھال کر دیا تھا چنانچہ تھوڑی دیر بعد ہی وہ اسی جگہ دھوپ میں گرمی نیند سو رہی تھی۔

ریچل اس کے قریب بیٹھی رہی۔ وقت گذرتا رہا اور افریقہ کا جلتا ہوا سورج اس کے پانی ٹپکتے کپڑوں کو خشک کرتا رہا۔ آخر کار سائے لمبے ہو گئے۔ دوپہر ڈھل چکی تھی اور چٹانوں سے ٹکراتی اور پتھروں پر دوڑ دوڑ کر چڑھتی ہوئی لہریں اس بات کا اعلان کر رہی تھیں کہ سمندر میں مدد جزر شروع ہونے والا رہا۔ اب وہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔

”اٹھو نوئی“۔ ریچل نے نوئی کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا ”زور لو چلے گئے ہیں اور سمندر میں مدد جزر شروع ہونے والا ہے۔ ہمیں فوراً تیر کر دوسری طرف پہنچ جانا چاہیئے۔ وہاں سے ہم اپنے پڑاؤ کی طرف چل دیں گے۔“

”خاتون! تمہارے کراں میں مجھے کون سا مقام دیا جائے گا“۔ نوئی نے پوچھا کیونکہ اب اس کے حواس بجا ہو چکے تھے۔

”ایک مناسب مقام“ ریچل نے جواب دیا ”اب تم میری ہو۔“

”بے شک خاتون“ نوئی نے غمناک آواز میں کہا ”میں تمہاری ہوں۔ صرف تمہاری۔“

اور اس نے ریچل کا ہاتھ پکڑ کر اسے بوسہ دیا اور اپنے ماتھے سے لگایا۔ اور ایک بار پھر وہ دونوں تیر کر کھڈ کے دوسرے کنارے پر پہنچیں۔ ریچل کے لئے تیرنا آسان نہ تھا کیونکہ اس کے ایک ہاتھ میں بندوق تھی۔ بہر حال وہ دوسرے

خوابوں کے شکاری

۱۰۷

کنارے پر پہنچ گئیں۔ وہاں پہنچ کر نوئی نے ریچل کا تویہ موچا کی جگہ اپنی کمر کے گرد پیٹ لیا اور دونوں لڑکیاں اپنے آپ کو چھارٹیوں اور درختوں پہنچا پاتی بڑی احتیاط سے آگے بڑھتی رہیں۔

آخر کار وہ اس کھڑکے کنارے پر تھیں جس میں انھوں نے بومبا کی لاش پھینک دی تھی۔ وہاں ایک پتھر پر دو مگر مچھ پڑے دھوپ کھا رہے تھے غالباً یہی وہ مگر مچھ تھے جنھوں نے بومبا کو کھالیا تھا۔ اب یہاں سے دونوں لڑکیوں کو راستہ بدلنا تھا۔ اول تو اس لئے کہ وہ مگر مچھوں سے کترا کر نکلنا چاہتی تھیں اور دوم اس لئے کہ انھیں خوف تھا کہ مبادا زولو کہیں آس پاس ہی نہ ہوں۔ چنانچہ وہ ریٹنگ کر ٹیلے کی چوٹی پر پہنچیں اور وہاں چاروں طرف دیکھا۔ دور دور تک کسی انسان کا پتہ نہ تھا البتہ ایک درخت کی چھادوں میں دو ہاک بیٹھے ہوئے تھے اور بس۔

”زولو چلے گئے ہیں۔“ ریچل نے کہا ”اگر وہ یہیں کہیں ہوئے تو یہ بک یوں اطمینان اور بے خوفی سے بیٹھے ہوئے نہ ہوتے۔ اچھا اب تم ڈھال اپنے چہرے کے سامنے کر لو اور بھالا اپنے دوسرے ہاتھ میں اٹھا لو تا کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ تم لڑکی ہو۔“

• اور یوں ریچل اور نوئی ٹیلے پر سے اتر کر میدان میں پہنچیں اور میدان عبور کر کے دوسرے ٹیلے کی ڈھلان چڑھنے لگیں۔ ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ کر وہ ٹھٹھک گئیں اور جلدی سے پیچھے ہٹ گئیں۔ دوسری طرف بہت سے لوگ ایسے اور بیٹھے ہوئے تھے جو گہری نیند میں معلوم ہوتے تھے۔

”زدو سپا ہی سستار ہے ہیں“ ریچل نے کہا۔

”نہیں خاتون“ نوئی نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر جواب دیا ”یہ میرے

مزید اقربا ہیں اور مر چکے ہیں۔ وہ دیکھو گدھان کے گرد جمع ہوئے لگے ہیں۔

پہل نے دیکھا تو معلوم ہوا نوئی لے واقعی غلط نہ کہا تھا۔ چنانچہ دونوں لڑکیاں خاموشی سے آگے بڑھیں اور اب وہ لاشوں کے درمیان سے گزر رہی تھیں اور نوئی ہر لاش کی طرف انگلی اٹھا کر اس کا نام اور اس سے اپنا رشتہ بتاتی جاتی تھی۔ یہ اس کی بہن تھی، وہ اس کا بھائی تھا اور وہ چاروں لاشیں اس کے کراں والوں کی تھیں۔ اور وہ ایک طویل القامت، قبول صورت اور ادھیر عمر کی عورت کی لاش کے قریب سے گزر رہی تھیں۔ اس عورت کی لاش پر نظر پڑتے ہی نوئی کانپ گئی جس طرح وہ وہاں اس وقت کانپی تھی جب وہ اپنی بیاں میں چھپی ہوئی تھی اور زرد لوسپا ہی مقتولوں کی تفصیل بیان کر رہا تھا۔

”خاتون! یہ ہے وہ عورت جس کی کوکھ سے میں نے جنم لیا تھا۔“ نوئی نے کہا۔

وہ آگے بڑھ گئیں۔ چہر قدم آگے بڑھ کر ایک دمکوڑا تھا جس کے قدموں میں گھاس اُگی ہوئی تھی۔ یہاں دو زرد لوسپا بیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور دونوں کے سینے میں بھالے کے پھل کا بڑا سوراخ تھا۔

دمکوڑے سے ٹپک لگائے ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بھی مرد تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تھک کر سنانے کے لئے بیٹھ گیا ہو۔ عام افریقیوں کے برخلاف اس کا رنگ کھلتا ہوا تھا۔ یہ ایک بونا تھا اور بدن سے دبلا تھا۔ بونے کی یہ لاش نیکی تھی۔ شاید اس کے کپڑے اتار لئے گئے تھے۔ بہر حال پہل نے دیکھا کہ بونے کے بدن پر کسی جگہ زخم کا نشان نہ تھا۔

”دیکھو یہ ہے میرا باپ“ نوئی نے بے حد سرو آواز میں کہا۔

”لیکن یہ تو سوراخ ہے“ پہل نے سرگوشی میں کہا ”اس کے جسم کو

کسی بھالے نے نہیں چھوا۔“

”نہیں خاتون۔ میرا باپ مر چکا ہے۔ اپنے لوگوں کی رسم کے مطابق سفید موت مرا ہے۔“

اور پچل سوچنے لگی کہ یہ ”سفید موت“ کیا ہے اور یہ کہ ہونا کون سے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ تو صاف ظاہر تھا کہ نوئی کا باپ زولو نہ تھا اور نہ ہی افریقہ کے ان قبائل سے تعلق رکھتا تھا جن سے ریچل واقف تھی۔ یہ شخص جس کی لاش دیکھوڑے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، سے کسی بھی افریقی سے مختلف تھا۔ کون سا تھا اس کا قبیلہ؟ کہاں رہتے تھے یہ لوگ؟ ان سوالات کا جواب بذات خود معلوم کرنا ریچل کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ لیکن فی الحال اس نے اس کے متعلق کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ نوئی اس بونے کی لاش کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی اور اس کی گردن میں اپنی بانہیں ڈالے اس کے کان میں لاش کے کان میں، کچھ کہہ رہی تھی۔ ایک منٹ تک وہ لاش کے کان میں کچھ کہتی رہی اور پھر اپنا ایک کان لاش کے سرور اور بے حرکت ہونٹوں سے لگا دیا۔ اور ایک منٹ تک وہ جیسے غور سے سنتی رہی صرف یہی نہیں بلکہ بار بار اپنا سر بھی ہلاتی رہی۔ ریچل نے پہلے کبھی ایسا پراسرار منظر نہ دیکھا تھا اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ یہ پراسرار تماشا، ات کے اندھیرے میں نہیں بلکہ دن کی روشنی میں ہو رہا تھا اور یہی ایک بات اسے اور زیادہ پراسرار اور لرزہ خیز بنانے کے لئے کافی تھی۔ ریچل دم بخود کھڑی تھی۔ وہ زولوؤں کو بلکہ ہر بات کو بھول گئی تھی اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی کہ ایک زندہ لڑکی ایک مردے سے سرگوشی میں باتیں کر رہی تھی زندہ اور مردے کو آپس میں باتیں کرتے اس نے آج پہلی دفعہ دیکھا تھا۔

آخر کار نوئی اٹھی اور ریچل کی طرف گھوم کر بولی :-

”میری روح مجھ پر بڑی مہربان ہے کہ وہ مجھے ٹھیک وقت پر یہاں لے آئی
اگر ہم ذرا دیر سے یہاں پہنچتے تو میں اپنے باپ سے گفتگو نہ کر سکتی۔ بہر حال شکریہ
اب مجھے پیغام مل گیا ہے۔“

”پیغام !“ ریچل نے حیرت سے پوچھا ”کیسا پیغام ؟۔“

نوئی کے لبشرے سے عجیب اور ناقابل فہم جذبات ہویدا ہو گئے۔

”یہ پیغام صرف میرے لئے ہے“ وہ بولی ”لیکن اس کا زیادہ تر حصہ تمہارے

متعلق تھا اسے انکو سا زانہ زولا“

”کس نے بتایا تمہیں کہ — — — یہ — — — میرا فریقی نام ہے ؟“ ریچل کی

حیرت اب انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

”اے وہ جس کے سامنے بادشاہوں کے سر جھک جائیں گے — — — یہ نام

اسی پیغام میں تھا۔“

”جو اس ہے یہ بالکل“ ریچل نے کہا ”میرے لوگوں سے تم نے سنا ہوگا کہ میں

کافروں میں انکو سا زانہ زولا کے نام سے مشہور ہوں۔“

”یو نہیں سہی زولا۔ یہ نام، اگر تم کہتی ہو تو میں نے تمہارے لوگوں سے ہی سنا ہے

حالانکہ میں اب تک ان سے ملی نہیں ہوں۔ بہر حال اب ہمیں چلنا چاہئے کیونکہ

تمہارے ابا تمہاری وجہ سے متفکر و پریشان ہیں۔“

ریچل نے ایک بار پھر اس پراسرار کافر لڑکی کی طرف دیکھا

”و زولا !“ نوئی نے کہا ”آج سے میں تمہاری ہوں“ کنیز ہوئی حالانکہ جانتی

ہوں کہ جو خدمت میرے سپرد کی جائے گی وہ آسان اور سہل نہ ہوگی۔“

”کیا لڑکی سمجھتی ہے کہ میں اس سے بوجھ اٹھاؤں گی۔“ ریچل نے

دل ہی دل میں کہا۔

نوئی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:-

”خاتون! ایک وعدہ چاہتی ہوں۔ میری سرگذشت سننے کے بعد اسے اپنے سینے میں ہی دفن رکھنا۔ اگر کوئی پوچھے تو صرف یہ کہہ دینا کہ میں ایک معمولی لڑکی ہوں جسے تم نے سپاہیوں کے ہنچے سے چھڑایا ہے۔“

”بس!“ ریچل نے کہا ”ہی تو کہنا ہے مجھے کیونکہ ہی حقیقت بھی ہے۔“

نوئی مسکرائی۔ اور بڑی پراسرار تھی اس کی مسکراہٹ۔

اور چند ثانیوں بعد ہی وہ پڑاؤ کی طرف جارہی تھیں اور ریچل سوچ رہی تھی کہ نوئی واقعی اس کے ساتھ چل رہی ہے یا وہ — ریچل — ایسا کوئی خواب دیکھ رہی ہے!

نوئی، جس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا جیسے کسی پتھر کے مجسمے کا چہرہ ہو، بڑی ہی پراسرار لڑکی تھی اور اس کا ریچل کو احساس تھا۔

ایک ایسی لڑکی جو مردوں سے باتیں کر سکتی ہے۔

ایک ایسی لڑکی جو ایک لاش کے لبوں سے پیغام حاصل کر سکتی ہے۔

اور ایک ایسی لڑکی جو خدا جانے کہاں سے آئی تھی۔

نوئی ایک معتمد تھی، فی الحال ایک معتمد تھی اور ریچل اس معتمد کو حل نہ کر سکتی تھی۔

چٹا باب

عہدِ رفاقت

دونوں لڑکیاں آخری ٹیلے پر پہنچ گئیں۔ سامنے وہ دوسرا بھارت تھا جس پر ریچل کے والد کا چھکڑا کھڑا ہوا تھا، جس کے چاروں طرف کاسٹے دار جھاڑیوں کی باڑھ تھی اور مویشی اس وقت باڑھ کے اندر ہی تھے۔ زولوؤں کے خوف سے مویشیوں کو باڑھ میں لے لیا گیا تھا۔ اس پڑاؤں میں مسکون تھا اور اس کی طرف دیکھنے والا کہ نہیں سکتا تھا کہ اس پڑاؤ سے صرف سو گز کے فاصلے پر ابھی ابھی بے گناہوں کا قتل عام کیا گیا تھا۔ دفعۃً پڑاؤ میں سے شور و غل کی آوازیں بلند ہوئیں اور باڑھ کی چوٹی پر بہت سے سر اُبھر آئے۔ ریچل کو یہ سمجھتے دیر نہ لگی کہ اس کا باپ اور پڑاؤ کے دوسرے لوگ ریچل کو زولوؤں کی حراست میں سمجھ رہے ہیں۔

”نوٹی! یہ ڈھال اپنے چہرے کے سامنے سے ہٹا دو۔“ ریچل نے کہا۔

نوٹی نے اس کے حکم کی تعمیل کی تو فوراً ہی باڑھ کی چند جھاڑیاں ہٹا کر کوئی اور نہیں بلکہ خود جو بان باہر نکل آیا اور بھاگتا ہوا اپنی بیٹی کی طرف آنے لگا۔ جو بان کے ایک ہاتھ میں بندوق تھی۔

”خدا کا شکر ہے کہ تم محفوظ ہو۔“ جو بان نے قریب آتے ہی کہا ”میں بہت پریشان تھا جازائیکہ امید تھی کہ وہ اسرائیل۔ کیا نام ہے اس کا؟۔ ہاں۔ اشمیل تمہاری حفاظت کرے گا اور اس نے تمہیں بچا لیا ہوگا۔ آج علی الصبح وہ یہاں آیا تھا ہمیں خبردار کرنے اور پھر سوار ہو کر گھوڑے پر تمہاری تلاش میں چل دیا تھا۔ اس کا ملازم جس کا

خوابوں کے شکاری

۱۱۳

”گھوڑا وہ تمہارے لئے اپنے ساتھ لے گیا تھا، اب تک ہمارے پڑاؤ میں ہی ہے۔ کہاں گئی تھیں تم۔“

اور اب اس کی نظر نوئی پر پڑی۔ جس نے اپنے ننگے بدن پر صرف تولیا پیٹ رکھا تھا اور جس کے ایک ہاتھ میں بڑی کالی ڈھال اور دوسرے میں بھالا تھا۔ اور اس عالم میں وہ عجیب مرعوب کن معلوم ہو رہی تھی۔

”یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ کون ہے؟“ جوہان نے حیرت سے پوچھا۔

”ایک افریقی لڑکی ہے جسے میں نے قتل ہونے سے بچا لیا ہے“ رچل نے جواب دیا۔ ”یہ بڑی طویل داستان ہے۔ مختصر یہ کہ میں نے اس زولو کو گولی مار دی۔ جو اسے قتل کرنے آیا تھا اور پھر ہم سمندر کے کنارے ایک کھڑ میں چھپی رہے، لیکن یہ بتاؤ کہ پڑاؤ میں تو کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی؟ اماں کہاں ہیں؟“

”گولی مار دی؟ ایک انسان کا خون بہایا؟ ایک کھڑ میں چھپی رہیں؟ جوہان نے حیرت سے دہرایا۔ ”رچل عجیب لڑکی ہو تم۔ کیا ضرورت تھی تمہیں اس طرف جانے کی؟ اور وہ بھی صبح ہونے سے پہلے؟“

”یہ تو میں نہیں جانتی ابّا۔ حقیقت میں نہیں جانتی۔ غالباً۔۔۔ یہ میری قسمت میں لکھا جا چکا تھا۔ میرے خیال میں خدا نے مجھے محض اس لڑکی کی جان بچانے کے لئے اس طرف بھیج دیا تھا۔“

جوہان نے کوئی جواب دئے بغیر نوئی کی طرف دیکھا اور اس کی عریانی پر توبہ لگا کرتا اور منہ ہی منہ میں ”لحاف“ کے متعلق کچھ بڑبڑاتا پڑاؤ کی طرف بھاگا۔ اس اثناع میں مسر دیو چھکڑے میں سے نکل کر کافر ملازموں کے قافلے کے ساتھ اپنی بیٹی کے پاس آگئی تھی۔

”میں جانتی تھی کہ تم محفوظ رہو گی۔“ مسر نے کہا۔ ”کیونکہ کوئی تمہارا

بال بیکا نہ کر سکے گمار تا ہم تمہارے ابا بہت پریشان تھے اور۔ اس منگی لونڈیا کے ساتھ کیا کرنے والی ہو تم؟

”اماں پہلے تو اس غریب کو کچھ کھانے کو دے دو۔“ رچل نے جواب دیا۔ اور اس وقت سوالات نہ پوچھو۔ ہم دونوں کئی گھنٹوں تک گردن گردن پانی میں بیٹھی رہی ہیں۔ چنانچہ ہم نہ صرف بھوکے ہیں بلکہ اعضاء بھی سردی سے اکڑ گئے ہیں۔ عین اسی وقت جو ہاں ایک لحاف لے کر آگیا۔ نظریں نیچی کر کے اس نے یہ لحاف نوئی کی طرف بڑھا دیا اور موخر الذکر نے لحاف لے کر اپنے جسم پر ڈال لیا۔ اور اب یہ پورا قافلہ پڑاؤ میں پہنچا۔ رچل اپنے خیمے میں جا کر گیلے کپڑے تبدیل کرنے لگی اور نوئی ایک طرف خاموش بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد کھانا لایا گیا اور رچل مرہکوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑی اور اس نے نوئی کو بھی جبراً اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر رچل نوئی کو خیمے میں آرام کرتی چھوڑ کر، باہر آئی اور اپنے سامنے بیٹھ کر بڑی تفصیل سے پوری داستان سنا دی البتہ اس نے نوئی اور لاش کی آپس میں کانا پھوسیوں کا ذکر قصداً نہ کیا۔

جب وہ خاموش ہوئی تو جو ہاں نے اٹھ کر سجدہ شکر ادا کیا کہ خدا نے اس کی بیٹی کو وحشی زردلو سپاہیوں کی دست رس سے محفوظ رکھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی بیٹی کی طرف سے خدا سے بھی معافی مانگ لی کہ رچل نے ایک انسان کو گولی مار دی تھی اور اس کی جان لی تھی۔ رہی رچل تو اسے اس بات کا ذرا بھی افسوس نہ تھا کہ اس نے ایک وحشی کی جان لی تھی اور نہ ہی اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔

”ابا! اگر آپ میری جگہ ہوتے تو آپ بھی وہی کرتے جو میں نے کیا۔“ رچل نے

اپنے باپ کو سمجھاتے ہوئے کہا ”اور اگر اماں ہندوق اٹھا سکتی ہوتیں تو بلا تکلف اس وحشی کو گولی مار دیتیں۔ چنانچہ میری اس حرکت کو جرم یا گناہ سمجھنے سے کیا فائدہ؟ اس کے علاوہ زولو پر گولی چلاتے نبھے کسی نے نہیں دیکھا سوائے اس سفید فام اشمیل اور مگر چھوٹوں نے آخر میں اس کی لاش کھالی۔ چنانچہ مناسبت ہو گا کہ اس معاملے کے متعلق خاموش ہی رہیں مبادا ہم کسی مصیبت میں پھنس جائیں کیونکہ آپ جانئے بات منہ سے نکلی اور کوٹھے چڑھی۔“

”مجھے اعتراض ہے جوہان نے کہا ”کہ صورت حال کے پیش نظر تمہارا یہ عمل سراسر فطری بلکہ ضروری تھا تاہم مجھے خوف ہے کہ ایک نہ ایک دن حقیقت کھل جائے گی کیونکہ تم جانو خون خون کو پکارتا ہے۔ لیکن اس کا فریاد کی کیا ہو گا، ریل؟ تم جانو زولو اسے تلاش کرتے ہوئے آجائیں گے اور پھر ہم سب کو اپنے بھائیوں سے چھید کر رکھ دیں گے۔“

”آپ مطمئن رہئے اب زولو اب اسے تلاش نہ کریں گے۔“

”کیوں؟“

”اس لئے کہ وہ اسے مردہ یقین کر چکے ہیں۔ ان کے فرشتوں کو بھی معلوم نہ ہو گا کہ نوئی زندہ ہے۔ ہاں اگر اشمیل جا کر انھیں خبر کر دے تو بات دوسری ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اشمیل اس کی جرات نہ کرے گا کیونکہ پھر زولو یقین کر لیں گے کہ اس سپاہی کو میں نے نہیں بلکہ اشمیل نے گولی مار دی۔ رہا یہ سوال کہ اس لڑکی کا کیا ہو گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسے خدا نے ہمارے پاس بھیجا ہے چنانچہ اب اسے اپنے ساتھ ہی رکھنا ہمارا فرض ہو جاتا ہے۔“

”یہ شاید تم نے غلط نہیں کہا“ جوہان نے کہا ”پجاری لڑکی! اسے تو سجدے

میں سے سر نہ اٹھانا چاہئے کہ اس کے تمام دوز و اقربا ان وحشی سپاہیوں کے

ہاتھوں مارے گئے اور خدا نے اس اکیلی کو بچا لیا۔

”ابا خدا بخواس تہ اگر آپ اور اماں ماری جائیں اور تنہا میں زندہ رہ جاؤں تو کیا اس عالم میں سجدہ شکر ادا کروں گی؟“ ریکل نے ترط سے جواب دیا۔ ”لیکن مناسب ہوگا کہ اس موضوع پر مزید بحث نہ کریں۔ بہر حال ہمیں خدا کا شکر گزرا ہونا چاہیے کہ ہم زندہ اور محفوظ ہوں۔ میں تھک گئی ہوں اس لئے اب سوتی ہوں جا کر۔ ظاہر ہے کہ ہم فی الحال اپنے ڈیرے خیمے اٹھا کر یہاں سے روانہ نہیں ہو سکتے ہاں اگر واپس دہرا بن جانے کا ارادہ ہو تو بات دوسری ہے۔“

اور یوں نوئی ریکل کو مل گئی۔ نوئی، جو ریکل کی طویل، پر خطر اور بے چین زندگی میں ایک اہم اور یادگار کردار ادا کرنے والی تھی۔

ریکل ایک طویل اور پرسکون نیند کے بعد جب بیدار ہوئی تو سورج غروب ہونے لگا تھا۔ نوئی خیمے کے ایک کونے میں اب تک بے خبر پڑی سو رہی تھی۔ چنانچہ وہ اسے سوتی چھوڑ کر خیمے سے باہر آئی تو دیکھا کہ صرف مسر دیو اور اشمیل کا ملازم پڑاؤ میں تھے جو ہاں ملازموں کو لے کر اس طرف چلا گیا تھا جہاں نوئی کے کراں والوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں کہ رات کا اندھیرا ترننے اور لکڑ بگھوں اور لومڑیوں کے آنے سے پہلے عبتنی لاشوں کو دفن کر سکتا ہو کر لے۔ ریکل نے آگ جلائی اور اپنی ماں کی مدد سے رات کا کھانا تیار کرنے لگی۔ وہ کھانا پکا رہی تھی کہ اس نے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ ریکل کی قوت ساموہ پڑی تیز تھی۔ ریکل نے ہسراٹھا کر دیکھا سفید فام اشمیل اپنے گھوڑے پر سوار اور اپنے پیچھے ایک زائد گھوڑا کھینچتا، چلا آ رہا تھا۔ یہ زائد گھوڑا وہی تھا جس پر اس صبح ریکل نے سواری کی تھی۔ اشمیل اپنے گھوڑے کی لگامیں اس ابھار پر پنج کر کیصیح چکا تھا۔

جہاں گزشتہ کل ریچل نے اسے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ وہ وہاں کھڑا پڑاؤ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ غالباً معلوم کرنے کے لئے پڑاؤ والے اب بھی زندہ تھے یا مارے جا چکے تھے۔

”میں جا کر اسے بلا لاتی ہوں“ ریچل نے اٹھتے ہوئے کہا جو کسی خاص مقصد کے تحت اشمیل سے باتیں کرنے کے لئے بیتاب تھی۔

ریچل پڑاؤ سے نکل کر اشمیل کی طرف چلی اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ اس کے قریب پہنچ چکی تھی اور اس نے دیکھا کہ وہ بے حد خجل اور شرمندہ نظر آ رہا تھا۔ ”دیکھا!“ ریچل نے بغیر کسی تہیہ کے کہا ”میں زندہ ہوں اور محفوظ ہوں اور تمہیں زندہ دیکھ کر مجھے بے حد مسرت حاصل ہوئی۔“

”بڑی عجیب لڑکی ہو تم،“ اشمیل نے نظریں جھکا کر کہا ”جتنی زیادہ حسین ہو اتنی ہی زیادہ عجیب ہو۔“

”بس۔ بس۔“ بہت زیادہ تعریف نہ کرو کہیں میں فخر و غرور سے پھول نہ جاؤ۔ ریچل نے کہا ”اس کے علاوہ اس جنگل میں یہ تعریف بڑی ہی بے موقع معلوم ہوتی ہے۔“

”معافی چاہتا ہوں۔ لیکن کیا کروں حقیقت بیان کئے بغیر رہ بھی نہیں سکتا اچھا اب یہ بتاؤ کہ کیا ہوا؟ میں سمجھتا ہوں زولوؤں نے اس لڑکی کو قتل کر کے تمہیں آزاد کر دیا ہوگا۔“

”جی نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ اس کے برخلاف میں اس لڑکی کو لے کر ایک جگہ چھپ گئی تھی۔ زولو ہمیں پانہ سکے۔ چنانچہ اب وہ لڑکی ہمارے پڑاؤ میں ہے۔“

”میرے خدا! یہ بڑی حماقت کی ہے تم نے مس دیو۔ بڑا خطرناک کام کیا ہے

تم نے۔ غالباً تم نہیں جانتیں کہ ڈنگان کو اسی لڑکی کی تلاش ہے۔ وہ اسے ہی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جب اسے معلوم ہوگا۔۔۔ اور یہ بات اسے معلوم ہو کر رہے گی۔ کہ تم نے اس لڑکی کو پناہ دی ہے تو وہ زولو سپاہیوں کو بیان بھیج دیگا جو تم سب کو قتل کر دیں گے۔ میری مانو اور اس لڑکی کو فوراً پڑاؤ سے نکال دو میں کہتا ہوں اس کی موجودگی تم لوگوں کو تباہی میں لے آئے گی۔“

”ممكن ہے ایسا ہی ہو جیسا تم کہتے ہو“ ریکل نے بڑے سکون اور بے پروائی سے کہا۔ ”اس کے باوجود میں اسے پڑاؤ سے نہ نکالوں گی ہاں اگر وہ خود جانا چاہے تو میں اسے روکوں گی بھی نہیں۔ صرف میں ہی نہیں بلکہ ابابھی اسے پڑاؤ سے نہ نکالیں گے۔ اچھا اب ایک بات سنو۔ اگر یہ بات زولوؤں کے کانوں تک پہنچ گئی۔۔۔ میں تو نہیں سمجھتی کہ یہ بات زولوؤں کو معلوم ہو جائے۔ کیونکہ اس سپاہی کی لاش کو گرہلوں نے کھا لیا ہے۔۔۔ لیکن بفرض محال اگر انھیں یہ واقعہ معلوم ہو گیا تو وہ کیا سمجھیں گے کہ کس نے اس سپاہی کو گولی مار دی ہے۔ میں نے۔ ایک لڑکی نے یا اس سفید فافا نے جو میرے ساتھ تھا؟ غالباً تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔“

”ہاں سمجھ گیا۔ میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔۔۔ تمہاری خاطر۔“

”میری خاطر نہیں بلکہ خود اپنی خاطر۔ لیکن سودا برابر کا ہونا چاہئے۔ یعنی میں بھی کسی سے یہ نہ کہوں گی کہ آج صبح تم کس طرح ہم دو لڑکیوں کو وحشیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔ خیر۔ میں تو نہیں الزام نہیں دیتی لیکن اگر دو سرور کو پتہ چل گیا تو وہ شاید تمہیں بزورل کہیں گے۔“

”بے شک لوگ مجھے بزورل ہی کہیں گے“ اشمیل نے کہا۔ ”بہر حال میں اپنے کئے پر

شرمندہ ہوں۔ لیکن تم زولوؤں سے اتنا واقف نہیں ہو جتنا میں واقف ہوں۔

اور میرا خیال تھا کہ دو سرورے زولو سپاہی کوئی دم میں ہم پر آپڑیں گے۔ اس

کے علاوہ مجھے تم پر بھی غصہ آگیا تھا اور میں اپنے حواس میں بھی نہ تھا۔ بہر حال میں شرمندہ ہوں۔ اور جو کچھ ہوا ہے اس کا مجھے افسوس ہے۔“

”خیر۔ شرمندہ ہونے اور معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی جو کچھ ہوا اچھا ہوا کیونکہ اگر تم بھاگ نہ گئے ہوتے تو یہ ہوتا کہ میں گھوڑے پر سوار ہو لیتی اور ہم اپنی گھبراہٹ اور بدحواسی میں گھوڑے بھگاتے سیدھے زولوؤں میں جا گھستے اور پھر شاید ہمیں دوبارہ ان کے درمیان سے نکلنا نصیب نہ ہوتا۔ یہ لو۔ اب آ رہے ہیں۔ تو یہ طے رہا کہ تم اس کافر لڑکی کے متعلق کسی سے کچھ زیادہ نہ آؤ گے۔“

اشمیل نے اثبات میں سر ہلایا اور پچل کے ساتھ آگے بڑھا۔ وہ گھوڑے پر سے اتر آیا تھا اور گھوڑے کی لگام پکڑے اسے اپنے پیچھے لارہا تھا۔ بوما کے دروازے میں ان کی ملاقات ہوئی۔

”شام بخیر“ جوہان نے کہا جو تجیز و تکفین نے غمناک کام کے بعد بے حد تھکا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ایک کافر ملازم کو اشارہ کیا جس نے آگے بڑھ کر اشمیل کے ہاتھ سے دونوں گھوڑوں کی لگامیں لے لیں۔

”میں نہیں جانتا کہ آج صبح کیا واقعہ ہوا تھا۔ تاہم میں تمہارا مشکور ہوں کہ تم نے آکر خبردار کر دیا اور میری بیٹی کو ظالم وحشیوں سے بچانے کی کوشش کی۔ میں مقتول کی لاشیں دفن کر کے آ رہا ہوں۔ صرف چند لاشیں کیونکہ بقیہ لاشوں کو تو گدھ.....“

وہ خاموش ہو گیا۔

”جناب! میں نے آپ کی بیٹی کی جان نہیں بچائی“ اشمیل نے بڑی انکاری سی سے جواب دیا۔ ”یہ ممکن نہ تھا۔ خصوصاً اس لئے کہ آپ کی صاحبزادی اس کافر لڑکی کو اس کے حال پر چھوڑنے کے لئے تیار ہی نہ تھیں۔“

جوہان نے حیرت اور قدرے نفرت سے اشمیل کی طرف دیکھا۔

”تو کیا تم چاہتے تھے کہ ریچل اس بیگس و مجبور رطکی کو وحشیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اپنی جان بچالے جائے؟ اگر اس نے ایسا کیا ہوتا تو خدا اور میں اسے کبھی معاف نہ کرنا۔“ جوہان نے کہا۔ ”بہر حال خدا نے اسے بچا لیا اور محفوظ رکھا اور جو کچھ ہوا اچھا ہوا۔ اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو پڑاؤ میں چلو اور رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھاؤ مسٹر اشمیل۔“ معاف کرنا میں نہیں جانتا کہ تمہارا پورا نام کیا ہے۔“

”میرا پورا نام جاننے کی ضرورت نہیں۔ صرف اشمیل کافی ہے۔“ اشمیل نے کہا اور پھر چند ثانیوں کے توقف کے بعد بلاؤ مسٹر دیو! اب تک آپ کو تجربہ ہو گیا ہوگا کہ افریقہ بڑا ہی ان گھڑ قسم کا ملک ہے اور یہاں وہی لوگ آتے ہیں جن کی قسمت دوسرے ملک میں بگڑ چکی ہوتی ہے۔ اب شاید میں بھی اتنا ہی شریف ہوں۔ جتنے کہ آپ ہیں شاید میں بھی اعلیٰ خاندان کا چشم چراغ ہوں لیکن شاید دوسرے ممالک میں قسمت نے میری یادری نہ کی چنانچہ میں نے اس ملک میں آکر رہنا اور بن اپنا کیا کیونکہ یہاں نہ کوئی قانون ہے اور نہ ہی تہذیب و تمدن کے قدم یہاں تک پہنچے ہیں۔ یہ بھی ہے کہ اشمیل میرا اصل نام نہ ہو بلکہ میں نے حضرت اسماعیل کی مناسبت سے اپنا نام اشمیل جیسا کہ عبرانی حضرت اسماعیل کو کہتے ہیں رکھ لیا ہو کیونکہ آپ جانئے حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کو ایک دیرانے ہی میں تو چھوڑ گئے تھے۔ بہر حال اگر ہماری دوستی ہو جائے تو مجھے ایسا ہی قبول کر دیجئے جیسا کہ میں ہوں۔ یعنی ایک شکار کی اور پکڑا تاجر۔ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کیجئے کہ میں کیا تھا میرے متبعی کا نام کچھ ہی کیوں نہ ہو اب میں اشمیل ہوں اور کافروں میں ابو بوسی کے دشمن کے نام سے مشہور ہوں لیکن اگر آپ صبر ہی ہیں میرے دوسرے نام کے لئے تو مجھے سمجھ

کہہ لیجئے۔“

”ٹھیک ہے مشر اشمیل۔ تمہارے ذاتی معاملات سے مجھے کوئی سروکار ہونا بھی نہ چاہئے“ جوہان نے مسکرا کر کہا کیونکہ وہ اس قسم کے آدمیوں سے پہلے بھی مل چکا تھا۔

تاہم اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ یہ سفید فام شخص آپ کو اشمیل کہتا ہے، دراصل ایک ایسا شخص ہے جو حالات اور اتفاقات کی وجہ سے مایوس ہو کر صحیح راستے سے بھٹک گیا ہے چنانچہ اب اسے راہ راست پر لانا اس کا فرض ہے۔

وہ لوگ پڑاؤ میں پہنچے۔ چونکہ رات کا اندھیرا تر چکا تھا اس لئے بلو ما کے دروازے پر ایک سنتری مقرر کر دیا گیا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر اب اشمیل کا مسز دیو سے تعارف کرایا گیا۔ مسز دیو نے اس سفید فام کو سر سے پیر تک دیکھا۔ اور اس سے بہت کم بات چیت کی۔ اس کے بعد وہ لوگ کھانے بیٹھ گئے۔ کھانے سے فارغ ہو کر اشمیل چھکڑے کے پائیدان پر بیٹھ گیا اور اپنا پاٹ جلا لیا۔ قریب چلتے ہوئے الاؤ کی روشنی میں وہ بے حد قبول صورت معلوم ہو رہا تھا۔ لائے لائے بال اور دھوپ میں جھلسی ہوئی رنگت اور تکیے تکیے نقوش اور اپنے عجیب لباس کے باوجود اس کی شخصیت میں عجیب کشش تھی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ اس کے شیر کی کھال کی جگہ ایک پرانا کوٹ پہن لیا تھا لیکن اس کی جاگڑ اور بٹاؤ کی کھال کی اور روئیں دار تھتی اور پتلون وہی زبرا کی دھاری دار کھال کی۔ ریچل اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اس کا ماضی اور حال کیسا ہی کیوں نہ رہا ہو بہر حال اس نے یہ غلط نہ کہا تھا کہ وہ ایک شریف اور اعلیٰ خاندان کا فرد تھا۔ ثبوت کے طور پر اس کی زبان پیش کی جاسکتی تھی

خوابوں کے شکاری

کہ وہ بڑی شائستہ انگریزی بولتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ کبھی کبھی کسی انگریزی لفظ کی جگہ زولو لفظ بول جاتا تھا لیکن اس کے محاورے اور ضرب الامثال منجھی ہوتی تھیں اور اس کا سبب یقیناً یہی تھا کہ وہ برسوں تک یہی زبان بولتا اور اسی میں سوچتا رہا تھا۔

اس وقت وہ جوہان کے سامنے افریقی قبائل کے سیاسی اور سماجی حالات تفصیل سے بیان کر رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ یہ ان کے ظالمانہ قوانین اور رسومات ہی تھیں جن کی وجہ سے قبائل میں مسلسل جنگیں ہوا کرتی تھیں۔ کوئی قبیلہ اور قبیلے کا کوئی فرد اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھتا تھا اور یقیناً محفوظ نہ تھا۔ مثال میں اس نے نوئی کے قبیلے کو پیش کر دیا جسے ڈنگان نے چشم زدن میں نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ جوہان، جو کئی برسوں تک طربن میں رہا تھا، قبائل کی ان خانہ جنگیوں سے اور اس بات سے واقف تھا کہ بڑا قبیلہ چھوٹے قبیلے کو کچل کر رکھ دیتا ہے لیکن اس دن سے پہلے اس نے ایسا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا نہ تھا۔

”چنانچہ معلوم ہوا کہ میرا کام بہت مشکل ہے۔“ جوہان بولا۔

”کون سا کام؟“ اشمیل نے پوچھا۔

”زولوؤں کو عیسائی بنانے کا“ جوہان نے جواب دیا ”میں خاص ڈنگان

کے کراں میں جانے اور وہیں قیام کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔“

جواب دینے سے پہلے اشمیل نے اپنے بچھے ہوئے پائپ میں سے تمباکو بھڑکی

جواب دینے کے لئے شاید مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا اور جب اسے یہ الفاظ

مل گئے تو وہ کافی گستاخانہ تھے۔

”اس سے تو یہی بہتر ہے کہ آپ فوراً جہنم میں جا کر مقیم ہو جائیں“ وہ بولا۔

اور پھر جلدی سے سنبھل کر اس نے کہا ”موافق کیجئے۔“ میرا مطلب ہے جنت

میں کیونکہ آپ جیسے لوگوں کے لئے ہی تو جنت بنائی گئی ہے۔ صاحب! اس نے قدرے جوش میں آکر اضافہ کیا ”آپ کے سینے میں دل ہے یا پتھر؟ آپ کو اپنی بیوی اور بیٹی کا بھی کچھ خیال ہے یا نہیں؟“

”مستر اسمیل! کون ایسا شوہر ہوگا جسے اپنی بیوی اور کون ایسا باپ ہوگا جسے اپنی بیٹی کا خیال نہ ہو؟“ جوہان نے بڑی سرد اور غیر جذباتی آواز میں جواب دیا۔

”تو پھر کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بیوی اور بیٹی کو خود آپ کی نظروں کے سامنے ذبح کر دیا جائے؟“ اسمیل نے پوچھا ”یا اس سے بھی بُرا اور لرزہ خیز سلوک کیا جائے ان کے ساتھ؟“

”یہ کیسے سوالات پوچھ رہے ہو تم؟“ جوہان نے ذرا براہمان کر کہا ”بیشک میں جانتا ہوں کہ وحشیوں میں جانا خطرے سے خالی نہیں اور یہ کہ میں بڑا خطرہ مول لے رہا ہوں۔ تاہم مجھے خدا اور اس کی ذات پر بھروسہ ہے۔ وہ حفاظت کریگا ہماری۔“

اسمیل چند ثانیوں تک اپنا پاپ بھونکتا اور زہن زبان میں کچھ بڑبڑاتا رہا جوہان کے اس عجیب اعلان نے اسے گڑبڑا دیا تھا۔

”ٹھیک ہے“ آخر کار اس نے کہا۔ ”سیا پی اور اس کے لوگ بھی خد کی حفاظت پر بھروسہ رکھتے تھے لیکن انہی لوگوں کی لاشیں آج آپ نے دفن کی ہیں۔ تمام لوگوں کی لاشیں سوائے لونی کے جسے آپ نے اپنے پڑاؤ میں پناہ دے رکھی ہے۔ آپ کے خیال میں آپ نے یہ بڑا نیک کام کیا ہے اور اب اگر آپ زولو لنیڈ میں گئے تو آپ کو اسی نیک کام کا صلہ ڈنگان کی طرف سے ملے گا کہ وہ آپ سب کو دفن کر دے گا یا آپ کی لاشیں گدھوں کے سامنے پھینک دے گا۔ آپ اس بھرم میں نہ رہئے

کہ چونکہ آپ انفا دوستی — میرا مطلب ہے مبلغ ہیں اس لئے آپ کو بخش دے گا۔
یقین کیجئے زولینڈ میں آپ کو کوئی بچانہ سکے گا۔ حتیٰ کہ خدا بھی نہیں۔ ایک ہینڈ کے
اندر اندر آپ مر چکے اور دنیا آپ کو بھلا چکی ہوگی اس کے علاوہ خود آپ کو اپنا
چھکڑا ہانکنا پڑے گا کیونکہ آپ کے کافر ملازم زولوں سے واقف ہیں اور وہ
آپ کے ساتھ وہاں نہ جائیں گے۔ میرے بزرگ! کتاب مقدس بھالے کے پھل
کو روک سکے گی۔“

”سٹراشمیل! براہ کرم ایسی — ایسی — کافرانہ قسم کی باتیں نہ کیئے جو ہاں
نے بے چینی سے پہلو بدل کر کہا ”غالباً تم نہیں جانتے کہ میں اپنا فرض ادا کر رہا
ہوں۔ اور اگر اس فرض کی ادائیگی میں شہادت“

”ارے مارو گولی شہادت کو“ اشمیل جلدی میں کہہ گیا۔ ”میرا مطلب ہے
آپ شہادت کی تلاش میں ہی چلے ہیں۔ خیر یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے لیکن سوال
یہ ہے کیا واقعی آپ اپنی بیوی اور بیٹی کو قتل کر دینا چاہتے ہیں؟“
”یہ کیسے احمقانہ سوال کر رہے ہو؟ میں کیوں اپنی بیوی اور بیٹی کو قتل کرے گا؟“
”تو پھر منا سب ہوگا کہ آپ درپائے تو گیلہ کے اس پار نہ جائیں بلکہ ڈربن واپس
چلے جائیں یا کم سے کم یہیں رک جائیں۔ یہاں آپ بہت حد تک محفوظ ہیں۔
ڈنکان کو جب تک اس لڑکی کوئی کے متعلق معلوم نہ ہوگا تب تک وہ آپ سے
کوئی تعرض نہ کرے گا۔“

”اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے اس فرض کو ترک کر دوں جو خود خدا کی طرف
سے میرے سپرد کیا گیا ہے اور جس کی ادائیگی لیکن وہ باتیں کہنے سے کیا
فائدہ جنہیں شاید تم نہیں سمجھ سکتے۔“

”بے شک نہیں سمجھتا اور سمجھنا چاہتا بھی نہیں۔ لیکن یہ ضرور سمجھتا ہوں کہ

اگر کسی شخص کی گردن، زندہ شخص کی گردن، مرد ڈی جاتی ہے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے اسے۔ دیکھئے صاحب۔ اگر آپ کا زولولینڈ میں جانا ایسا ہی ضروری ہے تو آپ اکیلے چلے جائیے۔ اپنی بیوی اور بیٹی کو نہ لے جائیے اپنے ساتھ۔ وہ عورتوں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ خصوصاً سفید فام عورتوں کے۔“

”اس کا فیصلہ مجھے نہیں بلکہ میری بیوی اور بیٹی کو کرنا ہے۔“ ٹاہر ہے کہ میں انھیں جبراً اپنے ساتھ نہ لے جاؤں گا۔“ جوہان نے کہا۔ لیکن میں سمجھتا کہ میری بیوی اور بیٹی کا ایمان بھی اتنا پختہ ہے جتنا کہ میرا ایمان پختہ ہے۔ انھیں بھی خدا کی ذات پر اتنا ہی بھروسہ ہے جتنا کہ مجھے۔ وہ بھی قصا و قدر کی اتنی ہی قائل ہیں جتنا کہ میں۔“

اور اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ جوہان کی آنکھوں میں اس وقت التجا تھی۔

اور آج پہلی دفعہ مسرور و یوہنت ہار گئی۔

”میرے سر تاج!“ وہ بولی۔ ”اگر آپ میری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں تو مجھے کہنا پڑتا ہے کہ یہ صاحب غلط نہیں کہہ رہے ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو مجھے اپنی کوئی پروا نہیں۔ جہاں آپ جائیں گے میں بھی آپ کے ساتھ چلی چلوں گی۔ لیکن خدا نے یہ تو نہیں کہا کہ کھلی آنکھوں کنوئیں بننا گر پڑو۔ میں نے آپ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا ہے۔ جو کچھ آپ نے کہا ہے۔ جہاں آپ گئے ہیں میں بھی چلی ہوں ہم اپنے وطن میں مرے میرے تھے لیکن آپ افریقہ آگئے تو میں بھی چلی آئی۔ آپ خشتاک مقامات میں ٹھہرتے رہے تو میں بھی ٹھہرتی رہی اور کبھی شکایت نہ کی لیکن اب میں کہتی ہوں کہ آپ کا زولولینڈ میں جانا مناسب نہیں خصوصاً اس لئے کہ کہ میں اپنا ہی نہیں بلکہ ریچل کا بھی خیال کرنا ہے۔“

”آپ میری فکر نہ کریں“ ریچل نے جلدی سے کہا ”میرا تو یہ ہے کہ میں ہر جگہ قسمت آزمائی کروں گی جیسے آج ہی کر چکی ہوں۔“

”میں تمہاری فکر نہ کروں گی تو اور کون کرے گا بیٹی؟“ مسٹر دیو نے کہا ”حالانکہ جانتی ہوں کہ تم زولوینڈ میں ماری نہ جاؤ گی۔ اپنی طبعی عمر پوری کرنا تمہارے لئے مقدر ہو چکا ہے اور یہ — تم جانتی ہو کہ میں شروع سے کہتی آئی ہوں۔ اس کے باوجود میں تمہاری طرف سے متفکر ہوں اور۔“

جوہان — جوہان — ”اس نے رونی اور رحم طلب آواز میں اضافہ کیا۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ تم نے مجھے تھکا مارا ہے؟ تم اتنی بات نہیں سمجھ سکتے کہ میں بوڑھی اور کمزور ہو رہی ہوں۔ کیا یہی تمہارا فرض ہے کہ کافروں کو عیسائی بناتے پھر دو؟ ہمارا خیال کرنا تمہارا فرض نہیں ہے؟ کیا ہمارے کوئی حقوق نہیں ہیں؟ کیا ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے تمہارے نزدیک؟ ہم پتھر میں؟ بے حس ہیں کہ تم ہمیں لڑھکاتے پھرتے ہو؟“ مسٹر دیو کا جوش بڑھتا ہی جا رہا تھا ”اگر تمہیں کافروں کا ہی خیال ہے، اگر تم کافروں میں رہنا چاہتے ہو تو زولولینڈ میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں بھی تو کافر ہیں اور بہت ہیں۔ چنانچہ اگر تم واپس جانا نہیں چاہتے تو مستقل طور پر ہمیں مقیم ہو جاؤ یہاں ایک گھر بنا لو اپنا کہرنے سے پہلے ہمیں کچھ سکون میسر آئے کیونکہ تم جاؤ اب ہماری موت زیادہ دور نہیں رہ گئی ہے۔ وہ بہت قریب آگئی ہے۔ بہت ہی قریب — اور یہ میں یقین سے کہتی ہوں۔“

اور وہ ایک دم سے پھوٹ پڑی۔

”میری پیاری“ جوہان نے کہا ”تم اس وقت پریشان ہو گئی ہو آج کے واقعات، زولوؤں کی آمد اور ریچل کی فکر نے تمہیں ذرا اعصابی بیجان میں

مبتلا کر دیا ہے۔ چنانچہ مناسب ہو گا کہ تم جا کر اب آرام کرو۔ ریچل تم بھی جاؤ۔ میں اسی معاملے کے متعلق مسٹر اسمیل سے گفتگو کرتا ہوں۔ ان صاحب کو شاید خدا نے ہی یہاں بھیجا ہے کہ یہ مجھے مناسب راہ دکھائیں۔ میں بے درد اور خود غرض نہیں ہوں۔ جیسا کہ شاید تم مجھے سمجھ رہی ہو۔ اگر مسٹر اسمیل نے مجھے یقین دلا دیا کہ زولولینڈ میں تمہاری جانوں کو خطرہ لاحق ہے۔ مجھے اپنی پروا نہیں۔ تو پھر میں زولولینڈ کی سرحد پر اپنا مستقر بنانے کے مسئلے پر غور کروں گا۔ اگر مستقل طور پر نہیں تو چند سال کے لئے سہی۔ اور میں سمجھ لوں گا کہ فی الحال خود خدا نہیں چاہتا کہ ہم زولولینڈ میں داخل ہوں۔ اس کا وقت آئے گا تو پھر ہم زولولینڈ میں بھی داخل ہو جائیں گے۔ اب تم دونوں سو رہو جا کر۔

چنانچہ مسٹر دیو اور ریچل وہاں سے اٹھ گئیں۔ لیکن پورے دو گھنٹے تک ریچل اپنے باپ اور اسمیل کو آپس میں باتیں کرتے سنتی رہی اور سوچنے لگی کہ جو ہان نے آخر کار کیا فیصلہ کیا؟ وہ دریائے نوگیلا کے اس طرف قیام کرنا ہے یا اس طرف۔ ریچل کے لئے کوئی فرق نہ پڑ جانے والا تھا البتہ اپنی ماں کی خاطر وہ چاہتی تھی کہ جو ہان اسی جگہ مستقر بنانے کا فیصلہ کر لے جہاں اس وقت ان کا پڑاؤ تھا کیونکہ انگلستان لوٹ جانے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ رہا ڈرجن تو جو ہان وہاں کے سفید فاموں سے جھگڑا کر آیا تھا اور اب وہ لوگ ظاہر ہے کہ اسے ڈرجن میں قیام کرنے نہ دیں گے۔

دوسرے دن ریچل صبح بیدار ہوئی تو سب سے پہلے اس کی نظر لوی پر پڑی جو خیمے کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھی اور اپنی ہتھیلیوں کے پیا لے میں اپنی

ٹھوڑی ٹکائے خالی خالی نظروں سے ریچل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ریچل بظاہر سوئی بنی رہی لیکن کنکھیوں سے نوئی کی طرف دیکھتی رہی اور اسے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ یہ کافر لڑکی اپنے طور پر کس قدر حسین تھی۔ ہر چند وہ دوسری کافر عورتوں کے مقابلے میں پست قامت تھی تاہم متناسب الاعضاء تھی۔ اس کی نرم اور چکنی جلد صبح کی روشنی میں تقریباً سفید معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے بال کائے لائے اور گھنگھرے تھے اور نوئی نے کافروں کے فیشن کے مطابق بہت سی چوٹیاں نہ گونہہ رکھی تھیں بلکہ اس نے اپنے بال کھلے اور لہراتے چھوڑ دیے تھے۔ اس کے چہرے کے نقوش دل آویز تھے اور بشرے سے زیر کی عیاں تھی۔ پلکیں لائیں تھیں اور آنکھیں تقریباً بریضوی اور مجبوری اور ان میں ایسی ملاحظ تھی جیسی کہ غزال کی آنکھوں میں ہوتی ہیں۔ یقیناً نوئی اپنے طور پر بے حد حسین اور پرکشش تھی اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ وہ کسی بھی اخلاقی عورت سے مختلف تھی البتہ اس شخص سے ایک حد تک مشابہت رکھتی تھی جس کی لاش کی طرف اشارہ کر کے اس نے کہا تھا کہ یہ اس کا باپ تھا اور جو ہر چند کہ میت قامت اور بونا تھا لیکن مرنے سے پہلے دوزلو سپاہیوں کو قتل کر گیا تھا۔ اور پھر خود بڑے پراسرار طور سے مر گیا تھا۔

”نوئی!“ ریچل جب معائنہ کر چکی تو اس نے آہستہ سے آواز دی۔
نوئی بڑی پھرتی سے اٹھی، ریچل کے بستر کے قریب آکر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی
بستر سے نیچے لٹکتا ہوا ریچل کا ہاتھ اٹھا کر چوما، اپنے ماتھے سے لٹکایا اور بڑی نرم آواز میں کہا۔

”انکو سازانہ! میں حاضر ہوں۔“

”نوئی! وہ سفید فام ایک پراسور ہے۔“

”نہیں۔ وہ جاچکا۔ پو پھٹنے سے پہلے ہی وہ اپنے ملازم کو لے کر یہاں سے چلا گیا کیونکہ اسے خوف تھا کہ کہیں اب بھی زولو اس کے اور اس کے کراں کے درمیان حائل نہ ہوں۔“

”تم اس سفید فام کے متعلق کچھ جانتی ہو نوئی۔“
 ”جانتی ہوئی انکو سازانہ۔ جانتی ہوں کیونکہ میں اسے زولو لینڈ میں دیکھ چکی ہوں۔ لوگ اسے ابو بوسی (شیر) کہتے ہیں لیکن اس لئے نہیں کہ وہ بہادر ہے بلکہ اس لئے کہ وہ شکاری ہے اور رات کے اندھیرے میں حملہ کرتا ہے۔ انکو سازانہ! وہ سفید فام بہت بُرا ہے۔“
 ”تو میرا اندازہ غلط نہ تھا“ رچل نے کہا ”اور یہ تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہیں کہ وہ بہادر نہیں ہے۔“

خیر! ”وہ مسکرائی، شیر کے لباس میں اس لومڑ کے متعلق بہت باتیں ہو چکیں چنانچہ اب تم اپنے متعلق بتاؤ۔ لیکن نیچی آواز میں کیونکہ تم جانو اس خیمے کی دیواریں بہت پتلی ہیں۔“

”خاتون!“ نوئی نے کہا ”تم سفید فام اور تمہاری روح بھی سفید ہے اور ہمراہ بھی سفید ہے۔ خاتون سنو۔ میں نصف زولو ہوں کیونکہ میرا باپ زولو نہ تھا جو گزشتہ کل جسمانی طور پر مر گیا اور روحوں اور بھولوں کی دنیا میں چلا گیا۔ میرا باپ اس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے جو شمال کی طرف دور۔ بہت دور آباد ہے۔ یہ قبیلہ چھوٹا ہے مگر طاقتور ہے۔ اس قبیلے کے لوگ بھی چھوٹے یا بونے ہیں لیکن پر قوت ہیں۔ وہ لوگ درختوں کے درمیان رہتے ہیں، درختوں کی پوجا کرتے ہیں اور جب ان کا درخت مرجھاتا ہے تو وہ بھی مرجھاتے ہیں۔ وہ لوگ خوابوں کے شکاری اور خوابوں کے سوداگر ہیں۔ بونے

ہیں لیکن قبائل ان سے ڈرتے ہیں اور ان کا نام سن کر لرز اٹھتے ہیں۔ ان لوگوں کو سورج کی روشنی سے نفرت ہے چنانچہ وہ ایک گھنے جنگل کے قلب میں رہتے ہیں۔ میں ذاتی طور پر ان لوگوں سے واقف نہیں ہوں کیونکہ میں نے آج تک انہیں نہیں دیکھا۔ لیکن یہ باتیں اور دوسری بہت سی باتیں، جنہیں میں بیان کرنا نہیں چاہتی، میرے باپ نے مجھے بتائی تھیں۔ میرا باپ اپنی جوانی میں ان لوگوں میں سے نکل کر بھاگ آیا تھا۔

”کیوں؟“ ”پہلے نے پوچھا کیونکہ نوئی خاموش ہو گئی تھی۔“

”یہ تو میں نہیں جانتی خاتون۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ میرا باپ اس قبیلے کا منست یا کاہن ہوگا یا ان میں سے ایک ہوگا اور اسے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا ہوگا۔“

”کس سلسلے میں۔“

”میرے خیال میں میرا باپ ایک عورت کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا لیکن یہ عورت چونکہ ان لوگوں کی لونڈی تھی اس لئے وہ اس سے شادی نہ کر سکتا تھا۔ غالباً یہ عورت میری ماں تھی۔ چنانچہ وہ اس عورت کے ساتھ فرار ہو گیا۔ اور زولوینڈ میں بس گیا آکر۔ شا کا کے زمانے میں میرا باپ ایک زبردست دیچ ڈاکٹر تھا لیکن وہ آبانگوماسی میں سے نہ تھا۔ یعنی ان دیچ ڈاکٹروں میں سے نہ تھا جو جو ساحروں کو سوچھ لیتے ہیں اور نہ ہی ان دیچ ڈاکٹروں میں سے تھا جو لوگوں پر موت نازل کرتے اور بادشاہ کے دربار میں نہیں قتل کر دے دیتے ہیں کیونکہ اپنے قبیلے کے ہر فرد کی طرح میرے باپ کو بھی خون خرابے سے نفرت تھی۔ جی نہیں۔ وہ جڑی بوٹیوں اور ٹوٹے ٹوٹکوں کا دیچ ڈاکٹر تھا۔ وہ بیماروں کا علاج کرتا تھا، جادوگر تھا کہ لوگوں کے بھوت اتار دیا کرتا تھا، خوابوں کی تعبیر بتایا کرتا تھا، مستقبل کا حال

معلوم کرنے کے لئے خواب بلا یا کرتا تھا کہ خوابوں کا شکاری تھا، وہ دانا تھا، وہ بینا تھا اور وہ زیرک تھا۔ اسی کی حکمت اور زیرکی سے شا کا عظیم بنا تھا اور شا کا کے منظم سے تنگ آکر جب اس نے اپنی حکمت اور دانائی واپس کھینچ لی تو شا کا مر گیا۔“

» خاتون شا کا کی جگہ اب ڈنگان بادشاہ ہے۔ وہی ڈنگان جس نے شا کا کو قتل کیا تھا۔ ڈنگان نے شا کا کے تمام مشیروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن میرے باپ کی جان بخشی کر دی۔ حالانکہ وہ بھی شا کا کا ہی مشیر تھا۔ مھن اس لئے کہ ڈنگان میرے باپ سے ڈرتا تھا۔ میں اپنی ماں کی اکھوتی بیٹی ہوں۔ میرے باپ نے زولوہسم کے مطابق دوسری بیویاں کر لی تھیں۔ اس لئے نہیں کہ اسے اپنی ان بیویوں سے محبت تھی بلکہ اس لئے کہ وہ اپنی برتری ظاہر کرنا اور یہ دکھانا چاہتا تھا کہ وہ زولوؤں سے مختلف اور کم رتبہ نہیں ہے۔ چنانچہ میرا باپ عظیم بن گیا اور امیر بن گیا اور امن و سکون سے اپنی زندگی کے دن گزارنے لگا کیونکہ زولو اس سے ڈرتے تھے۔ خاتون! میرے باپ کو مجھ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ چنانچہ اس نے تنہا مجھے ہی اپنی زبان اور اپنا علم سکھایا ہیں دو ایسے بنانے میں اس کی مدد کرتی اور ان خوابوں کی تعبیر معلوم کر لیتی جو میرے باپ کے لئے اُبھے ہوئے اور مبہم ہوتے اور جن کی تعبیر وہ معلوم نہ کر سکتا۔ میرے باپ کا ورثہ مجھے ملا۔ میرے باپ کا سایہ مجھ پر پڑا۔ کئی نوجوانوں نے مجھ سے شادی کی درخواست کی لیکن میں نے انکار کر دیا۔ میں شادی کرنا نہیں چاہتی کیونکہ علم سے

میری شادی ہو چکی۔

”اور پھر ایک مچوس دن آیا۔ تم — یعنی میں اور میرا باپ جانتے تھے کہ یہ دن آکر رہے گا۔ میں زولو لینڈ سے بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن میرا باپ اپنی دوسری بیویوں کی وجہ سے ایسا نہ کر سکتا تھا۔ میرے علاقے کی کنواریوں کی ڈنگان کے ملاحطے کے لئے، صف آرائی کی گئی اور میں اسے پسند آگئی کیونکہ میں زولو لینڈ کیوں سے مختلف ہوں اور پھر — تم سمجھ سکتی ہو کہ کیا ہوا ہوگا لیکن میں پرج گئی کیونکہ دوسرے دیچ ڈاکٹروں اور ڈنگان کی بیویوں نے کہا کہ مجھے حرم میں ڈالنا عقلندی نہیں۔ خصوصاً اس لئے کہ میں بہت سی باتوں سے واقف ہوں اور اسے ایسا زہر پلا سکتی ہوں کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ اس کی موت کیسے واقع ہوگئی اور یہ کہ میں اس پر سحر کر سکتی ہوں۔ چنانچہ میں عارضی طور پر پرج گئی۔ لیکن ڈنگان چونکہ مجھے اپنی نہ بنا سکا تھا اور نہ بنا سکتا تھا اس لئے وہ بے چین رہنے لگا اور ہر دم میرے متعلق سوچنے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہر رات مجھے خواب میں دیکھتا آخر کار اس نے تنگ آکر میرے باپ سے کہا کہ وہ مجھے ڈنگان کے حضور رسماً اور قانوناً نہیں بلکہ تحفہ پیش کر دے کیونکہ اس طرح، اس کا خیال تھا، نحوست میرے ساتھ نہ جائے گی اور وہ میرے سحر وغیرہ سے محفوظ رہے گا۔ لیکن اپنے باپ کے سامنے گڑگڑائی کہ وہ مجھے ڈنگان سے محفوظ رکھے کیونکہ مجھے ڈنگان سے نفرت ہے اور میں نے کہا کہ اگر مجھے ڈنگان کے پاس بھیج دیا گیا تو میں اسے زہر دے دوں گی۔ میرا باپ غور اور توجہ سے میری باتیں سنتا رہا۔ وہ مجھے بہت چاہتا تھا اور میری جدائی اسے گوارہ نہ تھی۔ چنانچہ اس نے ڈنگان کے سامنے انکار کر دیا۔ اب تو ڈنگان کے غصے کا کوئی پادرنہ رہا اور اس نے دوسرے دیچ ڈاکٹروں سے مشورہ طلب کیا لیکن وہ اسے کوئی مناسب مشورہ دے سکے کیونکہ میرے باپ سے دیتے

ہتھے پھر ڈنگان نے اس سفید فام سے مشورہ کیا جس کا نام ہاشمیل اور لقب شیر
سہی اور جو اکثر بادشاہ کے کراں میں آیا کرتا ہے۔

”آ۔ ہاں۔“ ریچل نے کہا ”اب سمجھ میں آیا کہ ہاشمیل مجھے کیوں یہ مشورہ
دیر ہاتھا کہ میں تمہیں قتل کر دوں۔“

”سفید فام ہاشمیل جسے تم نے شیر کے لباس میں لومڑ کہا ہے، ڈنگان
کے خوف پر ہنس پڑا اور بولا۔ ڈنگان ہاشمیل لڑکی سے نہیں بلکہ اس
کے باپ سیاہی سے ڈرنا چاہئے کیونکہ جادوگر لڑکی نہیں اس کا باپ ہے۔
لڑکی کے باپ اور اس کے تمام گھروالوں کو قتل کر دو اور لڑکی کو پھر طر کر مزے
اڑاؤ۔“

”چنانچہ یوں کہا ہاشمیل نے اور ڈنگان کو اس کا مشورہ بے حد مناسب معلوم
ہوا اور اس نے انعام میں ہاشمیل کو ہاتھی دانت اور عورتیں دے دیں جو ہاشمیل
نے پسند کی تھیں۔ میرے باپ کو اور مجھے بھی یقین تھا کہ مصیبت آنے والی
ہے کیونکہ اس کے متعلق ہم دونوں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ اس کے باوجود ہم دلنید
سے فرار نہ ہوئے۔ سبب وہی تھا جو بتا چکی ہوں۔ یعنی میرے باپ کی دوسری بیویاں
اور اولاد بھی تھی۔ یہاں تک کہ بادشاہ کے سپاہی، جو میرے باپ اور اس
کے کہنے کو قتل کرنے آئے تھے، ہمارے دروازے پر پہنچ گئے۔ ہم تو اس وقت
بھی فرار نہ ہوتے بلکہ میرا باپ اپنے قبیلے کی رسم کے مطابق مرجاتا جیسا کہ آخر کار
مر گیا۔“

”یعنی سفید موت؟“ ریچل نے پوچھا۔

”ہاں خاتون، سفید موت۔ بہر حال ہم صرف اس امید میں فرار ہوئے
کہ تو گیلہ کے دوسری طرف پہنچ کر سفید فاموں میں پہنچ جائیں گے اور وہاں ہمیں پناہ

بل جائے گی۔ ڈنگان کا حکم تھا کہ مجھے قتل نہ کیا جائے بلکہ گرفتار کر کے اسکے حضور پیش کیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے میں فرار ہوئی چنانچہ یہی وجہ ہے خاتون آخر تک میں اپنے باپ اور دوسرے لوگوں سے آگے کھٹی بود کے واقعات سے تو تم واقف ہی ہو۔ ہاشمیل نے یقیناً تمہیں دیکھ لیا تھا اور اس خیال سے کہ کہیں زولو تمہیں قتل نہ کر دیں۔ وہ تمہیں خبردار کرنے دوڑ آیا تھا اور جب میں مرنے والی تھی۔ لیکن سپاہی کے بھالے سے نہیں۔ تو تم آگئیں بس۔ میں کہہ چکی۔

”تم اپنے مردہ باپ کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی تھیں تو اس وقت کیا پیغام ملا تھا تمہیں؟“ ریچل نے دوسری دفعہ پوچھا کیونکہ یہ پیغام معلوم کرنے کے لئے وہ بہت تاب تھی۔

ایک بار پھر نوئی کے لیٹرے سے ناقابل فہم جذبات عیاں ہو گئے۔
 ”انکو سازانہ زولا!“ وہ بولی ”میں نے کہا نہیں تھا کہ یہ پیغام صرف میرے لئے ہے چنانچہ میں کچھ بتا نہیں سکتی؟ البتہ یہ سن لو کہ تمہاری میری اور ایک تیسری ہستی کی قسمیں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں کیونکہ ہماری روہیں نہیں ہیں جو ماضی میں ساتھ رہی ہیں۔“

”اچھا!“ ریچل نے مسکرا کر کہا۔ وہ بچپن سے کافروں میں رہی تھی چنانچہ ان کے اعتقادات سے، جو اکثر اسے احقرانہ معلوم ہوتے تھے، واقف تھی۔
 ”بہر حال نوئی! تم مجھے پسند ہو اور میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ شاید اس لئے کہ تم یتیم، بے خانناں اور دکھی ہو۔ البتہ اتنا ضرور کہوں گی کہ اگر تم روحانی طور پر ہی میری بہن بن کر رہنا چاہتی ہو تو پھر مناسب ہوگا کہ جسمانی طور پر تم مجھ سے جدا ہو جاؤ۔ وہ سفید فام لوطی تمہارے راز سے واقف ہے اور

جلد یا بدیر وہ ایک بھالا تمہاری طرف پھینک دے گا۔“

”بے شک“ نوئی نے کہا۔ ”بے شک۔ بہت سے واقعات ہوں گے۔ ان واقعات کا ہونا یقینی ہے۔ میں رہوں یا چلی جاؤں۔ وہ واقعات ہو کر رہیں گے چنانچہ خاتون! اب تم حکم دو اور میں تعمیل کروں گی۔ کہو! اب میں یہاں رہوں یا چلی جاؤں یا تمہاری نظروں کے سامنے مر جاؤں۔“

”اس کا فیصلہ تم کر لو نوئی“ رچل نے کندھے جھٹک کر کہا۔

”نہیں۔ نہیں خاتون۔ فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ تم شاید کھوں رہی ہو کہ کہ اگر میں یہاں رہی تو شاید تم پر اور تمہارے گھرانے پر تباہی آؤں گی۔ تو کیا تم مجھے کوئی حکم نہ دو گی؟“

”نوئی! میں کہہ چکی ہوں کہ تمہیں اختیار ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی چنانچہ اب آسمانوں کی روح فیصلہ کرے گی۔ خاتون! اپنے سر کا ایک بال تو مجھے دو۔“

رچل نے اپنا ایک بال توڑ کر نوئی کو دے دیا۔ نوئی نے بھی اپنے سر سے ایک بال توڑا اور دونوں بال زمین پر رکھ دیئے۔

”دیکھو خاتون“ وہ بولی ”تمہارے اور میرے بال کی لمبائی برابر ہے باہر ہوا آہستہ آہستہ بہہ رہی ہے۔ چنانچہ اب ذرا نیچے کے دروازے تک چلو اور میں یہ دونوں بال ہوا میں اُچھال دوں گی۔ اگر وہ بال جو کالا ہے، پہلے زمین پر آ جائے گا تو میں یہیں رہوں گی اور اگر یہ دوسرا بال، جو سنہرا ہے، پہلے زمین پر آ کرے گا تو پھر میں اپنا بال تلاش کرنے چلی جاؤں گی۔ کہو۔ منظور ہے؟“

”منظور ہے۔“

چنانچہ دونوں لڑکیاں نیچے کے دروازے پر جا کھڑی ہوئیں اور نوئی نے دونوں

خوابوں کے تشکارتی

بال ہوا میں اُچھال دئے۔ اتفاقاً اس وقت ہوا کا ایک جھونکا آیا جو بالوں کو اوپر اٹھائے گیا۔ بال چالیس فٹ تک اوپر اٹھتے چلے گئے اور پھر وہ ہوا جو بالوں کو سہارا دئے ہوئے تھی، دفعۃً کمزور پڑ گئی۔ کم سے کم نوئی کے بال کو وہ سہارا نہ دے سکی اور وہ فضا میں تیرتا ہوا نیچے آنے لگا اور پھر دونوں لڑکیوں کے قدموں میں آپڑا۔ لیکن ریچل کا بال، جو شاید ہوا کے گرداب میں پھنس گیا تھا، اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا گیا یہاں تک خلا میں پہنچ کر غائب ہو گیا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ مجھے یہیں رہنا ہے۔ نوئی نے کہا۔

”ہاں۔“ ریچل نے کہا۔ ”اور اس فیصلے سے مجھے بے حد مسرت حاصل ہوئی ہے۔ اب اگر کوئی مصیبت آئی بھی تو اس کی ذمہ داری ہم پر نہیں بلکہ ہوا پر عائد ہوگی۔ بہر حال اس بال نے فیصلہ کر لیا ہے اور تم نے مجھ سے پیمانہ وفا باندھ لیا ہے۔“

”ہاں خاتون۔ لیکن وہ ہوا کس نے چلائی تھی جو تمہارا بال اڑا لے گئی؟۔“

ریچل نے کندھے جھٹک کے نوئی کے سوال کے جواب میں ایک اور سوال پوچھا۔

”نوئی! ہوا میرے بال کو کہاں لے گئی؟۔“

”یہ میں نہیں جانتی خاتون۔ شاید میرے باپ کی روح تمہارا بال لے گئی ہے۔ میرے خیال میں وہ شمال کی طرف گیا ہے۔ بہر حال جب میرا بال گر رہا تھا تو تمہارے بال کو جیسے کسی ان دیکھے ہاتھ نے پکڑ لیا اور اوپر گھسیٹ لیا حالانکہ دونوں ساتھ ہی ہوا میں اٹھے تھے۔ وہ شمال کی طرف گیا ہے اور

خاتون میں سمجھتی ہوں کہ ایک دن تم بھی اسی طرف، شمال کی طرف جاؤ گی اور اس
 خطے میں جاؤ گی جہاں عظیم الشان درخت راتوں کے اندھیرے سے براہِ روز نیاز
 کی باتیں کرتے ہیں۔

ساتواں باب

دنگان کے سفیر

چنانچہ یوں ہوا کہ نوئی دیو گھرانے کی ایک فردین گئی اور اس نے چند درجید و جوتہ کی بنا پر اپنا نام بھی تبدیل کر لیا چنانچہ اب وہ ”نوئہا“ کہلاتی تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہوا کہ جوہان نے زولینڈ جانے کا ارادہ بھی ترک کر دیا اور اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ اسی جگہ مقیم ہو گیا جہاں ان کا پڑاؤ تھا۔ اس خوبصورت جگہ کا نام اس نے ”رماہ“ رکھا کیونکہ یہ آنسوؤں کی دادی تھی اور اسی جگہ یاپی اور اس کے لوگوں کا قتل عام کیا گیا تھا۔ مسز دیو کے نزدیک یہ نام بڑا ہی منحوس تھا اور یہ بدشگونی تھی لیکن اپنے شوہر کے سامنے اس نے آخر کار ہتھیار ڈال دئے جیسی کہ اس کی عادت تھی۔

ریچل نے کہا کہ ”رماہ“ نام اچھا تھا اور یہ کہ اس جگہ کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھا جائے اس سے کوئی فرق نہ پڑ جائے والا تھا۔ چنانچہ اس جگہ ”رماہ“ میں جوہان نے ایک ٹیلے پر اسی ٹیلے پر جہاں ان کا پڑاؤ تھا، ایک مکان تعمیر کیا یہ مکان اپنے طور پر بہت عمدہ اور خاصا آرام دہ تھا اور اس کی تعمیر میں جوہان کو وقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اول تو اس لئے کہ ضرورت کی ہر چیز وہاں سسانی سے مل گئی اور دوم اس لئے کہ جوہان تعمیر وغیرہ کے کام میں خاصا ہوشیار تھا۔ ایک راج مہارناٹال کی طرف سے بھٹکتا ہوا اس طرف آنکلا تھا چنانچہ جوہان نے اسے مناسب اجرت پر رکھ لیا جو قریب سے ہی تپھر کاٹ کر

کر لے آتا تھا۔ دو دو غلی نسل کے بڑھئی بھی مل گئے اور کافر ملازموں نے مکان کی چھت کا کام سنبھال لیا کیونکہ گھاس پھوس کی چھت کافروں سے ہتبر اور کوئی نہیں بنا سکتا۔ اور پھر جوہان گرجا کی تعمیر میں مصروف ہو گیا یہ گرجا اسی ٹیلے پر بنایا گیا جہاں رچل اور اسکی ماں نے پہلی دفعہ اشمیل کو دیکھا تھا۔ مکان کی طرح یہ گرجا بھی اپنے طور پر بے حد عمدہ تھا۔ چنانچہ ایک سال کی مشقت کے بعد جب اس کی تعمیر مکمل ہوئی تو جوہان اپنے دل میں فخر کی لہر محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

سچ تو یہ ہے کہ افریقہ کے ساحل پر قدم رکھنے کے بعد جوہان اب وہاں، ”رماہ“ میں، روحانی مسرت محسوس کر رہا تھا کیونکہ اب اسے اپنے خواب کی تعبیر قریب بہت قریب معلوم ہوتی تھی۔ جو خواب وہ کئی برسوں سے دیکھتا آیا تھا وہ بہت جلد حقیقت بننے والا تھا اور اس کا ثبوت گرجا کے روپ میں سامنے کھڑا تھا۔

تھوڑے ہی عرصے میں رماہ ایک چھوٹا سا کراں بن چکا تھا کیونکہ وہ لوگ جو ناٹال سے اس وقت نکل بھاگے تھے جب شا کا کی فوجوں نے وہاں کی دیہاتوں میں قتل عام کیا تھا، رماہ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ وہ ایک سفید فام کے سائے میں اپنے آپ کو محفوظ پاتے تھے خصوصاً اس لئے کہ جوہان مذہبی طور پر مجبوں سہی لیکن ویسے ہی بڑا اچھا انسان تھا۔ رہی اس کی تبلیغ تو رماہ میں بسنے والے کافروں کا ایک لفظ نہ سمجھتے تھے۔ البتہ وہ خاموشی سے جوہان کی تقریریں سنا کرتے اور کہتے کہ یہ رماہ میں بسنے کی قیمت ہے جو بہر حال ادا کرنی ہے۔ یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا لیکن جب جوہان نے ان سے کہا کہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں نہ کریں اور جن کے پاس زیادہ بیویاں ہوں وہ ایک بیوی رکھ کر دوسری بیویوں کو الگ کر دیا تو کافروں نے اس کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ جوہان نے اصرار کیا اور

خوابوں کے شکاری

کافروں نے انکار۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں بھی جھگڑا شروع ہو گیا۔

چنانچہ کافروں کے اس گناہ کی پاداش میں جوہان نے انہیں رماہ سے نکال دینا چاہا لیکن کافر بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ زمین جوہان کے باپ کی نہ تھی اور یہ انہیں بھی وہاں بسنے کا اتنا ہی حق حاصل تھا جتنا کہ خود جوہان کو، جوہان ان کی اس دلیل کا کوئی جواب نہ دے سکا چنانچہ وہ اس معاملہ میں خاموش ہو رہا البتہ اس امید میں مسلسل وعظ و نصیحت کر رہے تھے کہ کبھی نہ کبھی تو ان کے دل پگھل جائیں گے اور وہ ان کے گناہوں کی سزا کئی کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

”اے سفید فام چٹخنے والے! تم ہمارے سامنے تقریر کرتے رہو“ کافروں نے کہا ”شاید کسی دن تمہاری باتیں ہماری سمجھ میں آجائیں اور ہم بھی تمہاری طرح سوچنے لگ جائیں۔ اس عرصے میں ہمیں سکون سے رہنے کے لئے جگہ اور اطمینان سے سوچنے کے لئے وقت دو۔“

چنانچہ جوہان نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور نوزائیدہ بچوں اور بوڑھے کا ذہن کو، جو بیویاں کرنے کے قابل نہ رہے تھے، ہمت دینے پر اکتفا کی۔ اس کے نزدیک یہ بھی غنیمت تھا اور کافروں کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہ تھا بشا کا کی فوجوں و طوفانی یلغار کے بعد ان بچاروں کو جا کر سکون میسر آیا تھا اور یہ لوگ اب خوش اور مسرور تھے۔ جوہان نے چند جدید طرز کے ہل بھی افریقہ کے مذہب شہروں سے منگوائے اور رماہ کے کافروں کو ان کا استعمال سکھا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زرخیز زمین جلد ہی صحیح بنوں میں سونا اگلنے لگی۔ ان کافروں کے گنے چنے مویشی بھی جلد ہی بڑھ کر عمدہ اور بڑے بڑے دیوڑوں میں تبدیل ہو گئے اور مویشیوں کی طرح خود کافروں کی بھی اولاد بڑھنے لگی۔ اس افراتش فاش کا نتیجہ یہ ہوا کہ رماہ کے

باشندے ایک بار پھر ایسے ہی پھل پھول چکے تھے جیسے کہ شاکا کے حملہ سے پہلے تھے۔ اور سب سے بڑی اور کافروں کے لئے حیرت کی بات تو یہ تھی کہ ”چیخے والا“ ان سے بغور ٹیکس غلہ اور مولشی نہ لیتا تھا۔ البتہ زولوؤں کے بھالوں کا خوف اب تک ان کے دلوں میں جاگزیں تھا کیونکہ اگر شاکا مرچکا تھا تو اس کا بھائی ڈنگان ان کے کراں سے صرف چند میل دور حکمرانی کر رہا تھا۔ ان کے کراں اور ڈنگان کے ملک کے درمیان صرف دریائے توگیلا حائل تھا۔

ادھر ڈنگان نے اس نئے کراں اور چند دوسری باتوں کے متعلق سنا تو اس نے اپنے جاسوس رماہ میں بھیج دئے۔ جاسوسوں نے واپس آ کر ڈنگان سے کہا کہ رماہ میں ایک سفید فام حکیم اس کی بیوی اور ناطال کے چند مفروز آباد ہیں لیکن ان جاسوسوں نے اس حسینہ کے متعلق عجیب و غریب کہانیاں سنائیں۔ جس کا نام ایک دیوی کا نام تھا اور جو ”چیخے والے“ کی بیٹی کہلاتی تھی۔ اس حسینہ کے متعلق کافروں میں عجیب عجیب افواہیں مشہور تھیں۔ جاسوسوں سے یہ باتیں سنیں تو اب ڈنگان نے ایک وفد رماہ کے ”چیخے والے“ کی خدمت میں روانہ کیا۔

اور ان سفیروں نے ڈنگان کا یہ پیغام سنایا:۔

”میں زولوؤں کا بادشاہ ڈنگان ہوں اور یہ میرے الفاظ ہیں جو تم سفیروں کی زبانی سن رہے ہو۔ اے چیخے والے! ہم نے سنا ہے تم نے ہمارے ملک کی سرحد پر ایک کراں بنایا ہے اور اس کراں میں ان لوٹریوں کے پٹوں کو آباد کیا ہے جن کا شکار شاکا نے کر لیا تھا۔ اے چیخے والے! اگر تم نے ہمارے یہاں کے مفزوروں کو اپنے یہاں پناہ نہ دی تو ہم تم سے اور تمہارے کراں میں بسنے والے پلوں سے کوئی ترض نہ کریں گے۔ تم امن میں رہو گے اس کا ہم وعدہ کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے

یہاں کے ایک بھی مفرد کو تم نے پناہ دی تو ہم تمہارا اور تمہارے بچوں کا اور تمہارے کراں کا نام و نشان تک مٹا دیں گے۔

”ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ تمہارے کراں میں ایک بے حد حسین اور سفید فام لڑکی رہتی ہے جو تمہاری بیٹی کہلاتی ہے لیکن جو افریقہ میں انکو سا زانہ زولا کے نام سے مشہور ہے، ہماری سب سے بڑی دیوی کا یہی نام ہے اور وچ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کی رنگت بھی سفید ہی ہے اور یہ بات ہمیں بڑی عجیب معلوم ہو رہی ہے کہ اس سفید فام خاتون کا، جو تمہاری بیٹی کہلاتی ہے، یہی نام ہے اور یہ نام بڑا ہی محترم اور عظیم ہے۔ ہماری چند انفالو ^{سیول} (پشین گوئی کرنے والیاں) نے اعلان کیا ہے کہ یہ سفید فام حسینہ ہماری دیوی دیوی ہے جو مجسم بن کر دنیا میں آئی ہے لیکن یہ بات ہمارے گلے سے نہیں اترتی چنانچہ ہم اس حسینہ کو اپنے کراں میں آنے کی دعوت دیتے ہیں تاکہ خود ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کوئی فیصلہ کر سکیں اور ہم اپنے اجداد کی رگوں کی قسم کھاتے ہیں کہ اس حسینہ کا اس وقت، جب وہ ہمارے کراں میں آئے گی، اور بعد میں بھی، کوئی ہاں بیگانہ کر سکے گا ہاں زندہ محفوظ ہوگی۔ ہاں۔ اسے کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ اگر کسی نے اسے انگلی بھی لگائی تو وہ گستاخ اور اس کا پورا کنبہ قتل کر دیا جائے گا۔ ہم نے سنا ہے کہ بچپن سے ہی اس حسینہ کا یہی مقدس نام ہے چنانچہ اسی نام کی وجہ سے زولوؤں کا پورا علاقہ اس کا کراں ہے۔ اور تمام زولو اس کے خدمتکار ہیں۔ ہاں۔ اس کے اسی مقدس نام کی وجہ سے ہم اسے زولوؤں کی زندگی اور موت پر اختیار دیتے ہیں۔ جہاں تک ہمارا حکم چلتا ہے وہاں تک اس کا حکم بھی چلے گا۔ اس کے ایک اشارے پر گنہگار کی جان بخشی کر دی جائے گی اور ایک اشارے پر بے گناہ کی جان لے لی جائے گی پھر وہ شخص ہمارا درباری اور مشیر ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ہم تحفے اور چڑھاؤ کے طور پر اس عظیم اور مقدس نام والی کی خدمت میں خاص شاہی صیبل کی بارہ گائیں، ایک بیل اور ایک

سانڈ بھیج رہے ہیں۔ یہ سانڈ سواری کے لئے سدھایا گیا ہے۔ یہ گائیں، یہ بیل اور یہ سانڈ بھی دودھ کی طرح سفید ہے۔ جب یہ عظیم اور مقدس نام والی حسینہ ہمارے پاس آئے تو اسی سفید سانڈ پر سوار ہو کر آئے اور اکیلی آئے۔ یعنی کوئی مرد نہ ہو اس کے ساتھ کیونکہ اس نام والی کی خدمت میں صرف زولوؤں ہی کر سکتے ہیں کہ یہ ان کا حق ہے۔ بس ہم کہہ چکے ہیں۔ ہماری اس حسینہ سے جو زولوؤں کی شہزادی ہے درخواست ہے کہ وہ ہمارے سفیر کے سامنے آکر یہ تحائف قبول کرے کہ ہمارے سفیر اس عظیم نام والی کو مجسمہ دیکھ سکیں اور اس کے متعلق ہمیں بتا سکیں۔“

ڈنگان کے سفیروں نے اپنے بادشاہ کا یہ پیغام جوہان کے سامنے لفظ بلفظ دہرایا ہے تو اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا۔ جوہان نے یہ پیغام سنا تو وہ سفیروں کو کوئی جواب دے بغیر سیدھا بچل کے پاس پہنچا اور اسے ڈنگان نے سنایا۔ کیونکہ جوہان بے حد پریشان تھا اور نہ جانتا تھا کہ سفیروں کو کیا جواب دے۔ ریحل بھی گڑبڑا گئی چنانچہ نوٹی سے مشورہ طلب کیا۔ یہاں ہم یہ بتا دیں کہ سفیروں کے آتے ہی نوٹی کو ایک جگہ تھپا دیا گیا تھا کہ مبادا سفیروں میں سے کوئی اسے دیکھ اور پہچان لے۔

”خاتون! ڈنگان کے سفیروں کے سامنے جاؤ، ضرور جاؤ اور ان سے گفتگو کرو،“ نوٹی نے کہا ”زولوؤں پر اختیار حاصل کرنا ان کے درمیان ایک خاص مقام حاصل کرنا بڑی مفید چیز ہے اور بڑی بات ہے۔ چنانچہ ان سے تم اکیلی جا کر گفتگو کرو۔ اور آہستہ سے، سنجی اور نرم آواز میں بولنا اور کہنا کہ ایک دن تم بادشاہ کے کراں میں جاؤ گی۔ خاتون! میرے مشورے پر عمل کرو کیونکہ میں زولوؤں میں رہی ہوں اور ان سے واقف ہوں۔“

چنانچہ پورے معاملے کی نوعیت اپنے والد کے ذہن نشین کر کر ریحل نے

زولونوں کو مرعوب کرنے کی غرض سے، کندھے پر سفید شال اس طرح ڈال دی جس طرح نوئی نے اسے بتایا تھا، پھر اپنے بولنے اور سنہرے بال اس نے کھول کر بکھرا دیئے اور اپنے ہاتھ میں ایک چھوٹا اور ہلکا بھالائے کروہ ڈنگان کے سفیروں سے ملنے چلی۔ ڈنگان کے یہ سفیر تعداد میں چھ تھے اور وہ لوگ ان کے علاوہ تھے جو تحفے کے مولشیوں کو ہنکاتے لائے تھے۔ یہ لوگ اس کراں میں ٹھہرے ہوئے تھے جو گویا مہمان خانہ تھا۔ اس کراں یہ مہمان خانے کے عین دروازے کے سامنے ایک بڑا سا پتھر پڑا ہوا تھا۔ ریحل اس پتھر پر اس طرح جاکھڑی ہوئی کہ کسی نے اسے وہاں جاتے اور پتھر پر چڑھتے نہ دیکھا۔ وہ اس پتھر پر منتظر کھڑی رہی یہاں تک کہ بادلوں میں سے چاند نکل آیا اور اس کی روشنی میں ریحل کی وہ شال، جو اس نے لبادے کے طور پر اپنے کندھوں پر ڈال رکھی تھی، چاندی کی طرح جگمگا اٹھی۔ یکایک ان سفیروں کی، جو صحن میں بیٹھے ہیں کر رہے تھے اور نسوار سو نگہ رہے تھے، نگاہیں اوپر کی طرف اٹھ گئیں اور انھوں نے ریحل کو اس بلند اور کالے پتھر پر کھڑے دیکھا۔

”انکو سا زانہ زولا،“ ان میں سے ایک نے کہا اور ہر بڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بقیہ سفیر بھی ایک دم سے اٹھ کھڑے ہوئے اور دیکھا کہ ایک بے حد حسین اور پراسرار لڑکی چٹان پر خاموش کھڑی ہوئی تھی۔ سفیروں کے دایا ہاتھ، جن میں بھالے تھے، بے اختیار اوپر اٹھ گئے اور انھوں نے اس لڑکی کو وہ سلامی دی جو پہلے کبھی کسی عورت کو نہ دی گئی تھی۔ شاہی سلام جو صرف بادشاہوں کو کیا جاتا تھا۔

”بائیٹی!“ وہ چلائے ”بائیٹی!“
اور پھر وہ خاموش کھڑے رہ گئے۔

” میں نے سنا اے لوگو۔ میں نے سنا“ ریکل نے زولوزبان میں کہا۔ وہ یہ زبان اپنی ماوری زبان کی طرح روانی سے بول لیتی تھی۔ اے شاد دنگان کی زبانو! مجھ سے کہا گیا تھا کہ تم مجھے دیکھنا چاہتے ہو۔ اور دیکھو میں آگئی۔ اے دنگان کے سفیر واکیا چاہتے ہو تم انکو ساز نہ زولا سے۔“

اور اب ایک شخص آگے آیا۔ یہ سفردوں کا ترجمان تھا۔ یہ شخص اور سوکھا مارا تھا اور اس کا ایک ہاتھ بالکل خشک اور بے جان تھا۔ وہ چند ثانیوں تک ریکل کی طرف غور سے دیکھتا رہا اور ایک بار پھر اس نے اپنا سالم ہاتھ اٹھا کر ریکل کو سلام کیا۔

” خاتون!“ اس نے بڑی نرمی اور انکساری سے کہا ” اے عظیم روح والی! ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تمہیں یہ عظیم اور مقدس نام کب اور کیسے ملا۔“

” سنو! جب میں بچی تھی تو مجھے یہ نام دیا گیا تھا“ ریکل نے کہا ” اور اب یہ سنو کہ یہ نام مجھے کیوں دیا گیا۔ ایک طوفانی اور اندھیری رات میں بجلی چمک رہی تھی اور بجلیاں کڑک کر گرتی ہیں لیکن مجھے جلا نہ سکتیں اور لوٹ جاتیں، دریا چڑھا ہوا تھا اور غصے سے کھن در دہن تھا۔ لیکن اس کا پانی مجھے غرق نہ کر سکا اور اس لئے مجھے یہ نام دیا گیا کہ شیر میرے ساتھ سو رہے تھے لیکن مجھے گزند نہ پہنچا سکے۔ اے سفیر واکیا یہ نام مجھے آسمانوں سے ملا ہے اور آسمان میرے دوست ہیں۔ بس۔ اب میں نہیں جانتی کہ میرا یہ نام مجھے کیسے ملا۔“

” یہ کہانی ہم سن چکے ہیں“ بوڑھے نے کہا اور یقیناً یہ کہانی انھوں نے بڑے مبالغے کے ساتھ سنی تھی ” اور ہم اس پر یقین رکھتے ہیں اور ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ یہ نام تمہیں آسمانوں نے دیا ہے اور یہ نام آسمانوں کا ہے اور اس عظیم روح کا ہے جو آسمانوں کی ملکہ اور ہماری دیوی ہے۔ اس عظیم روح کو میں دیکھ چکا ہوں اور

اے انکو سازانہ زولادہ روح — ہمارا وہ دیوی ہو، ہو تمہاری طرح ہی تھی۔“
 ”بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن اے ڈنگان کی زبان! میں روح نہیں کہیں
 عورت ہوں۔“

”ہاں۔ لیکن ہر عورت میں ایک روح ہوتی ہے۔ کم سے کم ہمارا تو یہی
 عقیدہ ہے۔ چنانچہ تم میں بھی ایک روح ہے اور یہ روح عظیم ہے کیونکہ ہم نے
 ایسا ہی سنا ہے۔ چنانچہ تمہارے کانوں کے لئے اور تمہارے لئے ہم ڈنگان کا
 یہ پیغام دہرا رہے ہیں اور یہ پیغام ہم اسے سنا چکے ہیں جو اپنے آپ کو تمہارا
 باپ سمجھتا ہے۔ راستے تمہارے لئے کھلے ہیں، مولیشی تمہارے ہیں اور ثبوت
 کے طور پر ہم چند مولیشی تمہارے حضور پیش کرتے ہیں۔ انسانوں کی زندگیاں
 تمہارے اختیار میں ہیں چنانچہ اگر چاہو تو اسی وقت حکم دو کہ ہم لوگوں میں سے
 کس کی زندگی کا چراغ بجھا دیا جائے۔ حکم دو کہ اسے تمہاری نظروں کے سامنے
 قتل کر دیا جائے۔ حکم دو کہ وہ آج آخری دفعہ چاند کو دیکھ لے۔“

”میں لے سنا۔ لیکن میں ان لوگوں کی زندگی لینا نہیں چاہتی جو اچھے اور
 وفادار ہیں۔ میں اس تحفے کے لئے بادشاہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور میری نیک
 تمنائیں ان کے ساتھ ہیں۔ میں یاد رکھوں گی کی زندگی اور موت پر مجھے اختیار
 دیا گیا ہے۔ میرے یہ الفاظ بادشاہ تک پہنچا دینا۔“

”پہنچا دے جائیں گے۔ لیکن خاتون! کیا تم بادشاہ کے پاس نہ آؤ گی؟
 بادشاہ نے تمہیں مدعو کیا ہے۔ دریا کے کنارے پر ایک ریجنٹ تمہارے استقبال
 کو موجود ہو گی اور تمہیں بادشاہ تک پہنچا دے گی۔ تم محفوظ رہو گی جب آؤ گی
 اور بحفاظت واپس پہنچا دی جاؤ گی اور جو مانگو گی ملے گا اور جو چاہو گی حاصل
 کر لو گی۔“

”اس وقت نہیں۔ ہاں۔ اس وقت نہیں۔ البتہ ایک دن شاید میں اُن کی
جس۔ میں کہہ چکی۔“

عین اسی وقت ایک بادل نے چاند کو اپنی آغوش میں لے لیا اور جب بادل
بٹا ہے تو رچل وہاں نہ تھی۔ ہاں۔ وہ اس ہتھر پر کھڑی ہوئی نہ تھی۔ ڈنگان
کے سفیروں نے جب دیکھا کہ رچل جا چکی ہے تو انھوں نے اپنے بھالے اور چٹائی
اٹھائیں اور اسی وقت بڑی تیزی سے زولو لینڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔

رچل پڑاؤ میں پہنچی تو اس نے ہنس ہنس کر پوری کہانی اپنے والدین کو سنا
دی۔ دونوں غور اور توجہ سے سنتے رہے۔

”یہ تم نے اچھا نہ کیا بیٹی“ جب وہ خاموش ہوئی تو جوہان نے کہا ”یہ بیوقوف
اور توہم پرست کافر حقیقت میں تمہیں کوئی خیرارضی ہستی سمجھیں گے۔“
”تو سمجھنے دیجئے کیونکہ اس سے کسی کو کوئی نقصان ظاہر ہے کہ نہ پہنچ جائے گا“
رچل نے جواب دیا ”اور ان لوگوں میں موت و زلیست پر اختیارات حاصل کر لینا
بڑی بات ہے اور یہ اختیارات مفید اور کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں بشرطیکہ انھیں
منجھ زبانی ہی نہ ہو۔ یعنی حقیقت میں مجھے یہ اختیارات دئے گئے ہوں۔ اچھا
کسی اب آسمانوں کی ملک جا کر کھانا لگاتی ہے کیونکہ نوئی۔ میرا مطالب ہے نوہما
آج چھٹی پر ہے۔“

بعد میں رچل نے نوئی سے پوچھا کہ وہ خشک ہاتھ والا بوڑھا کون تھا جو ڈنگان
کی زبان کی خدمات انجام دیر ہاتھا۔

”اس کا نام موپو ہے۔ موپو یا امبوپو“ نوئی نے جواب دیا ”زولا! یہ وہی
شخص ہے جس نے شا کا کو قتل کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں صرف موپو ہی وہ

شخص ہے جس نے عظیم سفید روح کو دیکھا ہے۔ میرے باپ نے مجھے بتایا تھا کہ موپو نے اپنی زندگی میں ایک دفعہ نہیں بلکہ تین دفعہ سفید روح کو دیکھا ہے اور اسی لئے ڈنگان نے اسے موپو کو یہاں بھیجا تھا کہ وہ تمہیں دیکھ کر معلوم کرے کہ تم عظیم روح ہو یا نہیں۔

اور پھر نوئی نے موپو اور شاہکا کی موت کی عجیب و غریب داستان ریچل کو سنا دی ہے۔

چنانچہ یہ ریچل کی زولوؤں سے پہلی ملاقات تھی اور یوں وہ ان سے متعارف ہوئی اور اس وقت ریچل نے اپنا خداداد قابلیت کی وجہ سے زولوؤں پر اپنا مسکہ تقریباً بٹھا دیا۔

ڈنگان کا وفد آیا اور چلا گیا اور اس واقعہ کو پڑاؤ والوں نے بھلا دیا کہ یہ کم یہ واقعہ انہیں اس وقت یاد نہ آیا جب تک کہ ایک دوسرا واقعہ نہ ہو گیا البتہ ریچل کو غور کرنے کے لئے ایک دلچسپ موضوع مل گیا اور وہ سوچتی رہی کہ اس کے افریقی نام نے ایک بیک زولوؤں میں اتنی شہرت کس طرح حاصل کر لی اور اتنی اہمیت کس طرح مل گئی کہ زولوؤں کا بادشاہ ڈنگان نے تحائف کے ساتھ ایک وفد اس کی خدمت میں بھیج دیا؟ بہت جلد یہ عقدہ کھل گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ اشمیل کی کارستانی تھی۔ وہ افریقہ کے جنگلوں اور وحشیوں میں اتنے عرصے تک رہا تھا کہ وہ خود بھی ان کی طرح توہم پرست بن گیا تھا اور انہی کی طرح سوچنے لگا تھا۔

سے اگر آپ بھی یہ حیرت انگیز اور سنسنی خیز داستان پڑھنا چاہتے ہوں تو ملاحظہ کیجئے ہمارا ناول "خوئیز" مطبوعہ نسیم بک ڈپو لکھنؤ۔

(منظر الحق علوی)

رشتیوں کی طرح اشمیل کو بھی یہ بات پڑی عجیب معلوم ہوئی تھی کہ ریچل کا افریقی نام وہ نام تھا جو دراصل زولوؤوں کی سب سے بڑی دیوی کا لقب تھا۔ یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا لیکن ریچل نے نوئی کو بچانے میں اور اس سپاہی کو، جو نوئی کا تعاقب کر رہا تھا، کوئی مار کر جس بہاوری اور نڈرپن کا مظاہرہ کیا تھا اس نے اشمیل کو اور بھی حیرت زدہ کر دیا اور یہ یاد کر کے کہ اس وقت وہ خود فرار ہو گیا تھا اس نے ریچل کو دل ہی دل میں فوق البشر تسلیم کر لیا۔ بیشک اس نے اپنے فرار اور زولو سپاہی کے قتل کے متعلق کسی سے کچھ نہ کہا تھا کیونکہ اسے خوف تھا کہ کہیں اسے بھی ریچل کے اس عمل میں شریک نہ سمجھ لیا جائے البتہ اس نے ڈنگان اور اس کے مشیروں کو یہ ضرور یقین دلا دیا کہ ریچل دراصل ایک سفید فام کا ہنہ ہے اور یہ کہ اس کے لقب پر چلتا ہے کہ زولو قبیلے کی قسمت اسی لڑکی سے وابستہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈنگان نے موپو کی سرکردگی میں ایک دند ریچل کی خدمت میں روانہ کر دیا اور موپو وہ شخص تھا جس نے عظیم روح ”انکوسازانہ زولا“ کو دیکھا تھا اور وہ اس دیوی کو پہچانتا تھا۔ اشمیل جب ہاتھیوں وغیرہ کے شکار پر نہ گیا ہوا ہوتا تو وہ اکثر دھنیر راہ میں آیا کرتا ریچل نے بہت جلد معلوم کر لیا کہ اشمیل کے یہ ہیرے پھیرے بے مقصد نہ تھے۔ ریچل کو تقریباً شروع سے ہی شک ہو چلا تھا کہ یہ سفید فام جس کا نام اشمیل تھا اور جس سے ریچل کو گھن آتی تھی حالانکہ وہ خاصا قبول صورت تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی محبت میں گرفتار ہو رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے کوئی ایسی بات نہ کہی تھی جس میں محبت کا اظہار ہوتا البتہ اس کی ایک ایک حرکت اس کے دل کی بات کہہ جاتی تھی۔ مثال کے طور پر جب وہ پڑاؤ میں آتا تو کھال کا لباس پہنے ہوئے نہ ہوتا۔ پتلون تو بے شک زبرا کی کھال کی ہی ہوتی لیکن ساتھ ہی وہ کوٹ اور قمیض پہنے ہوئے ہوتا جو اس نے ڈربن سے منگوالی تھی۔ پھر وہ ننگے سر بھی

نہ ہوتا بلکہ اپنے سر پر چوڑے چھبے والی ہیٹ دھرے ہوئے ہوتا جس میں شتر مرغ کا ایک پیر لگا ہوا تھا۔ ریچل کو یہ ہیٹ اس کی پتلون سے زیادہ مضحکہ خیز معلوم ہوتی اس کے علاوہ وہ وقتاً فوقتاً شکار کا گوشت، عمدہ کھالیں اور نایاب قسم کی روٹیاں اور قالین تحفہً بھجوا کرتا تھا اور ملازم کو یہ خاص ہدایت دی جاتی تھی کہ وہ یہ تحائف کسی اور کے نہیں بلکہ ریچل کے ہاتھ میں دے۔ ریچل کو تحائف کی اس بھرمار کا مطلب سمجھتے دیر نہ لگی۔ جوہان نے ان تحائف کو اشمیل کے خلوص اور نیک دلی سے منسوب کیا البتہ مسز دیو نے اس کے ان تحائف کا مطلب سمجھ لیا۔ اور وہ ریچل کو اس شخص سے محفوظ رکھنے کی تدابیر سوچنے لگی۔ جوہان کا خیال تھا، بلکہ اسے یقین تھا کہ یہ شخص صرف اس کی، جوہان کی دوستی کا خواہاں ہے اور اس معاملے میں خود اشمیل بھی بڑی عہداری سے کام لے رہا تھا اور وہ ہمارے سادہ لوح مبلغ کو یقین دلارہا تھا کہ اسے روحانی سکون کی ضرورت ہے اور یہ کہ یہ سکون حاصل کرنے کی ترکیب یا طریقہ اسے جوہان ہی بتا سکتا ہے۔ مسز دیو نے جب اپنے شوہر کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی اور اس سے کہا کہ وہ اشمیل کو غلط سمجھ رہا ہے اور یہ کہ وہ خود یعنی مسز دیو اس شخص کی طرف سے مطمئن نہیں ہے تو جوہان نے جواب دیا کہ ایک گنڈگار کو سیدھی راہ پر لانا اس کا فرض ہے اور یہ کہ وہ اس معاملے میں کسی بھی قسم کی کٹھک کرنا نہیں چاہتا۔ چنانچہ مسز دیو خاموش ہو رہی اور اشمیل پڑاؤ میں اتار رہا۔

ریچل بہر حال اس سے کڑی اور اپنے آپ کو اس سے بچانے کی کوشش کرتی رہی۔ اس لئے نوٹی کو ہدایت کر دی کہ وہ خود بھی، اور کافروں کے ذریعہ بھی اشمیل پر نظر رکھے اور اس کی حرکتوں اور ارادوں سے ریچل کو باخبر کرتی رہے۔ چنانچہ نوٹی اور اس کی ہدایت سے کافر بھی گویا پہرہ دیے رہتے اور اشمیل کو دور سے آتا دیکھ کر ریچل کو خبر کر دیتے اور ریچل مستقر سے نکل کر سمندر کی طرف باجنگل میں چلی جاتی

خوابوں کے شکاری

۱۵۱

اور اس وقت تک واپس نہ آتی جب تک اشمیل پڑاؤ میں سے رخصت نہ ہو جاتا۔ لیکن اگر کبھی اسے مستقر میں سے نکلنے کا موقع نہ ملتا اور اشمیل آجاتا تو ریچل نوٹی کو اپنے قریب سے ہٹنے نہ دیتی اور جلد ہی کسی بہانے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آتی۔

ریچل کی اس خود ساختہ تدبیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ اشمیل نوٹی سے اتنی ہی نفرت کرنے لگا جتنی نفرت نوٹی کو خود اس سے تھی۔ اشمیل نے اندازاً معلوم کر لیا کہ یہ افریقی لڑکی اس کے بہت سے رازوں سے واقف ہے۔ مثلاً اسے معلوم ہے کہ یہ اشمیل ہی تھا۔

جس نے ڈنگان کو نوٹی کو پورے خاندان اور کراں والوں کو قتل کا مشورہ دیا تھا اور یہی مشورہ دیا تھا کہ اس کے بعد ڈنگان جبراً اس لڑکی کو حرم میں ڈال لے۔ بہرچند کہ

نوٹی نے اس کے متعلق کچھ نہ کہا تھا تاہم اشمیل کو شک ہو گیا تھا کہ نوٹی اس کے متعلق ریچل کو سب کچھ بتا چکی تھی۔ اس کے علاوہ یہی وہ لڑکی تھی جو کباب میں ہڈی مٹی

ہوئی تھی اور اسے کبھی ریچل کے ساتھ تنہائی میں ملنے کا موقع نہ دیتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ نوٹی سے ڈرنے بھی لگا تھا۔ چنانچہ اس نے اس افریقی لڑکی سے سخت

انتقام لینے کا ارادہ کر لیا لیکن اب تک اپنے اس ارادے کو جامہ عمل پہنانے کا موقع نہ ملا تھا۔ اس کا ایک اشارہ کافی تھا۔ ڈنگان کو صرف یہ اطلاع

دینی تھی کہ نوٹی زندہ ہے اور مستقر میں ہے اور پھر ڈنگان کے آدمی مستقر میں نفیس کر اس لڑکی کو یا تو قتل کر دیں گے یا پھڑے جائیں گے لیکن اگر ایسا ہوا تو

مستقر میں خود اس کا آنا جانا بند ہو جائے گا کیونکہ جوہان، اس کی بیوی، اکیلی اور کاغذ ملازمین کو بھی اس لڑکی سے کافی اُنسیت ہو گئی تھی۔ اور اشمیل یہ چاہتا نہ

تھا کہ مستقر کے دروازے اس کے لئے ہمیشہ بند ہو جائیں۔ چنانچہ وہ فی الحال خاموش رہا اور اس کا غصہ اندر ہی اندر اُبلتا رہا۔

اس عرصے میں اس کے جذبات شدت سے بھر گئے اور اس کے دل و دماغ

کو جلاتے اور خود اسے بیتاب رکھتے رہے یہاں تک کہ اسے یہ موقع مل گیا جس کی اسے تلاش تھی اور جس کا وہ اس قدر بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

اشمیل کو یہ تو معلوم ہو ہی چکا تھا کہ اسے دور سے آتا دیکھ کر ریچل مستقر میں سے کھسک جاتی ہے چنانچہ ایک دن وہ مستقر سے کچھ دور نمودار ہوا، تھوڑی دیر تک اسی جگہ اپنے گھوڑے کو روکے رکھا اور پھر مستقر میں جانے کے بجائے اسکے پچھوڑے جا کر جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں چھپ گیا اور وہاں سے وہ مستقر اور اس کے ارد گرد کے منظر کو دور دور تک دیکھ سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ریچل مستقر میں سے نکل کر تیزی سے سمندر کی طرف جاتی نظر آئی۔ وہ اکیلی تھی کیونکہ وہ اس قدر عجالت میں تھی کہ نوئی کا انتظار ایک منٹ بھی نہ کر سکتی تھی۔ وہ اسی راستے سے ساحل کی طرف جا رہی تھی جس طرف وہ دریا پڑتا تھا جس میں مگرچہ کثرت سے تھے۔

تھوڑی دیر بعد اشمیل بھی اپنی کین گاہ سے نکل کر اس کے پیچھے چل دیا۔ کچھ دور پہنچ کر وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور اپنا گھوڑا وہیں چھوڑ کر سمندر کے کنارے پہنچ کر دیکھا کہ ریچل ایک پتھر پر اور تالاب کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی جس میں اس نے قتل عام کی صبح غسل کیا تھا۔

اشمیل نے نرم چرنی جوتے پہن رکھے تھے پھر وہ ریت پر بڑی احتیاط سے چل رہا تھا۔ چنانچہ ریچل اس وقت تک اشمیل کی آمد سے بے خبر رہی جیسا کہ اس کا طویل سایہ اس پر ریچل پر نہ پڑا۔ وہ اُچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اشمیل سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا اور اپنی ہیٹ ہاتھ میں لئے اس کے سامنے جھک رہا تھا۔ ریچل کا جی چاہا کہ وہ بھاگ جائے لیکن پھر سنبھل کر اس نے بڑے دوستانہ انداز میں اس کے سلام کا جواب دیا اور پوچھا:

”ارے سٹراشمیل! یہاں کیا کر رہے ہو اس وقت؟ شکار؟“

”ہاں۔ شکار ہی کر رہا ہوں بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ شکار کا تعاقب کر رہا ہوں۔“

تھا۔ بڑا طویل تعاقب تھا یہ۔ بہر حال شکر ہے کہ میں نے تمہیں پکڑ لیا۔“
 ”یہ کیا بات ہوئی؟ میں کوئی جنگلی جانور تو ہوں نہیں کہ.....“ ریچل نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”نہیں۔ تم کسی بھی جنگلی جانور سے زیادہ حسین اور خطرناک ہو ریچل۔“
 ریچل نے اشمیل کی طرف دیکھا اور پھر بولی:۔

”میں گھر جا رہی ہوں۔“

اور وہ اس تنگ درے کی طرف بڑھی جو باہر نکلنے کا واحد راستہ تھا۔
 لیکن اشمیل اپنی دونوں ٹانگیں اور ہاتھ پھیلا کر اور ریچل کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔
 ”نہیں۔ تم نہیں جاسکتی ریچل۔ پہلے میری بات سن لو۔ میں وہ بات کہنے آیا ہوں جو ایک عرصے سے کہنا چاہتا تھا موقع نہ ملتا تھا۔ ریچل میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم سے شادی کی درخواست کر رہا ہوں۔“

”اچھا!“ ریچل نے کہا ”اس کا چہرہ جذبات سے عاری تھا“ لیکن یہ
 کیسے ہو سکتا ہے مسٹر اشمیل؟۔“

”کیوں نہیں ہو سکتا؟۔“

”میں نے سنا ہے کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ اور تمہاری ایک نہیں کئی بیویاں ہیں۔“

”کس نے کہا یہ تم سے؟“ اشمیل نے غصے سے پھنکار کر پوچھا اور پھر خود ہی جواب دیتے ہوئے بولا ”ہم۔۔۔ سمجھا۔۔۔ اس اُلُو کی ٹپھی نوئی نے کہا ہو گا۔“
 ”اپنی زبان کو لگام دیجئے مسٹر اشمیل۔ نوئی میری سہیلی ہے۔“
 ”تو پھر تمہاری سہیلی جھوٹی ہے۔ وہ عورتیں میری خادما ہیں۔“

”خادمائیں ہوں یا بیویاں اس سے مجھے کیا؟ اور یہ تمہارے ذاتی معاملات ہیں جن سے مجھے نہ کوئی دلچسپی ہے اور نہ واسطہ۔ اب مناسب ہوگا کہ ہم یہ بحث ختم کر دیں کیونکہ.....“

”نہیں“ ایشیل چیخا ”میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری مرضی ہو یا نہ ہو بہر حال میں تمہیں اپنی بنا کر رہوں گا اس لئے مناسب ہوگا کہ تم اپنی مرضی اور خوشی سے میری بن جاؤ۔ ریکل میں ایک عمدہ شوہر ثابت ہوں گا اور پھر میں امیر ہوں۔ بہت زیادہ امیر ہوں۔ چنانچہ اگر تم کموگی تو ہم اس محوس ملک سے چلے جائیں گے تم جہاں جانا چاہو گی۔ میں تمہیں لے جاؤں گا۔ میں امیر ہوں اور شریف بھی۔ میرے ہزاروں مویشی ہیں اور بہت سا روپیہ ہے میرے پاس۔ نقد روپیہ جو میں نے ہاتھی دانت کی تجارت کر کے جمع کیا ہے۔ میں تمہیں وحشیوں اور جنگلوں میں سے نکال کر انگلستان لے جاؤں گا اور وہاں تم اس شان سے رہو گی کہ شہزادیاں بھی رشاک کریں۔“

”اس پیش کش کا شکریہ۔ لیکن مجھے وحشی اور جنگلی پسند ہیں جس طرح اب تک تمہیں پسند رہے ہیں اور۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ آگے نہ بڑھو۔۔۔۔۔ خبردار مجھے انگلی بھی لگائی تو۔۔۔۔۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میں اپنا بچاؤ کر سکتی ہوں۔“

اور اس نے کنکھیوں سے اس پستول کی طرف دیکھا جو ہر دم اس کی مٹھی میں اڑسا رہتا تھا۔ میں تم سے نہیں ڈرتی مسٹر ایشیل۔ البتہ تم مجھ سے ڈرتے ہو۔“

”شاید“ اس نے اعتراف کیا ”زولو شاید یہ سچ کہتے ہیں۔ تم ٹالگٹس ہو یعنی ساحرہ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تم مجھے یوں پاگل نہ کر دیتیں۔ میرے دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کر دی ہے۔ ریکل۔۔۔۔۔ ریکل۔۔۔۔۔ غصہ نہ نہ کرو۔۔۔۔۔ رحم کرو میرے حال پر۔۔۔۔۔ ایک لفظ۔۔۔۔۔ صرف ایک لفظ

کند و جس سے میری امید بندھ جائے۔ میرا ماضی بڑا ہی قابل اعتراض رہا ہے اور اس کا مجھے احساس ہے۔ لیکن عیسائی بن جاؤں گا۔ لیکن اگر تم نے انکار کر دیا، اگر تم نے واپس ہنم میں ڈھکیل دیا تو ریکل تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں کیا اور کتنا بُرا بن سکتا ہوں۔“

”میں جانتی ہوں کہ تم کیا ہو اور یہی میرے لئے کافی ہے۔ میں نہ تو بے رحم ہوں اور نہ ہی کوئی ایسی بات کہنا چاہتی ہوں جس سے تمہارا دل دکھ جائے اس لئے براہ کرم یہاں سے چلے جاؤ اور آئندہ کبھی مجھ سے ایسی باتیں کہنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ یہ محض بیکار رہے۔ مسٹر اشمیل! میں کبھی تم سے شادی نہ کروں گی۔ کبھی نہیں۔“

”تو پھر تمہیں کسی اور سے محبت ہے؟“۔ اشمیل نے بھٹی ہوئی آواز

میں پوچھا۔

اشمیل کے اس غیر متوقع سوال نے ریکل کو چونکا دیا اور اس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

”ان جنگلوں میں میں کس سے محبت کر سکتی ہوں۔ الا یہ کہ وہ ایک خوب صورت خواب! تمہارا مطلب ہے کسی مرد کا خواب؟ چنانچہ مناسب ہوگا کہ وہ میرے سامنے نہ آئے مبادا وہ انسان سے تبدیل ہو کر روما بن جائے۔ خدا کی قسم میں اس کے ٹکڑے اڑا دوں گا۔ ریکل! اگر تم میری نہیں بن سکتیں تو میں کسی اور کی بھی نہ بننے دوں گا۔ سمجھیں؟“

”میں تو صرف یہ سمجھ رہی ہوں کہ اس وقت میں بہت تھکی ہوئی ہوں چنانچہ ہٹ جاؤ راستے سے اور مجھے گھر جانے دو۔“

”گھر۔۔۔ ریکل! وہ وقت دور نہیں جب تمہارا کوئی گھر نہ ہوگا سوائے

میرے گھر کے۔ یعنی اگر تم نے اپنا ارادہ نہ بدلا اور مجھ سے شادی کرنے کے لئے تیار نہ ہو گئیں تو تمہارا کوئی گھر نہ ہوگا۔ یہ نہ بھولو کہ یہاں مجھے اختیارات حاصل ہیں۔“

اور یہ آخری الفاظ کہتے وقت اشمیل کے چہرے پر کے جذبات یوں فوری طور پر تبدیل ہو گئے اور اس کی آنکھوں میں ایسی شیطانی چمک آگئی کہ ریچل کانپ گئی۔ لیکن فوراً سنبھل کر بولی:-

”اشمیل! تمہیں مجھ پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اس کے برخلاف میں نے تمہیں اپنے اختیار میں لے رکھا ہے۔“

”ہاں۔ یہ سچ ہے۔ سچ ہے۔ اس لئے کہ تم ٹاگیشی ہو۔ لیکن دوسرے لوگ.....“

عین اسی وقت کوئی اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کے نیچے سے نکل کر ریچل کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اشمیل اچھل پڑا۔ اور اب اس نے دیکھا کہ یہ نوئی تھی جس نے اپنا سفید چہ پہن رکھا تھا کیونکہ ریچل کے سمجھانے کے باوجود وہ یورپی لباس پہننے کے لئے تیار نہ ہوئی تھی۔

نوئی نے اشمیل کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا:-

”انکو سا زانہ! میں وہاں گھر میں رومرہ کے کام میں مصروف تھی کہ میں نے تمہاری آواز سنی۔ تم مجھے یہاں سمندر کے کنارے بلارہی تھیں چٹانچہ میں سارے کام چھوڑ بیٹھ کر یہاں آگئی۔ اب کہو تو میں تمہارے ساتھ ساتھ گھر تک چلی چلوں۔“

”بے شک میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا لیکن دوسرے لوگ تو ہیں جن پر میرا دور چل سکتا ہے۔“ اشمیل نے غصہ سے پھنکار کر سلسلہ کلام جاری رکھا۔

”مثلاً یہ کا فر زندی جو تمہیں بہت پیاری ہے۔ میں اسے قتل کر سکتا ہوں سیاپی کی بیٹی! غالباً تم جانتی ہو گی کہ زونولینڈ میں مفردوں کو کیا سزا دی جاتی ہے اور وہ کیسی موت مرتے ہیں۔ اگر نہیں جانتیں تو بہت جلد جان لو گی۔ نوئی! میں تم سے انتقام لوں گا۔“

اور غصے کی شدت سے اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔

نوئی نے اشمیل کو سر سے پیر تک دیکھا۔

”راتوں کو بھٹکے والے!“ وہ بولی ”تم سمجھتے ہو کہ جس طرح تم نے میرے باپ اور بہن بھائیوں کو قتل کروا دیا ہے اسی طرح مجھے بھی قتل کروادو گے؟ یہ عجیب بات کہی ہے تم نے۔ خیر۔ سن لو کہ گذشتہ رات صبح ہونے سے پہلے میں سیاپی کی قبر کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور سیاپی کی روح نے اسے سفید فام، تمہارے متعلق مجھ سے کچھ کہا تھا۔ تم بھی سن لو۔“

اور اس نے آگے بڑھ کر اشمیل کے کان میں کچھ کہا۔

اور ریچل نے حیرت سے دیکھا کہ اشمیل کا رنگ دفعۃً زرد ہو گیا، پھر اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا جیسے وہ نوئی کو پیٹنے والا ہو لیکن پھر اپنا ہاتھ جھکا لیا۔ پھر وہ پلٹا اور انگریزی اور زولو زبان میں گالیاں بکتا لڑکھڑاتے قدموں سے چل دیا۔

”کیا کہا تم نے اس سے نوئی؟“ ریچل نے پوچھا۔

”کچھ نہیں زولا“ نوئی نے جواب دیا ”شاید وہ حقیقت تھی یا وہ جو مجھے یاد آ گیا بہر حال میں نے اسے خوفزدہ کر دیا۔ وہ محبت جتا رہا تھا نا تم سے؟ کمینہ کہیں کا۔ تو میرا اندازہ غلط نہ تھا۔ ایک عرصے سے وہ موقع کی تلاش میں تھا۔ اور اس نے تمہیں دھمکیاں بھی دی ہیں۔ ہے نا؟ بہر حال تم نے سچ کہا۔ وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔“

البتہ شاید مجھے تھوڑی سی مصیبت میں مبتلا کر دے لیکن یہ ابو بوسی ہے بڑا خطرناک
اور وہ دوسروں کو برباد کر سکتا ہے۔ زولا! اگر تمہارے والد بیوقوف نہیں ہیں تو
انہیں چاہئے کہ فوراً یہاں سے چلے جائیں۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ اب مستقر میں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ چلو۔ ہم
چل کر ابا کو صورت حال سے آگاہ کر دیں۔“

آٹھواں باب اشمیل کے کراں میں

نوئی اور ریچل گھر کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ کوئی اور نہیں بلکہ خود اشمیل دروازے
میں سے باہر نکل کر اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے کراں کی طرف جا رہا تھا۔
”زولا!“ نوئی نے کہا ”تیار ہو جاؤ۔ اشمیل ہم سے پہلے یہاں آ گیا تھا اور
اب میں سمجھتی ہوں وہ تمہارے آبا کے کان بھر کر جا رہا ہے۔“

نوئی نے غلط نہ کہا تھا۔ گھر کے برآمدے میں جوہان ٹھل رہا تھا۔ وہ کچھ خفا
اور بہت زیادہ بے چین معلوم ہو رہا تھا۔

”ریچل! یہ کیا واہیات بات ہے؟“ جوہان نے کہا ”کیا کم دیا تم نے اشمیل
سے؟ جوہان اشمیل کو اشمیل ہی کہا کرتا تھا کیونکہ یہ نام اشمیل سے اچھا اور کچھ مانوس سا تھا
”وہ یہاں تمہاری شکایت لے کر آیا تھا کہ اس کے ساتھ تمہارا سلوک جڑا ہی نادر
رہا ہے اور یہ کہ نوہما نے اس کے متعلق بڑی خوفناک چٹین گولیاں کر کے اسے عجیب
دھمکیاں دی ہیں حالانکہ نوہما اشمیل اور کسی کے بھی مستقبل کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔“
”آبا! آپ کے سامنے تصویر کا صرف ایک رخ پیش کیا گیا ہے اور وہ بھی غلط“
ریچل نے کہا ”حقیقت تو یہ ہے کہ اشمیل یا جیسا کہ آپ اسے کہتے ہیں اشمیل نے مجھ
سے شادی کی درخواست کی لیکن میں نے انکار کر دیا تو پھر خود اس کا سلوک میرے ساتھ
قابل اعتراض رہا۔“

”ہمم۔۔۔ اس کی باتوں سے یہ اندازہ تو میں نے بھی لگا لیا کہ ایسی کوئی بات

ہوئی ہوگی لیکن اس کا کہنا ہے کہ خود تم نے اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جیسے وہ ایک — ایک — کیا کہتے ہیں ؟ — ذلیل اور بیخ شخص ہو۔ ریچل با میں خود تمہیں اس شخص سے بیاہنا نہیں چاہتا بلکہ یہ جوڑ مجھے قطعی نا پسند ہے۔ حالانکہ اس شخص میں بڑی نمایاں تبدیلی ہو گئی ہے — میرا مطلب روحانی تبدیلی سے ہے۔ اور اب وہ اپنے ماضی کو یاد کر کے توبہ تلاتا بھی کر رہا ہے خلوص دل سے۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایسے مخلص اور بے ریا شخص کے لطیف جذبات کو اپنے سلوک اور سخت الفاظ سے ٹھیس پہنچانا گناہ ہے۔

اب تک تو ریچل خاموشی سے اپنے باپ کی یہ تقریر سنتی رہی تھی لیکن اب وہ برداشت نہ کر سکی۔

”مخلص اور بے ریا!“ وہ بولی ”ابا! آپ خدا نخواستہ نہ تو اندھے ہیں اور نہ بہرے لیکن آپ اتنے سادہ لوح اور بھولے ہیں کہ دوسروں کی بُرائیاں آپ کو نظر نہیں آتیں۔ غالباً آپ نہیں جانتے کہ آپ کو اسی بے ریا اور مخلص شخص نے، محض زولوؤں میں ہر دلعزیز بننے کے لئے، نوئی کے پورے خاندان کو موت کے گھاٹ اترادایا۔“

اب جوہان چونکا۔

”کیا یہ سچ ہے نوٹھا؟“ اس نے نوئی سے پوچھا۔

”سچ ہے میرے بزرگ۔“ نوئی نے فوراً جواب دیا ”حالانکہ میں نے اس کے متعلق اب تک آپ سے کچھ نہیں کہا۔ اگر آپ فرمائیں گے تو کبھی آئندہ آپ کو پوری داستان سنا دو گی۔“

”اور آپ جانتے ہیں کہ اس نے اب تک آپ کو کیوں اپنے کراں میں نہ لے نہیں کیا؟“ ریچل نے کہا۔ ”اتنا عرصہ ہو گیا اسے آپ کے پاس آنے ہوئے

لیکن اس نے کبھی جھوٹے بھی اپنے کراں میں آنے کو کہا ہے ؟ نہیں کہا ۔ اور اس لئے نہیں کہا کہ آپ کے اس مخلص اور بے ریا شخص کی بہت سی کافر بیویاں اور دو غلے بچے اس کے کراں میں موجود ہیں ۔

”ریچل !“ جوہان نے قدر سے بلند آواز میں کہا ”اب یہ تم بہتان لگا رہی ہو ۔ میں تمہاری اس بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں ۔ یہ کافروں کی اڑائی ہوئی افواہ ہے کیونکہ اسکتھ نے ہمیشہ میرے سامنے اس قسم کی باتوں سے بیزاری ظاہر کی ہے ۔“

”یقیناً ظاہر کی ہوگی کیونکہ وہ آپ کو شیشے میں اتارنا اور مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے ۔ ہاتھ کھنکھانے لگا رہا ہے کیا ۔ آپ ایک راہبر اپنے ساتھ لے کر نکلیں گے اور دو گھنٹے پہلے اس کے کراں کی طرف روانہ ہو جائیے اور پھر آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ غلط نہیں ہے ۔“

”بے شک جاؤں گا“ جوہان نے جوش میں آکر کہا کیونکہ وہ اس بات کو برواشت کر ہی نہ سکتا تھا کہ کوئی سفید فام کافر بیوی کرے اور وہ بھی ایک سے زیادہ ۔ لیکن ریچل ! تمہاری کہانی مجھے تو سراسر بے بنیاد معلوم ہوتی ہے لیکن اگرچہ کچھ تم نے کہا ہے اس کی صداقت کا ثبوت مل گیا تو پھر میں مسیح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ سے یہ شخص ہمارے گھر میں قدم بھی نہ رکھ سکے گا ۔ اگر ایسا ہی ہے تو مجھے اس شخص سے نجات مل گئی سمجھو ۔ ریچل نے اطمینان کا سانس لے کر کہا ”لیکن آبا آپ ذرا ہوشیار رہئے کیونکہ ایسے شخص سے کچھ بید نہیں خصوصاً اس وقت جب اس کا راز کھل جائے ۔“

اور پھر وہ اپنی نال کے پاس پہنچی کہ اسے یہ داستان سناوے ۔ مسز دیو نے سب کچھ سننے کے بعد اپنے شوہر کو اٹھیل کے کراں میں جانے سے

روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ وہاں جانے اور ثبوت حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ کسی دوسرے بہانے سے بھی اسے مستقر میں آنے سے روک سکتے تھے۔ لیکن جوہان بڑا ضدی شخص تھا۔ اس نے بیوی کی ایک نہ سنا اور کہا کہ وہ کافروں کی بیان کردہ ”روایت“ پر یقین نہیں کر سکتا اور اشمیل کے متعلق اس وقت تک کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اس کے طور طریقوں کا مطالعہ نہیں کر لیتا۔

”اور اگر یہ سچ ہے“ جوہان نے آخر میں کہا ”تو پھر اس شخص کو براہ راست پرانا میرا فرض ہو جاتا ہے۔“

چنانچہ بیماری مسنردیو خاموش ہو رہی اور دوسرے دن صبح ہونے سے پہلے جوہان دوراہیروں کے ساتھ مستقر سے نکل کر اشمیل کے کراں کی طرف روانہ ہو گیا۔

مستقر کے پچھواڑے والے گھاس کے میدان میں کوئی بارہ میل تک چلتے رہنے کے بعد اس تنگ راستے کے سامنے پہنچ گئے جو دو پہاڑوں کے درمیان سے گذر رہا تھا۔ راہیروں نے بتایا کہ اشمیل کا کراں ان پہاڑوں کے پیچھے ہے۔ جب وہ لوگ اس تنگ درے میں داخل ہوئے تو پو پھٹ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی جوہان کو وہ کراں نظر آ گیا جو مافوقی کہلاتا تھا۔ مافوقی ایک پیالے کی شکل کی وادی میں بسا ہوا تھا۔ کراں کے چاروں طرف قد آدم دیوار بنی ہوئی تھی اور باروں میں موشی ٹوکرارہے تھے۔ جب وہ لوگ کراں کے قریب پہنچے تو اس کے دروازے سے چار پانچ کافر عورتیں باہر نکل رہی تھیں جو سب کی سب قبول صورت تھیں۔ ان میں سے ایک عورت کے ساتھ ایک کم عمر لڑکا بھی تھا۔

ہر عورت کے ہاتھ میں ایک ایک کھڑپا تھا کیونکہ وہ مکئی کے کھیتوں میں کام کرنے جا رہی تھیں۔ ان عورتوں کی نظر جوہان پر پڑی تو وہ جیسے سہم کر کھڑی ہو گئیں۔

”ڈرو نہیں“ جوہان نے کہا اور اپنا گھوڑا بڑھا کر ان کے قریب پہنچا۔
”کون ہو تم؟“

”ہم ابو بوسی کی بیویوں میں سے چند ہیں“ اس عورت نے جواب دیا جس کے ساتھ کم عمر لڑکا تھا۔

”تمہاری مراد ادم لونگو (سفید فام) اشمیل سے تو نہیں؟“ جوہان نے پھر پوچھا۔

”ہماری مراد اور کس سے ہو سکتی ہے؟“ اسی عورت نے جواب دیا۔

”ابو بوسی نے اب بوڑھی مامی کو چھوڑ دیا ہے چنانچہ اب میں ہی اس

کی بڑی بیوی ہوں یہ اس کا بیٹا ہے جو میری کوکھ سے پیدا ہوا ہے۔ اگر

سورج طلوع ہو گیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ میرے بیٹے کا رنگ تقریباً سفید ہے۔

جوہان دم بخود رہ گیا۔ اس کی زبان گنگا ہو گئی۔ وہ بہت بنا اپنے گھوڑے

پر بیٹھا رہا۔ کافر عورتیں آگے بڑھ گئیں لیکن چند قدم چلنے کے بعد وہ پھر

رک گئیں اور آپس میں کانا پھوسی کرنے لگیں۔ پھر وہ آگے بڑھیں اور لڑکے

کی ماں نے ایک بار پھر جوہان کو مخاطب کیا۔

”اے چیخنے والے! ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں“ اس نے کہا اور ذرا

شرما گئی کیونکہ صاف ظاہر تھا کہ جوہان کا غائبانہ تعارف اس سے کروا دیا گیا تھا۔

”کیا یہ سچ ہے کہ جلد ہی ایک بہن نئی آنے والی ہے؟“

”نئی بہن!“ جوہان نے پوچھا ”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ اسے پیچھے والے کہ ہم نے سنا ہے کہ ابو بوسی تمہاری بیٹی زولا کو رتھار ہا ہے اور شاید تم اس کی شادی کی قیمت طے کرنے آئے ہو۔ اور اگر زولا اتنی ہی حسین ہے جتنا کہ ہمیں بتایا گیا ہے تو پھر تم اس کی قیمت میں بہت سے مویشی، بلکہ ایک پودا اور پوڑی ہی طلب کرو گے۔“

یہ انتہائی۔ جو ہان برداشت نہ کر سکا۔

”یہ کیا بکو اس کر رہی ہو تم قحطاً“ وہ چیخا وہ کہاں ہے وہ سفید فام؟“

”اے پیچھے والے!“ اس عورت نے سینہ تان کر اور گردن اکڑا کر کہا

”تم ہیں گالیاں کیوں دے رہے ہو؟ ہم ذلیل اور بڑی عورتیں نہیں ہیں بلکہ ایک شوہر کی بیویاں ہیں اور ہماری بھی اتنی ہی عزت ہے جتنی کہ تمہاری بیویوں کی حالانکہ ہم نے سنا ہے کہ تمہاری بیویوں کی تعداد ابو بوسی کی بیویوں سے زیادہ ہے۔ کم سے کم ہم نے یہی سنا ہے۔ اگر تم ابو بوسی سے ملنا چاہتے ہو تو وہ بڑی تھوڑی میں ہماری سب سے چھوٹی بہن کے ساتھ سورا ہے جس سے اس نے ابھی ایک جیسے پہلے ہی شادی کی ہے۔ اب ہم اپنے مالک کے کھیتوں میں جا رہی ہیں اور امید ہے کہ تمہاری بیٹی انکو سزا دہ تمہاری طرح بد زبان نہ ہوگی۔“

اور پھر کبل اپنے جسم پر اچھی طرح لپیٹ کر اپنی ”بہنوں“ کے ساتھ وہ آگے بڑھ گئی۔

جو ہان کو آج زندگی میں پہلی مرتبہ سخت غصہ آیا۔ اتنا شدید غصہ کہ وہ اپنے آپ میں نہ رہا اور سڑا سڑا کر اپنے گھوڑے پر جا بک برسا دے۔ گھوڑا اس ناگہانی آفت سے گھبرا کر سیدھا اس بڑے چھوٹے کی طرف بھاگا جو کراں کے عین زنج میں تھا۔

اشمیل نے یقیناً گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سن لی تھی کیونکہ جو ہان

جب اپنے گھوڑے پر سے اتر رہا تھا تو جھونپڑی کے نیچے دروازے میں سے چاروں ہاتھوں اور پیروں کے بل چلتا ہوا اشمیل باہر آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے ہی تیجے ایک نوجوان کافر لڑکی بھی، جس نے کافی لباس پہن رکھا تھا باہر آ گئی۔ یہ لڑکی جمائیاں لے رہی تھی جیسے کچی غنیمت میں سے بیدار ہو کر آ رہی ہو۔ رہا اشمیل تو اس کی صرف رنگت ہی سفید تھی ورنہ وہ سو فی صد کافر تھا۔ اس نے ایک موبچا، یعنی اپنی کمر کے گرد کپڑے کا ایک ٹکڑا، باندھ رکھا تھا اور کندھے پر ایک چرمی فرغل ڈال رکھا تھا اور بس۔ جھونپڑے کے دروازے میں سے نکل کر اشمیل سیدھا کھڑا ہوا تو اس نے اب پہلی دفعہ کہ یہ آنے والا کون تھا۔ اس کا منہ لٹک گیا اور اس کے منہ سے بے اختیار ایک پتھر پھاڑ دینے والی گالی نکل گئی۔ جو ہان بھی خاموش تھا کیونکہ غصے کی شدت سے اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔

”ارے آپ!“ آخر کار اشمیل نے کہا ”خیریت تو ہے؟ بڑے ہی سحر خیز معلوم ہوتے ہیں آپ۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو.....“

اور دفعۃً اسے اپنا لباس، بلکہ یوں کہئے کہ بے لباسی یا داگئی اہل ساتھ ہی ساتھ اسے یہ بھی احساس ہوا کہ اس کی نئی بیوی اس کے کندھے پر ٹھونڈی ٹکائے حیرت اور دلچسپی سے جو ہان کی طرف دیکھ رہی ہے۔ چنانچہ پہلے تو اس نے اچھی طرح سے اپنے تنگ جسم کو فرغل میں چھپایا اور پھر اپنی بیوی کو الٹی طمانگ سے ایک لات رسید کر کے جو ہان سے کہا:۔

”معاف کیجئے جناب۔ میرا یہ لباس آپ کو بڑا اور قابلِ اعتراف معلوم ہو رہا ہوگا۔ لیکن مجبوری سب کچھ کر دیتی ہے۔ ان بے دین کافروں کا

اعتبار حاصل کرنے کے لئے مجھے تقریباً انہی لوگوں کی طرح رہنا پڑتا ہے۔
 غریب خانے میں تشریف نہ لائیں گے آپ؟ تھوڑی سی "ٹی والار کافروں
 کی شراب" ام۔ ام۔ میرا مطلب ہے امانی (دہی کی لستی) بنائیے۔
 فرحت حاصل ہوگی۔ میں اپنے ملازموں سے کہتا ہوں کہ دوپہر کے کھانے
 کے لئے پچھڑا ذبح کر لیں۔

جوہان کے صبر کا پیمانہ بے پناہ ہو گیا۔

"اشمیل یا اسمتھ یا ابوبوسی یا جو بھی تمہارا نام ہو" جوہان نے کہا اپنے
 ملازموں اور خادماؤں کے متعلق جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ
 اب میں حقیقت سے واقف ہو چکا ہوں۔ میری بیٹی نوہما نے مجھ سے یہ بات
 کہی تھی تو میں نے اس پر یقین نہ کیا تھا۔ تم دھوکے باز اور بد معاش ہو۔
 گزشتہ کل ہی تم نے ریحل سے شادی کی درخواست کی تھی اور آج میں دیکھ
 رہا ہوں کہ تم — اف — یہ کہتے ہوئے بھی میں شرم محسوس کر رہا
 ہوں۔ اپنے کرتوتوں سے تم نے انگریز قوم کے نام پر بڑے لگا دیا ہے۔ اشمیل!
 اگر اب تم نے رماہ میں قدم بھی رکھا یا میری بیوی اور بیٹی سے گفتگو کرنے
 کی کوشش بھی کی تو میرے ملازم مارے کوڑوں کے تمہاری کھال ادھیر
 دیں گے۔ اگر مجھے اپنی بزرگی اور عہدے کا خیال نہ ہوتا تو خدا کی قسم میں
 اسی وقت تمہیں دھنک کے رکھ دیتا۔

اور اس نے اپنا جاکب اشمیل کی آنکھوں کے سامنے پچایا۔

جوہان کے غصے اور لعن طعن نے پہلے تو اشمیل کو گھبرا دیا لیکن مبلغ نے
 دھمکیاں دینی شروع کیں تو اشمیل کو خفہ آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون
 اُتر آیا۔

”نکل جاؤ یہاں سے بیوقوف مبلغ“، وہ دانت پیس کر ہولا۔ اگر تم یہاں ایک منٹ بھی ٹھہرے تو میں خود ہی تمہاری کھال ادھیر دوں گا میرے پاس بھی چرمی کوڑے ہیں اور بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کھال ادھیر ناکس کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد اگر تم زندہ اپنے گھر پہنچ گئے تو تمہاری بیوی بھی تمہیں نہ پہچان سکے گی۔ میں نے تمہاری بیٹی کی شادی کی درخواست کی تھی اور کہا تھا کہ اگر وہ میری بیوی بن گئی تو اپنی زندگی یکسر تبدیل کر دوں گا۔ اگر اس نے میری درخواست قبول کر لی ہوتی تو میں ان سیاہ فام رنڈیوں سے قطع تعلق کر لیتا۔ خیر۔ شادی تو میں اب بھی کروں گا۔ پچل سے لیکن اب اسے میری دوسری کافر بیویوں کے ساتھ رہنا ہوگا۔ ہم سب انسان ہیں۔ چاہے سیاہ فام ہوں، چاہے سفید فام اور ہر انسان کے درمیان وہ رشتہ قائم ہے جس کا ڈھول تم بڑے زور و شور سے پٹیا کر رہے ہو چنانچہ تمہیں، اور تمہاری بیٹی کو بھی کوئی شکایت نہ ہونی چاہئے“ وہ مسکرایا ”تمہاری بیٹی بھی میری دوسری بیویوں کے ساتھ کھیتوں میں کام کرنے جائے گی۔“

اشمیل کی اس گستاخانہ اور تقریباً سنگدلانہ تقریر نے جوہان کو بے قابو کر دیا۔ وہ باپ پہلے تھا اور اب مبلغ بعد میں اور کوئی بھی باپ اپنی بیٹی کے متعلق ایسے توہین آمیز اور شرمناک الفاظ نہیں سن سکتا چنانچہ جوہان اپنے چاہک بلند کر کے اشمیل کے چہرے پر رسید کر دیا موخر الذکر کے ہونٹوں سے خون نکل آیا۔ جوہان جوش اور غصے کے عالم میں یہ حرکت کر تو گیا لیکن فوراً ہی اسے احساس ہوا کہ اشمیل اسے زندہ نہ چھوڑے گا چنانچہ وہ بت بنا خاموش کھڑا رہا اور اشمیل کے حکم اور اپنی موت کا

منظر رہا۔ لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ ظالم اور عیار لوگ بزدل ہوتے ہیں چنانچہ اشمیں بھی بزدل تھا۔ پہلے تو وہ غصے کے عالم میں جوہان کی طرف بٹکا لیکن یہ دیکھ کر مبلغ کے دونوں راہبر بھالوں سے مسلح تھے وہ سنبھل گیا کہ مبادا دونوں بھالے اس کے جسم میں تر اڑو ہو جائیں۔

”تم میرے گھر میں ہو“ اس نے اپنے ہونٹوں اور ڈاڑھی پر سے خون پوچھتے ہوئے کہا ”اور پھر لوٹو۔ ہو چنانچہ میں تمہیں کچھ نہ کہوں گا اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو یہاں سے زندہ نہ جا سکتا۔ یہ نہ بھولو کہ اب تک تمہیں محض ریحیل کی خاطر وحشیوں سے بچاتا آیا ہوں میری وجہ سے تم محفوظ رہے ہو اب تک لیکن اب میں تمہیں نہ بچاؤں گا چنانچہ جب تمہارا وقت آئے بڑے میاں تو میرے یہ الفاظ یاد کر لینا۔“

”میرا اور تمہارا وقت بھی اس وقت آئے گا جب خدا چاہے گا“ جوہان نے جواب دیا۔ اگر خدا ہی ہمیں بچانا چاہے گا تو تم ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکو گے میں تم سے نہیں ڈرتا اس کے باوجود مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم پر ہاتھ اٹھایا۔ غصے اور جوش کے اندر میں مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے جس کے لئے میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ خدا کرے کہ تمہارا ضمیر بھی بیزار نہ ہو جائے اور تمہیں بھی اپنے گناہوں کا احساس ہو جائے اور تم ان سے توبہ کر لو۔“

اور جوہان اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کراں سے نکل آیا جس کا نام مافوقی تھا۔

رہا میں پہنچ کر اس نے ریحیل سے کہا کہ اس نے جو کچھ سنا تھا وہ غلط نہ

تھا اور یہ کہ اس نے اشمیل کو رماہ میں آنے کی عزت کر دی ہے۔ لیکن جلد ہی نوئی نے ان کا فراموشیوں سے جو جو ہاں کے ساتھ گئے تھے، پوری کہانی معلوم کر لی اور ریکل کو سنا دی۔

البتہ جو ہاں نے اپنی بیوی سے کچھ نہ چھپاتے ہوئے اسے ایک ایک بات بتا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بچاری مسز دیو بہت زیادہ پریشان ہو گئی اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ یہ شخص اشمیل بڑا ہی خطرناک آدمی ہے اور یہ کہ کسی نہ کسی ذریعہ سے وہ بہر حال ان سے انتقام لے گا اور ایک بار پھر اس نے اپنے شوہر سے درخواست کی کہ وہ اس وحشی ملک سے رخصت ہو جائے۔ اس نے کہا کہ ریکل کو خطرے اور مصیبت میں مبتلا کرنے کا اسے کوئی حق نہیں ہے۔

”لیکن“ جو ہاں بولا ”تم تقریباً شروع سے کہتی آئی ہو کہ ریکل کو کوئی بھی شخص نقصان نہ پہنچا سکے گا اور اس کا مجھے بھی یقین ہے“

”ہاں۔ یہ میں نے کہا تھا اور اب بھی کہتی ہوں۔ لیکن چند در چند وجوہات کی بنا پر ریکل کو یہاں رکھنا مناسب نہیں۔“

اور وہ بچاری عورت اپنے شوہر کو یہ نہ بتا سکی کہ ان کے یہاں جلد ہی ایک ننھا چھان آنے والا ہے۔

”لیکن میں کیسے جاسکتا ہوں؟“ جو ہاں پر پھر مذہبی جنوں سوار ہونے لگا تھا ”جو بیج میں لے لیا تھا اب پھل لانے کے قریب ہے میری محنتوں کا صلہ مجھے ملنے والا ہے۔ اگر میں چلا گیا تو میرے لوگ پھر وحشی بن جائیں گے اور وہ جو کچھ کر رہے تھے اس کا گناہ میرے سر ہوگا میں اشمیل سے نہیں ڈرتا۔ میرا جسم تھپتی ہو جائے گا تو مجھے اس کی

بھی پردا نہیں لیکن اگر میری روح مجروح ہو گئی تو تم سمجھتی ہو کہ میں اسے برداشت کر سکوں گا؟ نہیں۔ اگر میں اشمیل سے ڈر کر بھاگ گیا تو بزدل کہلاؤں گا۔ دنیا تھو کے گی میرے جنم پر اور پھر میں خدا کو کیا جواب دوں گا؟ نہیں پیاری نہیں۔ تم اور ریکل چلی جاؤ اور مجھے اس کو انجام تک پہنچانے دو جو میں نے شروع کر رکھا ہے۔“

جوان تقریباً شروع سے ہی کہتا آیا تھا اور اس کی بیوی انکار کرتی آئی تھی۔ چنانچہ اس دفعہ بھی مسنر دیو نے اپنے شوہر کو ان جنگلوں میں تنہا چھوڑ کر چلے جانے سے انکار کر دیا اور جب ریکل سے پوچھا گیا تو اس نے کندھے جھٹک کر جواب دیا کہ وہ کسی سے نہیں ڈرتی اور یہ کہ وہ کہیں بھی رہے اس کے لئے سب برابر ہے البتہ، اس نے اضافہ کیا، وہ اپنی ماں کی طرف سے ضرور متفکرو پریشان تھی۔ اس نے کہا کہ وہ اپنی ماں کو چھوڑ کر نہ جائے گی اور پھر یہ کہ وہ افریقہ سے رخصت ہونا بھی نہ چاہتی تھی۔

جب اس سے پوچھا گیا کہ کیوں تو اس نے گول گول جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ افریقہ میں پلی اور بڑھی تھی چنانچہ اب یہی اس کا وطن تھا۔ لیکن اس کی ماں، جو اپنی بیٹی کے دل میں جھانک سکتی تھی، جانتی تھی کہ کوئی اور سبب بھی تھا جس کی وجہ سے ریکل افریقہ میں ہی مقیم رہنا چاہتی تھی حالانکہ اس کے متعلق ریکل اور اس کی ماں کے درمیان ایک لفظ نہ کہا گیا تھا۔ جب ریکل بچی تھی تو افریقہ میں ہی اس کی ملاقات چرڈ سے ہوئی تھی اور اب وہ جوان ہو چکی تھی اور اسے یقین تھا کہ افریقہ میں ہی اس کی ملاقات پھر چرڈ سے ہوگی۔

ہفتے اور مہینے گزر گئے۔ رہا وہ میں اشمیل نہ آیا اور نہ ہی کہیں اطراف

میں دیکھا گیا۔ بہر حال یہ ضرور سن لیا کہ اس کا کراں مافوقی موجود تھا لیکن خود اشمیل تجارت کے سلسلے میں جنوب کی طرف گیا ہوا تھا اور ایک برس سے پہلے واپس نہ آنے والا تھا۔ اس خبر سے سب خوش ہو گئے سوائے نوئی کے جس نے اپنا سر بلایا اور خاموش رہی۔

جوہان کو مافوقی میں گئے اور اشمیل کو جو مارٹے آکھٹ مہینے کا عرصہ گزر چکا تھا کہ ایک دن زولوڈوں کے بادشاہ ڈنگان کا بھیجا ہوا وفد بہت سے تحائف لے کر ریچل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ریچل نے پہلے ہی کی طرح رات کے وقت اور تنہا جا کر یہ تحائف قبول کئے۔

وفد کے سردار نے ایک بار پھر ریچل کے سامنے یہ درخواست پیش کی کہ وہ بادشاہ کے پاس چلی چلے کیونکہ ڈنگان اور اس کے مشیر ایک خاص معاملے میں اس سے مشورہ کرنا چاہتے تھے۔ جب ان سے پوچھا کہ یہ خاص معاملہ کیا تھا تو وفد نے اس سے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ یہ بات انہیں نہیں بتائی گئی۔ اس پر ریچل نے کہا کہ اگر ڈنگان نے معاملے کی تفصیلات اپنے معتبر سفیر مبر کی زبانی بھیجی ہیں تو وہ مشورہ دے گا، رہا زولوڈینڈ میں آنا تو، ریچل نے کہا، وہ فی الحال نہ آئے گی۔

”کیوں نہ آؤ گی؟“ وفد کے سردار نے کہا ”بادشاہ اور اس کے مشیر انکو سازانہ کی آمد کے لئے چشم براہ ہیں اور پورا قبیلہ اس کی حفاظت کے لئے سیتہ سپر ہے۔ انکو سازانہ کا بال تک بیکانہ ہو گا اس کی ذمہ داری بادشاہ کی طرف سے ہم لیتے ہیں۔“

”سنو! میں خود مختار نہیں ہوں۔ میں بھی اپنے ماں باپ کی بیٹی

اور ان کی نظروں میں ابھی بچی ہوں، ریکل نے جواب دیا: ”اور میرے والدین ایک دن کے لئے مجھے کہیں جانے نہ دیں گے۔“

ریکل کا خیال تھا کہ یہ جواب اس وفد کو ضرور متاثر کرے گا کیونکہ زولو قوم ہمیشہ سے صاحب اختیار کے سامنے سر جھکاتی آئی ہے اور یہ کہ اس کے قبیلے کے افراد بڑے فرمانبردار رہے ہیں۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ وفد کے سردار نے کہا۔ یہاں ہم یہ بتا دیں کہ یہ شخص موپو نہ تھا البتہ بے حد بوڑھا تھا۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انکو سنانہ زولا، جس کے سامنے پورکا زولو قوم سر جھکاتی ہے، ایک معمولی شخص کی فرمانبردار اور محکوم ہو؟ کبھی آسمانوں کو بادلوں کا حکم ماننے دیکھا ہے؟۔“

”ہاں۔ اگر آسمان بادل سے پیدا ہوئے ہیں تو انھیں حکم ماننا ہی پڑے گا۔“ ریکل نے کہا۔

”لیکن انکو سنانہ زولا آسمانی بادل سے نہیں بلکہ بادل آسمان سے پیدا ہوتے ہیں!“ بوڑھے سردار نے فوراً جواب دیا۔

اور اب ریکل کو احساس ہوا کہ یہ معاملہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی آگے بڑھ چکا تھا۔ زولوؤں کی عظیم روح یا دیوی بن کر رہنے کا خیال ایک دلچسپ کھیل ہو سکتا تھا لیکن جب یہی خیال اس انتہا کو پہنچ جائے کہ خود اپنے والدین پر فوقیت جتنا لازمی ہو تو پھر آپ جانئے یہ کھیل کھیل نہیں رہتا۔ یہاں بھی اس دلچسپ معاملے نے سنجیدہ صورت اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ ریکل نے اب اس کھیل کو فوری طور پر ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا۔

”اے بادشاہ کے پیغامبر! مطلب کیا ہے تمہارا؟“ وہ بولی۔
 ”میں اپنے والدین کی اولاد ہوں اور ماں باپ کا حکم ماننا اولاد کا فرض ہے۔“
 ”انکو سازا نہ!“ بوڑھے نے مسکرا کر کہا ”اگر ہم ایسی کہانیاں سننا
 کرتے ہیں خوشی حاصل ہوتی ہے تو یونہی سی۔ ہماری جان کی طرح ہمارے کان
 بھی حاضر ہیں۔ تم جو کچھ کہو گی سن لیں گے جس طرح اگر تم ہمیں قتل کرنا
 چاہو گی تو ہم خوشی سے قتل بھی ہو لیں گے۔ لیکن ہم حقیقت سے واقف
 ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تم کس طرح بچپن میں آسمانوں پر بکلی کی روپ میں زمین
 پر آئی تھیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان سفید فاموں نے جنہیں تم اپنے والدین
 کہتی ہو تھیں دھند میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر پڑا پایا تھا، وہ تمہیں اٹھا
 لائے اور اپنے بچے کی جگہ جسے وہ دفن کر چکے تھے، انہوں نے تمہیں اپنی
 بیٹی بنا لیا۔“

”یہ کہانی کہاں سے مسمیٰ تم نے؟“ ریکل نے حیرت سے پوچھا۔
 ”ہمارے درج ڈاکٹروں پر عالم رویا میں حقائق ظاہر کئے گئے ہیں۔“
 ”تو پھر مجھے کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ ظاہر کیا گیا ہے وہ غلط ہے۔ میں اسی طرح
 پیدا ہوئی ہوں جس طرح دنیا کی ہر بڑی پیدا ہوتی ہے۔ رہا میرا لقب تو یہ
 مجھے اتفاقاً مل گیا ہے یا دے دیا گیا ہے بالکل اسی طرح جس طرح اتفاقاً میں
 تمہاری عظیم روح سے مشابہ ہوں۔“

”ہم نے سنا“ بوڑھے سردار نے کہا۔ ہم نے سنا کہ تم دوسری لڑکیوں کی طرح
 ہی پیدا ہوئی ہو، ہم نے سنا کہ اتفاقاً تمہیں یہ عظیم نام مل گیا، ہم نے سنا کہ تم
 اتفاقاً طویل القامت ہو، حسین اور سفید ہو اور تمہارے بال ریشمی
 اور سنہرے ہیں۔ ہم نے سنا انکو سازا نہ زولا اور بھی جو کہو گی ہم سنیں گے۔“

”بس تو یہ میرے الفاظ بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دو۔“ ریچل نے کہا۔

چنانچہ زولو پیغامبر اٹھے اور ریچل کو شاہی سلام ”با یٹی“ کر کے رخصت ہوئے اور یہ سلام پہلے کبھی کسی عورت کو نہ کیا گیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد ریچل رات کا کھانا کھانے پہنچی اور پوری گزشت اپنے والدین کو سنا دی۔ جوہان نے اس پورے معاملے کو ”حماقت“ کہا اور زولوؤں کی توہم پرستی پر اپنے غم و غصے کا اظہار کیا خصوصاً اس لئے کہ اب یہ معاملہ مذاق نہ رہا تھا۔ جوہان نے کہا کہ یہ کوئی سیاسی جال ہو سکتی تھی شاید ڈنکان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی اور یہ کہ زولو ریچل کو اپنا آلہ کار بنانا چاہتے تھے۔

مسند دیو اس رات بہت زیادہ اداس اور بے چین نظر آتی تھی۔ اس نے کہگدان کا سابقہ ایک بڑے اور سنگدل قبیلے سے تھا اور یہ کہ زولو ریچل کو خواہ کچھ ہی کیوں نہ سمجھیں یہ مقام کسی بھی لڑکی کے لئے بڑا ہی خوفناک ثابت ہو سکتا تھا جس مقام پر بیٹھ کر اس کا ہلکا سا اشارہ سیکڑوں لوگوں کو خاک و خون میں ٹاسکتا تھا۔

”ہاں۔“ مسند دیو نے ہسٹریا کی مرئضہ کی طرح چیخ کر کہا ”ہمیں بھی خاک و

خون میں ٹاسکتا ہے۔ ہاں۔ ہمیں بھی۔۔۔ ہمیں بھی۔“

یہ گفتگو تکلیف دہ بنتی جا رہی تھی چنانچہ ریچل نے موضوع بدلنے کی غرض سے پوچھا کہ کسی نے نوئی کو تو نہیں دیکھا۔

”ٹھیک ہے“ جوہان نے کہا ”دو گھنٹے پہلے یعنی وفد کی آمد سے کچھ پہلے

میں نے اسے چھٹے کے کنارے دیکھا تھا وہ شاید گلدان کے لئے پھول توڑنے

نوائے باب

زولینڈ میں داخلہ

تھوڑی دیر بعد ہی مسز دیو کے حواس درست ہو چکے تھے اور وہ عجیب دورہ گزر چکا تھا چنانچہ وہ اٹھ کر اپنی خواجگاہ میں چلی گئی۔

”ابا! میں مطمئن نہیں ہوں“ رچل نے کہا ”بے شک یہ فلسفے اور سائنس اور منطق اور خدا ہمارے کیا کچھ کے خلاف ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ امان کو قدرت کی طرف سے غیب بنی کا علیہ ملا ہے۔“

”حماقت بیٹی۔ سراسر حماقت“ جوہان نے کہا ”تمہاری ماں اسکاٹ لینڈ کی ہے چنانچہ تو ہم پرستی اسے ورثے میں ملی ہے۔ ہماری شادی کو پچیس سال گزر چکے ہیں اور تب سے میں تمہاری ماں کی عجیب و غریب پیشین گوئیاں سنتا آیا ہوں اور ہم ایک عرصے سے جز گلوں میں بھٹکتے رہے ہیں لیکن اب تک ہمارے ساتھ کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ ہر دفعہ خدا نے ہمیں بچا لیا ہے اور ہمیں اب تک محفوظ رکھا ہے۔“

”یہ سچ ہے ابا۔ تاہم میں مطمئن نہیں ہوں۔ شاید اس لئے کہ اکثر دفعہ مجھے بھی کچھ نظر آنے لگتا ہے اور میں بھی امان کی طرح ہی بن جاتی ہوں چنانچہ میں جانتی ہوں کہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ کم سے کم میں ماری نہ جاؤں گی۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ میں طبیعی عمر کو پہنچ جاؤں گی۔ اور میں کچھ اور بھی کر سکتی ہوں۔“

” اور کیا محسوس کرتی ہو؟ ”

” آپ کو وہ لڑکا یاد ہے جس کا نام رچرڈ دارین تھا؟ ” ریکل نے سرخ ہو کر پوچھا۔

” وہی لڑکا تو نہیں جو اس طوفانی رات میں جزیرے پر تھارے ساتھ تھا؟ بے شک وہ مجھے یاد ہے حالانکہ برسوں سے میں اسے تقریباً بھلا چکا تھا۔ ”

” خیر۔ تو میں سمجھتی ہوں کہ ایک بار پھر ہماری ملاقات ہوگی۔ ”

جوہان ہنسا۔

” بس اتنی سی بات؟ ” وہ بولا ” اگر وہ زندہ ہے اور افریقہ میں ہی ہے اس سے ملاقات ہو جائے گی۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ بہر حال ہمارے بعد تو ظاہر ہے کہ تم یہاں نہ رہو گی چنانچہ کہیں نہ کہیں تمہاری ملاقات رچرڈ سے ہو جائے گی۔ لیکن یہ غیب بینی وغیرہ کو اس سے بڑے افسوس کی بات ہے کہ وحشیوں کے درمیان رہ کر میری بیوی اور بیٹی بھی انہی کی طرح تو ہم پرست بنتی جا رہی ہیں۔ اگر یہی حال رہا تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھے جلد ہی افریقہ کو خیر باد کہنا ہوگا حالانکہ میرا دل ٹوٹ جائے گا تم جانو اس کام کو جو میں نے شروع کر رکھا ہے، اودھورا چھوڑ دینا ذرا دیر ہی بات ہے۔ ”

جوہان سے بحث کرنا فضول تھا چنانچہ ریکل اسے شب بخیر کہہ کر اٹھ آئی اور نوئی کو تلاش کرنے لگی۔ لیکن اس کا فریڈ کی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ریکل ذرا پریشان ہو گئی۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ نوئی شاید کسی کا فر کے گھر میں چھپی ہوئی ہوگی کہ زو لوؤں کے بادشاہ ڈنگان کا وفد چلا جائے تو وہ ریکل کے پاس آجائے۔ چنانچہ ریکل کی اس خیال سے ذرا ڈھارس بندھی اور وہ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔

رات بھر کی بے چین نیند کے بعد وہ دوسرے دن صبح بیدار ہوئی تو بھی نوئی واپس نہ آئی تھی۔ ریچل نے پھر اس کی تلاش شروع کی۔ اس نے رماہ میں بسنے والے ایک کافر سے پوچھا لیکن کسی نے نوئی کو نہ دیکھا تھا۔ جب وہ متفکر و پریشان گھر لوٹ رہی تھی تو اس کی ملاقات ایک زولو سے ہو گئی یہ ادھیڑ عمر کا شخص تھا اور ریچل نے ذرا کوشش کے بعد اسے پہچان لیا۔ یہ وفد کے ارکان میں سے ایک تھا۔ زولو کے پاس ایک ڈنڈے کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ریچل کو دیکھتے ہی وہ سجدے میں گر گیا اور جب وہ اس کے قریب پہنچی تو اس نے اٹھ کر ریچل کو سلام کیا۔

”کہو جو کہنا ہے“ ریچل نے کہا۔

”انکو سازانہ!“ زولو نے بڑے خاکسارانہ انداز میں جواب دیا ”مجھ پر غصہ نہ کیجئے۔ میں تابو ساہوں اور میں بادشاہ کے مشیروں میں سے ہوں۔ گذشتہ رات تم نے وفد کے دوسرے لوگوں کے ساتھ دیکھا ہوگا۔“

”ہاں۔ دیکھا تھا۔“

”انکو سازانہ! تمہارے ساتھ ایک لڑکی رہتی ہے جس کا نام نوئی ہے۔ یہ جادوگر سیاہی کی بیٹی ہے اور یہ سیاہی کو ڈنگان کے حکم سے قتل کر دیا گیا اور اس کے گھر والوں کو بھی قتل کر دیا گیا چنانچہ نوئی کو بھی قتل ہو جانا چاہئے تھا لیکن تم نے اس سیاہی پر بجا گرا دی جو نوئی کا تعاقب کر رہا تھا اور اس کا تمہیں حق حاصل تھا اور ہے۔ تم نے اس سیاہی کو جلا کر خاک کر دیا اور اس کا تمہیں حق حاصل تھا اور نوئی کو اپنی کفین بنا لیا اور اس کا بھی تمہیں حق حاصل تھا اور ہے۔“

”کسے جاؤ“ ریچل نے ذرا بھی حیرت کا اظہار نہ کیا حالانکہ دل ہی دل میں وہ

بہت زیادہ حیران تھی۔

”انکو سازانہ! ہم جانتے ہیں کہ اس لڑکی سے تمہیں بہت زیادہ محبت ہوگئی ہے۔ چنانچہ گزشتہ روز تمہارے پاس آنے سے پہلے ہم نے نوئی کو گرفتار کر لیا جیسا کہ ہمیں حکم دیا گیا تھا۔ ہم نے اسے چھپا دیا اور چھپائے رکھا اور تمہارے خواب کا انتظار کرنے لگے۔ اگر تم نے بادشاہ کی درخواست قبول کر لی ہوتی اور اس کے پاس چلنے کو تیار ہو گئی ہوتیں تو نوئی کو اسی وقت آزاد کر دیا جاتا۔ لیکن چونکہ تم نے انکار کر دیا اس لئے میرے ساتھ اس کو بادشاہ کے پاس لے گئے ہیں۔“

”جرا کیا — بہت بُرا کیا — اور کیا کہنا ہے تا مبوسا؟۔“

”انکو سازانہ! یہ بادشاہ کے الفاظ ہیں جو میری زبان ادا کر رہی ہے۔ انکو سازانہ کو چاہئے کہ وہ میرے پاس آکر حکم دے اور نوئی کو آزاد کر دیا جائے گا کیونکہ یہ لڑکی عظیم نام والی کی پالتو کتیا ہے۔ لیکن اگر انکو سازانہ فوراً نہ آئی تو نوئی کو قتل کر دیا جائے گا۔“

”لیکن میں کیسے یقین کروں تا مبوسا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے وہ غلط نہیں ہے؟“ زچل نے اپنے جذبات کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کیونکہ وہ نوئی کو بہت زیادہ چاہتی تھی۔

چنانچہ تا مبوسا ان جھاڑیوں کی طرف گھوم گیا جو بیس قدم دور آگ رہی تھیں۔

”باہر آ جاؤ“ اس نے چیخ کر کہا۔

”فوراً ہی جھاڑیوں میں سے ایک چودہ سالہ لڑکی نکل آئی۔ یہ لڑکی اکثر نوئی کے ساتھ پھول توڑنے جا پارتی تھی اور زچل اس سے واقف تھی۔

”نوئی کی گرفتاری کا واقعہ اور وہ پیغام جو نوئی نے دیا ہے انکو سازانہ کو سنادو۔“

اس پر لڑکی نے کانپ کانپ کر ریل کو بتایا کہ جب وہ اور نوئی پھول توڑ رہی تھیں تو کس طرح زولووان پر اچانک آپڑے اور ان دونوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں جھاڑیوں کے اس جھنڈ میں لے گئے جو مستقر سے کوئی چار میل کے فاصلے پر تھا۔ دونوں لڑکیوں کو اس وقت تک جھاڑیوں میں رکھا گیا جب تک کہ وفد ریل سے ملاقات کر کے واپس نہ آ گیا۔ وفد کے اراکین نے نوئی سے گفتگو کی اور پھر نوئی نے اس لڑکی کو بلا کر یہ پیغام دیا:-

”انکو سازانہ سے کہنا کہ زولوؤں نے مجھے گرفتار کر لیا ہے اور وہ مجھے ڈنگان کے پاس لئے جا رہے ہیں۔ کہنا کہ اگر انکو سازانہ شاہی کراں میں آگئی اور بادشاہ کو حکم دیا تو مجھے رہا کر دیا جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ انکو سازانہ خور آجائے اور اگر نہ آئی تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ ان کو سازانہ سے کہنا کہ محض مجھے بچانے کے لئے ڈنگان کے پاس آنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں مرنے سے نہیں ڈرتی میں جانتی ہوں کہ انکو سازانہ کا زولو لینڈ میں بال بھی بیگانہ ہوگا۔ تاہم مناسب ہوگا کہ وہ نہ آئے۔ اس سے کہنا کہ میں نے اس زندگی میں بھی انکو سازانہ سے محبت کی ہے اور مرنے کے بعد بھی کرتی رہوں گی۔“

اور پھر اس لڑکی نے تفصیل سے بتایا کہ کس طرح زولو لوگ نوئی کو زولو لینڈ کی طرف لے گئے اور خود اسے تانبو کے ساتھ ان جھاڑیوں میں چھوڑ گئے اور تانبو سا اسے صبح ہونے سے کچھ پہلے مستقر کے قریب لے آیا اور اسے جھاڑی میں چھپا دیا۔

اب کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہ گئی تھی لیکن اب سوال یہ تھا کہ

یا کیا جائے؟ وہ چند لمحوں تک کچھ سوچتی رہی اور پھر تامبوسا اور لڑکی کو اپنے ساتھ مستقر تک چلنے کو کہا۔ جوہان اور اس کی بیوی برآمدے میں بیٹھ گئی۔

”کیا بات ہے؟“ مسز دیو نے ریچل کے ساتھ تامبوسا کو دیکھا تو چونک

کر پوچھا۔

ریچل نے تامبوسا کو کہانی دہرانے کا حکم دیا اور اس نے ریچل کو مخاطب کر کے اور جوہان اور اس کی بیوی کی طرف ذرا بھی متوجہ ہوئے بغیر اس کے حکم کی تعمیل کی۔ جب وہ خاموش ہوا تو لڑکی نے اپنی سرگزشت سنا دی۔

”اب جاؤ اور باہر انتظار کرو“۔ جب لڑکی خاموش ہوئی تو ریچل نے کہا ”انکو سازا نہ ایس جا رہا ہوں“ تامبوسا نے کہا ”لیکن اگر تم نوئی کو بچانا ہی چاہتی ہو تو پھر تمہیں ذرا بھی تاخیر نہ کرنی چاہئے آج کا دن ختم ہونے کے فوراً بعد اگر تم دریائے توگیلا کے اس پار نہ پہنچ گئیں تو پھر بادشاہ کو اس کی اطلاع دے دی جائے گی اور اسی وقت نوئی کو قتل کر دیا جائے گا۔“

”بھئی جان لو کہ تمہیں میرے ساتھ تنہا آنا ہے۔ اگر کوئی تمہارے ساتھ آنا، چاہے وہ سفید فام ہو یا سیاہ فام، تو اسے بلا توقف قتل کر دیا جائے گا،“ اور جب تامبوسا اور لڑکی چلی گئی تو ریچل نے اپنے والدین سے پوچھا

”اب بتاؤ کیا کیا جائے؟“

مسز دیو نے مایوسی اور بے چارگی سے سر ہلا کر اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور جوہان زولوؤں، ان کے رسم و راج، توہم پستی اور مظالم کے متعلق خدا جانے کیا کچھ کہنے لگا اور آخر میں کہا کہ ریچل کا تن تنہا ان وحشیوں میں جانا مناسب نہیں بلکہ یہ حماقت اور پانگل پن ہے۔

”لیکن ابا! جب وہ خاموش ہوا تو ریچل نے کہا۔ اس طرح تو خود آپ نوئی کو گویا سزائے موت دوا رہے ہیں۔ اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا آپ نہ جاتے؟“

”جانتا۔ ضرور جاتا بلکہ اس وقت بھی میں ہی جاؤں گا۔ ڈنگان میری بات ضرور سنے گا۔“

”ہات تو کیا سنے گا البتہ فوراً ہی آپ کو قتل کر دے گا۔ آپ نے سنا نہیں کیا کہا تھا تاہم سنانے نہیں ابا۔ آپ نہ جائیں گے۔“

”نہیں جوہان“ مسز دیو نے جلدی سے کہا۔ ”ریچل ٹھیک کہتی ہے۔ تمہارا جانا مناسب نہیں کیونکہ اگر تم گئے تو واپس نہ آؤ گے اس کے علاوہ تم مجھے اکیلی چھوڑ کر کیسے جاسکتے ہو؟“

”اس صورت میں تمہیں نوہا کو اس کی قسمت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔“

”یہ سنگدل ہے۔ چارہ کیوں نہیں اور ہم کیوں اسے اپنی قسمت پر چھوڑ دیں جبکہ میں اسے بچا سکتی ہوں؟“

ریچل نے ایک جوش کے عالم میں اور بلند آواز میں کہا ”اگر نوئی ماری گئی تو اس کا خون ہم سب کی گردنوں پر غموں اور میری گردن پر خصوصاً ہوگا۔ میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کر سکوں گی اور زندگی بھر مسکرا نہ سکوں گی۔“

”لیکن اگر زدنوں نے خدا نخواستہ تمہیں قتل کر دیا تو؟“

”اس طرف سے آپ مطمئن رہئے۔ زدنو مجھے قتل نہ کریں گے۔ اماں جانتی ہیں کہ میں محفوظ رہوں گی اور اس کا مجھے بھی یقین ہے لیکن چونکہ ان کے مانعوں میں یہ ہوا بھری گئی ہے اس لئے، اگر میں نہ گئی تو، ڈنگان ایک فوج اس طرف روانہ کر دے گا کہ زماہ کے ہر باشندے کو قتل کر کے مجھے گرفتار کر لیا

جائے۔ چنانچہ نوٹی کا اغوا گویا تمہید تھی اس کی۔ اب دو ہی راستے رہ گئے ہیں۔
 یا تو میں زولو لینڈ چلی جاؤں فوراً، نوٹی کو بچا لوں اور اپنا کردار ادا کروں یا پھر
 کہ ہم نوٹی کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور کل ہی ہم سب یہاں سے روانہ ہو جائیں
 دوسرے لفظوں میں فرار ہو جائیں لیکن اس صورت میں جیسا کہ میں کہہ چکی ہوں
 میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کروں گی خصوصاً اس لئے کہ میں زولوؤں سے
 درجہ برابر بھی نہیں ڈرتی۔

”یہ سچ ہے کہ خدا زولو لینڈ میں بھی تمہاری اتنی ہی حفاظت کرے گا جتنی کہ
 ہاں کر رہا ہے“ جوہان نے کہا۔
 ”بے شک۔ لیکن ایک بات اور بھی ہے ابا۔“

”وہ کیا؟“

”اگر میں زولو لینڈ کی طرف روانہ ہو جاؤں تو آپ بھی ڈربن کی طرف
 روانہ ہو جائیں اور وہاں میرا انتظار کریں۔“
 ”یہ کیوں ریچل؟ یہ سب بلو اس ہے۔“

”اس لئے کہ میرے خیال میں آپ لوگ یہاں محفوظ نہیں ہیں اور یہ سب
 بلو اس نہیں ہے“ ریچل نے بڑی سنجیدگی سے کہا ”زولوؤں نے یقین کر لیا ہے
 کہ میں کس طرف سے آپ کی محکوم ہوں۔ آپ بھولے نہ ہوں گے کہ وفد کے سردار
 نے بادلوں اور آسمانوں کی تشبیہ دی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ میرا خوف بے بنیاد ہو
 مگر ہم احتیاط کا تقاضہ ہی ہے کہ آپ ڈربن چلے جائیں۔ مستقل نہیں تو
 عارضی طور پر۔ وہاں آپ محفوظ ہوں گے۔ اور اگر آثار اچھے نہ ہوئے تو
 آپ فوراً کسی جہاز میں سوار ہو سکتے ہیں۔“

اور اب جوہان کا خدشہ ہی بن ایک دم سے بھڑک اٹھا اور اس نے مستقر

چھوڑنے سے انکار کر دیا نہ صرف انکار کر دیا بلکہ یکے بعد دیگرے وہ وجوہات بھی بیان کرنے لگا جن کی بنا پر اس کا مستحق نہیں ہی رہنا ضروری تھا چنانچہ نصف گھنٹے کی بٹھا بکشی کے بعد ایک فیصلہ ہو گیا جو قطعی اطمینان بخش نہ تھا۔ یعنی یہ کہ ریکل نوئی کو بچانے زولو لینڈ چلی جائے اور اس کے والدین رامہ میں ہی رہیں۔ اس کی داپا کے بعد — ان لوگوں کا خیال تھا کہ ریکل سات آٹھ روز میں واپس آجائے گی۔ — مستقر کے مسئلے پر غور کیا جائے گا اور وہ بھی ریکل کے ذاتی تجربے کی روشنی میں۔ چنانچہ محض نوئی کو بچانے کی غرض سے یہ طے پا گیا۔

اس فوری فیصلے کے اڑھ گھنٹے بعد ہی ریکل اپنے اس سفر کے لئے تیار تھی ریکل اپنی بھورے رنگ کی گھوڑی پر یہ سفر کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ یہ گھوڑی بہت عمدہ اور سدھی ہوئی تھی۔ وہ سفید بیل بھی، جو ڈنگان نے تحفہ بھیجا تھا ریکل اپنے ساتھ لے جانے والی تھی لیکن اس پر اس کے کپڑے اور دوسری ضروری چیزیں، جو چرمی تھیلوں میں بند تھیں، لادی جانے والی تھیں اور یہ چیزیں تھی کافی، شکر اور چند دوائیں اور اگر راستے میں گھوڑی کسی حادثے کا شکار ہو جائے تو یہ بیل پھر سواری کے کام میں بھی آسکتا تھا۔ جب سلمان سفر درست ہو چکا تو ریکل نے تانبوسا کو بلا بھیجا اور سفید بیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:۔

”میں ڈنگان کے پاس اپنی خادمہ کو رہا کرانے آرہی ہوں۔ اس بیل کو آگے لے چلو۔ میں فوراً تمہیں آلوں گی۔“

تانبوسا نے ریکل کو سلام کر کے ”بوتھا“ شروع کیا یعنی اسے عجیب و غریب اور طول طویل خطابات دینے لگا لیکن ریکل نے ہاتھ ہلا کر اسے خاموش کر دیا چنانچہ وہ بیل کو ہنسکاتا ہوا چل دیا۔

جو ہاں اپنی بیٹی کو دریائے تو گیلان تک رخصت کرنے جانے والا تھا چنانچہ جب اس کے گھوڑے پر زینا کسا جا چکا تو ریچل اپنی ماں کو خدا حافظ کہنے پہنچی مسنردیونشت گاہ کی ایک کھڑکی کے سامنے بیٹھی اداس لڑکیوں سے سمندر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”اماں! میں جا رہی ہوں“ اس نے بڑی لبثاشت سے کہا ”آپ فکر نہ کریں میں ایک ہی مہفتے میں نوئی کو لے کر آ جاؤں گی۔“

”ہاں بیٹی“ مسنردیونے کہا ”بے شک۔ تم اور نوئی واپس آ جاؤ گی لیکن.....“

”لیکن کیا اماں؟“

”میں کچھ نہیں جانتی بیٹی لیکن میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ تم سے جدائی کے خیال کو بھی میں برداشت نہیں کر سکتی۔ ریچل! جب سے تم پیدا ہوئی ہو تب سے لے کر اب تک تم مجھ سے ایک گھنٹے کے لئے جدا نہیں ہوئیں۔“

ریچل نے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ مسنردیونے کے بشرے سے عجیب غم عیاں تھا چنانچہ خود ریچل بھی اداس ہو گئی۔

”اماں! اگر آپ — خیر! میں نوئی کو چاہتی ہوں لیکن آپ کو اس سے زیادہ چاہتی ہوں چنانچہ اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں نہ جاؤں تو بے شک میں نہ جاؤں گی۔ یہ — یہ — بڑی سنگدلی ہوگی لیکن کیا کیا جائے مجھ پر جو ٹھہری۔ خود نوئی غریب کو بھی کوئی شکایت نہ ہوگی۔“

اور نوئی کی ادیت ناک موت کے خیال سے ریچل کی آنکھیں پر غم ہو گئیں۔

”نہیں ریچل۔ نہیں۔ تمہارا جانا ضروری ہے اور صرف نوئی کی نہیں بلکہ انہی خاطر بھی۔ تمہارے مشورے پر عمل کر کے اگر تمہارے ابا سکل یا پڑوں ڈوبنا

کی طرف روانہ ہونے کے لئے راضی ہو گئے ہوتے تو دوسری بات تھی لیکن میں ان کی ضدی طبیعت سے واقف ہوں اور جانتی ہوں کہ وہ یہ بات نہ مانیں گے چنانچہ اس کے متعلق ان سے کچھ کہنا فضول ہے۔ اب صرف یہ کر سکتے ہیں کہ خدا سے بہتری کی امید رکھیں اور بس۔“

”جیسی آپ کی مرضی۔“

”اچھا بیٹی۔ اب مجھے اپنا ماتھا چومنے دو اور خدا کا نام لے کر جاؤ۔ تمہارے آبا پکار رہے ہیں تمہیں۔ اور ریچل! اب اگر ہماری ملاقات اس دنیا میں نہ ہو تو مجھے بھول نہ جانا کیونکہ پھر دوسری دنیا میں ہماری ملاقات ہوگی۔ میں تمہیں خوفزدہ کرنا نہیں چاہتی۔ میں بیمار ہوں چنانچہ مجھے الٹے سیدھے خیالات آتے رہتے ہیں۔ جاؤ بیٹی۔ خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔“

چنانچہ ریچل اپنے ماتھے پر اپنی ماں کے بوسے کی ہرے کر باہر آئی۔ اس کا دل بھر آیا تھا اور حلق میں پھندے سے پڑ رہے تھے چنانچہ وہ خاموش تھی۔ مسنر و یو بھی اپنی بیٹی کو خاموشی سے جاتے دیکھتی رہی۔ ریچل گھوڑی پر سوار ہو کر اپنے باپ کے ساتھ اس راستے پر چل دی جس راستے سے تھوڑی دیر پہلے تامبوسا بیل ہنکاتا گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ تامبوسا کے ساتھ تھے۔ تامبوسا چلتے چلتے رک گیا اس نے پہلے ریچل اور پھر جوہان کی طرف دیکھا اور پھر ریچل سے کہا:-

”انکو سازا نہ! بادشاہ کا حکم ہے کہ کوئی تمہارے ساتھ نہ آئے۔“

”خاموش رہو“ ریچل نے بڑی تمکنت سے کہا ”یہ صاحب میرے ساتھ

تک ہی آرہے ہیں۔“

چنانچہ تامبوسا خاموش ہو رہا اور وہ لوگ آگے بڑھتے چلے گئے۔ ریچل نے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ اس کا مزاج کیسا ہی کیوں نہ رہا ہو اس کا باپ اس وقت لبشاش تھا۔

دو گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد وہ دریا نے تو گیلا کے اس گھاٹ پر تھے جس کے دوسری طرف سے زولوؤں کی سرزمین شروع ہو جاتی تھی۔ دوسرے کنارے کے ٹیلوں پر بہت سے کافر کھڑے ہوئے تھے۔ ریچل پر نظر پڑتے ہی یہ لوگ دریا کے کنارے کی طرف بھاگے۔ اور پھر دریا میں اتر کر لمبے لمبے ڈنڈوں اور جھڑپوں سے پانی کو پیٹنے لگے۔ ریچل کو یہ سمجھتے دیر نہ لگی کہ یہ لوگ گھڑیا لوں اور مگر ٹھپوں کو بھگا رہے تھے۔

اور اب جدائی کی گھڑی آپہنچی تھی۔ جوہان دفعۃً اُداس اور بے چین ہو گیا اور اس نے تامبوسا سے درخواست کی کہ اسے بھی اپنی بیٹی کے ساتھ زولو لینڈ میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔

”سچینے والے!“ تامبوسا نے جواب دیا۔ ”اگر تم نے دوسرے کنارے پر قدم بھی رکھا تو فوراً قتل کر دئے جاؤ گے۔ دیکھو، وہ ہیں بھالے جو تمہارا بدن چھلنی کر دیں گے۔“

اور اس نے ایک نسبتاً بڑے اور بلند ٹیلے کی طرف اشارہ کیا جو کنارے سے زیادہ دور نہ تھا اور اس ٹیلے کی ڈھلان پر سے زولو سپاہیوں کا ایک پورا دستہ صفیں بنائے بڑی ترتیب سے بھاگتا آ رہا تھا۔ سپاہیوں کے سروں پر شتر مرغ کے پروں کی کلنیاں لہرا رہی تھیں اور ان کے ہاتھوں میں سفید ڈھالیں تھیں۔

”دیکھو!“ تامبوسا نے کہا۔ ”انکو سا زانہ زولا کا بدرقہ۔ وہ ان سپاہیوں

کی حفاظت میں ہوگی پھر کون انگلی اٹھائے گا اس کی طرف ؟ اور اگر تم نے ڈنگان کے حکم پر کان دھرا تو تم ہی کہو کیا تم ان سپاہیوں کے کھالوں سے بچ جاؤ گے ؟ اب تم لوٹ جاؤ مبادا وہ سپاہی یہاں ، اس طرف آکر تمہیں قتل کر دیں ۔“

بحث و احتجاج فضول تھا۔ جوہان کو اس کا احساس تھا کہ تانبوسا لٹس سے مس نہ ہوگا چنانچہ اس نے اپنی بیٹی کو نگلے لگایا۔ ریچل نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ تانبوسا جلدی چارہ تھا چنانچہ جوہان اور ریچل ایک دوسرے سے رخصتی کلمات نہ کہہ سکتے تھے کیونکہ اس وقت ریچل کا دل بھرا آ رہا تھا اور وہ زولوؤں کے سامنے آتسو بہانا نہ چاہتی تھی۔ اگر جوہان نے ایک لفظ بھی کہا ہوتا تو وہ پھوٹ پڑتی اور اس کا اثر ظاہر ہے کہ زولوؤں پر جبراً پڑتا اور پھر شاید اسے وہ مقام حاصل نہ ہوتا جو اس کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ ریچل اپنے باپ سے رخصت ہوئی اور اپنی بھوری گھوڑی کو دریا میں ڈال دیا۔ تانبوسا سفید بیل کی نیکیل پکڑے اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ گھوڑی دیر بعد ہی اس نے گھوم کر دیکھا کہ اس کا باپ لب دریا گھٹنوں کے بل بیٹھ ہوا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

”کیا کر رہا ہے وہ ؟“ تانبوسا نے پوچھا ”جادو کر رہا ہے ہم پر ؟“

”ہنیں“ ریچل نے جواب دیا۔ ”وہ ہمارے لئے آسمانوں سے دعا کر رہا ہے۔“

زولوؤں نے اب سطح آب پر ڈنڈے برسائے بند کر دئے تھے اور وہ دریا میں ہی دو دو یہ قطاروں میں قابوٹ اور ٹوڈب کھڑے ہوئے تھے اور ریچل تانبوسا کے ساتھ ان کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ اس طرف دریا گہرا نہ تھا چنانچہ وہ

اسے آسانی سے عبور کر گئے۔ اس آشنائی میں دوسرے کنارے پر زولوس سپاہیوں کا دستہ پہنچ چکا تھا۔ دو ہزار یا اس سے زیادہ سپاہی جو اس لڑائی کے استقبال کو آئے تھے، جو ان کی عظیم ترین دیوی کا اوتار تھی۔ کم سے کم زولو تو یہی سمجھتے تھے ریکل نے ان کی طرف دیکھ کر سوچا کہ کیا لوگ اس کے استقبال کو پہلے سے ہی تیار تھے؟ کیا وہ جانتے تھے کہ وہ ضرور آئے گی؟ اور ان سوالوں کا جواب ریکل کو فوراً مل گیا یقیناً اس دستے کو حکم دیا گیا تھا کہ اگر ریکل اپنی مرضی سے آجائے تو سپاہی اس کا استقبال کریں اور اگر وہ خوشی سے نہ آئے تو یہ سپاہی مستقر پر حملہ کر دیں اور اسے جبراً لے آئیں۔

”چنانچہ یہ اچھا ہی ہوا کہ میں آگئی۔“ ریکل دل ہی دل میں بولی ”ورنہ خدا جانے کیا ہوتا۔“

ریکل آگے بڑھی اور اس وقت بڑی مرعوب کن معلوم ہو رہی تھی وہ۔ اس نے سفید چغہ پہن رکھا تھا اور اس کے گہرے سنہرے بال، جو کھلے چھوڑے گئے تھے، اس کے شانوں پر لیشمی ڈھیر کی طرح پڑے ہوئے تھے اور وہ گھوڑے پر تن کر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے لبشرے سے خوف و ہراس نے بجائے متانت اور عجیب شان عیاں تھی۔ یکا پاک دستے کے افسرانہی سفید ڈھالیں بلند کر کے اور اپنے سر جھکا کر اس کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کرنے دوڑے آئے۔

”سلام ہو تم پر“ انھوں نے کہا ”کالے ہاتھی ڈنگان کی طرف سے سلام ہو تم پر۔ اسے روح افلاک بخوش آمدید۔ اسے نوم کو بولوانا کے اوتار! تمہارا آنا مبارک ہو۔“

ریکل سر اٹھائے اور ان افسروں کی طرف متوجہ ہوئے بغیر آگے بڑھ گئی

البتہ وہ دل ہی دل میں حیران ضرور تھی کہ کون ہو گا یا ہو گی یہ نوم کو بولوانا جس کا
اوتار خود اسے سمجھا جا رہا تھا! بعد میں اسے معلوم ہوا کہ یہ دراصل زولوؤں کی
عظیم دیوی انکو ساز نہ زولا کا دوسرا لقب تھا اور انکو سازانہ زولا وہ پراسرار روح
یا دیوی تھی جو زولوؤں کی قسمت کی ملکہ تھی۔ زولوؤں کے اعتقاد کے مطابق یہی
دیوی ان کی قسمت بگاڑتی اور سنوارتی تھی اور اب ریکل وہی دیوی تھی۔
وہ ہرزولو کی، بادشاہ سے لے کر ایک عام آدمی تک کی قسمت کی مالک تھی۔ وہ
بہت بڑا رتبہ تھا۔ ایک عظیم مقام تھا جو آج تک کسی کو حاصل نہ ہوا تھا۔

آخر کار اس کی گھوڑی نے دوسرے کنارے پر قدم رکھا۔ یکایک دو ہزار سال ہی
اپنے بھالوں کے دستوں سے اپنی چرمی ڈھالوں کو پٹینے لگے۔ پہلے آہستہ آہستہ
بہت ہی آہستہ آہستہ چنانچہ یہ آواز ایسی معلوم ہوئی جیسے کہیں دور طوفانی سمندر
کی موجیں چٹانی ساحل سے ٹکرا رہی ہوں۔ رفتہ رفتہ اس آواز کا حجم بڑھنے لگا
یہاں تک کہ یہ شور اس قدر بڑھ گیا کہ اس کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی
تھی اور پھر یہ آواز بڑھی — اور — اور — اور اب وہ ایک عظیم گرج
میں تبدیل ہو چکی تھی جیسے ہزار ہا بادل بیک وقت گرج رہے ہوں اور گرج کی
یہ آواز دریا پر اور ٹیلوں پر اور میدانوں میں لڑھکتی چلی گئی اور پھر یہ عظیم شور
جس طرح ابھرا تھا اسی طرح مدھم مدھم ہو کر ڈوب گیا اور چند ثانیوں تک گہری خاموشی
ظاہر رہی اور پھر جیسے کوئی اشارہ پا کر دو ہزار بھالے بیک وقت اوپر اٹھے اور
ان کے پھل دھوپ میں چمک گئے اور تین ہزار حلقوم سے شاہی سلام کی آواز
ایک ساتھ نکلی — بائیس — یہ بہت ہی شاندار اور مرعوب کن استقبال
تھا۔ اس قدر شاندار اور مرعوب کن کہ ریکل کو یہ یقین کرتے ہی کہ زولو لوگ اسے
عظیم اور عالیشان ہستی سمجھتے تھے۔ ایک ایسی ہستی جو دنیا کے کسی بھی شخص سے

ہر انسان سے الگ اور اعلیٰ و عرفہ بھتی، جو ملکوتی تھی۔
 ریچل کو کچھ اور سوچنے کا وقت نہ ملا کیونکہ ڈھالوں کو پیٹنے کی آواز سے اس
 کی گھوڑی خوفزدہ ہو گئی تھی چنانچہ وہ یوں اُچھلی کہ ریچل گرتے گرتے بجی
 خوش قسمتی سے وہ ایک عمدہ سوار تھی چنانچہ سنبھل گئی۔ اگر کہیں وہ لڑھکا جاتی
 اور زمین پر آ رہتی تو شاید زو لوؤں کی نظر سے بھی گر جاتی اور یہ ظاہر ہے کہ
 بہت بُرا ہوتا۔ گھوڑی اُچھلی اور کودی لیکن ریچل اس پر سوار رہی اور زو لوؤں
 نے اس کے عظیم ہونے کا اور بھی یقین کر لیا۔ ان کا یقین اور بھی بچتہ ہو گیا
 اور ریچل کے گھوڑی پر بیٹھے رہنے کا واقعہ ایک کارنامہ بن گیا کیونکہ اکثر
 زو لوؤں نے پہلے بھی گھوڑا نہ دیکھا تھا وہ اسے جادوئی نہیں تو نہایت
 ہی خطرناک جانور ضرور سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک جانور پر ایک عورت کا
 بیٹھے رہنا۔۔۔۔۔ اور وہ بھی اس وقت جب جانور چاروں ٹانگوں سے
 اُچھل رہا ہو اور تھلانگیں لگا رہا ہو۔۔۔۔۔ زو لوؤں کو بے حد حیرت انگیز
 معلوم ہوا اور انھوں نے فوراً ہی اسے ایک دیوی کا ایک معجزہ سمجھ لیا۔
 ریچل نے پچکار کر اور تھپاک کر گھوڑی کو قابو میں کیا اور سپاہیوں کی دُوروں
 قطاروں کے درمیان سے گزرنے لگی۔ ہر سپاہی کا سر جھکا ہوا تھا اور سپاہی
 مجسمے کی طرح خاموش اور بے حس و حرکت کھڑا ہوا تھا اور افسر اور پچاس محافظ
 سپاہی آگے آگے بھاگ رہے تھے، ان کے بعد اپنی گھوڑی پر سوار ریچل چلی جا
 رہی تھی، اس کے بعد تا بموسا تھا جو سفید بلی کی نکیل پکڑے ہوئے تھا،
 اس کے پیچھے محافظوں کا ایک دستہ تھا اور دستے کے پیچھے پوری رجنٹ خاموشی
 سے چلی آ رہی تھی۔ چنانچہ یوں شاہانہ شان سے ریچل زو لو لینڈ میں داخل ہوئی
 اس نے نہ تو کسی سے کچھ پوچھا اور نہ ہی منہ سے کچھ کہا اور یہ خاموشی اس کے

نشیانِ شان تھی البتہ وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟
یہ سفر کہاں ختم ہوگا؟ انجام کیا ہوگا؟ اور یہ کہ — اس کے لوٹنے تک
اس کے والدین پر کیا کچھ بیت جائے گی؟

اور اس کا یہ اندیشہ بے بنیاد تھا۔

دو گھنٹے کے سفر کے بعد ایک واقعہ ہوا اور اس واقعہ نے ریچل پر یہ ظاہر
کر دیا کہ زولوؤں میں اسے جو مقام حاصل تھا وہ بے شک بہت بلند اور عظیم
تو تھا ہی لیکن ساتھ ہی ساتھ بہت زیادہ خوفناک بھی تھا۔ ہوائیوں کہ چند مویشی
جو شاید گھاس چر رہے تھے، سپاہیوں کی آمد سے بدک کے بھاگے اور سپاہیوں
کی صفوں میں گھس پڑے اور انھیں چیرتے ہوئے اپنے کراں کی طرف بکھے چلے
گئے۔ مویشیوں کے ایک ریوڑ میں ایک سانڈ بھی تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ
ایک عورت ایک عجیب جانور پر سوار چلی آرہی ہے تو پہلے تو وہ کھڑا بھنکارتا
رہا اور پھر اس نے بڑے بڑے سینگوں والا سر جھکایا اور نہایت تیزی سے ریچل
کی گھوڑی کی طرف بھاگ پڑا۔ ریچل نے جب اس غصے میں بھرے ہوئے
سانڈ کو حملہ کرتے ہوئے کہا تو اس نے اپنے رہوار کی لگا میں کھینچ لیں اور
یکایک اسے دوسری طرف موڑ دیا۔ اب اتفاق الیا ہوا کہ جس راستے پر وہ سفر
کر رہے تھے اس کے کنارے پر ایک خشک دریا کا پہاڑ تھا جو دس فٹ سے
زیادہ گہرا نہ تھا البتہ اس کے کنارے عمودی تھے اور پیندے میں بڑے بڑے
پتھر پڑے ہوئے تھے۔ سانڈ اپنے سر جھکائے اور آنکھیں بند کئے بھاگا آ
رہا تھا۔ ریچل کی گھوڑی کے راستے سے ہٹ جانے کی وجہ سے وہ سیدھا آگے
نکلا چلا گیا اور سر کے بل خشک دریا میں گرا، اس کے سینک ایک پتھر سے ٹکرائے
سانڈ کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ چند سکنڈ تک تڑپتے رہنے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔

”اوا اوا“ زولو چلائے۔

اب ریچل کے عظیم روح ہونے میں کسی کو شک نہ رہ گیا تھا۔ اس کی عظمت پر اب ہر لگ چکی تھی اور کیا یہ ثبوت کافی نہ تھا کہ ایک سانڈ نے اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی اور گستاخی کی سزا اسے فوراً مل گئی ہے۔

اور اب ایک افسر نے اپنا ہاتھ ہلا کر کچھ اشارہ کیا اور فوراً ہی سپاہی ان چار پانچ گالیوں پر ٹوٹ پڑے جو سانڈ کے پیچھے تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان گالیوں کی لاشیں وہاں پڑی ہوئی تھیں۔ بھالوں نے ان کے جسم تھلپنی کر دیئے تھے۔ اس سے پہلے کہ ریچل کچھ کہہ سکتی، سپاہیوں کو منع کر سکتی، یہ کام ہو چکا تھا۔ اب گالیوں کی لاشیں راستے سے ہٹائی گئیں اور خون پر مٹی ڈال دی گئی کیونکہ خون دیکھ کر دیوی کی طبیعت مکر ہو سکتی تھی۔ یہ کام ابھی پورا ہوا ہی تھا کہ ندی کے خشک پٹ کی عمودی ڈھلان چڑھ کر ایک عورت چند مردوں کے ساتھ راستے پر آگئی۔ یہ عورت بہت موٹی، بد صورت اور گھناؤنی تھی کیونکہ اس نے اپنے بالوں میں مچھلی کے مٹانے پرور کھے تھے اور گلے میں مختلف جانوروں کے دانتوں اور سانپ کی کچلی کی مالائیں پڑی ہوئی تھیں ریچل کو یہ سمجھتے دیر نہ لگی کہ یہ موٹی عورت دو انسائوسی، ”یاکا ہنہ“ تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ کاہنہ غصے میں بھری ہوئی تھی کیونکہ اس کا چہرہ اور بھی بد صورت بن گیا تھا اور اپنے مٹاپے اور بڑھاپے کے باوجود وہ تیزی سے اور ”دھم۔ دھم“ کرتی چل رہی تھی۔

”کس نے جرات کی ہے میرے مویشیوں کی جان لینے کی؟“ کاہنہ نے چیخ کر کہا ”وہم نے؟ جسے لوگ نوکم بولوا نا کہتے ہیں؟“

”اے عورت!“ ریچل نے بڑی بے خوفی سے جواب دیا ”تمہارے

اس سے پہلے کہ ریچل کچھ سمجھ سکتی، بوڑھی کا ہنہ کی خون آلود لاش مردہ سائنڈ کے قریب پڑی ہوئی تھی۔

”اس کے ساتھیوں کے متعلق کیا حکم بنے ملکہ کیا حکم ہے“ کا ہنہ کو قتل کرنے والوں کے سردار نے پوچھا اور کا ہنہ کے ان ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا جو بدحواسی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ ”حکم ہو تو ان لوگوں کو بھی اس کی استانی کے پاس پہنچا دیا جائے۔“

”نہیں“ ریچل نے مردہ آواز میں کہا کیونکہ کا ہنہ کے قتل کے نظارے نے اس کی روح تک کی بنیادیں ہلا دی تھیں ”میں ان کی جان بخشی کرتی ہوں۔“

”ملکہ ان کی جان بخشی کر رہی ہے“ سپاہیوں نے اعلان کیا ”ملکہ کو زندگی اور موت پر اختیار حاصل ہیں اور وہ گستاخ کا ہنہ کے شاگردوں کی جان بخشی کر رہی ہے۔“

اور عظیم دیوی کا یہ اعلان ایک سے دوسرے سپاہی تک پہنچ گیا اور جب یہ جلوس آگے بڑھا ہے تو زولو اپنی دیوی کے اختیارات کے متعلق ایک گیت بنا چکے تھے اور اسے گار ہے تھے اور ان کی آواز ایک سے دوسرے ٹیڈے تک بند یوں اور پستیوں تک پہنچ رہی تھی۔

دشوائی باب

تارے کا شگون

ریچل کا زولو لینڈ میں داخلہ بڑا ہی اثر انگیز اور حیرت انگیز تھا اور ہر شخص
 مافوق الفطرت قوتوں سے مرعوب ہو چکا تھا اور ان لوگوں کو مرعوب کرنے میں
 اتفاقات نے بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ مثلاً جب وہ ”عجیب“ اور ”وحشی“ جانور
 چاروں ٹانگوں سے اچھل کود رہا تھا تو ریچل اس کی پشت پر یوں بیٹھی رہی تھی جیسے
 اسے وہاں کیلوں سے جڑ دیا گیا ہو حالانکہ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو
 گر پڑتا اور اس کا ہر زولو سپاہی کو یقین تھا۔ پھر ایک ساند نے اس پر حملہ کیا تو ”آسمانوں“
 نے اس کی گردن توڑ دی۔ اور جب ایک ”انسانوسی“ نے انکو سازانہ کی شان میں گت خانہ
 الفاظ کے تو انکو سازانہ نے اسے فوراً قتل کروا دیا اور یہ ظاہر کر دیا کہ وہ کسی ساحرہ،
 کاہنہ اور جادو سے نہیں ڈرتی۔ بیشک اس کا ہنہ کو بہر حال قتل ہونا تھا کیونکہ یہی
 ڈنگان کا حکم تھا کہ جو بھی انکو سازانہ سے گستاخی سے پیش آئے اسے بے تکلف قتل کر دیا
 جائے پھر وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو لیکن جب اس کا ہنہ نے غصے میں آکر ریچل کو برا بھلا
 کہنا شروع کیا تو دستے کے افسر اس پر فوراً ہی ٹوٹ نہ پڑے بلکہ منتظر رہے کہ دیکھیں
 خود ”عظیم نام والی“ کیا کہتی ہے اتفاقاً ریچل نے اپنی چھتری سے کاہنہ کی طرف
 اشارہ کر دیا اور وہی ہو گیا جو زولو چاہتے تھے۔ اگر ریچل خوفزدہ ہو گئی ہوتی، اگر
 اس نے ذرا بھی گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کیا ہوتا تو پھر زولو لوگ یہ سوچنے پر
 مجبور ہو جاتے کہ اس لڑکی کی صرف رنگت ہی سفید ہے یا وہ حقیقت میں دیوی

کا اوتار ہے ؟۔

لیکن اب وہ فیصلہ کر چکے تھے۔ اب ان کا یقین نچتہ ہو چکا تھا کہ ریچل واقعی عظیم روح ہے اور یہ کہ اسے جانوروں اور انسانوں پر فوقیت حاصل ہے گھوڑی، سانڈ اور کاہنہ کے قتل کے واقعات نے ریچل کے سر پر عظمت اور برتری کا تاج رکھ دیا اور اس کی شہرت فوراً زولونینڈ کے اس سرے سے اُس سرے تک پہنچ گئی اور حالات ریچل کے اختیار میں نہ رہے تھے اور وہ اپنی عظمت سے انکا نہ کر سکتی تھی۔ یہ عظیم مقام اسے بہر حال قبول کرنا تھا اب اگر وہ لاکھ کہتی کہ وہ دیوی نہیں بلکہ ایک معمولی لڑکی تھی، تو کوئی اس پر یقین نہ کرتا۔

سورج غروب ہو رہا تھا جب وہ لوگ ایک کراں کے قریب پہنچ گئے جو ایک ٹیلے پر واقع تھا۔ ریچل سے پوچھا گیا کہ آیا وہ اس کراں میں رات گزارنا پسند کرے گی۔ ریچل نے منہ سے کچھ کہے بغیر صرف اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ لوگ کراں میں داخل ہو گئے۔ پورا کراں خالی تھا۔ صرف چند لڑکیاں، جنہوں نے بڑے بڑے دانوں کی مالا پھیں رکھی تھیں، ریچل کی خدمت کے لئے کراں میں ٹھہر گئیں۔ دوسرے تمام لوگ جا چکے تھے۔

ریچل کو ایک بڑی اور صاف ستھری جھوٹری میں لے جایا گیا۔ لڑکیوں نے فوراً حاضر ہو کر اپنے گھٹنوں پر گر کر اس کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ گوشت، جمانو ادودھ اور مکئی کا دلیہ۔ ریچل نے صرف جمایا ہوا دودھ اور دلیہ کھایا اور گوشت دستے کے افسروں کے پاس تحفہ بھیج دیا۔ اور کھانے سے فارغ ہوئی تو پورے کراں میں وہ اکیلی تھی۔ وہ دیوی تھی اور کوئی بھی دیوی کے ساتھ قیام کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ لڑکیاں بھی چلی گئیں جو اس کے لئے کھانا لائی تھیں۔

وہ پورے کراں میں اکیلی تھی۔ اور کراں کی چار دیواری کے باہر دو ہزار

سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

موت کی سی خاموشی اور قبر کی سی تنہائی میں ریچل نے سوئے کی کوشش کی لیکن اس کی یہ نیند پُر سکون نہ تھی آنکھیں بند کرتے ہی وہ کاہنہ سامنے کھڑی تھی۔ بونھتے میں بھری ہوئی تھی اور تیخ تیخ کر کہہ رہی تھی کہ ریچل کی زندگی کی راہ غن سے سرخ ہے اور یہ کہ اگر ریچل کو اس کی پیشین گوئی میں شک ہو تو اپنے مستقر کی طرف لوٹ جائے اور وہاں جا کر دیکھے کہ کاہنہ نے سچ کہا ہے۔ یہ بڑی مبہم، پیشین گوئی تھی جسے ریچل سمجھ نہ سکی۔ اور پھر کاہنہ کا غصے سے سرخ چہرہ خوں سے سفید ہو گیا اور پھر موت ——— فوری اور بیدردانہ موت، جو ریچل کے ہاتھ کی ایک ہلکی سی جنبش نے نازل کر دی تھی اور کاہنہ بچاری کو کچھ کہنے اور اپنا بچاؤ تک کرنے کا موقع تک نہ ملا تھا۔

دوسرا خواب ———

اس کا باپ اور اس کی ماں پاس پاس لیٹے ہوئے تھے اور کھٹی ہوئی بے نور آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور جب ریچل نے انھیں پکارا تو انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

چنانچہ یوں طویل رات گزرتی رہی یہاں تک کہ ریچل نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں کیونکہ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ پوچھٹ رہی تھی اور ہلکی ہلکی روشنی دروازے کی دراڑوں میں سے ریچل آئی تھی اور اس روشنی میں ریچل نے دیکھا کہ ایک بڑا سا چوہا اس کی ناک پر بیٹھا اس کے ماتھے کے بچھڑے ہوئے بالوں کو چوس رہا تھا۔ ریچل ایک دم سے اٹھ بیٹھی اور وہ چوہا اس کے ساتھ دوسرے چوہے بھی جو فرش پر پھدک رہے تھے، خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے۔ ریچل نے اٹھ

کہ اس پانی سے منہ دھویا جو جھونپڑی میں رکھی ہوئی تو نبیوں میں بھرا ہوا تھا ۔
 جب وہ منہ دھو رہی تھی تو جھونپڑی کے باہر سے گمانے کی آوازیں آرہی تھیں
 یہ خدمتکار اڑکیاں تھیں جو غائبانہ کی حمد گارہی تھیں لیکن ریکل اس حمد کے
 الفاظ نہ سمجھ سکی ۔

ابھی وہ پوری طرح تیار بھی نہ ہوئی تھی کہ لڑکیاں جھپوٹری میں داخل ہوئیں۔ انھوں نے ریچل کو سلام کر کے کھانا اس کے سامنے رکھ دیا۔ ریچل نے ناشتہ سے فارغ ہو کر ایک لڑکی کے دریودستے کے افسرانہی کو کہلا بھیجا کہ وہ سفر کے لئے تیار کھٹی۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی نے واپس آ کر اطلاع دی کہ تمام سفر کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ریچل کراں سے باہر آئی تو اس کی گھوڑی تیار کھڑی تھی اور تازہ دم تھی۔ تاہم سناٹاں میں گھوڑوں کو دیکھ چکا تھا اور جاننا تھا کہ اس جانور کی خبر گیری کس طرح کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس نے رات میں گھوڑی کو خوب کھلا پلا لیا تھا اور زین وغیرہ بھی کس دی تھی۔ گھوڑی کے آگے اور پیچھے، گزشتہ کل کی ترتیب سے زون سپاہی خاموش اور مودب کھڑے تھے۔ ان لوگوں نے خاموشی اور عزت سے ریچل کا استقبال کیا۔

ریچل اپنی گھوڑی پر سوار ہوئی اور جلوں آگے چلا۔ راستے میں دوپہر کے وقت وہ لوگ دو گھنٹوں کے لئے رک گئے اور پھر دن بھر مسلسل چلتے اور ڈھلا نیں چڑھتے رہے۔ وہ کئی ایک کرا لوں میں سے گذرے اور کراں والے ریچل کو دیکھتے ہی "نوم کو بولوانا! نوم کو بولوانا" چلاتے نہایت ہی بدحواسی کے عالم میں۔
 آگے ریچل کو یہ سمجھتے دیر نہ لگی کہ کاہنہ کی قتل کی داستان اس سے پہلے ہی زولولینڈ کے ہر کراں میں پہنچ گئی تھی اور کراں والے اس کے سامنے آتے ڈرتے تھے کہ مبادا ان سے کبھی بے خیالی میں کوئی گستاخی سرزد ہو جائے اور ان کا بھی وہی

حشر ہو جو اس کا ہنہ کا ہوا تھا۔ چنانچہ ریچل کے اس عجیب سفر بلکہ یوں کہئے کہ ہم کی عجیب بات یہ تھی کہ اتنے بہت سے آدمیوں کے ہوتے ہوئے وہ تنہا تھی کوئی اس کے پاس نہ آتا تھا سوائے ان لوگوں کے جو اس کی خدمت پر بادشاہ کی طرف سے مامور تھے۔ وہ مقدس تھی، وہ عظیم تھی اور بے بلائے اس کے سامنے جانے کا نتیجہ موت کی صورت میں ظاہر ہو سکتا تھا۔

شام کے وقت وہ پھر ایک خالی کراں میں تھی۔ ریچل نے وہ رات پھر تنہا بسر کی۔ صبح جب وہ لوگ کراں سے روانہ ہوئے تو ریچل نے تامبوسا کو طلب کیا اور پوچھا کہ وہ لوگ ڈنگان کے بڑے کراں میں کب پہنچیں گے جس کا نام تھا ”اوم گوگو نڈھولو“ یعنی وہ مقام جہاں ہاتھی جنگھاڑتا ہے تامبوسا نے جواب دیا کہ سورج غروب ہونے کے وقت۔

چنانچہ دن بھر کے سفر کے بعد وہ لوگ ایک ٹیلے پر پہنچ گئے۔ سورج غروب ہونے لگا تھا اور اس کی سنہری کرنیں ٹیلے کے دوسری طرف میدان میں لٹیں لٹکاری ہی تھیں اور اس میدان میں ڈنگان کا بڑا کراں تھا۔ کراں کے چاروں طرف بلند دیوار تھی کراں میں بھڑوں کے چھتوں کی شکل کی ہزاروں جھونپڑیاں تھیں۔ اور ان جھونپڑیوں کے جھنڈ کے درمیان ایک وسیع و عریض میدان چھٹا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھے۔ اور اندھیرا تر ہی رہا تھا کہ کراں کے ایک دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ اس دروازے کے پریدار بھی انکو سازانہ کو دیکھ کر بھاگ گئے۔ وہ لوگ اس دروازے سے کراں میں داخل نہ ہوئے بلکہ چار دیواری کے متوازی چلتے ہوئے ایک دوسرے دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ یہ ”ان ٹو ٹو ٹو“ تھا۔ یعنی باب محلات۔ یہاں پہنچتے ہی ان سپاہیوں نے جو ریچل کے ساتھ آئے تھے، اسے سلاہم کیا۔ اور

پلٹ کر خاموشی سے چلے گئے۔ اور اب ریچل بادشاہ کے سفیر خاص تامبوسا کے ساتھ اکیلی تھی۔ تامبوسا کے ہاتھ میں اب بھی سفید بیل کی تکیل تھی۔ ریچل تامبوسا کے ساتھ اس دروازے میں داخل ہوئی۔ فوراً ہی وہ دوسرے دروازے کے سامنے تھی۔ یہ "امپوینی کا دروازہ" تھا۔ یعنی بادشاہ کی حرم سرا کا دروازہ۔ اور اس دروازے میں سے بہت سی عورتیں نکل آئیں جو پیٹ کے بل ریگ رہی تھیں اور ہر عورت کے بائیں ہاتھ میں ایک مشعل تھی جو خشک گھاس کی پتیوں کو بٹ کر بنائی گئی تھی۔ ان عورتوں نے سفید بیل پر لدا ہوا سامان اُتارا اور ان کے اشارے پر کیونکہ وہ زبان ہلانے کی جہات نہ کر سکتی تھیں۔ ریچل اپنی گھوڑی پر سے اتر آئی اور اب تامبوسا نے ریچل کو سلام کیا اور اس نے اب گھوڑی کی نگام بھی پکڑ لی اور دونوں کو گھوڑی اور بیل کو کھینچتا ہوا ایک طرف لے گیا۔

اور اب ریچل کوشدّت سے تنہائی کا احساس ہوا کیونکہ تامبوسا بہر حال مستقر سے یہاں تک اس کے ساتھ رہا تھا اور وہ اس زوال سے بہت حد تک انوس ہو چکی تھی لیکن اب تامبوسا بھی چلا گیا تھا اور ریچل کا گھر دور، بہت دور تھا۔ اس کے باوجود وہ بڑی بے خوفی سے سینہ تانے ان عورتوں کے پیچھے چل دی جو اس کے آگے آگے ریگت رہی تھیں۔ یہ عورتیں اسے ایک کافی بڑی جھونپڑی میں لے آئیں جس کے ایک کونے میں دریائی گھوڑے کی چرمی کا بے ڈھنگا سا دیا جل رہا تھا۔ اس جھونپڑی میں عورتوں نے ریچل کا سامان رکھ دیا اور اُلٹے قدموں باہر نکل گئیں۔ گھوڑی دیر بعد واپس آئیں تو ریچل کے لئے کھانا اور پانی لئے ہوئے تھیں۔

ریچل نے منہ ہاتھ دھو کر سفر کی گرو صاف کی، بالوں میں کنگھی کی اور

شکم سیر ہو کر کھانا کھایا کیونکہ وہ بھوک تھی اور پھر اسے اپنی قوت برقرار رکھنا تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ نرم کنبوں پر لیٹ گئی جو خاص اسی کے لئے بچائے گئے تھے۔ ایک گھنٹہ بعد اس کے پوٹے ننید سے بو تھیل ہو کر بند ہونے لگے تھے کہ دفعۃً جھونپڑی کے دروازے کا چوبی تختہ ہٹا کر ایک طویل اقامت عورت اندر آگئی اور ریچل کے سامنے سجدہ ریز ہو کر بولی:-

”سلام ہو تم پر انکو سارازام بادشاہ دریافت کر رہے ہیں کہ کیا تم اسی وقت پہلوگی ان کے پاس؟“

”ہاں“ ریچل نے جواب دیا ”کیونکہ اسی لئے تو میں اتنا طویل سفر کر کے یہاں آئی ہوں۔ مجھے بادشاہ کے پاس لے چلو۔“

چنانچہ عورت جھونپڑی سے باہر آگئی۔ ریچل اس کے پیچھے تھی اور اس نے دیکھا کہ شفاف آسمان میں چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ راہبر عورت رسول کے پیچ در پیچ بارٹھوں میں سے ریچل کو ایک کھلے میدان میں لے آئی۔ میدان کے انتہائی سرے پر اور ایک بڑی سی جھونپڑی کے سائے میں بہت سے لوگ اپنے آپ کو کنبوں میں لپیٹے بیٹھے تھے۔ ریچل نے سمجھ لیا کیا وہ ڈنگان کے سامنے تھی چنانچہ اس نے اپنا سفید چنہ ٹھیک سے اپنے جسم پر لپیٹا اور بڑی شان اور تمکنت سے آگے بڑھی یہاں تک کہ وہ میدان کے بیچ میں پہنچ کر رک گئی۔

اور اپنے سفید چنہ اور چاندنی میں وہ ایک انسان سے زیادہ روح معلوم ہوتی تھی۔ اور پھر تمام لوگ، جو دائیں طرف اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے ریچل کو سلام کیا۔ لیکن ریچل خاموش اور بے حرکت کھڑی رہی۔ پانچ سات منٹ گذر گئے۔ نہ وہ بھی خاموش تھی نہ ریچل بھی خاموش تھی، یہ خاموشی کا مقابلہ تھا اور ریچل جانتی تھی کہ جو پہلے زبان کھولے گا وہی کم رتبہ

ہو گا۔

آخر کار اس خاموشی کے جواب میں ریچل نے اپنا وہ ہاتھ بلند کیا جس میں وہ گینڈے کی سینک کی چھڑی پکڑے ہوئے تھی اور یوں ہاتھ بلند کر کے وہ پٹی تو اس کے سنہرے بال چاندنی میں چمک چمک گئے اور پھر اس خوف سے کہ کہیں وہ چلی نہ جائے یا غائب نہ ہو جائے، اس شخص نے، جو دوسرے لوگوں کے بیچ میں بیٹھا ہوا تھا، بے حد تنگی اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا:

”میں آمازو لو کا بادشاہ ڈنگان ہوں۔ کہو سفید فام! تم کون ہو؟“

”اے بادشاہ ڈنگان! تم ہی کہو کہ میں یہاں کس نام سے مشہور ہوں؟“

ریچل نے سوال کا جواب سوال سے دیا۔

”ایک عظیم نام سے اے سفید فام! اس نام سے جو خال خال ہی زبان

پر لایا جاتا ہے اور یہ نام ہے انکو سا زانہ زولا جو نوم کو بولوانا کا خطاب ہے

اور ہم لوگوں کی دیوی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا یہ نام کیوں ہے؟“

”یہ میرا نام ہے اور میرا نام لیس میرا اور صرف میرا نام ہے۔“

”یہ ہم جانتے ہیں سفید فام! تمہاری داستان ملک کے اس سرے سے اس

سرے تک پہنچا دی ہے۔ درختوں کے پتوں، دلدل کے نرسلوں اور میدان کی گھاس

کی پتیوں نے یہ داستان سرگوشیوں میں دہرائی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آسمانوں

نے تمہیں یہ خطاب دیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ تم آسمانوں کی بیٹی ہو۔ ہم

جانتے ہیں کہ نوم کو بولوانا کی روح تمہارے جسم میں حلول کر گئی ہے۔“

”یہ تم کہہ رہے ہو ڈنگان۔ میں نہیں کہہ رہی۔ تم کہہ رہے ہو۔“

”ہاں۔ میں کہہ رہا ہوں۔ اب تک میں نے تمہیں دیکھا نہ تھا لیکن آج دیکھ

رہا ہوں اور کہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے صحیح ہے۔ کیونکہ تمہارا حسن صرف

عورت کا حسن نہیں ہے، کیونکہ تم صرف عورت نہیں ہو بلکہ کچھ اور بھی ہو۔
 تمہارا حسن کسی اور کا حسن بھی ہے۔ میں اپنے الفاظ کی توثیق کرتا ہوں جو میرے
 پیغامبر نے تمہارے کانوں تک پہنچا دئے تھے۔ یہاں تم میری حکومت میں برابر
 کی شریک ہو۔ یہ ملک تمہارا ہے اور میری فوج تمہارے ماتحت ہے اور تمہارے
 ہر حکم کی تعمیل کے لئے ہر دم تیار ہے۔ زندگی اور موت پر تمہیں اختیار دیا گیا ہے
 حکم کرو اور فوج قتال کرنے فوراً روانہ ہو جائے گی، حکم دو اور فوج واپس
 آجائے گی۔ تم، صرف تم میرے ساتھ میری حکومت میں شریک ہو اور تمام
 سیاہ فام، کیونکہ سفید فاموں کے متعلق میں کچھ نہیں کہتا، تمہارے فرمانبردار ہیں۔
 ”میں نے سنا۔۔۔ اور اس کے پہلے ثبوت کے طور پر مجھے اپنی خادمہ
 واپس دے دو۔ وہی جس کا نام نوئی ہے، جو سیاہی کی بیٹی ہے اور جسے زولوہا ہی
 اٹھالائے تھے۔“

”سفید فام! وہ اس دنیا میں نہیں رہی۔ وہ مر چکی۔ اس کے گناہوں کی
 سزا اسے مل گئی۔“

ریچل کا دل ڈوب گیا۔ ہو سکتا ہے کہ ڈونگمان نے یہ جھوٹ کہا، لیکن یہ بھی
 ممکن تھا کہ نوئی کو واقعی قتل کر دیا گیا ہو یا نوئی کی موت کی خبر ریچل کو محض آزمانے
 کے لئے سنائی گئی ہو اس کے علاوہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ ایک بادشاہ وعدہ خلائی
 کرے۔ ڈونگمان نے وعدہ کیا تھا کہ اگر ریچل فوراً آگئی تو نوئی کو قتل نہ کیا جائے گا
 چنانچہ وہ وعدہ خلائی کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ خصوصاً اس صورت میں جب کہ وہ
 ریچل کو ارضی نہیں بلکہ سماوی یقین کر رہا تھا۔

چند لمحوں تک ریچل یہی سوچتی اور اس مسئلے پر غور کرتی رہی اور آخر کار اس نے
 جرأت سے کام لے کر جیسی کہ اس کی فطرت تھی۔ اندھیرے میں تیر چلانے کا فیصلہ

کر لیا چنانچہ اس نے بحث یا سرزنش کرنے کے بجائے براہ راست کہا:-

”وہ مری نہیں ہے۔ میں نے زولو لینڈ نے ایک ایک بھالے سے پوچھا ہے اور کسی بھالے نے میری کیفز کا خون نہیں پیا۔“

”یہ تم نے صحیح کہا“ ڈنگان بولا ”کسی ایک بھالے کا کھیل بھی سرخ نہیں ہے کیونکہ نوئی کو دریا میں غرق کر دیا گیا ہے۔“

اب ریچل کو یقین ہو گیا اور اس نے بڑی صاف آواز میں کہا:-

”میں نے دریا کے پانیوں سے پوچھا ہے اور مگر ٹھپوں سے پوچھا ہے اور انھوں نے جواب دیا کہ نوئی ان کے درمیان سے بنجر و خوبی گذر گئی تھی۔“

”یہ بھی تم نے صحیح کہا سفید فام۔ اسے سامنے والی جھونپڑی میں کھانسی دے دی گئی تھی۔“

اور اب ریچل نے اس جھونپڑی کی طرف دیکھا اور چیخ کر کہا:-

”نوئی! میں تمہاری آواز سن رہی ہوں، میں تمہیں سو نگھ رہی ہوں۔“

نکل آؤ نوئی، نکل آؤ۔“

ڈنگان اور اس کے مشیر حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور آپس میں کانا پھوسیاں کرنے لگے اور ابھی ان کی سرگوشیاں جاری رہی تھیں کہ جھونپڑیوں کے سایوں میں سے نوئی نکل آئی۔

ڈنگان اور ان کے مشیروں کی طرف ذرا بھی متوجہ ہوئے بغیر وہ آگے بڑھی اور ریچل کے قریب پہنچ کر اس نے ریچل کی ٹانگوں کے گرد اپنے ہاتھ لپیٹ دئے اور اپنا سر اس کے قدموں پر جھکا دیا۔ اسے دیکھتے ہی ریچل کا دل خوشی سے نلچ اٹھا اور اس کا دل چاہا کہ وہ نوئی کو اٹھا کر اور اپنے سینے سے لگا کر اس کا ماتھا چوم لے۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو روکا مبادا بادشاہ اور اس

کے مشیروں کی نظروں میں ریچل کی عظمت کم ہو جائے۔ چنانچہ اس نے کہا: ”میں تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں نوئی۔ میرے سائے میں بیٹھ جاؤ کہ یہاں تم محفوظ ہو اور بتاؤ کہ ان لوگوں کا سلوک تمہارے ساتھ کیسا رہا؟“

”جبرا نہیں رہا انکو سازانہ۔ لیکن ایک شخص نے — اس نے“ اور نوئی نے بادشاہ کے قریب بیٹھتے ہوئے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا ”راستے میں مجھے پیٹا تھا اور میرا کھانا جھپٹ لیا تھا۔“

ریچل نے غصے سے اس مشیر کی طرف دیکھا، وہ اپنی سفید چھتری کو ہاتھ میں گھما رہی تھی اور اُدھر وہ مشیر خوف و ہراس سے لرز رہا تھا کہ کہیں یہ چھتری اس کی طرف اٹھ نہ جائے۔ وہ اٹھا، ریچل کے قریب آیا اور سجدے میں گر گیا۔

”کیا کہنا ہے تمہیں؟“ ریچل نے پوچھا ”تم نے میری کمیز پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کی تھی؟“

”انکو سازانہ زولا“ مشیر نے کہا ”لڑکی بغاوت پر آمادہ تھی۔ اس نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی اور ہمیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ہم اسے بہر حال بادشاہ تک پہنچا دیں۔ دیو سی! میری خطا معاف ہو۔ میری جان بخش دو انکو سازانہ۔“

”بادشاہ! ریچل نے پوچھا ”اس شخص پر مجھے کل اختیارات حاصل ہیں؟“

”ہاں۔ حاصل ہیں۔“ ڈنگان نے جواب دیا ”حکم دو تو اس کی گردن مار دی جائے۔“

ریچل چند لمحوں تک سوچتی رہی۔ اس مشیر بچارے کی حالت مارے خوف کے غیور رہی تھی اور وہ فیصلے کا منظر تھا۔ اس کے دانت خوف سے بک رہے تھے

اور وہ خود کانپ رہا تھا چپے کی طرح اور پھر ریچل ایک فیصلہ کر کے نوئی کی طرف گھوم گئی۔

”اس نے تمہیں پٹیا لکھا تھا مجھے نہیں“ وہ بولی ”چنانچہ میں اسے تمہارے حوالے کرتی ہوں اور فیصلہ بھی تم پر چھوڑتی ہوں۔ کہو! آج رات اسے کہاں سونائے؟ زندوں کے ساتھ یا مردوں کے ساتھ؟“

نوئی نے اس شخص کی طرف اور پھر اپنے بازو کی طرف، جہاں مارکا نشان تھا، دیکھا۔ مشیر اب نوئی کے سامنے گر گڑا رہا تھا۔

”تمہیں تمہاری زندگی بخشی گئی ہے۔“ اس نے رو کر کہا ”میری زندگی بھی مجھے بخش دو مبادا بد قسمتی تمہارا حصہ بن جائے۔“

”یاد ہے تمہیں کہ وہاں، تو گیلہ کے کنارے پر، مجھے مارتے وقت کیا کہا تھا تم نے؟“ نوئی نے کہا ”تم نے کہا تھا کہ کاش اپنا بھالاسینے میں بیوت کرنے کا موقع تمہیں مل جائے۔ اور تمہیں یاد ہے کہ میں نے کہا تھا کہ بھالے کا پھل پہلے تمہارے دل کی تلاشی لے گا؟ اس پر تم نے جادو گر کی بیٹی کہہ کر مجھے ایک بار پھر پٹیا لکھا۔ ہاں مجھے، سیاہی کی بیٹی کو، جس پر انکو سازانہ کا سایہ ہے اور جسے انکو سازانہ کے علم کا کچھ حصہ ملا ہے۔ تم نے مجھے پٹیا لکھا، اے کتے تم نے۔“

اور نوئی نے زور دار لہجے میں اس کے چہرے پر رسید کر دی۔

بادشاہ اور اس کے مشیروں نے سوچا کہ اب فیصلہ ہو گیا۔ چنانچہ ان کی نگاہیں ریچل کی طرف اٹھ گئیں کہ اب وہ اپنی تھوڑی مجرم کی طرف اٹھا دے گی اور یہ اس مشیر کی موت کا فرمان ہو گا لیکن ریچل منتظر ہی کیونکہ جانتی تھی کہ نوئی ابھی کچھ اور کہنا چاہتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ اس شخص

کو بچانے کا فیصلہ کر چکی تھی خواہ نوئی کچھ ہی کیوں نہ کہے۔ چند غانیوں کے
تو وقت کے بعد نوئی نے پھر کہنا شروع کیا:-

”اگر تم انسان ہوتے تو رحم کی درخواست کر کے لوگوں کی اور خود اپنی
نظر میں ذلیل نہ ہوتے۔ لیکن تم کہتے ہو۔ غلیظ اور ذلیل کہتے اور اسے
کہتے میں جانتی ہوں کہ تمہاری اولاد بھی ہے اور تمہاری ایک بیٹی، میری ہم عمر
ہے چنانچہ اس کی خاطر میں تمہاری زندگی واپس دیتی ہوں جاؤ اور یہ نیا
خطاب لیتے جاؤ۔۔۔۔۔ ذلیل اور بزدل سپاہی جو لڑکیوں پر ہاتھ اٹھاتا ہے
چنانچہ وہ شخص اٹھا، شرمندگی اور امید و بیم نے اسے کمزور کر دیا
تھا۔ وہ سیدھا چل نہ سکتا تھا۔ بہر حال وہ لڑکھڑاتے قدموں سے
چلتا ہوا اس میدان سے نکل گیا کہ کہیں انکو سازانہ یا اس کی کینز سنا
ارادہ بدل کر اس کے قتل پر آمادہ نہ ہو جائے۔ لیکن نوئی کا دیا ہوا
خطاب اس قدر مشہور ہوا اور اس کے وجود سے اس بڑی طرح چپک
گیا کہ وہ برداشت نہ کر سکا اور آخر کار اپنے کنبے کو لے کر زولوفینڈ سے
فرار ہو گیا۔

تو اس طرح یہ معاملہ ختم ہوا اور اب ڈیگمان نے پھر یوں کہنا
شروع کیا:-

”اے سفید فام! تمہارا سچا عظیم ہے اور تمہاری نظر بہت تیز ہے کہ وہ
اندھیرے کو چیر گئی اور تم نے اپنی کینز کو دیکھ لیا اور اسے اپنے پاس بلا لیا۔
تاہم جان لو کہ یہ میری ہے تمہاری نہیں کیونکہ جب یہ یہاں سے فراتہ ہوئی
ہے تو میں اسے اپنی بیوی بنانے کے لئے انتخاب کر چکا تھا اور بعد میں میں نے
ساحر سپاہی اور اس کے پورے خاندان کو قتل کروا دیا۔“

” لیکن اس لڑکی کو تم قتل نہ کر سکتے میں نے اسے بچا لیا۔“

” ہاں۔ یہ سچ ہے سفید فام۔ میں نے سنا تھا کہ کس طرح تم نے بجلی کو حکم دیا اور اس نے کس طرح اس سپاہی کو، جو اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا، جلا کر خاک سیاہ کر دیا کہ اس کا کہیں پتہ نہ چلا آج تک۔“

” ہاں“ ریچل نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ ” اگر میں چاہوں تو میں تمہیں بھی اسی طرح جلا سکتی ہوں۔“

ریچل کے ان الفاظ نے ڈنگان کو سہما دیا۔

” اس کے باوجود“ چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ بولا اور اپنا ہاتھ یوں ہٹا یا جیسے وہ اپنے خوف کو پیچھے ڈھکیل رہا ہو۔ یہ لڑکی میری ہے تمہاری نہیں میں نے اسے جبراً پکڑ بلوایا۔“

” تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ لڑکی میرے ساتھ اور میرے کراں میں رہتی ہے؟“

ریچل نے پوچھا۔

ڈنگان خاموش رہا۔ وہ جواب دیتے ہیچکچا رہا تھا۔

” اس سفید فام نے بتایا تھا نا جس کا نام اشیمیل ہے اور جسے تم ابو بوسی کہتے ہو؟“ ریچل نے پوچھا۔

ڈنگان نے اپنا سر جھکا لیا۔

” اور اس نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ تم مجھ سے میری کینز کی جان بخشی کرنے کا جھوٹا وعدہ کر سکتے ہو اور اس وعدے کے سہارے مجھے بلا سکتے ہو لیکن جب میں یہاں آ جاؤں تو میری کینز کے ساتھ جیسا چاہو سلوک کر سکتے ہو۔ اسے قتل کر سکتے ہو یا اسے اپنی بیوی بنا سکتے ہو۔“

” میں تم سے کچھ نہ چھپاؤں گا۔ تم نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے۔“ ڈنگان نے

جواب دیا۔

”اب بھی یہی ارادے ہیں تمہارے ڈنگان؟“ ریچل نے کہا اور اپنی سفید پھڑکی ہاتھ میں گھمانے لگی۔

”نہیں۔ نہیں۔“ ڈنگان نے جلدی سے جواب دیا۔ اگر تم نہ آئیں تو بے شک اس لڑکی کو قتل کر دیا جاتا جیسا کہ ہمارے یہاں کا قانون ہے۔

لیکن تم آگئیں اور اس پر اپنا حق جتا دیا اور اسے طلب کر لیا اور اب یہ لڑکی تمہارے سائے میں بیٹھی ہے اور تمہارے چنے کا دامن اس کے سر پر ہے۔ اسے عظیم سفید فام

اسے وہ جو نوم کو بولوانا کی روح کی امین ہے یہ لڑکی تمہاری ہے۔ ہم اسے کچھ نہ کہیں گے کیونکہ آج سے وہ بھی تمہاری طرح مقدس ہے۔“

ریچل کا دل خوشی سے ناچ اٹھا لیکن اس خوشی کا اظہار اس کے بشرے سے نہ ہوا۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ ہلایا جیسے اب یہ معاملہ ختم ہوا اور اب اسے دفعۃً پوچھا۔

”کون سا اہم معاملہ ہے وہ جس کے متعلق تم میرا مشورہ چاہتے ہو؟“

”یہ تمہارے علم نے تمہیں بتا دیا ہوگا“ ڈنگان نے کہا۔

”شاید۔ تاہم میں تمہاری زبانی سننا چاہتی ہوں۔“

چنانچہ چند ثانیوں تک ڈنگان اپنے مشیروں سے کچھ پوچھتا رہا۔

”سفید فام!“ آخر کار اس نے کہا۔ معاملہ بہت اہم ہے اور میں تمہارے

مشورے اور راہبری کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ رچ ڈاکٹروں کی مجلس نے طے

کیا ہے ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جائے کیونکہ تم ہم لوگوں کی دیوی ہو اور ماضی

حال اور مستقبل سے واقف ہو۔ تم جانتی ہو گی کہ زولوؤں اور ناٹال کے سفید فام

میں ایک زبردست جنگ ہوئی تھی اور اس جنگ میں بہت سے آدمی مارے

گئے تھے لیکن اب جبکہ ہم انگلیزوں سے صلح کر چکے ہیں تو ہم دوسرے سفید فاموں کے متعلق سن رہے ہیں۔ یہ سفید فام آما بونا (بویئر) کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ کیپ کی طرف سے بڑھے چلے آ رہے ہیں اور موسیٰ لی کا زے سے جنگ کر چکے ہیں اور تم جانتی ہو کہ موسیٰ لی کا زے وہ غدار شخص ہے جو کبھی ہماری فوجوں کا افسر تھا۔ خیر تو آما بونا نے موسیٰ لی کا زے سے جنگ کی اور اس کی فوج کے ہزاروں سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ آما بونا ہمیں دھمکا رہے ہیں اور سفید فاموں کے ان ہتھیاروں سے مسلح ہیں جو دھماکے کے ساتھ آگ اٹھاتے ہیں۔ اب بتاؤ سفید فام کہ ہم کیا کریں؟ کیا میں اپنی فوج بھیج دوں کہ وہ آما بونا پر بے خبری میں ٹوٹ پڑے اور ان کا خاتمہ کر دے جیسا کہ میرے مشیر چاہتے ہیں؟ یا پھر میں بیٹھتا ہوں اور ان لوگوں سے صلح صفائی کرنے کی کوشش کرتا رہوں اور اسی وقت حملہ کروں جب وہ خود پہل کریں؟ اے زولا! ذرا سوچ کر جواب دو کیونکہ تمہارے جواب پر ہی ہمارے وجود اور عدم وجود کا انحصار ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ وہ جس کا نام اب مقدس بن چکا ہے اور جو مجھ سے پہلے بادشاہ تھا اور جو شیر کہلاتا تھا، مرنے وقت ایک پیشین گوئی کر گیا ہے جو سفید فام لوگوں اور اس سر زمین کے متعلق ہے۔

”میں سننا چاہتی ہوں وہ پیشین گوئی؟“

”آگے آؤ“ ڈنگان نے جھونپڑی کے سائے میں بیٹھے ہوئے مشیروں میں سے

۱۔ ملاحظہ ہو ہمارا ناول ”شہر خموشاں“ مطبوعہ نسیم باک ڈپو لکھنؤ۔

۲۔ مراد افریقہ کے کالے جنگیز شاہ کا ہے۔ اس کی لرزہ خیز داستان کے لئے

(منظر الحق علوی)

ملاحظہ ہو ناول ”خونریز“۔

ایک کی طرف اشارہ کیا ”آگے آؤ کہ تم سب جانتے ہو آگے آؤ اور سفید خام کے کان میں اس پیشین گوئی کے الفاظ دہراؤ۔“

ایک انسانی سایہ اٹھ کر آگے آیا۔ اس کا چہرہ کمر کے کونے میں چھپا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور آگے بڑھتے ہوئے اس نے اور بھی ٹھیک سے کمر کے کونے کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ اسے کچھ شک سا ہوا کہ اس کا ایک ہاتھ سفید اور خشک تھا جیسے اسے آگ میں جلا دیا گیا ہو۔ اس نے ایسے ہاتھ دالے کو پہلے بھی دیکھا تھا۔ ”کہو“ ریچل نے حکم دیا۔

”مجھے میرے عام سے مخاطب کرد اور بتاؤ کہ میں کون ہوں اور پھر میں تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا“ اس پُر اسرار شخص نے جواب دیا۔ اور اب ریچل کا شک یقین میں تبدیل ہو چکا تھا کیونکہ اس آواز کو بھی وہ بھولی نہ تھی۔ بے شک یہ پُر اسرار شخص وہی تھا چنانچہ ریچل نے بے پروائی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:-

”اے بادشاہ کے قاتل! کس نام سے مخاطب کروں تمہیں؟ میں تمہیں مولا کہوں یا امولہ کیونکہ دونوں ہی تمہارے نام ہیں۔“

ٹوٹکان چونکا اور پُر اسرار شخص نے حیرت کی کپکپی محسوس کی۔

”میرا مذاق اڑا رہے ہو یا مجھے آزمانا چاہتے ہو؟“ ریچل نے کہا ”یہ کمر کے کونے میں چھپا ہوا ہے حالانکہ رماہ میں، میں تمہیں دیکھ چکی ہوں؟ ہاں۔ اس وقت جب تم بادشاہ کے سفیر تھے، اس کا پیغام لائے تھے اور مجھے دیکھنے اور اپنا

اطمینان کرنے آئے تھے۔

اور اب اس شخص نے اپنے چہرے اور سر پر سے کھیل ہٹا دیا۔

”بے شک میں اپنے آپ کو تمہاری نظروں سے نہیں چھپا سکتا“ وہ بولا۔

”اس وقت میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے زولوڈوں کی عظیم روح کو خواب میں دیکھا ہے اور یہ کہ اس عظیم روح سے مشابہ ہو۔ تو کیا اب تم بتا سکتی ہو کہ میں نے کیا

خواب دیکھا تھا؟“

ریچل کو یقین ہو گیا کہ رامہ میں ابو پونے جو کچھ کہا تھا اس کے باوجود وہ ریچل کی
توٹوں پر شک کر رہا ہے۔ اور اس وقت اسے وہ پوری داستان یاد آگئی جو اس نے
نونی سے سنی تھی۔ شاکا کے قتل کی داستان۔

”بتا سکتی ہوں موپو“ وہ بولی ”تم نے ایک نہیں بلکہ تین خواب دیکھے تھے
کون سے خواب کے متعلق تم پوچھ رہے ہو؟ آخری خواب کے متعلق؟ اس خواب
کے متعلق جو تم نے ڈیگورال میں دیکھا تھا جب انکو سازانہ زولا ٹوفان پر سوار
ہو کر اور سفید لباس پہنے اس طرف سے گزری تھی؟“

”ہاں۔ میں اسی خواب کے متعلق پوچھ رہا ہوں“ موپو نے غمناک آواز میں کہا
”لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔ اگر تم عورت ہو، جیسا کہ تم نے کہا ہے، تو پھر تمہیں میرا یہ خواب
کیسے معلوم ہوا؟“

”ہو سکتا ہے موپو کے میں دونوں ہوں۔ عورت بھی اور روح بھی اور ہو سکتا ہے کہ جانا
مجھ سے تمہارے خواب کے متعلق کہا ہو“ ریچل نے جواب دیا ”لیکن ماضی کی
آوازیں بہت سی اور اب چونکہ میں مجسم ہوں اس لئے بہت سی آوازیں نہیں
سن سکتی۔ ٹھہرو۔ مجھے تمہارے دل میں جھانکنے دو۔ دیکھنے دو مجھے۔“

اور اس نے آگے کی طرف جھک کر اپنی نگاہیں موپو کے چہرے پر گھاڑ دیں۔

”ہاں۔ اب میں دیکھ رہی ہوں۔ اب میں سن رہی ہوں“ ریچل نے کہا۔
 ”ایک بہن تھی تمہاری جس کا نام بالکا تھا اور جو شا کا کی بیوی بنی تھی اور
 جس کی موت تاتیا ناگھانی میں واقع ہوئی تھی۔ کہو تو یہ بھی بتا دوں کہ بالکا
 کی موت کس طرح واقع ہوئی تھی۔“
 ”نہیں۔ نہیں۔“ موپو نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

”بہت اچھا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن جب بالکا مر رہی تھی
 تو تم نے اس سے ایک وعدہ کیا تھا اور یہ وعدہ تم نے اور ایک شہزادے
 نے، جس کا نام ادم کرنگانہ تھا، ڈیگولا کراں میں پورا کیا اور یہ وعدہ پورا کرنے
 میں تمہارا شریک ایک دوسرا شہزادہ بھی تھا جس کا نام میں بھول رہی ہوں۔“
 اور اس نے ڈنگان کی طرف دیکھا جس نے اپنے ہاتھوں سے چہرہ ڈھک لیا۔
 اپنا یہ وعدہ تم نے بھالے کی لوک سے پورا کیا۔ ہاں۔ دیکھنے دو مجھے تمہارے دل
 میں۔ دیکھنے دو۔۔۔ ہاں۔۔۔ چھوٹے بھالے سے جس کا دستہ شاہانہ تھا
 اور سرخ تھا اور یہ بھالا تھا جو بہت سا خون پی چکا تھا۔“

ڈنگان کراہ اٹھا۔ وہ لوگ بھی کراہ اٹھے جو ڈنگان کے دائیں بائیں
 بیٹھے ہوئے تھے اور موپو یوں کانپنے لگا جیسے اسے جاڑا چڑھ آیا ہو۔
 ”رحم کرو۔ رحم کرو۔ اور معاف کر دو مجھے“ موپو نے کہا کہ جب میں نے راہ

۱۵ بالکا اور موپو کی حیرت انگیز داستان کے لئے ملاحظہ فرمادیں ”خونریز“
 ۱۶ شا کا کو موپو، ادم لہانگاہ اور ڈنگان نے سازش کر کے قتل کیا تھا۔ تفصیلاً
 ”خونریز“ میں ملاحظہ فرمائیے۔

میں تمہیں دیکھا تھا تو تمہیں صرف ایک سفید فام عورت سمجھا تھا۔ ہاں۔ ایک غیر معمولی طور پر دلیر اور بہادر عورت جیسا کہ خود تم نے کہا تھا۔ لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تمہارے جسم میں عظیم روح موجود ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تم اتنی بہت سی باتیں کیسے جان لیتیں؟۔“

نوئی موپو کی زبان سے یہ الفاظ سن کر مسکرائی لیکن ریچل خاموش کھڑی رہی۔
 ”مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں شاکا کے آخری الفاظ تمہارے سامنے دہرا دوں۔“
 موپو نے جلدی سے کہا۔ ”لیکن تم سب کچھ جانتی ہو چنانچہ تمہارے سامنے کسی کے بھی الفاظ دہرانے سے کیا فائدہ؟ بہر حال اس نے کہا تھا کہ وہ سفید فاموں کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سن رہا ہے اور یہ کہ یہ سفید فام زولوؤں کو کچل کر رکھ دیں گے۔“

”نہیں،“ ریچل نے کہا ”بلکہ شاکا کے آخری الفاظ یہ تھے —————
 موپو! تم! تم! ————— تم کیوں قتل کر رہے مجھے؟۔“
 ایک بار پھر ڈنگان کراہ اٹھا کیونکہ خود اس نے بھی یہ الفاظ اپنے کانوں سے سنے تھے۔ موپو گھوم کر ڈنگان کی طرف اور موخرالذکر موپو کی طرف دیکھنے لگا۔
 ”یہاں آؤ“ ریچل نے موپو کے قریب آلے کا اشارہ کیا۔

موپو نے اس حکم کی تعمیل کی۔ ریچل نے اپنے چہرے کا کونا اس کے سر پر ڈال دیا اور اس کے کان میں کچھ کہنے لگی۔ موپو سنتا رہا۔ دفعۃً وہ چیخا اور دیوانوں کی طرح بھاگتا ہوا بادشاہ کے دربار سے نکل گیا۔ موپو کے جا چکنے کے بعد گہری خاموشی طاری رہی البتہ ڈنگان سوالیہ نظروں سے ریچل کی طرف دیکھتا رہا۔

”نہیں“ ریچل نے کہا ”میں نے اس کے کان میں کیا کہا اس کے متعلق مجھ سے اور اس سے کبھی کچھ نہ پوچھو۔ موپو کے ماضی کے چند راز ہیں۔ ایک دفعہ

وہ ایک جھونپڑی میں بیٹھا ہوا تھا اور دو سترادوں سے ایک معاملہ طے کر رہا تھا۔ دو سترادوں سے جن میں سے ایک مرچکا ہے اور ایک زندہ ہے۔ یہاں آؤ۔ اے سازنگ کونا کے بیٹے یہاں آؤ۔ موت کی سرزمین سے نکل کر میرے پاس آؤ اور بتاؤ کہ تم نے اور دوسرے سترادے نے موپو کے ساتھ سودا کیا۔“

اور ایک بار پھر رچل نے اشارہ کیا لیکن اس دفعہ ہوا میں۔

اور اب ڈنگان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس کی نگاہوں کے سامنے اس جھونپڑی کا منظر گھوم گیا جس میں وہ موپو اور اپنے بھائی اوم لاہانگانہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اپنے بھائی کے ساتھ میں نے اسے قتل کر دیا۔ اور وہ تینوں شا کا کے قتل کی سازش کر رہے تھے۔

”تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔ بے شک تم عظیم روح ہو، تم لوہ کو بولوانا ہو۔ ہمیں معاف کر دو۔ ہماری گستاخیوں کو نظر انداز کر دو کیونکہ تم وہ ہو کہ ہمارے گناہوں کو دقت کی قبر سے بلا سکتی ہو۔“

”نہیں۔ نہیں۔ میں تو صرف ایک عورت ہوں۔“ رچل نے کہا ”ایک معمولی شخص کی بیٹی جو دریا کے اس پار رہتا ہے۔ ہاں۔ ایک معمولی سفید فام عورت ہوں کہ تمہاری طرح ہی کھانا کھاتی اور راتوں کو سوتی ہوں۔ دیکھو! اے بادشاہ۔ دیکھو۔ اور اے بادشاہ کے مسیرو! تم بھی دیکھو کہ میں روح نہیں بلکہ عورت ہوں۔ اور یہ ایک اتفاق ہے کہ میرا نام عظیم نام ہے اور مجھے بہت سی باتوں کا علم ہے۔“ البتہ ”اس نے بڑے معنی خیز انداز میں اضافہ کیا“ اگر مجھے گزند پہنچانے کی کوشش کی گئی، اگر میں مر گئی تو پھر شاید روح بن جاؤں گی۔ ایک غصناک روح اور پھر برا ہوگا، ان لوگوں کا جن کی گردن پر میرا خون ہوگا۔“

”ایسا ستارہ بادشاہ کی موت پر ٹوٹتا ہے۔ جب شتا کا مرنے والا تھا تو اس سے بھی چند راتوں پہلے ایک تارہ ٹوٹا تھا“ چوتھے مشیر نے بیحد نیچی آواز میں گویا اپنے آپ کے کہا ڈنگان نے اپنے مشیروں کی رائے زنی کی طرف متوجہ ہوئے بغیر ریچل سے کہا۔

”عظیم روح! تم بتاؤ اس ستارے کا شکون۔“
 ”نہیں!“ ریچل نے جواب دیا۔ ”میں نہ بتاؤں گی۔ تم جیسا چاہو شکون لے لو۔ سنو ڈنگان یہ ہے تمہارے سوال کا جواب۔“ وہ اوجھالے اٹھائیں گے بھالوں سے مارے جائیں گے۔

یہ عجیب مہم جواب تھا جس کا مطلب مختلف لوگوں نے مختلف سمجھا۔ فوجی افسروں نے سمجھا کہ ریچل چاہتی ہے کہ بوئروں اور زولوؤں میں صلح ہو جائے لیکن ان لوگوں کو جنگ پسند تھی چنانچہ وہ لوگ منہ ہی منہ مایوسی سے کچھ بڑبڑانے لگے۔ دوسرے لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بوئیر بھالوں سے مارے جائیں گے ڈنگان بھی کچھ پریشان نظر آتا تھا۔ ریچل نے ان کے چہروں کی طرف دیکھا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ ان لوگوں کو جنگ سے نہ روک سکے گی۔ بوئروں اور زولوؤں میں جنگ ہو کر رہے گی۔ چنانچہ اس نے پھر کہا۔

”ستارہ اس طرف گیا ہے جس طرف اسے پھینکا گیا ہے اور اسے انسانوں کے آقاؤم کو کلو نے پھینکا ہے اور بھالا وہ دل تلاش کر لیتا ہے جس کی طرف وہ اٹھا ہوا ہوتا ہے۔ بس شکون تم معلوم کر رہے ہو۔ لیکن تم سمجھ نہ سکو گے جو کچھ ہونا ہے ہو کر رہے گا۔“

اس نے اپنا سر جھکالیا جیسے زمین سے نکلتی ہوئی آواز سن رہی ہو۔
 ”کیا کہا تھا شا کا نے مرنے سے پہلے؟ کیا تھی اسکی پیشین گوئی؟“ وہ بولی۔

”اس پیشینگوئی سے موپو واقف ہے۔ اور ڈنگان واقف ہے۔ میں بھی بہت سے لوگوں کے قدموں کی چاپیں رہی ہوں۔ یہ لوگ بڑھے چلے آ رہے ہیں اور جس طرف سے گذرتے ہیں اس طرف کے میدان اور دریا خون سے سرخ ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ کون سے قدموں کی دھمک ہے؟ سفید قدموں کی یا سیاہ قدموں کی؟ بس۔ تم جو چاہو سمجھو۔ میں پہلی اور آخری دفعہ اپنے لب واکر چکی۔ چنانچہ اب تم لوگ سیاہ خاموں اور سفید خاموں کے متعلق کچھ کہہ کر مجھے پریشان نہ کرو۔“

اور ریچل پلٹ کر چل دی۔ نوئی اس سے پیچھے تھی۔

گیارھواں باب

اشمیل یوی کے حضور میں

آخر کار وہ اپنی جھونپڑی میں پہنچ گئی اور اس کے دروازے پر چوٹی تھکے رکھ کر اسے بند کر دیا گیا تو ریچل نے نوٹی کو پٹا کر اس کا ماتھا چوم لیا لیکن نوٹی نے اس بو سے کا جواب نہ دیا البتہ ریچل کا ہاتھ اٹھا کر اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور سر چڑھایا۔

”یہ کیا بات ہوئی نوٹی! تم نے میرے بو سے کا جواب کیوں نہ دیا؟“۔ ریچل نے حیرت سے پوچھا۔

”میں ایسی جرأت نہیں کر سکتی انکو سازانہ“ نوٹی نے بڑی انکساری سے جواب دیا۔ ”میں تو تمہارے قدموں میں بیٹھنے والی ایک کتیا ہوں اور تم نے دو دفعہ میری جان بچائی ہے۔“

”انکو سازانہ!“ ریچل نے بیزاری سے کہا۔ ”خدا کی قسم میں تھک گئی ہوں اس نام سے۔ میں تمہاری طرح ہی ایک لڑکی ہوں اور اس کردار سے مجھے نفرت ہے جو میں ادا کر رہی ہوں۔“

”لیکن بڑا ہی عظیم کردار ہے یہ اور تم اسے بڑی خوبی سے ادا کر رہی ہو زولا! آج رات میں نے تمہاری باتیں سنیں اور کئی دفعہ سوچا، حیرت سے سوچا کہ تم وہ نہیں ہو جو ظاہر کر رہی ہو۔ تمہارا یہ حسین جسم دوسری عورتوں کی طرح ہی ہے لیکن زولا! یہ ایک جام ہے جسے زیر کی اور علم سے لبالب بھرا گیا

ہے اور کس نے بھڑ ہے یہ جام ؟ بادشاہ اور اس کے درباری کیوں ڈرتے ہیں تم سے ؟ اور تم کیوں نہیں ڈرتیں کسی سے ؟ میرا باپ، مروجہ سیانہ خواب میں آکر مجھے تمہارے متعلق ہی کیوں بتاتا ہے ؟ وہ کون سا عجیب اتفاق تھا جس نے تمہیں یہ نام دے کر زولوؤں کے نزدیک تمہیں مقدس بنا دیا ؟ وہ کون سی قوت ہے جو تمہیں حقیقت اور سچائی سکھا دیتی ہے، تمہیں زیر کی بجستی ہے اور ہمت عطا کرتی ہے کہ تم بے دھڑک سچائی اور حقیقت کا اظہار کر دیتی ہو ؟ کیا وجہ ہے کہ تم دوسری لڑکیوں سے، خواہ وہ سفید ہوں یا سیاہ، قطعاً مختلف ہو؟ ” یہ میں نہیں جانتی اونی۔ کوئی قوت میرے کان میں کہہ دیتی ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے اور کیا کہنا ہے۔ اس کے علاوہ میں ان زولوؤں سے واقف ہوں اور خود تم نے مجھے بہت سی باتیں بتائی ہیں۔ ایک سال پہلے خود تم نے مجھے مولو کی کہانی سنائی تھی جو ایک راز ہے اور دوسری بہت سی باتیں بتائی تھیں ان زولوؤں کے متعلق اور یہ باتیں تم نے اپنے باپ سے سنی تھیں۔ یہ باتیں مجھے عین وقت پر یاد آ گئیں، میں نے نمک مرچ لگا کر انھیں بیان کر دیا اور ” خاتون ! مولو کے سرور اپنے چنے کا داس ڈال کر تم نے کیا کہا تھا اس سے ۹۔۔“

ریچل مسکرائی۔

” میں نے اس سے کہا تھا کہ ایک بادشاہ کو قتل کر کے اس کا جی نہیں بھرا کہ اب وہ دوسرے بادشاہ کو قتل کرنے کے منصوبے گڑھ رہا ہے۔ یہ میں نے اندھیرے میں چلا دیا تھا جو اتفاقاً نشانے پر بیٹھ گیا۔“

” آہا !“ اونی نے حیرت سے اچھل کر کہا۔ ”وہ کم سے کم یہ تو میں نے نہیں بتایا تمہیں۔“

”نہیں۔ البتہ اس کا یہ ارادہ اس کی آنکھوں میں چمکتا نظر آ گیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے موپو کا دل اور ڈنگان کا دل بھی میرے سامنے کھل گیا تھا۔ ڈنگان موپو سے ڈرتا ہے اور موپو ڈنگان سے نفرت کرتا ہے اور ایک دن یہ خوف اور نفرت آپس میں ٹکرا جائے گی۔“

”انکو سازانہ!“ نوئی نے کہا ”تم بہت سی باتیں جانتی ہو۔“

”ہاں“ ریکل نے دفعۃً ایک جوش کے عالم میں کہا ”بہت سی باتیں جانتی ہوں اپنی توقع سے زیادہ جانتی ہوں۔ نوئی! یہ تم نے سچ کہا ہے کہ میں دوسری عورتوں سے مختلف ہوں۔ میرے خون میں کوئی خاص قوت ہے میں وہ دیکھ اور سن سکتی ہوں جسے دوسرے دیکھ اور سن نہیں سکتے۔ بعض اوقات مختلف خوف میرے دل میں اتر آتے ہیں اور بعض دفعہ مسرتیں بلکہ یوں کہ انبساط مجھے بہت اوپر اٹھا لیتا ہے اور میرے خیال میں میں کسی دنیا کے قریب، بہت قریب پہنچ جاتی ہوں نہیں۔۔۔ یہ غلط ہے۔۔۔ نوئی! میں اعصابی ہیجان میں مبتلا ہوں۔ مجھے اس مقام پر بٹھا دیا گیا ہے جو میرے لئے نہیں ہے۔ مجھے وحشیوں کی دیوی بنا دیا گیا ہے اور میرے لبوں کی ایک جنبش کسی پر موت نازل کر سکتی ہے اور کسی کی جان بخشی کر سکتی ہے۔ میری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو ان حالات میں وہ بھی اعصابی ہیجان میں مبتلا ہو جاتا جب ڈنگان نے بوئروں کے متعلق پوچھا تو میں نہ جانتی تھی کہ کیا جواب دوں۔ میں ڈرتی تھی کہ کہیں میری زبان سے نکلا ہو کوئی لفظ دس ہزار زندگیوں کو خاک میں نہ ملا دے، عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم نہ کر دے اور پھر وہ ستارہ ٹوٹا۔ اس رات بہت سے ستارے ٹوٹے ہوں گے لیکن انہیں گرتے نہ دیکھا اور پھر میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔۔۔ اور پھر کیا ہوا اس سے تو تم واقف ہو ہی۔ چنانچہ زو لوؤں کو دماغ لڑانے دو، اس ٹوٹے ہوئے تار سے کا

مطلب سمجھنے کی کوشش کرنے دو اور نوئی! وہ کچھ سمجھ نہ سکیں گے کیونکہ اس ستار کے ٹوٹے کا کوئی مطلب تھا ہی نہیں۔“

”زولا! تم نے مہم باتیں کیوں کیں؟ جو کچھ کہنا تھا صاف صاف لفظوں میں کیوں نہ کہہ دیا؟“

”اس لئے کہ میں اس کی جرأت نہ کر سکی۔ میں تو تمہیں بچانے آئی ہوں چنانچہ زولوؤں کے معاملات سے مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بہر حال میں نے انھیں خبردار کر دیا ہے کہ وہ بوئروں سے جنگ نہ کریں۔ اس سے زیادہ میں اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ اس کے علاوہ انھیں صاف لفظوں میں منع کرنا بھی بیکار تھا کیونکہ یہ لوگ بوئروں سے جنگ کریں گے اور ضرور کریں گے اور اس کی سزا بھی پائیں گے۔ اس کا مجھے یقین ہے۔ اسے میں یہاں محسوس کر رہی ہوں“ اور اس نے ایک ہاتھ اپنے دل پر رکھ دیا۔ ”اور دوسری باتیں بھی محسوس کر رہی ہوں۔ نوئی! نوئی! یہاں میری طبیعت گھبرا رہی ہے۔ کاش کہ میں مستقر میں ہوتی۔ نوئی ہم کل علی الصبح مستقر کی طرف روانہ نہیں ہو سکتے۔“

”میں سمجھتی ہوں کہ یہ لوگ تمہیں جانے نہ دیں گے بلکہ تمہیں اپنی عظیم کاہنہ بنا کر رہیں رکھیں گے۔ تمہیں یہاں آنا نہ چاہئے تھا۔ یہی میں نے پیغام بھیجا تھا میری زندگی کی قیمت کتنی ہے؟“

”مجھے جانے نہ دیں گے!“ ریچل نے پیرچ کر کہا۔ ”اس کی وہ لوگ جرأت نہیں کر سکتے۔ کم سے کم یہاں تو میں انکو سازا نہ ہوں اور زولو میرے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتے۔“

نوئی نے اس کا کوئی جواب نہ دیا البتہ یوں کہا:-

”اشمیل یہیں ہے۔ میں نے دیکھا ہے اسے۔ وہ مجھے قتل کروا دینا چاہتا تھا۔“

کیونکہ یہ سفید فام مجھ سے ڈرتا ہے۔ لیکن جب ڈنکان کو یقین ہو گیا کہ تم آرہی ہو تو بھر اس نے مجھے قتل نہ کروایا کیونکہ وہ وعدہ خلافی کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔
ریچل کا منہ لٹک گیا۔

”اشمیل!“ اس نے حیرت اور مایوسی سے کہا اور پھر سنبھل کر بولی ”بہر حال میں اشمیل سے نہیں ڈرتی کیونکہ یہاں اس کی زندگی میری مٹھی میں ہے۔ لیکن میں تھک گئی ہوں نوئی۔ بہت تھک گئی ہوں اور سونا چاہتی ہوں آؤ۔ تم بھی میرے ساتھ سو جاؤ۔“
”نہیں“ نوئی نے جواب دیا ”میری جگہ وہاں — دروازے کے قریب ہے۔ لو۔ تم یہ دودھ پی لو اور اطمینان سے سو جاؤ۔ میں ہوشیار رہوں گی۔“
ریچل نے ایسا ہی کیا اور نوئی کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لئے بیٹھی رہی یہاں تک کہ ریچل کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ سو گئی۔ لیکن نوئی نہ سوئی۔ وہ بیٹھی رہی۔ وہ ہوشیار اور چوکنی رہی یہاں تک کہ تارے ماند پڑنے لگے اور اس وقت وہ بھی دروازے کے قریب لیٹ گئی۔

ریچل جب بیدار ہوئی تو سورج کافی بلند ہو چکا تھا۔

”صبح بخیر دلا“ نوئی کی شیریں آواز سنائی دی ”بڑی گہری نیند سوئیں۔ اب اٹھو اور نہاد تھوکرناشتہ کرو کیونکہ بادشاہ کے پیٹیا ہر دروازے پر آچکے ہیں تمہارے لئے ایک عمدہ جھونپڑی تیار کی گئی ہے اور یہ لوگ تمہیں وہاں لے جانے آئے ہیں۔“

”کاش کہ یہ لوگ مجھے زولولینڈ سے باہر پہنچانے آئے ہوتے۔“ ریچل

نے کہا۔

اس کے متعلق میں ان سے پوچھ چکی ہوں اور انہوں نے بتایا کہ یہ ممکن نہیں کیونکہ

ڈننگان نے وچ ڈاکٹروں کی مجلس طلب کی ہے کہ وہ تمہاری پیشینگوئی کا مطلب سمجھنے اور خود ڈننگان کو سمجھانے کی کوشش کریں۔ اور تم جانو دو دن سے پہلے یہ وچ ڈاکٹر جمع نہ ہوں گے۔ اس کے علاوہ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ تمہارا گھوڑا بیمار ہو گیا ہے اور سفر کے قابل نہیں رہا۔ مطلب یہ کہ یہ لوگ تمہیں جانے نہ دیں گے۔

”لیکن مجھے یہاں سے چلے جانے کا حق حاصل ہے نوئی۔“

”ایک پرندے کو پرواز کا حق حاصل ہے زولا لیکن اگر وہ قفس میں ہو تو پھر کیا زولا؟۔“

”میں یہاں ملکہ ہوں اور میرے ایک اشارے سے قفس کا دروازہ کھل جائے گا بلکہ سلاخیں ٹوٹ جائیں گی۔“

”یہ سچ ہے زولا لیکن اگر پرندے کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا گھوڑا نسلا ہی نہیں رہا تو پھر؟“

”کیا مطلب؟۔“

”مطلب یہ کہ زولاؤں کو غصہ دلانا مناسب نہ ہوگا مبادا ان کے دلوں میں یہ ارادہ جنم لے کہ کیوں نہ تمہارے گھوڑے کو برباد کر دیا جائے کہ پھر تم اس قفس میں رہنے اور اسے ہی پسند کرنے لگ جاؤ۔ نہیں۔ نہیں۔ میں نے کچھ سنا نہیں ہے لیکن میں نے اندازاً زولاؤں کے ارادے معلوم کر لئے ہیں۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے چنانچہ ایک دو دن تک یہیں رہو کہ یہاں تم محفوظ ہو۔ پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔“

”نوئی! جو کچھ کہنا ہے صاف صاف لفظوں میں کہو۔ میں یہ پرندے اور قفس والا استعارہ نہیں سمجھتی۔“

”زولا! اگر تم نے کہا کہ تم جاری ہو تو پھر کوئی تمہیں نہ روک سکے گا حتیٰ کہ ڈننگان

بھی نہیں البتہ تمہیں یہ سفر پیدل ہی کرنا ہوگا کیونکہ تمہارے اس اعلان کے بعد تمہارا گھوڑا زندہ نہ رہے گا۔ لیکن ایک فوج بھی تمہارے ساتھ یا تم سے آگے جاتیگی اور ان لوگوں کے حق میں برا ہوگا جن کے خیال نے تمہیں زولولینڈ میں ٹپکنے نہیں دیا۔ اب غالباً تم سمجھ گئی ہو گی۔“

”ہاں“ ریچل نے کہا ”تمہارا مطالب ہے — خدایا — میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ نوئی! میں چند دن تک یہیں مقیم رہوں گی۔ چنانچہ وہ اٹھی، اس نے غسل کیا، نوئی نے اسے کپڑے پہنائے اور پھر اس نے وہ کھانا کھایا جو اس کے لئے لایا گیا تھا اور پھر وہ باہر آگئی۔ جھونپڑی کے سامنے صحن میں ایک ڈولی رکھی ہوئی تھی جس کے چاروں طرف چٹائیوں کے پردے لٹک رہے تھے۔

”بادشاہ کی درخواست ہے کہ تم اس ڈولی میں سوار ہو جاؤ۔“ نوئی نے کہا۔

ریچل ڈولی میں بیٹھ گئی تو نوئی نے تالی بجائی۔ فوراً ہی چند جوان لڑکیاں صحن میں داخل ہوئیں اور ڈولی کے سامنے جھک گئیں اور پھر انہوں نے ڈولی اٹھائی اور ایک طرف چل دیں۔ نوئی ڈولی کے ساتھ چل رہی تھی۔

ریچل نے چٹائی کے پردوں میں سے جھانک کر دیکھا کہ وہ لوگ کراں سے باہر نکل آئے تھے اور سیکڑوں سپاہی ڈولی کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے، لیکن اس سے کافی دور، خاموشی سے چل رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ ڈھلان چڑھ رہے تھے۔ اس ڈھلان پر بہت سے درخت اور جھڑپوں کے جھنڈ تھے اور پھر وہ اس ٹیلے کی چوٹی پر اور ایک کراں کے سامنے تھے اور اس کراں کے بیرونی اور اندرونی باڑھ کے درمیان بہت سی جھونپڑیاں تھیں اور

کراں کے بیچ میں پارک کی قسم کا ایک وسیع و عریض میدان چھٹا ہوا تھا جس میں ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔

اس چشمے کے کنارے ایک نئی اور بڑی جھونپڑی بنی ہوئی تھی اور اس جھونپڑی کے عقب میں اور کچھ فاصلے سے دو تین چھوٹی جھونپڑیاں تھیں۔ اس بڑی جھونپڑی کے سامنے ڈولی رکھ دی گئی۔ کہار نیں ڈولی رکھ کر چلی گئیں۔ پھر نوئی کے کمنے پر رچل ڈولیا میں سے نکل آئی اور اس جھونپڑی کی طرف دیکھنے لگی جس میں اسے قیام کرنا تھا اور پھر اس نے اطراف کے منظر پر ایک نظر ڈالی۔

بے حد عمدہ اور پُر فضا مقام تھا یہ۔ کراں کے گرد و غبار اور شور و شغب سے دور۔ اور جھونپڑی ٹیلے کی چوٹی پر اور اس کے کنارے کے قریب کچھ اس طرح بنائی گئی تھی کہ وہ محفوظ ہو سکے۔ جو انکو سازانہ کی قیام گاہ کے گرد پہرہ دے رہے تھے، اوپر سے نہ تو دیکھے جاسکتے تھے اور نہ ہی ان کی آوازیں سنی جاسکتی تھیں۔ تاہم رچل کو یہ مقام بڑا ہی ادا اس مقام ہوا کیونکہ یہی وہ نفس تھا جس کا ذکر نوئی نے کیا تھا۔

اور یہ جھونپڑی اور یہ پُر فضا مقام نفس ہی ثابت ہوا۔ رچل اس جگہ تنہا رہنے لگی کسی مرد کو اس مقدس مقام میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی اور وہ لڑکیاں جو اس کی خدمت پر مامور تھیں، عزت اور احترام سے نظریں اور سر جھکا کر کام کرتی تھیں اور جب رچل انھیں مخاطب کرتی تو وہ فوراً سجدے میں گر جاتیں۔ رچل کی اس قید کے دنوں میں — کیونکہ یہ قید ہی تھی — ایک قسمت زد لوہو پہرے داروں کی نظر بچا کر غلطی سے یا حماقت سے، احاطے میں اور دوسری باڑھ کے قریب آگیا۔ رچل نے، جو اوپر بیٹھی ہوئی تھی، غصے اور خوف کی پتیلیں سنیں اور پھر سپاہیوں کو اس شخص کی طرف بھاگتے دیکھا اور تھوڑی دیر بعد ہی سپاہی

ایک لاش کو باہر لے جا رہے تھے۔ اس زدو کو اس کی گستاخی کی سزا مل گئی تھی۔

دن میں ایک بادشاہ کے پیغامبر اس کی خیریت دریافت کرنے اور یہ معلوم کرنے آئے کہ آیا وہ کوئی حکم تو دینا نہیں چاہتی یا اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ لیکن ان لوگوں کو بھی ریچل کی طرف دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔ عورتیں، جو ریچل کی خدمت میں حاضر ہا کرتی تھیں، ان پیغامبروں کو ہاتھ سے پکڑ کر اندر لے آتیں لیکن اس طرح کہ ہر مرد کے چہرے پر اسے لے کر ٹھوڑی سی کے پیچھے ہٹ کر، درخت کی چھال سے بنا ہوا موٹا کپڑا پڑا ہوا ہوتا اور وہ لوگ اس نقاب کے پیچھے سے ریچل سے گفتگو کرتے گویا وہ حقیقت میں مقدس تھیں۔

پہلے دن اس نے پیغامبروں کی زبانی بادشاہ کو یہ پیغام بھیجا کہ چونکہ زدو لوینڈ میں اس کا کام پورا ہو چکا ہے اس لئے اسے اپنے گھر جانے کی اجازت دی جائے۔ پیغامبر احترام اور خاموشی سے سنتے رہے اور پھر پوچھا کہ آیا ریچل اور بھی کچھ کہنا چاہتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ وہ لوگ چہرے پر نقاب ڈال کر اس کے سامنے نہ آئیں اور یہ کہ صرف ریچل کی خاطر آئندہ سے کسی کو قتل نہ کیا جائے جیسا کہ اس صبح ایک شخص کو قتل کر دیا گیا تھا۔ پیغامبروں نے کہا وہ اس کا یہ حکم فوراً بادشاہ تک پہنچا دیں گے کیونکہ بہت سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دینے کا حکم دیا جا چکا تھا اور یہ وہ لوگ تھے جو ریچل کے انکو سزا نہ ہونے میں شک کرتے تھے۔ چنانچہ ریچل نے اس خوف سے ان پیغامبروں کو فوراً رخصت کر دیا کہ کہیں دیر نہ ہو جائے۔ پیغامبر فوراً اٹھے اور الٹے قدموں چلتے اور سجدے کرتے چلے گئے۔ بعد میں اسے یہ سن کر بے حد خوشی حاصل ہوئی کہ عین وقت پر اس کا حکم بادشاہ تک پہنچ گیا اور وہ لوگ قتل ہونے سے بچ گئے۔ دوسرے دن ٹھیک اسی وقت جس وقت پہلے دن آئے تھے، پیغامبر پھر

اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس دفعہ ان لوگوں نے اپنے چہروں پر نقابیں نہ ڈال رکھی تھیں۔ یہ ریچل کی گزشتہ کل کی درخواست کا جواب لے کر آئے تھے اور جواب یہ تھا کہ انکو سازانہ کو کسی بھی جگہ آنے اور کسی بھی جگہ سے کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ جانتے ہیں — انہوں نے کہا — کہ اس کی روح عظیم ہے اور جہاں چاہے اور جب چاہے جا سکتی ہے زولولینڈ کی تمام فوجیں مل کر بھی اس کی روح کو نہیں روک سکتیں البتہ — اور یہ بادشاہ اور اس کے مشیروں کے جواب کا اہم حصہ تھا — یہ ضروری ہے کہ جب تک اس کی بہم پیشینگوئی کی وضاحت نہیں کر لی جاتی وہ جسم زولوؤں میں ہی مقیم رہے۔ جو عظیم روح کا گویا سنگھاسن ہے۔ چنانچہ بادشاہ، اس کے مشیروں اور پورے قبیلے کی یہ درخواست تھی کہ وہ صرف اپنی روح کو دریائے توگیلا کے اس پار بھیج دے اور روح کا گھر، یعنی جسم، اسی جگہ مقیم رہے تاکہ عظیم روح اپنے گھر میں واپس آ سکے۔

ریچل نے مایوسی سے پیغامبروں کی طرف دیکھا کیونکہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے ادٹ پٹانگ و لائل کا کوئی جواب نہ ہو سکتا تھا اور وہ خود کیا جواب دے سکتی تھی؟ اس سے پہلے کہ وہ کوئی فیصلہ کر سکتی یا کوئی مناسب جواب سوچ سکتی پیغامبروں کے نمائندے نے کہا کہ ایک سفید فام، جس کا نام ابو بوسی ہے، اور جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ کئی دفعہ انکو سازانہ سے گفتگو کر چکا ہے، اس کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔

اب ریچل ایک سوچ میں پڑ گئی۔ اشمیل وہ شخص تھا جس سے وہ کبھی لینے کی کے لئے تیار نہ تھی اور ملنا چاہتی بھی نہ تھی۔ جن حالات میں اشمیل اس سے رخصت ہوا تھا اور جس طرح اس نے ریچل اور اس کے باپ کو دھمکیاں دی تھیں

ان کے پیش نظر ریکل کو یقین تھا کہ اب اشمیل اس کے سامنے کبھی نہ آئے گا۔ زیادہ تر دھمکیاں نوٹی کے متعلق تھیں اور اس کے فوراً بعد ہی زولو اسے 'یعنی نوٹی کو اٹھا لے گئے تھے۔ رہیں وہ دھمکیاں جو خود ریکل کے متعلق تھیں تو اشمیل نے انہیں اب تک پورا نہ کیا تھا اور وہ بھی یقیناً اس لئے کہ اسے اب تک اس کا موقع نہ ملا تھا۔

چنانچہ اب اگر ریکل کو اس شخص سے نفرت تھی اور وہ اس سے ڈرتی تھی تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہ تھی۔ اس کے باوجود اشمیل سفید فام تھا، اسے زولوؤں کے درمیان ایک خاص مقام حاصل تھا اور خود بادشاہ بھی اس سے مشورہ طلب کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اپنی شہنی بازی کے باوجود وہ بھی زولوؤں کی طرح توہم پرست تھا اور ریکل کو مافوق الفطرت قوتوں کا مالک سمجھتا تھا۔ چنانچہ اگر ریکل نے اسے اپنی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت دے بھی دی تو اشمیل ظاہر ہے کہ اس کا کچھ نہ بگاڑ لے گا کیونکہ وہ اس سرزمین میں اعلیٰ و ارفع تھی یہاں اس کا حکم چلتا تھا۔ چنانچہ اس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اس کے برخلاف وہ اس سے ایسی معلومات حاصل کر سکتی تھی جو اس کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہو سکتی تھیں یا پھر وہ زولو لینڈ سے فرار ہونے میں اشمیل سے مدد حاصل کر سکتی یا اسے اپنا آلہ کار بنا سکتی تھی۔

چنانچہ اشمیل کو باریابی کی اجازت دینے میں نقصان تو کچھ نہ تھا البتہ فائدہ ضرور تھا۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ یہ درخواست بادشاہ کے مشیروں نے خود اپنی طرف سے کی تھی اور وہ خود چاہتے تھے کہ ریکل اشمیل کو باریابی کی اجازت دے۔ بہر حال ان سب باتوں کے باوجود وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔ وہ اشمیل کو بلانا نہ چاہتی تھی۔ اسے اس شخص سے گھن آتی تھی۔

نوٹی اس کے پیچھے ہی کھڑی ہوئی تھی۔ ریچل نے اس کی طرف گھوم کر انگریزی

میں پوچھا :-

”تم نے سن لیا ؟ بتاؤ اب میں کیا جواب دوں ؟“

”اسے آنے کی اجازت دے دو“ نوٹی نے بھی انگریزی ہی میں جواب دیا

”اسے آنے دو۔ اس کے کالے دل میں جھانک کر دیکھو اور حقیقت معلوم کر لو۔

ابوبوسی تم سے حقیقت چھپانہ سکے گا۔ کہو کہ اسٹیمیں اکیلا نہ آئے بلکہ اس کے ساتھ

مسلح سپاہی بھی ہوں۔ اگر وہ ذرا بھی گڑ بڑ مچائے تو سپاہیوں کو اس کے قتل

کا حکم دے دو فوراً۔ سپاہی تمہارا حکم مانتے ہیں اور مانیں گے۔ میری فکر نہ کرو

میں اس وحشی درندے سے نہیں ڈرتی۔“

چنانچہ اب ریچل نے پنیامبروں سے یوں کہا :-

”میں نے بادشاہ کا پیغام سنا اور سمجھا۔ وہ چاہتا ہے کہ میں ابوبوسی کو باریابی

کی اجازت دوں۔ تاہم میں اس شخص سے واقف ہوں جس طرح کہ ہر شخص سے

واقف ہوں خواہ وہ سفید فام ہو یا سیاہ فام۔ ابوبوسی بُرا آدمی ہے اور

میں اکیلے میں اس سے ملاقات کرنا نہیں چاہتی۔ چنانچہ وہ آئے لیکن اس کے ساتھ

چھ سپاہی ہوں اور یہ سپاہی مسلح ہوں تاکہ اگر میں حکم دوں تو ابوبوسی کی زندگی کا چراغ

بجھا دیا جائے۔“

بادشاہ کے مشیر سلام اور سجدے کرتے رخصت ہوئے۔

دوسرے دن ٹھیک اسی وقت جس وقت پر مشیر آئے تھے بادشاہ کا نقیب آیا

وہ کراہی کی اندرونی دیوار کے باہر آکھڑا ہوا اور زور و رسم کے مطابق چیخ و پکار کر ریچل

کے القاب بولنے لگا اور پھر اس کے حسن اور مافوق الفطرت قوتوں کی مدح و ستائش

کوئی دس منٹ تک کرتا رہا اور پھر یہ اعلان کیا کہ بادشاہ کے مشیر باہر کھڑے

اور باریابی کی اجازت چاہتے ہیں اور یہ کہ ان کے ساتھ وہ سفید فام بھی ہے جس کا نام ابو بوسی ہے۔

ریچل نے نوٹی کے ذریعہ مشیروں اور اشمیل کو حاضر ہونے کی اجازت کہلوای بھی اور خود گینڈے کے سینگ کا سفید عصا لئے اپنی جھونپڑی کے دروازے کے سامنے ایک تپائی پر بیٹھ گئی۔ فوراً ہی چار دیوار کے باہر سے کچھ بڑ کی آوازیں سنائی دیں۔ زولو اور اشمیل آپس میں کسی مسئلے پر بحث کر رہے تھے یا شاید جھگڑ رہے تھے۔ ”بادشاہ کے مشیر ابو بوسی کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ اپنی ٹوپی اتار کر تمہاری محبت میں حاضر ہو“ نوٹی نے ریچل سے کہا ”اور کہہ رہے ہیں کہ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اسے فوراً قتل کر دیا جائے گا۔“

”ان سے جا کر کہو کہ اشمیل کو جس حال میں ہے اسی حال میں میرے پاس آنے دیا جائے۔“ ریچل نے کہا ”تاکہ میں اس کا چہرہ دیکھ سکوں کہ یہ وہی سفید فام ہے یا نہیں جس سے میں نے گفتگو کی تھی۔“ نوٹی ریچل کا یہ پیغام لے کر دوڑ گئی۔

تھوڑی دیر بعد ہی دروازہ کھلا اور بادشاہ کے مشیر خدمت گار عورتوں کی معیت میں داخل ہوئے۔ ان کے بعد چھ تگڑے سپاہی آئے جو چوڑے پھل والے بھالوں سے مسلح تھے جیسا کہ ریچل نے حکم دیا تھا اور سب کے آخر میں وہ آیا جس کا نام خدا جانے کیا تھا لیکن جو اشمیل اور ابو بوسی کہلاتا تھا۔ اس شخص پر نظر پڑتے ہی ریچل کی روح تک کانپ گئی۔ اس کی نفرت اور بھی بڑھ گئی اور اس کی چھٹی حس یکایک بیدار ہو گئی اور اسے شدت سے احساس ہوا کہ اس قبول صورت اور گہری رنگت والے شخص سے اسے زبردست خطرہ لاحق تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اس خطرے کی نوعیت نہ معلوم کر سکی۔ اس کے علاوہ

اسے اشمیل کی پھلی دھکیاں بھی یاد آگئیں اور یہ کہ اس کا باپ جوہان کراں
 مافوقی میں گیا تھا تو اس وقت اس شیطان نے اس سے کیا کہا تھا۔ بہر حال وہ
 جذبات سے عاری چہرہ لئے اپنی تپائی پر تن کر بیٹھ رہی۔
 اشمیل قدرے گستاخانہ انداز سے آگے بڑھ رہا تھا۔ کروسس کے سوائے
 اس نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ تمام کا تمام یورپی تھا۔ اس کے سر پر وہی مضحکہ
 خیز ہیٹ تھی جس میں شتر مرغ کا پر لگا ہوا تھا۔ کروسس اور ہیٹ کثرت استعمال
 نے گھس گئے تھے اور پہننے کے قابل نہ رہے تھے۔ اس کے علاوہ اس دفعہ اس
 نے اپنے ہونٹوں میں سلگتے ہوئے پائپ بھی دبا رکھا تھا۔ یکایک ایک سپاہی کی منہ بھی
 اور احتراقی رگ پھٹک اٹھی اور دفعہ اس نے ہاتھ بڑھا کر اشمیل کے منہ
 سے پائپ اور سر سے ہیٹ گھسیٹ کر زمین پر پھینک دی۔ اشمیل کو
 سپاہی کی اس حرکت نے غصہ دلادیا خصوصاً اس لئے بھی کہ پائپ گھسیٹتے وقت
 اس کے ہونٹوں اور دانتوں میں چوٹ آگئی تھی۔ چنانچہ وہ ایک غلیظ کالی
 بک کر سپاہی کی طرف پلٹا اور اس کے منہ پر ایک گھونسا جڑ دیا۔ فوراً ہی
 دوسرے سپاہی اس پر ٹوٹ پڑے اور اگر انکو سازانہ کے حضور خون بہانا
 گستاخی اور غیر قانونی نہ ہوتا تو سپاہیوں نے یقیناً اسے قتل کر دیا ہوتا۔ بہر حال
 ریپل نے اپنا عصا لاکر اشمیل کو چھوڑ دینے کا اشارہ کیا، نونی نے اس اشارے
 کو الفاظ کا جامہ پہنا کر سپاہیوں سے کہا کہ سفید فام کو چھوڑ دیا جائے۔
 چنانچہ اسے چھوڑ دیا گیا۔ البتہ ایک سپاہی نے اپنا پیر اس کے پائپ اور
 ہیٹ پر رکھ دیا۔

اب اشمیل آگے بڑھا اور قدرے بے ڈھنگے پن سے بولا :-
 ”مزاج کیسے ہیں؟ مجھے یہ توقع نہ تھی کہ تمہیں یہاں دیکھوں گا۔“

اور وہ ریچل کی طرف بڑی گستاخانہ اور بھوکے نظروں سے دیکھنے لگا۔
 اس کی آنکھوں میں ہوس کے شعلے بھڑک رہے تھے اور وہ ریچل کا حسن اپنی نظر سے پی رہا تھا۔

اشمیل کی بھوکے نظر کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے ہوئے ریچل نے بے حد ٹھنڈی
 آواز میں جواب دیا:-

”میں نے تمہیں اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے طلب کیا ہے۔ تم مجرم ہو۔
 تم نے میری ملازمہ لوئی کا چناچہ میرا بھی گناہ کیا ہے چنانچہ کیوں نہ تمہیں قتل کر
 دیا جائے۔“

اشمیل کے چہرے کا رنگ دفعۃً اڑ گیا۔ اسے اس قسم کے استقبال کی توقع نہ
 تھی۔ بہر حال وہ اپنے جرم سے مسلسل انکار کرتا رہا۔

”بھوٹ بولنے سے کوئی فائدہ نہیں“ ریچل نے کڑک کر کہا ”خود بادشاہ
 انکار کر چکا ہے اور خود میں نے اپنے علم سے معلوم کر لیا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ یہاں
 میں ایک عورت نہیں بلکہ دیوی ہوں۔ ہاں۔ میں انکو سازانہ ہوں۔ انکو سازانہ
 زولہ کسی کی بھی موت و زلیمت پر مجھے اختیار حاصل ہے۔ میری زبان سے نکلا
 ہوا ایک لفظ یا میرے اس عصا کا ایک اشارہ یا میرے سر کی ایک جنبش —
 اور تم خاک و خون میں لوٹ رہے ہو گے۔“

”تم انکو سازانہ ہو یا نہ ہو بہر حال یہ حقیقت ہے کہ تم بہت سی باتوں سے
 واقف ہو۔“ اشمیل نے قدرے خوفزدہ ہو کر کہا ”بہر حال میں اقرار کئے لیتا ہوں کہ
 لوئی کو محض اس لئے گرفتار کیا گیا تھا کہ تم اس کی جان بچانے کے لئے یہاں آ جاؤ

تم دیوی بن گئی ہو اور اب مجھ سے بچنا چاہتی ہو۔“

اور وہ خاموش ہو گیا۔

”بکے جاؤ“ ریچل نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ بکے ہی جاؤں گا۔ تم شاید حقیقت میں اپنے آپ کو دیوی سمجھ رہی ہو جیسا کہ میں بھی کبھی کبھی تمہیں دیوی سمجھنے لگتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ تم ایک عورت ہو اور وہ وقت دور نہیں جب تم اس پورے ناطک سے اکتا جاؤ گی۔ تم اپنے گھر جانا چاہتی ہو اپنے والدین کے پاس جانا چاہتی ہو لیکن سن لو کہ تم نہ جاؤ گی۔ تم یہاں ایک قیدی ہو کیونکہ ان بیوقوفوں کے دماغوں میں یہ یقین ٹھنس گیا ہے کہ تم روح ہو اور یہ کہ اگر تم ان کے ملک سے چلی گئیں تو پھر بد بختیاں ان کے قبیلے پر سایہ فگن ہوں گی۔ چنانچہ تمہیں یہیں رہنا ہے غالباً کئی برسوں تک رہنا ہے یا اس وقت تک رہنا ہے جب تک کہ یہ وحشی تم سے اکتا نہیں جاتے اور اگر یہ لوگ تم سے اکتا گئے تو پھر تم قتل کر دی جاؤ گی۔ ریچل! ذرا سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہاں سے فرار ہونے میں کوئی تمہاری مدد نہ کرے گا سوائے میرے اور میں اتنا بے غرض بھی نہیں ہوں کہ اپنا انعام حاصل کئے بغیر تمہاری مدد کو تیار ہو جاؤں میں تمہاری مدد کروں گا لیکن اس کا صلہ ملنا چاہیے۔“

ریچل کا سینہ تن گیا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے تپائی کے کنارے، جس پر وہ بیٹھی ہوئی تھی، پکڑ لئے کیونکہ اس کا غصہ اب انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ عین اسی وقت نوئی نے جھک کر اس کے کان میں کچھ کہا۔

”یہ شیطان کی خالہ کیا کھس بھسار ہی ہے تمہارے کان میں؟“ اشمین نے کہا۔ ”غالباً میرے قتل کا مشورہ دے رہی ہے۔ بہر حال اگر ایسا ہی ہے تو ایسی غلطی تم نہ کرنا کیونکہ تم جاؤ پھر تمہارے مقدس والدین تمہارے منہ پر تھوکیں گے

یہ خون ناحق ہوگا جس کی پاداش میں تم جہنم میں جاؤ گی جہاں سے تم آئی ہو۔
 مسٹر اریکل! "دفعتہ اس نے لہجہ بدل کر کہا " آپس میں جھگڑنے سے کوئی فائدہ
 نہیں۔ ہم دونوں آپس میں ایک سودا کر لیں۔ میں تمہیں یہاں سے نکال لے
 جاؤں گا اور پھر تم سے شادی کر لوں گا۔ بولو! منظور ہے؟ اگر نہیں تو پھر سن
 لو کہ تمہارے، نہ صرف تمہارے بلکہ دوسروں کے حق میں بھی بُرا ہو گا۔"

"مسٹر اشمیل! " اریکل نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ "اگر تمہارا یہ خیال
 ہے کہ میں تمہیں قتل کرنے میں پس و پیش کر رہی ہوں یا کروں گی تو تمہارا یہ خیال
 غلط ہے۔ تم دیکھ ہی چکے ہو کہ ایک دفعہ میں نے ایک زولو سپاہی کو بلا جھجھک
 گولی مار دی تھی کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا اور اگر اب بھی اسکی ضرورت
 ہوئی تو میں تمہارا خاتمہ کر دوں گی لیکن اپنے ہاتھوں سے نہیں۔ مسٹر اشمیل! تم
 نے ابھی ابھی کہا ہے کہ تم مجھے زولو لینڈ سے نکال لے جا سکتے ہو۔ بہت اچھا۔
 میں اس پر یقین کئے لیتی ہوں۔ یعنی واقعی تم مجھے یہاں سے نکال لے جا سکتے ہو
 اور میں یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں لیکن اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے ماں باپ کے
 لئے جو متفکر اور پریشان ہوں گے۔ میں خود تو یہاں بہت مزے میں ہوں۔
 " واقعی! میں خود بھی یہاں مزے میں ہوں اور انکو سازانہ کا شوہر بننے کے
 بعد تو میرے اور بھی مزے ہوں گے۔ کافی بڑا ہے یہ کراں اور ہم دو آدمی اس میں
 آسانی سے سما جائیں گے۔"

ایک منٹ تک اریکل خاموش بیٹھی رہی اور پھر اس نے سخت لہجہ میں کہا۔
 "یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کبھی نہ ہوگا۔ اشمیل! تم اپنی حد سے بڑھ رہے ہو اور موت
 تم سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ میں تمہیں ایک ہفتہ کی مدت دیتی ہوں۔
 اگر اس عرصے میں تم نے میرے یہاں سے نکلنے کا انتظام نہ کر دیا تو پھر میں اپنے

ان گستاخانہ الفاظ کی سزا مل جائے گی۔ خاموش رہیں اور کچھ سننا نہیں چاہتی۔
اور پھر اس نے مشیروں سے کہا:-

”اٹھو اے لوگو اور انکو سازانہ زولہ کے یہ الفاظ زولہ کے بادشاہ ڈنگال تک پہنچا دو۔ کہو اس سے کہ اس آوارہ کتے نے، جسے خود بادشاہ نے میرے پاس بھیجا ہے، میرے حضور گستاخی کی ہے۔ کہو اس سے کہ اس نے مجھ سے — انکو سازانہ زولہ سے — کہا ہے کہ میں اس کی بیوی بن جاؤں۔“
یہ الفاظ نہ تھے ایک بجلی تھی کہ کڑک کر گری تھی۔ مشیروں اور سپاہیوں کے منہ سے خوف اور غصے کی چیخیں نکل گئیں۔ دوسپاہیوں نے اشمیل کو پکڑ لیا اور اپنے بھالے بلند کئے کہ اس کے سینے میں اتار دیں۔ ریچل نے اپنا عصا اٹھا لیا اور سپاہیوں نے اپنے بھالے جھکا دیئے۔

”نہیں ابھی نہیں“ وہ بولی ”اسے بادشاہ کے پاس لے جاؤ اور جب میرا حکم بادشاہ کے پاس پہنچے گا تبھی یہ مارا جائے گا۔ اس سے پہلے نہیں۔ میں اپنے ہاتھ اس کے غلیظ خون سے نہ رنگوں کی آلائیہ کہ میں یہ کہوں کہ یہ ضروری ہے۔ میں آسمانوں کی بیٹی ہوں اور اسے آسمان ہی سزا دیں گے۔ بس، اسے بادشاہ کے پاس لے جاؤ۔ آئندہ سے میں اس کی منحوس صورت دیکھنا نہیں چاہتی اور نہ دیکھوں گی۔“

”ہم نے سنا اور ایسا ہی ہوگا جیسا انکو سازانہ نے کہا ہے۔“ مشیروں اور سپاہیوں ایک زبان ہو کر کہا اور پھر وہ اشمیل کو ڈھکیلتے ہوئے باہر لے گئے۔
”کیوں نوئی! جو کچھ میں نے کیا ٹھیک ہی کیا نا؟ جب وہ اکیلے رہ گئے تو ریچل نے پوچھا۔

”نہیں زولا، نوئی نے جواب دیا اس وقت تمہارا خون گرم تھا اور تمہیں

اس پر غصہ کھا چنا پچہ تمہیں چاہئے کھا کہ اس زہریلے سانپ کا سر چل دیتیں
بعد میں خون ٹھنڈا پڑ جائے گا اور غصہ رفع ہو جائے گا اور پھر یہ سانپ تمہیں
ڈسنے کے لئے زندہ رہے گا۔

”نہیں نوئی۔ اشمیل کی جان لینے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے اور وہ بھی مجھ سے
لئے کہ وہ مجھ سے محبت نفرت کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ اگر میں نے اسے قتل کروا دیا
ہو گا تو ظاہر ہے کہ وہ مجھے زولو لینڈ سے نہ نکال لے جاتا کیونکہ تم جانور مردے لے لیں
مردے ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف اب وہ میرے فرار کا انتظام کر دے گا
کیونکہ وہ مجھ سے ڈرتا ہے۔“

”لیکن جب تم دونوں دریائے توگیلا کے اس پار پہنچ جاؤ گے تو کیا اس وقت
بھی تم سے ڈرتا رہے گا؟“ نوئی نے پوچھا۔ ”انکو سازا نہ! تم مجھے اس شخص پر
اختیار دے دو اور خود خاموش بیٹھی دیکھتی رہو۔ اس نے میرے ماں باپ اور
بھائیوں اور بہنوں کو قتل کر دیا تھا۔ اب اگر اس ملک کے قانون کے مطابق
میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا تو یہ انصاف ہو گا اور میرا ضمیر مجھے
ملامت نہ کرے گا۔“

”شاید — نوئی — لیکن میرے حکم سے نہیں۔“
اگر تمہارے حکم سے نہیں تو شاید خود تمہارے ہی ہاتھوں ابوبوسی مارا
جائے گا۔“ نوئی نے ریچل کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑ کر کہا۔ ”ہر حال بلند
بابدیر ابوبوسی سرخ موت مرے گا سرخ ترین موت ہو گی اور یہ بات میرے باپ
کی روح نے بتائی ہے مجھے۔“

”تمہارے باپ کی روح نے! ریچل نے کہا۔
”ہاں۔ کئی دفعہ وہ مجھ سے گفتگو کرتی ہے اور مجھے بہت سی باتیں بتا دیتی ہے۔“

یہ اور بات ہے کہ یہ باتیں میں اپنے تک ہی رکھتی ہوں اور اس وقت تک تمہیں نہ بتاؤں گی جب تک کہ ہر بات، جیسی کہ کہی گئی ہے، پوری نہیں ہو جاتی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب مجھے پکڑ کر ڈنگان کے پاس لایا گیا تھا تو میں ذرا بھی خوفزدہ نہ بھٹی کیونکہ میرے باپ کی روح نے مجھے بتایا تھا کہ تم مجھے بچانے آ جاؤ گی اور دیکھو۔ تم آ گئیں۔“

”کاش کہ تمہارے باپ کی روح مجھ سے بھی ہم کلام ہو اور مجھے بتائے کہ میں اپنے گھر جاؤں گی۔“ ریحل نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

”اگر سیاپی کی روح تم سے گفتگو کر سکتی تو ضرور کرتی زولا۔ لیکن وہ تمہارے پاس نہیں آ سکتی کیونکہ اس کے اور تمہارے درمیان موٹا اور بھاری پردہ پڑا ہوا ہے۔ اگر وہ تمام لوگ، جو تمہیں عزیز ہیں، تمہاری نظری کے سامنے قتل کر دئے جائیں جیسے کہ میرے عزیز قتل کر دئے گئے، تو پھر اس کے بعد ہی یہ پردہ پھلا اور ہلکا ہو جائے گا اور پھر اس کے آ رہا تم اپنے عزیز واقربا کی روحوں سے بات جیت کر سکوں گی اور پھر ان کے سایوں کو دھندلے دھندلے ان کے درختوں کے سایوں میں چلتے پھرتے دیکھ سکو گی۔“

”ان درختوں کے سائے میں!“

”ہاں یہ ان کی زندگی کے درخت ہیں۔ اور ان درختوں کی ٹہنیاں ان کے وہ اچھے یا بُرے کام ہیں جو انہوں نے اس دنیا میں کئے ہیں اور ان کے بچے وہ اچھے یا بُرے الفاظ ہیں جو اس دنیا میں ان کی زبانوں نے ادا کئے ہیں۔ چنانچہ روہیں پھر ہمیشہ کے لئے ان درختوں کے سائے میں رہتی ہیں۔“

لے ریحل کی طرح ہمارے قارئین بھی اچھ گئے (بقیہ اگلے صفحہ ۲۴۱ پر ملاحظہ فرمائیے)

میرے قبیلے کے لوگ تمہیں ان درختوں کے متعلق تفصیل سے بتا سکتے ہیں اور شاید ایک دن بتائیں گے۔ اس وقت جب ہم دونوں ان کے پاس جائیں گے نہیں زولا میری باتوں کی طرف کوئی دھیان نہ دو۔ شاید میں الٹ سلیٹ بک رہی ہوں۔ اس وحشی ابو بوسی کو دیکھنے کے بعد میں اپنے آپ میں نہیں رہی ہوں۔ میرا دماغ بھٹک گیا ہے اور زبان بھی قابو میں نہیں رہی۔ تم مجھے اسے قتل کرنے کی اجازت نہیں دے رہی۔ خیر یونہی سہی۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ ایک دن تم اپنی رخنہ پر پھپھتاؤ گی لیکن پھر وقت نکل چکا ہو گا۔

دقیقہ نوٹ ۲۴۰ صفحہ کا، ہوں گے کہ یہ بکیر اس ہے۔ لیکن آپ مطمئن رہیں۔ نوٹی کے اس اعتقاد کی تفصیل اور اس پر اسرار خطے کے حالات، جس میں زندگی کے یہ درخت اگتے ہیں، اسی ناول میں آگے آتے ہیں۔
(منظر الحق علوی)

بارہواں باب

ایک خواب ایک حقیقت

اسی شام اشمیل کچھ ڈنگان کے سامنے پیش کیا گیا اس کی حالت غیر ہو رہی تھی کیونکہ کئی سپاہیوں کو اشمیل سے خد ادا سٹے کا بیر تھا۔ چنانچہ جب ریکل کی قیام گاہ سے باہر آنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو چمڑا کر بھاگنے کی کوشش کی تو سپاہیوں نے اپنے بھالوں کے دستوں سے اسے دھنک کر رکھ دیا اور پھر اسے مارے ہوئے ہی بادشاہ کے کراں تک لائے اور بار بار کہتے رہے کہ انکو سازانہ نے اس کے قتل کی تو بیشک ممانعت کر دی ہے لیکن اسے پٹینے کی تو ممانعت نہیں کی اور یہ کہ ابوبوسی اسی سزا کا مستحق ہے۔ وغیرہ۔ چنانچہ اشمیل کے کپڑے جھیر جھیر تھے، اس کا پائپ اوہیٹ غائب تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ نوئی نے یہ دونوں چیزیں نذر آتش کر دی تھیں۔ اس کی ایک آنکھ پر بھی مار کا نشان تھا اور پورا چہرہ خراشوں سے بھرا ہوا تھا۔

چنانچہ یہ حالت تھی اشمیل کی جب اسے ڈنگان کے سامنے لایا گیا۔ اشمیل اس وقت مارے غصے کے تقریباً دیوانہ ہو رہا تھا اور ڈنگان کے سامنے بھی اپنا غصہ نہ دبا سکا۔

اشمیل ایک دم سے جو منہ میں آیا بکنے اور سپاہیوں کو گالیاں دینے لگا۔ جنہوں نے اسے مارا پٹا تھا اور کہا کہ ان سپاہیوں کو سخت سزا دی جائے جنہوں نے ایک مفید فاعم کو جو عظیم بنے پٹیا ہے۔

” خاموش!“ آخر کار ڈنگان گر جا ” راتوں کو ٹھکنے والے ابو پوسی! سوال

یہ ہے کہ خود تمہیں کیوں نہ قتل کر دیا جائے کیونکہ تم نے انکو سارا نہ زولا کا شوہر بننے کی درخواست کر کے اس کے حضور سخت گستاخی کی ہے اگر زولا تمہارے قتل کا حکم دے دیتی تو مناسب ہوتا کہ تمہاری گستاخی کی سزا موت ہی ہو سکتی ہے خیر! اس نے تو تمہاری جان بخشی کر دی لیکن اگر تم اپنی چیخ و پکار سے میرے کانوں تکلیف پہنچاتے رہے تو میں زولا کے حکم کا بھی انتظار نہ کروں گا اور آج رات تمہیں لومڑیوں اور لکڑ بگھیوں کے پاس گہری نیند سونے بھیجا دوں گا۔

اشمیل نے جب دیکھا کہ معاملہ یہاں بھی بگڑ گیا ہے اور خود ڈنگان اسے موت کی وہ دھمکی دے رہا ہے وہ فوراً خاموش ہو گیا۔

” ابو پوسی! تم بھولے نہ ہو گے کہ ہم نے کسی غرض سے تمہیں زولا کے حضور بھیجا تھا“ ڈنگان نے کہا۔

” ہاں - نہیں بھولا ہوں۔“

” تو پھر کیا تم یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو کہ زولا ہمیں چھوڑ کر کیوں

جانا چاہتی ہے؟۔“

” ہاں - یہ میں نے معلوم کر لیا ہے۔“

” تو پھر کہو۔“

” وہ اپنے گھر جانا چاہتی ہے۔“

” لیکن کیوں؟۔“

” اس لئے کہ وہ اپنے لوگوں میں رہے جا کر۔ یعنی اس بوڑھے کے ساتھ جو دعائیں

مانگا کرتا ہے اور اس عورت کے پاس جو اس بوڑھے دعائیں مانگنے والے کی

بیوی ہے۔“

” لیکن یہ زولا کے ماں باپ نہیں ہیں “ ڈنگان نے کہا ” ہم جانتے ہیں کہ زولا طوفان میں زمین پر اتری ہے اور یہ دونوں ، بوڑھا اور اس کی بیوی ، دراصل وہ لوگ ہیں جنہیں آسمانوں نے اس کی پرورش کے لئے پسند کیا ہے ۔ سب سے پہلے تم ہی نے یہ کہانی ہمیں سنائی تھی اور بتایا تھا کہ کس طرح اس نے بجلی کو حکم دیا تھا اور بجلی نے وہاں رہا ہوا ہمارے ایک سپاہی کو جلا کر خاک کر دیا تھا ۔ چنانچہ کوئی اور نہیں بلکہ ہم ہیں اس کے لوگ ۔ انکو سازانہ کے بھی ماں باپ ہوئے ہیں کبھی ؟ “

” یہ تو میں نہیں جانتا “ اشمیل نے جواب دیا ” انکو سازانہ عورت ہے اور دنیا میں کوئی عورت ماں اور باپ کے بغیر پیدا نہیں ہوئی ۔ کم سے کم اتنا ضرور ہے کہ انکو سازانہ ان دونوں کو اپنے والدین سمجھتی ہے اور ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتی ہے اور یہ بھی یقین کر لو کہ جب تک وہ زندہ ہیں انکو سازانہ انھیں کے پاس رہے گی اور کہیں نہ جائے گی الا یہ کہ وہی اسے اس کا حکم دیں “

ڈنگان نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اشمیل کی طرف دیکھا ۔

” جب تک وہ زندہ ہیں ۔ جب تک وہ زندہ ہیں “ وہ بڑبڑایا ۔

اور پھر اس نے کہا :-

” اگر انکو سازانہ جانا چاہے تو کون ہے جو اسے روک سکتا ہے ؟ اگر وہ اپنا جادو چلا دے تو کون سی قوت اس سے ہمیں محفوظ رکھ سکتی ہے ؟ اگر اس پر ہاتھ اٹھایا گیا تو کیا وہ ہم پر عذاب نازل کر کے ہمیں تباہ و برباد نہ کر دے گی ؟ “

” یہ تو میں نہیں جانتا “ اشمیل نے کہا ” البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ اگر وہ سفید فاموں میں چلی گئی اور ذرا بھی خفا ہوئی تو بوئیروں کو چڑھالائے گی ۔ “

ڈنگان ایک دم سے پریشان ہو گیا ۔ اس نے اشمیل کو چند قدم پیچھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا اور پھر اپنے میشروں سے کئی منٹوں تک مشورہ کرنے کے بعد بولا :-

”سنو! سفید فام۔ اگر ان کو سازانہ ہمیں چھوڑ کر چلی گئی تو یہ بہت بُرا ہوگا۔
 ذلکہ اسی کے ساتھ ہمارے لوگوں کی عظیم روح چنانچہ ہماری خوش بختی بھی چلی جائیگی
 پچ ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ ہی ہے۔ اور میں بھی اس سے متفق ہوں۔ اس کے
 علاوہ خود ہماری آرزو یہ ہے کہ زولا چند دنوں کے لئے ہمارے ساتھ ہی رہے۔
 ہفتوں کی مجلس نے آج کہہ دیا ہے کہ انکو سازانہ نے جو الفاظ کہے ہیں ان کا مطلب
 کھنا ہفتوں اور وچ ڈاکٹروں کے بس کا روگ نہیں۔ چنانچہ انھوں نے
 کہا ہے کہ ایک دوسرے قبیلے کے، جو بہت دور آباد ہے، وچ ڈاکٹروں کو طلب
 کیا جائے اور انکو سازانہ کے سامنے پیش کیا جائے چنانچہ جب تک یہ لوگ
 میں آجائے انکو سازانہ کو یہیں رہنا ہے۔“

”ٹھیک ہے“ اشمیل نے بے تعلقی سے جواب دیا۔

ان وچ ڈاکٹروں میں، جو بقول ڈنگان کہیں دور رہتے تھے اور ہفتوں
 مجلس میں اسے یقین نہ تھا۔ لیکن چونکہ کافروں کے توہمات سے واقف تھا
 انہیں سمجھ سکتا تھا اس لئے اسے یہ سمجھتے دیر نہ لگی کہ ڈنگان کے منت مخلصین
 نہیں گئے تھے۔ خود اشمیل نے ریچل کے متعلق زولوؤں کے توہمات کو ہوا دی
 تھی اور وہ بھی محض اپنا اُلٹو سیدھا کرنے کے لئے۔ بہر حال اب انہوں نے ریچل کو
 دوق البشر زبردست قوتوں کی ٹالک: مقدس اور عظیم روح کا اوتار یقین کر لیا
 تھا۔ خود موپونے۔ جس نے کہتے ہیں کہ خود زولا کے حکم سے شاکا کو قتل کیا تھا۔
 اسے یقین سے ریچل کے انکو سازانہ زولا ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا تھا چنانچہ
 اس کے بعد ہمت، کاہن اور وچ ڈاکٹر یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے
 اس کے ریچل کے الفاظ بے معنی تھے لیکن وہ الفاظ کو یہ معنی پہنانے کی بھی
 جرأت نہ کر سکتے تھے جو بویروں پر حملہ نہ کیا جائے۔ اس صورت میں خود

ڈنگان کے خفا ہونے کا خدشہ تھا اور اس کی خفگی کا مطلب تھا اذیت ناک موت اور اگر ڈنگان انھیں قتل نہ کرتا اور پھر کہیں بوئروں سے جنگ چھڑ جاتی تو ان منتوں کی عزت و شہرت خاک میں مل جاتی۔ چنانچہ انہوں نے اپنا دامن بچانے کے لئے یہ اعلان کر دیا کہ انکو سازانہ کے الفاظ بہت عظیم ہیں چنانچہ وہ لوگ باوجود کوشش کے ان کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہے ہیں اور اس طرح انہوں نے یہ ذمہ داری دوسرے وچ ڈاکٹروں اور منتوں کے سر ڈال دی۔ اب یہ دوسرے مہنت کون تھے یہ اشمیل نے جانتا تھا اور نہ ہی جاننا چاہتا تھا۔

” لیکن “ ڈنگان نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ” فاخہ کو کون مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ایک خاص درخت پر ہی اپنا گھونسلہ بنائے ؟ فاخہ کے بازو ہوتے ہیں، وہ پرواز کر سکتی ہے اور جہاں چاہے گھونسلہ بنا سکتی ہے۔ البتہ اگر وہ درخت، جس کی ٹہنیوں اور پتوں میں کبھی اس کا بسیرا رہا ہو، جس پر وہ پٹی اور بڑھی ہو اگر دوبارہ اس کے سامنے لایا جائے تو پھر وہ اس درخت پر اپنا گھونسلہ بنانے کے لئے خوشی سے تیار ہو جائے گی۔ سمجھے کچھ سفید فام سمجھے ؟۔“

” نہیں “ اشمیل نے کہا حالانکہ وہ سمجھ چکا تھا کہ ڈنگان کا مطلب یہ ہے کپل کے والدین کو بھی زولو لینڈ میں ہی بلا لیا جائے اور وہ بھی اپنی بیٹی کے ساتھ اسی جگہ مقیم ہو جائیں ” انکو سازانہ پرندہ نہیں ہے اور کون ایسا مائی کالال ہے جو درختوں کو اکھاڑ کے اور پھر اٹھا کر ایک سے دوسری جگہ تک لے جائے۔“

” یا تو بھالوں کے دستوں کی مار سے تمہاری عقل پیلی ہو گئی یا پھر تم نے بہت شراب پی لی ہے۔“

ڈنگان نے کہا ” اوسنو کیا ہے میرا مطلب۔ انکو سازانہ یہاں قیام کرنا نہیں چاہتی کیونکہ اس کا گھر دریا کے دوسری طرف ہے چنانچہ اس گھر کو ہی یہاں

لے آیا جائے تاکہ پھر انکو سازانہ یہاں سے جانے کا نام نہ لے۔ پہلے میں نے یہ حکم دیا تھا کہ اگر وہ سفید فام چینی والا اور اس کی بیوی انکو سازانہ کے ساتھ یہاں آنے پر مصر ہوں تو انھیں قتل کر دیا جائے لیکن اب میں اپنے یہ الفاظ واپس لیتا ہوں۔ اب وہ یہاں آئیں گے۔ ان کا آنا بہت ضروری ہے اور انھیں آنا ہی پڑے گا۔

”تم انہیں کیسے بلاؤ گے؟“

”میں مجبور کروں گا انہیں۔“

”کس طرح؟“

”جس طرح انکو سازانہ کو کیا تھا اور دیکھو وہ یہاں آگئی۔ وہ بھی اس کی

خاطر آئیں گے یہاں جسے وہ چاہتے ہیں۔“

”وہ سمجھ لیں گے کہ تم نے انکو سازانہ کو قتل کر دیا ہے اور انھیں بھی قتل کر دو گے۔“

”ایسی کوئی بات نہ ہوگی کیونکہ یہاں سے جانے والے فوجی دستے کے ساتھ تم جہاؤ گے اور پھر تم ان لوگوں کو یقین دلا دو گے کہ نہ تو ایسی کوئی بات ہوئی ہے اور نہ ایسی کوئی بات ہوگی۔“

”میں نہیں جاسکتا۔ تمہارے مزدور دنیا ہیوں نے بھالوں کے دستوں سے مجھے پٹیا ہے۔ میرے سر میں چوٹیں آئی ہیں اور پیر میں چوٹیں آئی ہیں میرا دماغ بھٹنا گیا ہے اور میں لنگڑا ہو گیا ہوں۔ چنانچہ میں نہ تو چل سکتا ہوں اور نہ ہی سوار کا کر سکتا ہوں۔“

”تو تمہیں ڈولی میں لے جایا جائے گا یا پھر ڈنگان نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا ”یہیں رہو اور گدھوں کی خوراک بن جاؤ۔ انکو سازانہ رحمدل ہے لیکن میں نہیں

قتل کروا سکتا ہوں کہ تم نے اپنے غلیظ ناخنوں سے انکو سازانہ کے کراں کی دیوار پر کھردنچے لگائے ہیں۔

اب اشمیل کو احساس ہوا کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ ڈھنگاں کے اس حکم کے سامنے تسلیم خم کر دے۔ اس کے علاوہ ایک خیال بھی اس کے دماغ میں کوند گیا۔ ایک شیطانی خیال۔ وہ بہر حال ریچل کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ ریچل کی محبت میں — بشرطیکہ ہم اسے محبت کہہ سکیں — دیوانہ ہو رہا تھا اور یہ معاملہ اس کے لئے مفید ثابت ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ زولو فوج کے ساتھ ریچل کے والدین کے پاس جانے سے انکار کرنے کا مطلب تھا موت — چنانچہ اب وہ ڈنگان سے ایک سو دا کر رہا تھا کہ اس کی خدائے کے صلے میں اسے ۷۰ سے مویشی اور بہت سا ہاتھی دانت دیا جائے اور اس انعام کا نصف حصہ اسے پیشگی اور فوراً دے دیا جائے۔ ڈنگان نے اس کی یہ شرط منظور کر لی۔

اور اب اسے یہ بتایا گیا کہ خود اسے کیا کرنا تھا۔

اسے زولو سپاہیوں کے ایک چھوٹے دستے کے ساتھ، جو صرف تین سو سپاہیوں پر مشتمل ہوگا، راہ جانا تھا یہ دستہ خود اشمیل کے ماتحت ہوگا اور یہ کہ دستے کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اشمیل کے ہر حکم کی تعمیل کرے راہ کے مستقر میں جا کر اشمیل کو ”انفا دوسی“ یا چینیخے والے اور اس کی بیوی سے بیکنا تھا کہ اگر وہ ریچل کو زندہ دیکھنا چاہتے ہوں تو اس دستے کے ساتھ فوراً زولو لینڈ میں چلے آئیں اور وہیں انکو سازانہ کے ساتھ مقیم ہو جائیں۔ اگر وہ خوشی سے نہ آئیں تو انھیں جبراً لایا جائے۔ اگر ایسا ہو کہ انکو سازانہ اپنے اختیارات سے کام لے کر راہ میں پہنچ جائے تب بھی اس کے والدین کو زولو لینڈ میں لے آیا جائے

کیونکہ اس صورت میں وہ ————— یعنی ریکل — مجبوراً واپس آجائے گی اگرچہ خچے دا لے اور اس کی بیوی کی راستے میں ہی انکو سازانہ سے مڈ بھڑپو جائے تو اس کے بعد بھی انہیں واپس نہ لوٹنے دیا جائے کیونکہ اس کے بعد انکو سازانہ ان دونوں کی وجہ سے راستے ہی سے لوٹ کر زولونید میں آجائے گی۔ اشمیل کو اس دستے کے ساتھ روانہ ہونا تھا۔

” میں نے سنا اور میں نے سمجھا ” اس نے جواب دیا ” میرا انعام یعنی مویشی اور ہاتھی دانت کو میرے کرا ال مافوتی کی طرف روانہ کر دیا جائے اور پھر فوراً ہی رماہ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔“

اشمیل کی آواز میں کوئی خاص بات تھی اور ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں ایسی عیارانہ جھمک آگئی تھی جس نے ڈنگاں کو چونکا دیا۔

” مویشی اور ہاتھی دانت بھجوا دیا جائے گا “ وہ بولا ” لیکن ابو بوسی ! اگر تم نے مجھے دھوکا دیا یا کوئی چال چلی تو پھر تم مجھ سے بچ نہ سکو گے۔ آج جو کچھ بھی تم ہو میری ہر بانیوں کی وجہ سے ہو۔ آج اگر تم امیر ہو اور لعلوں کے لعل ہو تو میرے طفیل سے ہو۔ تمہارے کرا ال مافوتی میں تمہاری بہت سی بیویاں ہیں، بہت سے بچے ہیں، بہت سے مویشی ہیں ————— میرے جاسوسوں نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اور یہ سب میرا انعام ہے۔ اب اگر تم نے مجھے دھوکا دیا، اگر تم نے سفید دیوی کو چھونے کی جرأت کی، اگر اس کا بال بھی بیکا ہو تو پھر یہ یاد رکھو کہ میں یہاں کا بادشاہ ہوں۔ میں تمہارے کرا ال کو جلا کر راکھ کر دوں گا اس میں بسنے والوں کو بھالوں کے حوالے کر دوں گا اور مویشی میرے کرا ال میں آجائیں گے اور اگر تم میرے ہاتھ میں آگے، تو ابو بوسی تمہاری موت اتنی اذیت ناک ہوگی کہ تم اس دن پر لعنت بھیجو گے جس دن تم دنیا میں آئے تھے۔ بس میں کہہ چکا ہوں

” میں جا رہا ہوں اور اسے عظیم ہانتھی اور اسے کالی ہتھنی کے بیٹے میں آخر تک ان ہدایتوں پر عمل کروں گا اور تمہارے الفاظ یا درکھوں گا۔“ اشمیل نے بے حد سچی آواز اور بڑی خاکساری سے کہا کیونکہ وہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔

” سفید فاموں کو میں لے آؤں گا۔ البتہ انکو سازانہ کے غصے سے میں ڈرتا ہوں۔ چنانچہ میری درخواست ہے کہ بادشاہ مجھے دیوی کے غصے سے بچائے۔“

” انکو سازانہ سے خود تمہیں صلح صفائی کرنی ہے کیونکہ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے“ ڈنگان نے کہا اور پلٹ کر اپنی جھونپڑی کے تنگ اور نیچے دروازوں میں چاروں ہاتھوں اور ٹانگوں پر چلتا ہوا داخل ہو گیا۔

اس واقعہ کے کوئی ایک گھنٹے بعد دیوی کیل تا مہوسا انکو سازانہ کے کراہ میں داخل ہوا اور باریابی کی اجازت چاہی۔ قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ تا مہوسا وہی سپاہی تھا جس کے ساتھ ریکل رامہ سے زولولینڈ کے لئے روانہ ہوئی تھی اور یہی تا مہوسا انکو سازانہ کے سفید بیل کی نکیل پکڑے آگے آگے چلا تھا۔

” کیا بات ہے؟“ جب وہ حاضر ہوا تو ریکل نے پوچھا۔ ”تم مجھے زولولینڈ سے باہر لے جانے آئے ہو تا مہوسا؟“

” نہیں دیوی۔ تا مہوسا نے جواب دیا۔ ”اس ملک کو ابھی تمہاری ضرورت ہے۔ میں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اگر تم اجازت دو اور اپنی خادمہ نوئی کو میرے ساتھ بھیجو تو ڈنگان اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ فکر نہ کرو۔ نوئی محفوظ رہے گی۔ اگر اس کے بدن پر خراش بھی آجائے تو دیوی تم میری جان سے سکتی ہو۔“

” نوئی اتنی ہی محفوظ رہے گی جتنی کہ تم محفوظ ہو۔“

” نوئی! تم ڈنگان کے پاس جاتے ڈرتی تو نہیں؟“ ریکل نے پوچھا۔

”نہیں۔ میں کیوں ڈرنے لگی؟“ نوئی نے سنس کر جواب دیا ”مجھے بادشاہ

کے وعدے اور خود تمہاری قوتوں پر اعتبار ہے۔“

”بس تو بکھر جاؤ“ ریچل نے کہا ”اور جتنے جلد ممکن ہو واپس آ جانا۔“

چنانچہ نوئی تابوسا کے ساتھ چلی گئی۔

سورج غروب ہونے کے دو گھنٹے بعد ریچل اپنی جھونپڑی میں بیٹھی رات کا کھانا کھا رہی تھی کہ دروازے پر کا تختہ ہٹا کر نوئی داخل ہوئی اور سلام کر کے ریچل کے قریب خاموش بیٹھ گئی۔ ریچل نے ان عورتوں کو جو اس کی خدمت پر مامور تھیں، دسترخوان بڑھا کر چلے جانے کا حکم دیا اور جب وہ چلی گئیں تو اس نے نوئی سے پوچھا۔

”کیوں بلایا تھا؟ بادشاہ نے تمہیں؟“

ریچل کا خیال تھا کہ شاید بادشاہ اسے رماہ کیجئے کا انتظام کرنا چاہتا ہے اور اس خیال سے ریچل خوش تھی لیکن نوئی سے اس کی تمام امیدوں پر اس پر گڑ گئی۔

”یہ بڑی طویل داستان ہے زولا“ نوئی نے جواب دیا ”لیکن اس کا لب لباب میں تمہیں سنائے دیتی ہوں۔ زولا: تمہیں یاد ہوگا کہ جب ہماری پہلی دفعہ ملاقات ہوئی تھی تو میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں اس قبیلے کی نہیں ہوں البتہ میری ماں زولا تھی میں اس قبیلے سے تعلق رکھتی ہوں جس کے لوگ خوابوں کے شکاری کہلاتے ہیں۔ یہ سبورے لوگ بھوت بھی کہلاتے ہیں اور یہ لوگ بہت دور شمال کی طرف آباد ہیں اور اپنی حیات کے درختوں کے سائے میں رہتے ہیں اور درختوں کو ہی پوجتے ہیں۔“

”ہاں“ ریچل نے کہا ”اسی لئے تم دوسری لڑکیوں کی طرح مرد کی آرزو نہیں کرتیں بلکہ خوابوں کی دنیا میں بستی ہو، خواب دیکھا کرتی ہو اور دوحوں سے باتیں کرتی ہو۔ لیکن یہاں خوابوں کے شکاریوں کا کیا ذکر اور اس معاملے سے ان کا کیا تعلق؟۔“

”بے شک میں خوابوں کی دنیا میں بستی اور دوحوں سے باتیں کیا کرتی ہوں تاکہ مجھے اس کی مشق ہو جائے اور پھر میں تمہیں بھی یہ باتیں سکھا سکوں۔ اور ایک دن سکھا دوں گی کیونکہ تمہاری روح اور میری روح آپس میں بہنیں ہیں“
 نوٹی نے جواب دیا اور اس کی آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک آگئی۔ ”رہی یہ بات کہ خوابوں کے شکاریوں کا اس معاملے سے کیا تعلق تو زولا، اس کا تو یہ ہے کہ میرے قبیلے والے بڑے زبردست پیشین گو یا مخبر غیب ہیں۔ وہ لوگ مستقبل میں جہانک سکتے اور لوگوں کے دلوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ ان کے جیسا مخبر غیب اور پیشین گو دنیا میں کوئی اور نہ ہوگا۔ چنانچہ ہی وجہ ہے کہ دور دور کے قبائل کے سردار ہمارے یہاں کی پیشین گو یوں کی خدمت میں تحائف بھیجتے اور قسمت اور مستقبل کا حال معلوم کرنے کے لئے انہیں اپنے یہاں بلاتے ہیں لیکن یہ پیشین گو کبھی کبھی کسی قبیلے میں جاتے ہیں۔ اب یہاں ڈونگان اور اس کے مشیر تین باتوں سے بہت زیادہ پریشان ہیں۔ اوّل تو بوئروں کا معاملہ ہے اور پھر تمہارے وہ الفاظ ہیں جو تم نے زولوؤں اور بوئروں کی جنگ کے متعلق کہے تھے اور جن کا مطلب یہ لوگ سمجھ نہیں سکے اور تعمیر معاملہ اس تارے کا ہے جو اسی رات ٹوٹ کر گرا تھا جس رات تم یہاں آئی تھیں۔ اب یہاں کے وچ ڈاکٹر اور پیشین گو نہ تو ان معاملات اور شکوئوں کا مطلب سمجھ سکے ہیں اور نہ ہی اس کے متعلق تم سے پوچھنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔“

کیونکہ تم نے ان سے کہہ دیا ہے کہ تم سے اب کچھ نہ پوچھا جائے چنانچہ ان لوگوں کو یقین ہے اگر اس کے بعد ان لوگوں نے تم سے پوچھا تو تم یا تو خاموش رہو گی یا وہ الفاظ کہو گی جو بُری فال ثابت ہوں گے۔

”اور ان کا یہ خیال غلط نہیں ہے۔ ریچل نے کہا وہ میں ایک دفعہ ندائے روح یا ان کی دیوی کا کردار ادا کر چکی اب اگر دوبارہ یہ کردار ادا کرنا پڑا تو پھر مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ میں صاف صاف کہہ دوں گی۔“

”چنانچہ ڈنگان اور اس کے مشیروں کو خوابوں کے شکاریوں کا خیال آیا اور سوچا کہ ان کے پیشین گوئیوں کو، جو بھوتوں کے بادشاہ کہلاتے ہیں طلب کیا جائے اور تمہیں ان کے روبرو کر دیا جائے تاکہ وہ تمہاری عظمت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، تمہارے الفاظ کا مطلب سمجھیں اور سمجھائیں اور اس ستارے کا شکون معلوم کریں جو تمہارے اشارے سے ٹوٹ کر گر رہا تھا۔“

”تمہارا مطلب ہے مجھے ان — کیا کہتے ہیں — بھوتوں کے بادشاہوں کے پاس جانا ہے؟“ ریچل نے پوچھا۔

”نہیں زولا کیونکہ اس صورت میں تم زولولینڈ سے چلی جاؤ گی اور یہ بادشاہ اور اس کے مشیر چاہتے نہیں۔“

”تو پھر؟“

”ڈنگان اور اس کے مشیر چاہتے ہیں کہ خوابوں کے یہ شکاری یا بھوتوں کے بادشاہ خود تمہارے پاس آئیں اور تمہارے نام مادرِ شجر کا پیغام بھی لائیں۔“

”میرے پاس آئیں وہ لوگ میرے پاس کیسے آسکتے ہیں؟ یہاں انہیں کون لائے گا؟“

”بادشاہ اور اس کے مشیر چاہتے ہیں کہ یہ انہیں یہاں لے آؤں۔“

”تم!“

”ہاں۔ کیونکہ زولو جانے نہیں کہ میں اسی قبیلے سے ہوں اور ان کی زبان بول اور سمجھ سکتی ہوں۔ یہ زبان میرے باپ نے مجھے سکھائی تھی۔“

”لیکن نوئی اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔“ ریکی نے چونک کر کہا۔

”مطلب، تو یہی ہوا زولا اس کے باوجود مناسب ہوگا کہ تم ڈنگان کو خفا نہ کرو اور مجھے جانے دو کیونکہ اس کے بعد ہی تم یہاں سے نکل سکو گی ورنہ یہاں سے نکلنے کا مجھے تو کوئی اور راستہ نظر نہیں آتا۔ بہر حال میں نے ڈنگان سے کہا ہے کہ تم مجھے ایک شرط پر جانے کی اجازت دو گی اور وہ یہ کہ جب خوابوں کے شکاری آجائیں اور تم ان کے روبرو آ جاؤ اور وہ لوگ تمہارے الفاظ کا مطلب اور ٹوٹے ہوئے تارے کا شگون متاوم کر لیں تو پھر تمہیں فوراً ہی بحفاظت وہاں پہنچا دیا جائیگا جہاں سے تمہیں لایا گیا ہے۔“

”بادشاہ نے کیا جواب دیا؟“

”اس نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا اور یہ کہ تب تک تم یہاں آرام اور سکون سے رہو گی۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ ایک پیغام بھی راہ کی طرف اس پیغام کے ساتھ بھیج دیا جائے گا کہ تم محفوظ ہو‘ مزے میں ہو اور یہ کہ اب تک کیوں زولو لینڈ میں رکی ہوئی ہو۔“

”لیکن نوئی تمہارا یہ سفر کتنے دنوں کا ہوگا؟“

”یہ تو میں نہیں جانتی کیونکہ آجتاک میں نے یہ سفر کیا ہی نہیں۔ لیکن میں تیزی سے سفر کروں گی اور اگر میں تھک گئی تو تیز رفتار ہرکارے مجھے ڈولی میں بٹھا کر لے جائیں گے۔ ان لوگوں کے لئے درختوں کی وہ سرزمین دور نہیں

جو اس کے خفیہ راستوں سے واقف ہیں۔ اس کے علاوہ مقدس بادشاہ شجر میرے باپ کی چچی ہے۔“

”اور اگر یہ خوابوں کے شکاری تمہارے ساتھ نہ آئے تو؟“

”وہ میری درخواست پر ضرور آئیں گے یا کم سے کم جواب بھی دیں گے بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ وہ آئیں گے کیوں آئیں گے۔ بس یہ نہ پوچھو۔“

اور یہاں ریچل اور نوئی میں ایک بحث شروع ہو گئی۔ ریچل اسے روکنا چاہتی تھی اور اس کے متعلق دلائل پیش کر رہی تھی اور نوئی اس عارضی جدائی کے فوائد گنارہی تھی۔ اس نے کہا کہ زولینڈ میں ہر حال محفوظ تھی جیسا کہ وہ اشمیل کے معاملے میں دیکھ چکی تھی کہ حالانکہ وہ زولوؤں کے نزدیک عظیم تھا اس کے باوجود سپاہی اسے قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور وہ بھی محض اس لئے کہ اس نے زولا کے حضور ذرا سی گستاخی کی تھی۔ اس کے علاوہ — نوئی نے بڑے یقین سے کہا — یہ پراسرار خوابوں کے شکاری یا بھوتوں کے بادشاہ بڑی قوتوں والے لوگ ہیں اور یہ کہ وہی اسے ریچل کو، زولوؤں کے شکنجے سے چھڑا سکیں گے اور یہ کہ بعد میں بھی اسے ہربلا اور مصیبت سے محفوظ رکھیں گے کیونکہ جب خوابوں کے شکاری ریچل کو دیکھ لیں گے تو وہ بھی اس کی عظمتوں کے قائل ہو جائیں گے۔ آخر کار ریچل نے ہتھیار ڈال دئے اس لئے نہیں کہ نوئی نے اسے قائل کر دیا تھا بلکہ اس لئے کہ اسے احساس ہوا کہ کوئی خاص وجہ تھی جسے وہ ظاہر کرنا نہ چاہتی تھی، جس کے لئے نوئی درختوں کی سرزمین میں جانا چاہتی تھی۔

اسی دن سے جس دن راہ میں نوئی نے ایک اپنا اور ایک ریچل کا بال بھینکا تھا یہ دونوں لڑکیاں صحیح معنوں میں بہنیں بن گئی تھیں حالانکہ ان میں سے ایک سفید فام تھی اور دوسری سیاہ فام۔ ریچل کو جتنا نوئی پر اعتبار تھا کسی اور پر نہ تھا اور نوئی کو

بھی رکھل پر اتنا ہی اعتبار تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے پر حقیقت میں جان چھڑکتی تھیں۔ دونوں کو ہی احساس تھا کہ ان کی قسمیں ایک دوسرے سے وابستہ تھیں اور یہ کہ پر شور دریا، بلند دبالا پہاڑ، صحراؤں کی دستیں اور انسانوں کے ارادے اور مظالم انھیں ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکتے ہیں اور نہ کر سکیں گے۔

”ہم۔ تو یہ بات ہے رکھل نے کہا“ میری قسمت کا دائرہ مدار تمہارے خیال میں اس دُند کی آمد پر ہی ہے۔“

”اس کا مجھے یقین ہے زولا“ نوئی نے کہا۔

”تو پھر جاؤ۔ لیکن بہن جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کرنا کیونکہ تمہارے بغیر تنہائی مجھے ڈسنے لگے گی میں نہیں جانتی کہ جدائی کا یہ دور کس طرح گزرے گا۔“

اور اس نے نوئی کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر اس کے ہونٹ چوم لئے۔

بعد میں وہ دونوں سونے کے لئے لیٹ رہی تھیں تو رکھل نے نوئی سے پوچھا کہ اشمیل کے متعلق کچھ معلوم ہوا کہ کیا ہوا اس کا یا کہاں گیا وہ۔ نوئی نے جو کچھ سنا تھا وہ یہ تھا کہ اس شام اشمیل کو ڈنگان کے سامنے لایا گیا تھا اور پھر اسے ایک جھونپڑی میں نظر بند کر دیا گیا جہاں وہ اب تک نظر بند ہے۔ چنانچہ ہی نوئی نے رکھل سے کہا۔ جو سپاہی نوئی کو دیوی کے کراں تک پہنچانے آئے تھے ان میں سے ایک سپاہی نے نوئی سے یہ بھی کہا کہ بادشاہ کے ”دربار“ سے جانے کے بعد ابو بوسی سخت بیمار ہو گیا اور اول فول بکنے لگا۔ سپاہی نے کہا کہ ا۔ سے سپاہیوں نے پٹیا تھا اور ایک ڈنڈا اس کی کھوٹری پر لگا تھا جس کی وجہ سے اس کا دماغ چل گیا ہے۔

”میں تو کہتی ہوں کہ وہ مرجائے دیوتا کریں“ نوئی نے کہا۔ تاکہ دنیا اس کے ناپاک وجود سے پاک ہو جائے اور بہت سے لوگ مصیبت میں کھینے سے بچ جائیں لیکن وہ کبھی دقت سے پہلے نہ مرے گا اور ہونی ہو کر رہے گی۔“

دوسرے دن دوپہر ہونے سے کچھ پہلے نوئی اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔ ریکل نے ان سپاہیوں کو جو نوئی کے ساتھ جانے والے تھے افسر اور ان وچ ڈاکٹروں کو، جو اس سفر میں نوئی کے ساتھ تھے، بلا بھیجا اور چند روزہ خیر الفاظ کے ساتھ نوئی کو ان کے سپرد کر دیا اور کہا کہ اگر نوئی کو ذرا بھی نقصان پہنچا تو پھر ان لوگوں کی خیر نہیں اور ان سے وعدہ لیا کہ وہ اگر ضرورت ہوئی تو، نوئی کی حفاظت میں اپنی جانیں تک لٹا دیں گے۔ افسر اور وچ ڈاکٹروں نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا۔ اس کے بعد ریکل نوئی کے ساتھ کراں کے دروازے تک گئی اور اس نے نوئی کو بوئروں کی آوارہ گردیوں کے متعلق بہت سی باتیں بتا دیں تاکہ وہ انہیں خوابوں کے شکاریوں کے سامنے دہرا سکے اور یہ بات ان کے ذہن نشین کرا سکے کہ اگر زوڈوں اور بوئروں کے درمیان جنگ ہوئی تو کس قدر بھیانک اور تباہ کن ہوگی یہ جنگ۔

”میں تمہارا پیغام بھوتوں کے بادشاہ تک پہنچا دوں گی“ نوئی نے جواب دیا۔ ”لیکن اپنی طرف سے انہیں کچھ بھی بتانا فضول ہے کیونکہ وہ اپنے اپنے درخت کی چھاؤں میں بیٹھے اپنے اپنے پانی کے پیالے میں وہ سب کچھ دیکھا کرتے ہیں جو دنیا میں ہو رہا ہے اور ہونے والا ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا ہوگا کہ میں زوڈوں سے نکل کر درختوں کی سرزمین کی طرف آرہی ہوں۔“

نوئی کا جواب جتنا زیادہ ناقابل فہم تھا اتنا ہی زیادہ حیرت انگیز بھی تھا لیکن ریکل نے فی الحال خوابوں کے شکاریوں کے ”پانی کے پیالوں“ کے متعلق کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے بعد وہ آنکھوں میں آنسو لئے ایک دوسرے سے رخصت ہوئیں۔

کراں کا دروازہ بند ہو چکا تو ریکل اس ٹیلے پر پہنچی جو اس کی جھوپڑی

کے عقب میں تھا اور وہاں کھڑے ہو کر کراں کے باہر دیکھا جاسکتا تھا۔۔۔۔۔
 اور وہاں کھڑے ہو کر اس نے دیکھا کہ نوئی کے ساتھ ننو منتخب سپاہی پچاس
 ساٹھ بار بردار۔۔۔۔۔ جنہوں نے اشیائے خورد و نوش کا ذخیرہ، لباس اور
 ایک ڈولی اٹھا رکھی تھی،۔۔۔۔۔ اور تین چار وچ ڈاکٹر بھی جا رہے
 تھے۔ دو عورتیں بھی ساتھ تھیں یہ امراء کی بیوائیں تھیں جنہیں نوئی کی خدمت
 پر مامور کیا گیا تھا۔ اس جلوں کے آگے دو سپاہیوں کے ساتھ نوئی چل رہی
 تھی جس نے پیروں میں سینڈل اور اپنے سڈول جسم پر سفید چغہ پہن رکھا
 تھا۔ اس کے ہاتھ میں کسی درخت کی پتوں والی ہری شاخ تھی جس کا مطلب
 ریچل سمجھ نہ سکی ریچل انھیں جاتے دیکھتی رہی یہاں تک کہ کراں سے باہر ایک
 ٹیلے کی چوٹی پر نوئی گھوم گئی اور ریچل کی طرف شاخ ہلانے لگی اور پھر وہ ٹیلے
 کی دوسری طرف اتر کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اب ریچل بھی ٹیلے پر سے
 اتر کر اپنی جھونپڑی میں پہنچی، وہ اپنے لیٹر پر بیٹھ گئی اور تنہائی کے بھوت نے
 دفعۃً اس کے بازو پھیلا دیئے۔

ریچل رونے لگی۔

اور یہ بہت سے تنہا اور حبیب دنوں کی ابتدا تھی۔ ریچل کے دن
 اپنے کراں کی چار دیواری میں ٹہلنے گزرنے لگے۔ اسے کسی پل چین نہ تھا
 اس کا کراں تین چار ایکڑ کو محیط کئے ہوئے تھا۔ وہ اس کے احاطے میں ایک
 آوارہ روح کی طرح بھٹکا کرتی۔ بے مقصد بھٹکا کرتی یا پھر اس گھنے درخت
 کی چھاؤں میں جا بیٹھتی جو ایک تالاب کے کنارے آگ رہا تھا۔ اس تالاب
 میں نرسل کثرت سے آگ رہے تھے اور کنول کے پھول بھی تیرا کرتے تھے
 یہ خاموش تالاب، اس کا پرسکون پانی، وہ گھنا درخت اور اس میں بسیرا

کرتے ہوئے چند خاص پرندے۔ بس یہی ریچل کے دوست تھے۔ وہ تالاب کے کنارے ٹھہری کنول کے پھولوں کی پنکھڑیاں گنا کرتی اور صبح کی نرم گرم کرنوں کلیوں کو کھلتے اور پھول بننے دیکھا کرتی اور پھر اندھیرا اترتے وقت انھیں دوبارہ بند ہوتے دیکھتی یہاں تک کہ ان کی عمر پوری ہو جاتی اور پھر وہ دن آتا کہ پھول مڑ جھا جاتے اور ان کی پنکھڑیاں جھڑ جاتیں اور پھر نئی کلیاں نمودار ہوتیں جو اپنے وقت پر کھل کر پھول بن جاتیں۔

نوئی کے جانے کے دوسرے دن تامبوسا اور چند دوسرے مشیر ریچل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے درخواست کی کہ وہ "بادشاہ کے دربار" میں چلے اور چند مقدمات کا فیصلہ کر دے۔

"نہیں۔ میں وہاں نہ جاؤں گی" ریچل نے جواب دیا "کیونکہ وہاں کی فضا میں خون کی بو بسی ہوئی ہے اگر مقدمات میرے ہی لئے ہیں تو انھیں میرے پاس بھیج دیا جائے۔ میں اپنے کراں میں ہی مقدمات فیصلہ کیا کروں گی۔"

پہنچا نچہ تامبوسا اور مشیر سلام کر کے رخصت ہوئے اور ریچل نے مشیروں سے جو کچھ کہا تھا اسے بھول بھلا گئی اور اس نے یقین کر لیا کہ بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن دوسرے دن یہ معلوم کر کے دم بخود رہ گئی کہ مدعی اور مدعا علیہ کا ایک پورا جھگڑا کراں سے باہر اپنے اپنے دکاندار اور سناٹھ سٹیر گواہوں کے ساتھ پہنچ گیا ہے اور یہ لوگ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ان کے مقدمات کب فیصلہ ہوں گے۔

ریچل نے قابل تعریف ہمت سے جواب دیا۔

"اسی وقت۔"

غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ریچل قانون داں نہ تھی۔ اسکی قانون دانی

قانون کی ان چند کتابوں تک ہی محدود تھی جو اس کے باپ کے پاس اب بھی موجود تھیں یا پھر اس نے ڈربن کی عدالت میں چند اعلیٰ سیدھے مقدمے فیصلہ ہوتے دیکھے تھے اور بس۔ یہ اس کا علم تھا اس قانون کے متعلق البتہ کافروں کی رسومات کے متعلق اس کے معلومات وسیع تھیں اور ان کے مقدمات کا فیصلہ کرنے میں اس کی یہ معلومات معاون ثابت ہو سکتی تھیں۔

بہر حال جو مقدمہ اس کے سامنے پیش ہوا وہ زبردست تھا۔ مولشیوں کا ایک ریورٹ تھا جس کی وراثت کا دعویٰ دونوں فریق کر رہے تھے۔ ریچل نے جلد ہی معلوم کر لیا کہ دونوں ہی فریق خاصے پُر قوت سردار تھے اور بادشاہ نے ان دونوں کو ریچل کے پاس محض اس لئے بھیجا تھا کہ اگر وہ خود اس مقدمے کا فیصلہ کسی ایک سردار کے حق میں کر دیتا تو دوسرا اس سے خفا ہو جاتا اور یہ ڈنگان چاہتا نہ تھا۔ ریچل اپنی تپائی پر خاموش بیٹھی مدعی کے دلائے غور سے سنتی رہی۔ جب وہ خاموش ہوئے تو مدعی کو طلب کیا گیا۔ اپنے بیان کے دوران وہ ایک ایسی بات کہہ گیا جس سے ریچل کو یہ فیصلہ کرتے دیر نہ لگی کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ اور اب پہلی دفعہ ریچل گویا ہوئی۔ اس نے کرطک کر کہا:-

”تمہیں میرے سامنے، انکو سزانہ زولا کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرأت کیونکر ہوئی اور وہ بھی یہ جانتے ہوئے کہ مجھ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے؟ حتیٰ کہ میں تمہارے مولشیوں کے معاملے سے بھی شروع سے آخر تک واقف ہوں۔“

مدعی ریچل کی مافوق الفطرت قوتوں کا پہلے ہی سے قائل تھا اب جو اس نے انکو سزانہ کی نگاہیں اپنے چہرے پر مرکوز دیکھیں تو سہم گیا۔ اس نے فوراً ہی اقرار کر لیا کہ اس کا دعویٰ واقعی جھوٹا تھا اور یہ کہ مدعا علیہ اس کا چچا زاد بھائی تھا جس

کی امارت سے وہ خود جلتا تھا۔ بس اسی حسد کی وجہ سے اس نے ان موشیوں کے متعلق دعویٰ کر دیا تھا۔

چنانچہ ریچل نے اسی وقت یہ فیصلہ سنا دیا کہ مدعی جرمانے کے طور پر چند موشی بادشاہ کو ادا کرے اور آئندہ سے ایماندار بن کر رہے ورنہ اس کے حق میں برا ہوگا۔ ریچل کے اس فیصلے کی دھوم مچ گئی اور اب ایک دیوی کے علاوہ ایک عمدہ منصفہ کے طور بھی مشہور ہو گئی۔ چنانچہ اب روزانہ مقدمات فیصل ہونے اس کے پاس آنے لگے۔ لیکن اب لوگوں کے دنوں میں ریچل کی قوتوں کا خون بھیٹ گیا تھا اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اسے دھوکا دینا ممکن نہیں چنانچہ اب ہر مقدمہ جلد ہی بلکہ فوراً ہی فیصل ہو جاتا کیونکہ ہر مجرم اپنے جرم اور ہر مدعی اپنے جھوٹ کا فوراً ہی اقرار کر لیتا۔

ریچل صبح سات بجے اپنی عدالت کے دروازے کھولتی اور مسلسل پانچ گھنٹوں تک مقدمات فیصل کیا کرتی — کیونکہ اس سے زیادہ بیٹھنے سے وہ دماغی اور جسمانی طور پر تھک جاتی تھی بارہ بجے عدالت کی کارروائی ختم ہو جاتی تو پھر دوسرے دن صبح تک وہ اکیلی اور بیکار ہوتی۔ تنہائی کا احساس شدید ہونے لگتا اور وہ خود بے چین و بے تاب ہو جاتی۔

ایک پیغامبر کو راہ کی طرف دوڑا دیا گیا تھا لیکن دنس دن بعد وہ یہ خبر لے کر آیا کہ دریا اٹے تو گیلیا چڑھا ہوا ہے چنانچہ اسے عبور کرنا ممکن نہیں۔ چند دنوں بعد ریچل نے پھر اسی پیغامبر کو راہ کی طرف روانہ کیا اور اس کے ایک ہفتے بعد ریچل کو بتایا گیا کہ اس پیغامبر کو راستے میں ایک شیر نے پھاڑ کھایا۔ دوسرا پیغامبر بھیجا گیا لیکن وہ واپس نہ آیا۔ اس کا کیا بنا یہ ریچل معلوم نہ کر سکی۔ انہی دنوں ریچل نے سنا کہ اشمیل نہ صرف تندرست ہو گیا تھا بلکہ موقع

پاکر بادشاہ کے کراں سے فرار بھی ہو گیا تھا اور کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ کہاں گیا تھا۔ چنانچہ اسی وقت سے ایک انجان خوف بچاری ریکل کے دل میں اترنے لگا اور اندیشے اس کے دل میں گھر کرنے لگے۔ وہ اشمیل سے ڈرتی تھی اور چونکہ وہ ریکل سے ملاقات کئے بغیر فرار ہوا تھا اس لئے اس نے سمجھ لیا کہ اس شخص کے ارادے یقیناً نیک نہ تھے انہی تفکرات اور پریشانیوں میں اسے اس بات پر افسوس بھی ہوا کہ اس نے نوئی کے مشورے پر عمل کر کے اشمیل کو قتل کیوں نہ کروا دیا۔ رہی نوئی تو اس کی کوئی خبر نہ آئی۔ وہ افریقہ کے اندھیرے اور پراسرار جنگلوں میں گم ہو چکی تھی۔

یہ ایک عجیب اور غیر قدرتی سی زندگی تھی جو ریکل بسر کر رہی تھی چنانچہ رفتہ رفتہ اس کے اعصاب جواب دینے لگے جب وہ مقدمے فیصل کر رہی ہوتی تو اس وقت وہ پرسکون معلوم ہوتی لیکن جب عدالت کی کارروائی ختم ہو جاتی تو لوگ اس کی تعریف کے نعرے لگاتے اور اس کی مدح سرائی کرتے رخصت ہو جاتے اور جب وہ خود اپنی خادماؤں کو رخصت کر دیتی تو پھر تنہائیاں، اداسیاں، پریشانیاں اور تفکرات، ہجوم کراتے۔ وہ نرم کھالوں کے اپنے بستر پر اندھے منہ جا پڑتی اور اکثر دفعہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی۔ زولوؤں کی دیوی، مافوق الفطرت قوتوں کی مالک، آسمانوں کی ملکہ، پیشین گو، انکوسازانہ زولا، وہ عورت جس کے نام سے زولوئیڈ میں بسنے والا ہر شخص کا پتا تھا، بادشاہ سے لے کر ایک عام شخص تک جس سے ڈرتا تھا۔ ہاں! وہی لڑکی رو پڑتی کیونکہ وہ اکیلی تھی، اس کا کوئی نہ تھا۔ انسان اور خدا اسے بھول گیا تھا۔ سب نے اسے چھوڑ دیا تھا۔

اور اب طوفانوں کا موسم آگیا۔ افریقہ کے مخصوص برق دباراں کے طوفان۔

روزانہ یوں ہوتا کہ دوپہر ڈھلتی اور طوفان پھٹ پڑتا۔ کرطک اور گرج کی آوازیں افق تا افق لڑھکتی چلی جاتیں۔ بادشاہ کا کراں ان آوازوں سے لرز لرز اٹھتا اور سامنے کے ٹیلے پر، جہاں کچے لوہے کے پتھر تھے، بجلیاں مسلسل گرا کرتیں۔

ریچل طوفانوں سے کبھی ڈری نہ تھی اب یہ طوفان اسے خوفزدہ کر دیتے تھے۔ آسمانوں پر کالے کالے بادلوں کو منڈلاتے دیکھ کر وہ سہم جاتی یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا لیکن سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ اسے اپنے اس خوف کا اظہار کرنا تھا۔ اسے اپنا یہ خوف دبانا پڑتا تھا کیونکہ زولونینڈ میں اس کی حیثیت ایک دیوی کی تھی۔ ایک ایسی دیوی جس کی فرمانروائی نہ صرف انسانوں بلکہ طوفانوں پر عموماً اور بجلیوں پر خصوصاً تسلیم کر لی گئی تھی۔ زولونینڈ میں پچھلے کئی برسوں سے بارشیں ہوتی تھیں اب جو طوفان آئے اور خوب پانی برسنا، جو غلے کے لئے بے حد مناسب تھا، تو زولونینڈ میں خوشیاں منائی گئیں اور اسے انکو سازانہ زولا کا ایک منجر سمجھا گیا اور کہا گیا کہ یہ ان کے، یعنی زولونینڈ کے ملک میں دیوی کی موجودگی کی ہی برکت تھی کہ خشک سالی ختم ہو گئی اور پانی یوں برسا کہ پہلے کبھی نہ برسا تھا۔ اسی طرح ایک دن بجلی کرطک کر ایک وچ ڈاکٹر کی جھوپڑی پر گری اور جھوپڑی کے ساتھ ساتھ وچ ڈاکٹر اور اس کی بیوی بھی جل کر مر گئے تو لوگوں نے کہا کہ یہ انکو سازانہ یا آسمانوں کا انتقام تھا کیونکہ یہ وچ ڈاکٹر ریچل کی قوتوں پر شک کیا کرتا اور سرعام اپنے شکوک کا اظہار کیا کرتا تھا۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس وچ ڈاکٹر کے جل مرنے کے بعد کسی کو بھی ریچل کی قوتوں میں شک نہ رہا، کوئی اس کے خلاف ایک لفظ بھی کہنے کی جرأت نہ کر سکا اور جوہان مبلغ کی لڑکی صحیح معنوں میں عظیم بن گئی۔

اور پھر طوفانوں کا موسم بھی گزر گیا اور افریقہ کا سورج پوری آب و تاب سے چمکنے لگا تو پھر وہی تنہائیاں اور ادا سبیاں تھیں جن کو دور کرنے کے لئے ریچل اپنے جھوپڑی سے نکلتی اور اپنے مخصوص درخت کی چھاؤں میں لاب کے کنارے جا بیٹھتی اور اس وقت تک بیٹھی رہتی جب تک سورج غروب نہ ہو جاتا، جب تک کہ کنول کے پھول بند نہ ہو جاتے اور جب تک ہوا میں خشکی اور ہستری کی سی کارٹ نہ آ جاتی۔

اور پھر رات کا اندھیرا اتر آتا۔

ہائے! وہ طویل راتیں۔۔۔۔۔ ریچل کو انہی بھیا نک تنہائی میں یہ راتیں لامتناہی معلوم ہوتیں۔ یہ وہی ریچل تھی جو کبھی ایسی بے خبر سویا کرتی تھی کہ اسے اپنے سر پیر کا ہوش نہ رہتا تھا۔ لیکن اب اسے نیند نہ آتی تھی اور اگر کبھی اتفاقاً آنکھ لگ جاتی تو اسے خواب نظر آتے۔ وہ ہر رات اپنی ماں کو خواب میں دیکھتی کہ وہ بیمار ہے یہاں تک کہ آخر کار اسے یقین ہو گیا کہ اس کی ماں واقعی بیمار ہے۔ اس کا یہ یقین اس قدر پختہ ہو گیا کہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ نوئی کا انتظار نہ کرے گی بلکہ ہر صورت زولو لینڈ سے نکل کر ماہ پنچ جاے گی اور اس نے تابوسا کے ذریعہ بادشاہ کو یہی کہلا بھیجا۔ دوسرے دن جواب آیا کہ اگر وہ جانا چاہے تو ظاہر ہے کہ اسے کوئی روک نہیں سکتا البتہ اگر اسے رماہ پنچا ہی ہے تو وہاں اسے پرواز کر کے پنچنا ہوگا کیونکہ راستے کے دریا پٹھے ہوئے تھے اور انہیں عبور کرنا ممکن نہ تھا اور یہ کہ وہ اپنے کراں کے عقب میں واقع پیار پر چڑھ کر خود اپنی آنکھوں سے دریاؤں کو ”غصے میں بھرا ہوا“ دیکھ سکتی تھی۔ تابوسا نے کہا کہ سپاہیوں کا وہ دستہ، جسے اسمیل کے تعاقب میں روانہ کیا گیا تھا، پہلے ہی دریا کے کنارے پر ایک ہفتے تک پڑا رہا اور

تھک کر لوٹ آیا کیونکہ ریچل کے سپنا مہر کی طرح یہ سپا ہی بھی دریا عبور نہ کر سکتے۔ ریچل نے مزید تحقیق کر کے دوسرے ذرائع سے معلوم کر لیا کہ تانبوسا نے واقعی غلط نہ کہا تھا چنانچہ وہ خاموش ہو رہی۔ لیکن جو بات ریچل معلوم نہ کر سکی وہ یہ تھی کہ اشمیل باڑھ آنے سے پہلے تمام دریا عبور کر گیا تھا اور دریائے توگیلا کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں سپاہیوں کا ایک دستہ اس کا منظر تھا اور یہ کہ اشمیل اسی دستے کو کے کرناہ کی طرف روانہ ہونے والا تھا۔

فرار فی الحال ممکن نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تو ظاہر ہے کہ رولوا سے رخصت کرنے کے لئے تیار نہ تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ اسے فی الحال اسی جگہ رہنا تھا۔ تنہا اور اپنے اٹھ سیدھے خوابوں کے ساتھ اسے پسینی خیزی برداشت کرنی تھی۔

اور آخر کار اس کے یہ اُداس اور بے چین کردینے والے خواب خوشگوار خوابوں میں تبدیل ہونے لگے اب اسے جو خواب نظر آتے وہ بے حد واضح اور صاف ہوتے۔ لیکن صبح اسے صرف اس قدر یاد رہتا کہ ان خوابوں کا تعلق رچرڈ سے تھا۔ وہی رچرڈ جس سے اس کی پہلی اور آخری ملاقات زولو لینڈ سے بہت دور ایک جزیرے پر ہوئی تھی اور جس کے متعلق ریچل نے آج تک کچھ نہ سنا تھا لیکن جسے وہ بھولی نہ تھی۔ اگر وہ مر گیا ہوتا تو ریچل کو پتہ چل جاتا کس طرح؟ یہ تو وہ خود بھی نہ جانتی تھی چنانچہ رچرڈ زندہ تھا اور اس کا ریچل کو یقین تھا۔ بہر حال اگر وہ زندہ تھا تو ریچل کو بھول گیا ہوگا۔ لیکن —

لیکن — ریچل یہ تسلیم کرنے کے تیار نہ تھی۔ رچرڈ اسے بھولا نہ ہوگا۔ وہ اسے نہیں بھول سکتا۔ پہلی ہی ملاقات کے وقت، جب وہ دونوں کم عمر ہی تھے، اس نے کہا تھا کہ وہ ریچل کو بھی نہ بھولے گا، وہ اسے تلاش کرتا رہے گا اور

اس نے یہ بھی تو کہا تھا کہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ ریچل کے ساتھ ہی چلا چلتا۔ اور خود ریچل اسے کہاں بھولی تھی؟ رچرڈ تو اس کے خیالات میں بس گیا تھا۔ بیشک وہ اس کے متعلق سوچا کرتی تھی لیکن اس طرح نہیں جس طرح اب سوچ رہی تھی۔ کیا وجہ تھی کہ رچرڈ اب اسے بری طرح یاد آ رہا تھا، شدت سے یاد آ رہا تھا؟ کیا وجہ تھی جیسے وہ اب اس کی روح تک میں بس رہا تھا؟ کہیں ایسا تو نہ تھا کہ اب ایک بار پھر ان کی ملاقات ہونے والی تھی؟ امید کی شعاع دل میں روشن ہو گئی تو وہ کانپ اٹھی۔ یہ انبساط کی کپکپی تھی اور اسے یاد آیا کہ اس کی ریچل کئی ماں نے کہا تھا کہ ان کی ملاقات ہوگی اور ضرور ہوگی۔ کہیں ایسا تو نہ تھا کہ اب وہ خود اسے بچانے آ رہا ہو؟ ہاں یہ ممکن تھا کیونکہ اب وہ ایک بہادر مرد بن چکا ہوگا۔ اگر ایسا ہی تھا۔۔۔ اور خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔۔۔ تو پھر فکر کی کوئی بات نہ تھی۔ وہ پھر محفوظ ہوگی۔ رچرڈ کی بانہوں میں پہنچ کر وہ اتنی ہی محفوظ ہوگی جتنا کہ ایک شیر خوار بچہ اپنی ماں کی آغوش میں محفوظ ہوتا ہے۔ لیکن نہیں۔۔۔ یہ تو ایک خیال خام تھا۔۔۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ رچرڈ کیسے آسکتا ہے۔ یہ تو محض ایک خیال تھا۔ ایک دھوکا تھا۔

تو پھر۔۔۔ تو پھر۔۔۔ کیا وجہ تھی کہ رچرڈ اس کے خوابوں میں آ رہا تھا؟ خاموش، اکتا دینے والے اور تنہائی سے پردن رنگتے رہے۔ آہستہ آہستہ رنگتے رہے۔ نوئی کو رخصت ہوئے ایک مہینہ گزر گیا اور اچانک وہ خواب غائب ہو گئے جو رچرڈ کے متعلق تھے۔

ریچل بیزار ہو گئی۔ وہ تھک گئی۔ وہ ہر طرف سے مایوس ہو گئی۔ اس صبح اس کے سامنے جو مقدمہ پیش ہوا وہ مولیشیوں کے ایک ریوڑ کا تھا جس کے زمین دعوے دار تھے۔ مقدمہ بے حد اُبھا ہوا تھا جس نے اسے تھکا مارا۔ آخر کار

اس نے تین مدعیوں میں صلح صفائی کرادی لیکن وہ دماغی اور جسمانی طور پر اس قدر تھک گئی تھی کہ وہ کھانا نہ کھا سکی۔ اسے ابکائیاں آنے لگیں۔ وہ آرام بھی نہ کر سکی کیونکہ آسمان پر بادل منڈلانے لگے تھے اور طوفان برق و باران کی آمد کے آثار ہویدا ہو چلے تھے۔ ہوا بند تھی۔ فضا میں ناقابل برداشت گھٹن تھی جو ریچل کے اعصاب پر انداز ہو رہی تھی اور اسی اعصابی ہیجان کی وجہ سے وہ سو نہ سکتی تھی۔

آخر کار تیخ بستہ ہوا کے جھکڑ چلنے لگے اور طوفان اپنے پورے زور کے ساتھ پھٹ پڑا۔ ٹرک اور گرج کی آوازوں سے دشت و جبل گونج اٹھے، بجلیوں کے مسلسل چمک نے آسمان میں اس سرے سے اُس سرے تک ایک آگ سی لگا دی اور چھا جوں پانی برسے لگا۔

اور پھر جیسا کہ ہمیشہ ہوا کرتا تھا اپنے وقت پر اور اپنا زور ختم کر کے اور جیسے تھک کر طوفان گزر گیا اور سورج چمکنے لگا۔ ریچل نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنی جھونپڑی سے نکل کر چمکتی دھوپ تازہ ہوا میں آگئی وہ تالاب پر پہنچی۔ وہاں درخت کی چھاؤں میں اس کی خادماؤں نے ایک نرم کھال بچھا دی تھی۔ ریچل اس پر بیٹھ گئی۔ ہر چیز حتیٰ کہ دھوپ بھی دھلی ہوئی تھی۔ ہوا کے ہلکے سے جھونکے سے درخت پر سے ٹھنڈے پانی کے قطرے ریچل پر ٹپک پڑتے اور وہ عجیب طرح کی پھریری آمیز فرحت محسوس کرتی۔

ریچل نے اپنی پریشانی کو بھولنے کی کوشش کی اور اپنے بچپن کے محبوب رچرڈ کے متعلق سوچنے لگی۔ رچرڈ جس کی محبت اب اس کے دل میں جھپکیاں لے رہی تھی۔ اب وہ جوان ہو چکا ہوگا اور وہ تصور کی نظروں

سے یہ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ جو ان ہو کر وہ کیسا معلوم ہوتا ہوگا۔
 ”رچرڈ! میرے رچرڈ! کاش کہ تم میری مدد کو آ سکتے۔“ کاش کہ تم میری
 مدد کو آ جاؤ۔ خدایا! خدایا! میرے رچرڈ کو بھیج دے میرے پاس۔“ بیکس
 مجبور تھا اور پریشان ریکل بڑبڑائی اور پونہی بڑبڑاتے بڑبڑاتے اس کی
 آنکھ لگ گئی۔

اور یکایک اسے یوں معلوم ہوا جیسے وہ جاگ رہی ہے پوری طرح بیدار ہے
 اور تالاب میں اس جگہ دیکھ رہی ہے جہاں اس کی تہ میں پتھر کی سلیں ہیں اور پانی کاغ
 کی طرح شفاف ہے اور اس شفاف پانی میں اسے ایک تصویر نظر آرہی ہے
 ایک زبردست لاگر ہے۔ لاگر کے باہر اور ایک چھکڑے کے قریب بہت سے
 ڈاڑھی والے اور بٹاش مردوں کا گروہ بیٹھا ملتا کو نوشتی اور گپ شب میں مصروف
 ہے۔ دفعۃً ایک دوسرا شخص، جو قوی ہیکل تھا اور بہادر معلوم ہوتا تھا، اپنے بڑھ
 کا فر ملازم کے ساتھ کہیں سے نکل کر ان لوگوں کے قریب آیا جو بیٹھے گپ شب لڑا
 رہے تھے۔ اس نئے آنے والے کی ریکل کی طرف پشت تھی۔ چنانچہ وہ اس
 آنے والے کی صورت تو نہ دیکھ سکتی تھی البتہ اس کے اور گروہ میں کے ایک شخص کے
 درمیان جو گفتگو ہوئی اسے صاف طور سے سن سکتی تھی حالانکہ یہ آوازیں بہت گہرائی
 میں سے آتی معلوم ہوتی تھیں۔

”کیا بات ہے بھتیجے!“ بیٹھے ہوئے ڈاڑھی والے لوگوں میں سے ایک شخص نے
 ڈیچ زبان میں کہا جو سب سے زیادہ عمر معلوم ہوتا تھا ”بہت جلدی میں معلوم ہونے ہو تم؟“

اے وہ روک جو تھکڑوں کو ایک سے ایک ملا کر اور ایک دائرے میں کھڑے کر کے
 بنادی جاتی ہے۔ (منظر الحق علوی)

”بات یہ ہے چچا!“ آنے والے دیو ہیکل شخص نے جواب دیا۔ اس کی آواز میں ہشاشت تھی اور یہ آواز ہیکل کو حیرت انگیز حد تک کان آشنا معلوم ہوئی۔ ”بات یہ ہے چچا کہ ہمارا جاسوس کوئی، جسے ہم نے ڈنگان کرال کی طرف روانہ کیا تھا اور جسے ہم مردہ یقین کر چکے تھے، واپس آ گیا ہے۔“

”خدا یا!“ بوڑھے نے کہا ”یہ جاسوس عجیب و غریب اور ناقابل یقین خبریں لے کر آتے ہیں۔ خیر! سناؤ کوئی تم کیا خبر لائے ہو۔“

پچنانچہ تھکے ہوئے بوڑھے جاسوس نے اپنے کارنامے کی ایک طویل داستان بیان کرنی شروع کی اس نے بتایا کہ وہ کس طرح زولو لینڈ اور خاص بادشاہ کے کراں میں پہنچا اور وہاں اپنے ایک دور کے عزیز کے ساتھ مقیم ہو گیا اور ہر طریقے اور ہر ذریعہ سے بوٹیروں کے متعلق ڈنگان اور اس کے مشیروں کے ارادے معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ جب وہ وہاں تھا تو خبر آئی کہ عظیم سفید روح، انکو سازانہ زولا، جو اپنے مبلغ والدین کے ساتھ رہتی تھی، ناٹمال کی طرف سے زولو لینڈ کی طرف آرہی ہے۔

”میرے خدا!“ اسی بوڑھے نے کہا ”یہ کیا بکواس ہے؟ ایک روح کے خواہ وہ سفید ہو یا سیاہ والدین کیسے ہو سکتے ہیں اور وہ بھی مبلغ؟“

جاسوس نے جواب دیا کہ یہ وہ نہیں جانتا کیونکہ مجھے حل کرنا اس کا کام نہیں البتہ وہ یہ ضرور جانتا ہے کہ آسمانوں کی ملکہ کی آمد کی خبر سے زولو لینڈ میں جوش و مسرت کی ایک عام ہر دوڑ لگئی اور وہ، یعنی جاسوس تازہ بہ تازہ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا اس لئے وہ بھی کراں میں سے نکل کر دریائے توگیلا کے کنارے پر پہنچا اور اپنے عزیز کے ساتھ ایک ایسی جگہ چھپ گیا جہاں سے وہ دیو کی جاسوس کو گزرتے دیکھ سکتا تھا۔ اپنی اس کمین گاہ اور اس کے محل وقوع کو جاسوس نے یہی

تفصیل سے بیان کیا کہ ریچل نے اپنے خواب میں بھی اس جگہ کو پہچان لیا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں ریچل کے جلوس کے وقت وہ کاہنہ ماری گئی تھی۔ جاسوس نے اپنی داستان جاری رکھی اور دیوی کی آمد کی تفصیلات بیان کیں کہ وہ سفید گھوڑے پر سوار تھی اور اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں مسلح سپاہی چل رہے تھے۔ جاسوس نے ریچل کا حسن بیاں کیا، اس کے سفید چہرے کے متعلق کہا، اس کے بالوں کی رنگت تفصیل سے بیان کی جو اس کے شانوں پر ریشمی ڈھیر کی طرح پڑے ہوئے تھے اور اس عصا کا ذکر کیا جو گینڈے کے سینک کا تھا اور ریچل کے ہاتھ میں تھا اور پھر اس نے آنکھوں کی رنگت اور اس کے چہرے کے نقوش کی ایک ایک تفصیل اس طرح بیان کی کہ ایک افریقی ہی بیان کر سکتا ہے اور پھر اس نے وہ واقعہ بیان کیا کہ مولیشی کس طرح اس کے راستے میں ڈٹے آئے، کس طرح ایک بچہ ہوئے بیل نے دیوی پر حملہ کر دیا، کس طرح غصے میں بھری ہوئی کاہنہ گئی اور اس نے دیوی کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی، کس طرح دیوی نے اپنے عصا سے اس کاہنہ کی طرف اشارہ کیا اور یہ کہ اسی وقت اور اسی جگہ کاہنہ کو قتل کر دیا گیا۔

جاسوس نے بتایا کہ وہ کس طرح جلوس کے ساتھ ساتھ بادشاہ کے کراں میں گیا اور یہاں اس نے نوئی کی سرگزشت بیان کی جو اس نے زولوؤں سے سنی تھی اور پھر ڈنگان اور ان کو سازانہ زولا کی گفتگو دہرا دی۔

”اور اب یہ انکو سازانہ کہاں ہے؟“ بوڑھے ڈچ نے پوچھا۔

”وہیں۔ بادشاہ کے کراں میں“ جاسوس نے جواب دیا ”وہ اب زولوؤں پر حکومت کر رہی ہے حالانکہ کہتے ہیں کہ وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہے لیکن زولوؤں اسے جانے دینا نہیں چاہتے۔“

”میرے خیال میں ہمیں اس سفید خام عورت کے متعلق اور بھی باتیں معلوم کرنی چاہئیں“ بوڑھے نے کہا ”خصوصاً اس لئے کہ وہ ہم بوئیروں کی ہمدرد اور دوست معلوم ہوتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہاں جانے کی جرأت کون کرے گا۔“

”میں جاؤں گا،“ اس دیوہیکل جوان نے کہا اور یہ کہتے ہوئے وہ گھوم گیا۔

اور وہ کوئی اور نہیں بلکہ خود رچرڈ وارین تھا۔ وہی ناک، وہی آنکھیں اور وہی نقوش البتہ اب وہ جوان تھا اور اس کے بھی ڈاڑھی تھی۔ بیشک یہ رچرڈ ہی تھا۔

”تم! تم کیوں اس خطرناک ہم پر جانا چاہتے ہو؟“ بوڑھے بوئیر نے بڑی شفقت سے پوچھا ”کیا محض اس لئے کہ تم اس حسین دیوی کو دیکھنا چاہتے ہو جس کے متعلق کوئی ایسی اوٹ پٹانگ روائتیں بیان کر رہے؟“ رچرڈ نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا کیونکہ وہاں بیٹھے ہوئے بوئیر بڑے معنی خیز انداز میں ہنس رہے تھے۔

”یہ آپ نے غلط نہیں کہا چچا“ رچرڈ نے جواب دیا ”آپ مجھے بیوقوف سمجھ رہے ہوں گے لیکن یقین کیجئے میں بیوقوف نہیں ہوں۔ کئی برسوں پہلے میری ملاقات ایک لڑکی سے ہوئی تھی جو ایک مبلغ کی بیٹی تھی۔ اب اگر وہ مری نہیں ہے تو وہ جوان ہو کر ایسی ہی حسین نکلی ہو گی جیسی حسین دلوؤں کی یہ دیوی ہے جس کا ذکر کوئی نے کیا ہے۔ گزشتہ سال میں آپ لوگوں کے قافلے میں محض اس لئے شامل ہو گیا تھا کہ اس لڑکی کی تلاش کر سکوں اور اب میں اسے دریا کے اُس پار تلاش کرنے جا رہا ہوں۔“

یہ الفاظ ریحل نے سنے ہی تھے۔۔۔۔۔ خواہ خواب میں یا بھوتی میں
یا حقیقت میں۔۔۔۔۔ کہ دفعۃً وہ لاگرا، بویر اور رچرڈ غائب ہو گئے۔
منید میں ہی اس نے ایک بار پھر اس خواب یا تصویر کو تخلیق کرنے کی کوشش
کی لیکن ابتدا میں کچھ نظر نہ آیا سو اٹے اندھیرے کے اور پھر اندھیرے کا یہ
پردہ اٹھنے لگا اور اس نے تالاب کے شفاف اور پرسکون پانی میں ایک دوسری
تصویر دیکھی کہ رچرڈ دارین ایک کالے گھوڑے پر سوار ہے جس کی ایک
ٹانگہ سفید ہے اور وہ جھاڑیوں سے پُر ایک جنگل میں سے گذر رہا ہے۔
وہ اکیلا نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ کافر جاسوس بھی ہے جس کا نام کوہنی
بتایا گیا تھا۔

وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ریحل ان کی آواز سن رہی تھی۔
”ڈنگان کا کراں اب کتنی دور رہ گیا ہے؟“ رچرڈ نے پوچھا۔
”انکوں! اگر پڑھے ہوئے دریاؤں نے ہمیں روک نہ دیا تو ہم تین دن
میں وہاں پہنچ جائیں گے“ کوہنی نے جواب دیا۔

ایک سکند۔۔۔۔۔ صرف ایک سکند کے لئے ریحل نے انھیں دیکھا اور
یہ الفاظ سنے اور پھر یہ تصویر غائب ہو گئی۔ اس کی آنکھ کھل گئی اور اس کی نظر
کے سامنے خالی تالاب تھا جس میں صرف کنول تیر رہے تھے اور اوپر درختوں
کی شاخوں میں چھپ کر ہوا سرگوشیاں کر رہی تھی۔

سیرتوال باب

سچر ڈ کی آمد

سورج غروب ہو گیا تو ریچل اٹھ کر اپنی جھونپڑی میں پہنچی۔ وہ پوری طرح سے چکرا گئی تھی اور نہ جانتی تھی کہ اپنے اس خواب کو کیا سمجھے۔ کیا وہ اس کے تنہائی کے احساس سے بوجھل اور تھکے ہوئے دماغ کی اتج بھٹی ہے؟ اگر یہ خواب ہی تھا تو پھر معلوم ہوا کہ اس کی اُداسی کا جام اب تک لبریز نہ ہوا تھا کہ اب بھی تلخ اداسیاں قطرہ قطرہ اس کے تلخ جام میں ٹپک رہی تھیں۔ لیکن اگر یہ سچا خواب تھا۔ اگر واقعی یہاں سے بہت دور ایسا ہی ہوا تھا جیسا کہ اس نے خواب میں دیکھا تھا تو پھر اس کا مطلب کیا تھا؟ مطلب صاف تھا کہ رچر ڈ جس کی یاد ریچل کے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی، زندہ تھا۔ مطلب یہ تھا کہ خود رچر ڈ بھی اسے نہیں بھولا ہے کیونکہ اس نے خواب میں اسے کتنے سنا تھا کہ وہ بوئروں کے ساتھ کیپ ٹاؤن سے محض اس لئے چلا ہے کہ اسے ریچل کو، تلاش کر سکے؟ ظاہر ہے کہ ایک لڑکی کے لئے کوئی مرد یہ قدم، یہ خطرناک قدم اسی وقت اٹھا سکتا ہے جب وہ اس سے محبت کرتا ہو۔ چنانچہ رچر ڈ آئے گا اور پھر اسے ان وحشیوں میں سے نکال لے جائے گا اور پھر بہت کچھ ہوگا۔ — بہت کچھ جس کے متعلق وہ سوچتے بھی ڈرتی تھی کیونکہ یہ بے حد خوش آئند خیال تھا۔

لیکن — لیکن — یہ خواب حقیقت کیسے ہو سکتا ہے؟ بیشک

سیاہ فام کا فراس قسم کے خوابوں سے شگون لے سکتے اور اسے سچا سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن وہ تو ایک تعلیم یافتہ اور مہذب لڑکی تھی اور جانتی تھی کہ خواب بس خواب ہی ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود قدرت کے کھیل نیارے ہوتے ہیں اور قدرت کا کارخانہ ناممکن کو ممکن اور غیر قدرتی کو قدرتی بنا دیتا ہے۔ ریکل کی ماں غیب میں تھی تو کیا ماں کی یہ امتیازی خصوصیت یا اس کا کچھ حصہ خود اسے ورثے میں نہ مل سکتا تھا؟ کیا اس کی بے چارگی دیکھ کر رحمت خداوندی جوش میں آگئی تھی؟ کیا اس کی دعائیں آخر کار سن لی گئی تھیں؟ بے شک ایسا ہی تھا۔ اسی لئے تو فاصلے سمٹ گئے تھے، اسی لئے تو اسے وہ دکھایا گیا تھا جو بہت دور وقوع پذیر ہو چکا تھا۔ لیکن اگر ایسا ہی تھا۔ اگر واقعی ایسا تھا کہ رچرڈ آ رہا تھا اور ایک ہی دو دنوں میں زولو لینڈ میں قدم رکھنے والا تھا تو اس کے لئے اندھیرے کے پردے اٹھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ فطری اور قدرتی طور پر اسے اس کی آمد کا پتہ چل جاتا کیونکہ کہتے ہیں کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔

لیکن نہیں۔ یہ پردے اس کی نہیں بلکہ رچرڈ کی خاطر اٹھائے گئے تھے بہت ممکن تھا کہ زولو ایک تنہا سفید فام کو اپنے بھالوں کا نشانہ بنا دیں خصوصاً جب انہیں معلوم ہو کہ یہ سفید فام ان کی دیوی انکو سازانہ کے پاس آ رہا ہے بہر حال وہ رچرڈ کو بچا سکتی تھی۔ اگر وہ "اپنے چہرے کے دامن کا سایہ" اس پر ڈال دے تو پھر کوئی اسے انگلی بھی لگانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ بے شک۔ بے شک۔ اسی لئے اندھیرے کے پردے اٹھا دیے گئے تھے۔ اسی لئے اسے وہ تصویریں دکھائی گئی تھیں۔ چنانچہ اب اسے اندھیرے میں تیر چلانا تھا۔ اگر رچرڈ آ گیا تو ٹھیک ورنہ اس سے زیادہ اور کیا ہو گا کہ زولو دس دنوں کا اس کی

قولوں پر سے لپٹ کر اٹھ جائے گا اور زولولینڈ کے وچ ڈاکٹر اس کا مذاق اڑائیں گے اور اس کی ریچل کو پروا بھی نہ تھی۔

جو کچھ کرنا تھا فوراً کرنا تھا اور اس نے ایک آخری فیصلہ کر لیا۔

اس نے تالی بجائی۔ فوراً ایک جوان خادمہ جھونپڑی میں داخل ہوئی۔ ریچل نے اس سے کہا کہ وہ فوراً کراں کے محافظوں کے افسر کو بھیج دے۔ تھوڑی دیر بعد ہی عورتوں میں گھرا ہوا افسر آگیا کیونکہ کوئی مرد تنہا دیوی کے حضور آنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

”تم فوراً ڈنگان کے پاس جاؤ۔“ ریچل نے کہا ”اور اس سے کہو کہ ایک معاملے کے متعلق اس سے فوراً گفتگو کرنا چاہتی ہوں چنانچہ وہ بدرقہ کے چند سپاہی اور میرے لئے ڈولی بلاتا خیر بھیج دے۔“

ایک گھنٹے بعد، جب وہ رات کے کھانے سے فارغ ہو چکی — اور آج اس نے شکم سیر ہو کر کھایا — کہ بدرقہ اور ڈولی آگئی۔ چنانچہ اپنے کندھوں پر سفید چٹہ ڈال کر اور اپنا عصا اٹھا کر وہ ڈولی میں سوار ہو گئی اور تنو مسلح سپاہیوں کے ساتھ ڈنگان کے کراں کی طرف روانہ ہو گئی اور وہاں پہنچ کر وہ ڈولی میں سے نکل کر دربار میں داخل ہوئی تو آسمان میں پورا چاند چمک رہا تھا۔

ڈنگان اور اس کے مشیر پہلے کی ہی طرح بڑی جھونپڑی کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب وہ بڑی شان سے چلتی ہوئی ان کے قریب پہنچی تو وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور چلائے:۔

”سلام ہو تجھ پر اے انگو سازانہ۔“

حتیٰ کہ گوشت پوست کا وہ پہاڑ ڈنگان بھی بڑی کوششوں کے

بعد اٹھنے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے بھی ریچل کو سلام کیا۔ ریچل نے اپنا عصا بلند کر کے ان کا سلام قبول کیا اور پھر انہیں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔
 ”انکو سازانہ!“ ڈنگان نے پوچھا ”کیا تم اپنے ان الفاظ کا مطلب بیان کرنے آئی ہو جو تم نے کہے تھے اور جس کا مطلب ہمارے وچ ڈاکٹر بھی سمجھنے سے قاصر رہے تھے؟“

”نہیں بادشاہ“ اس نے جواب دیا ”مجھے جو کچھ کہنا تھا ایک دفعہ کہہ چکی تھی اور بس۔ ان کا مطلب تم جیسا چاہو سمجھو! خوابوں کے شکاریوں کو سمجھنے اور کہنے دو۔ سنو اے بادشاہ اور سنو اے بادشاہ کے مشیر۔ میرا کام ختم ہو چکا چنانچہ یہاں سے مجھے رخصت ہو جانا چاہئے تھا لیکن تم نے مجھے روک رکھا تاکہ میں یہاں بیٹھ کر مقدمات فیصل کیا کر دوں۔ تم نے مجھ سے کہا کہ دریا چڑھائے ہیں، تم نے کہا کہ میری سواری کا جانور بیمار ہو گیا ہے اور کہا کہ اگر میں چلی گئی تو ملک پر مصیبت کے بادل چھا جائیں گے۔ لیکن میں جانتی ہوں اور تم بھی جانتے ہو کہ اگر میں چاہوں تو مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور اگر میں چاہتی تو چلی گئی ہوتی لیکن انکو سازانہ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ رات کے اندھیرے میں چور کی طرح چپکے سے نکل جائے چنانچہ میں نہ گئی لیکن تم لوگوں کے خلاف میرے دل میں غصہ کھڑا کیا اور میرا جی چاہا کہ ہزاروں آما بونا کو یہاں بلا لوں کیونکہ سفید فام بھی میرا حکم مانتے ہیں اور دریائے بافیلو کے اس پار مقیم ہیں۔ ہاں۔ ہاں۔ میرا جی چاہا کہ میں انہیں بلا لوں تاکہ وہ اپنی حفاظت میں مجھے گھر پہنچادیں۔“

ریچل کے الفاظ نے ڈنگان کو بے چین اور خوفزدہ کر دیا۔ وہ اپنے اسٹول پر پہلو بدلنے لگا اور ایک مشیر نے دوسرے کے کان میں کہا:-

”اسے کیسے معلوم ہوا کہ سفید فام دریائے باقیلو کے اس پار
پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں؟“

”لیکن میں نے ایسا نہ کیا“ ریچل نے سلسلہ کلام جاری رکھا ”کیونکہ
بھر ایک زبردست جنگ ہوتی اور خون سے گھاس کے میدان لالہ زار
بن جاتے اور خون سے مجھے نفرت ہے۔ ان آما بونا کے ساتھ ایک نوجوان
سردار بھی سفر کر رہا ہے جس کا نام دارین ہے اور جسے میں برسوں سے
جانتی ہوں اور جو میرا احترام کرتا ہے چنانچہ میں نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ
یہاں آئے اور مجھے دریائے توگیلا کے اس پار پہنچا دے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ
آج رات وہ یہاں سے تین دنوں کی مسافت پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے
اور میں یہاں یہ کہنے آئی ہوں کہ فوراً ہی ایک تیز رفتار پیغامبر کو دوڑا دیا
جائے کہ وہ اس نوجوان انگریز سردار کو اپنی راہبری میں یہاں لے آئے۔
ریچل خاموش ہو گئی۔ ڈنگان اور اس کے مشیر بھی خاموش تھے۔ اور
ریچل کی صورت تک رہے تھے۔ آخر کار ڈنگان نے اس خاموشی کو توڑتے
ہوئے پوچھا:-

”کون پیغامبر تھا وہ انکو سازانہ جسے تم نے اپنے حکم کے ساتھ اس شخص
دارین کے پاس بھیجا تھا؟ ہم نے تو کسی پیغامبر کو تمہاری قیام گاہ سے نکلتے
نہیں دیکھا۔“

”بادشاہ! تمہارے خیال میں تم میرے پیغامبروں کو دیکھ سکتے ہو؟۔
میرے خیالات پرواز کر کے اس کے پاس گئے اور اس کے کان میں انھوں نے
سرگوشیاں کیں اور میں نے دیکھا کہ وہ آ رہا ہے۔“
”کہاں دیکھا؟“

”اس تالاب کے شفات پانی میں جو میری قیام گاہ کے قریب ہے۔“

”آ۔ او!“ ایک مشیر نے کہا ”انکو سازانہ اپنے خیالات دور اس کے پاس بھیجتی ہے اور پھر اسے تالاب کے پانی میں آتے دیکھتی ہے“
”انکو سازانہ کا جادو عظیم ہے۔“

”سنو! سردار دارین کی پہچان یہ ہے“ ریچل نے اس دخل درمقولات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا حالانکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ الفاظ کہنے والا کوئی اور نہیں بلکہ خشک ہاتھ والا مولو تھا جو قبل اورٹھے بادشاہ کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا ”سنو! کیا ہے اس کی پہچان۔ اس کا رنگ میرے رنگ کی طرح سفید ہے، اس کی آنکھیں میری آنکھوں کی طرح ہیں اور اس کے بال ڈاڑھی سنہرے ہیں۔ اگر میرا علم مجھے دھوکا نہیں دے رہا تو وہ ایک کالے گھوڑے پر سوار ہے جس کی ایک ٹانگ سفید ہے اور اس کا ساتھ کوئی نانی ایک کافر ہے اور اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا“ ہاں۔ ٹھیک ہے جب میں یہاں آئی ہوں تو یہ کوئی ہیں، بادشاہ کے کراں میں موجود اور اپنے ایک عزیز کا ہمان تھا۔“

چنانچہ بادشاہ نے اپنے مشیروں سے پوچھا کہ آیا ان میں سے کوئی اس شخص کوئی کے متعلق جانتا ہے اور ایک مشیر نے کہا کہ بے شک جب انکو سازانہ یہاں آ رہی تھی تو اس نام کا ایک شخص ایک سپاہی کے پاس — اور یہاں اس نے ایک سپاہی کا نام بھی بتایا — بٹھرا ہوا تھا۔ انکو سازانہ کی آمد کے فوراً بعد — اسی مشیر نے کہا — یہ کوئی چلا گیا تھا۔ یہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس طرف گیا تھا۔

”تو پھر میرا علم مجھے دھوکا نہیں دے رہا“ ریچل نے کہا ”اگر میں نے اسے

غلط نہیں دیکھا ہے تو پھر وہ ایک دبلا پتلا شخص ہے جس کے کندھے جھکے ہوئے ہیں، ڈاڑھی سفید ہے حالانکہ سر کے بال کالے ہیں اور وہ سر پر حلقہ نہیں پہنتا۔“

”جے شک ہی تھا وہ شخص“ اسی مشیر نے جواب دیا ”چونکہ وہ یہاں اجنبی تھا اس لئے میں نے اسے غور سے دیکھا تھا اجنبیوں کے متعلق تحقیق کرنا میرا ہی کام ہے۔“

”اے بادشاہ! پیغامبروں کو بہت جلد طلب کرو“ ریچل نے کہا۔
 ”اور انہیں فوراً روانہ ہونے کا حکم دو کیونکہ جان لو کہ یہ سفید فام سردار آسمانوں کی حفاظت میں ہے اور اگر اسے کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچا تو پھر میرا سراپ خون اور تباہی کی صورت میں بہت جلد نازل ہوگا۔ پیغامبر دارین سے کہیں کہ انکو سازانہ زولا سے سلام بھیجتی ہے اور خوش آمدید کہتی ہے جس طرح کہ اس نے کئی برسوں پہلے ایک جزیرے پر خوش آمدید کہا تھا جہاں بجلیاں چمکی تھیں اور شیر دھاڑے تھے۔ پیغامبر اس سے کہیں کہ انکو سازانہ زولا اس کی منتظر ہے۔“

ڈنگان نے فوراً ایک مشیر کی طرف گھوم کر کہا:-

”جاؤ۔ انکو سازانہ کے حکم کی تعمیل کرو۔ زولا لینڈ کے تیز ترین ہرکاروں کو دوڑا دو کہ وہ اس سفید فام کو تلاش کر کے انکو سازانہ کی قیام گاہ تک پہنچا دیں۔ اور سنو اگر اس سفید فام کو ذرا بھی جانی یا مالی نقصان پہنچا تو یہ ہرکارے اور ان کے ساتھ تم بھی مارے جاؤ گے۔“

مشیر ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہوا اور تیزی سے بھاگتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ ریچل بھی رخصت ہونے کی تیاری کر رہی تھی

کہ شاہی کراں کے محافظ دستے کا افسر بھاگتا ہوا آیا اور ڈنگان کے سامنے ہاتھ مار کر بولا :-

”شاہِ نرولو! خبر آئی ہے۔“

”کیسی خبر؟“ ڈنگان نے پوچھا۔

”نقاروں کی آواز کے ذریعہ ٹیلہ بہ ٹیلہ یہ خبر یہاں تک پہنچی ہے کہ ایک سفید فام نے جو کالے گھوڑے پر سوار ہے دریاے باخیلو عبور کر لیا ہے اب وہ شاہی کراں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب بادشاہ کا حکم کیا ہے؟ اس سفید فام کو قتل کر دیا جائے واپس ڈھکیل دیا جائے؟۔“

”خبر کب آئی ہے؟“ بادشاہ نے پوچھا۔

”خبر آئے ایک منٹ بھی نہیں گزرا۔“ افسر نے جواب دیا۔ ”اندرونی حصار کا محافظ یہ خبر لے کر دوڑا آیا ہے اور باہر کھڑا ہوا ہے۔ مغرب کی طرف سے یہ پہلی خبر ہے جو کئی دنوں کے بعد آئی ہے۔“

”تمہارا محافظ خبر تو لایا بادشاہ لیکن بہت دیر سے، اس سے تو تالاب کا پانی ہی اچھا رہا“ ریچل نے کہا اور پلٹ کر چل دی۔ ”تو پھر وہ خواب نہ تھا وہ آرہا ہے۔ وہ آرہا ہے“ وہ بار بار دہرا رہی تھی۔ اس وقت وہ بے حد تھکی ہوئی تھی چنانچہ جھونپڑی میں پہنچ کر اس نے لباس بھی تبدیل نہ کیا بلکہ اسی طرح بستر پر لیٹ گئی اور فوراً ہی سو گئی۔ کئی دنوں بعد آج وہ گہری اور پرسکون نیند سوئی تھی۔ اس رات اسے کوئی خواب نظر نہ آیا اور صبح بیدار ہوئی تو تازہ دم تھی۔

لیکن اب شکوک اس کے دل میں سراٹھانے لگے۔ کیا واقعی چرچا رہا تھا؟ گزشتہ رات محافظوں کا افسر جو خبر لے کر آیا تھا وہ صحیح تھی؟ ریچل کا فرد

کے اس ”خبر پہنچانے کے“ حیرت انگیز طریقے سے واقف تھی اور جانتی تھی کہ نقاروں کی آواز کے ذریعہ خبر میلوں دور تک چند منٹوں میں پہنچا دی جاتی ہے چنانچہ رچرڈ کی آمد کی خبر غلط نہیں ہو سکتی لیکن اس کا خواب اور یہ خبر کیا ایک عجیب اتفاق نہیں ہو سکتا؟ اس بات کا کیا ثبوت کہ اس سیاہ گھوڑے پر جو شخص سوار ہے وہ رچرڈ ہی ہے؟ غالباً یہ سب غلط ہے اور یہ شخص اشیوں کی طرح کوئی آوارہ گرد ہے جو غالباً کوئی جرم کر کے اور قانون کے خوف سے ان دیوالوں میں بھاگ آیا ہے۔ لیکن وہ اس کا ساتھ کوئی؟ اس کے متعلق بھی تو اس نے خواب دیکھا تھا۔ کیا یہ بھی ایک اتفاق ہی ہے؟ نہیں یہ اتفاق کیسے ہو سکتا ہے؟۔

ریچل کے بعد کے دو دن سخت امید بیم کے عالم میں گزرے لیکن وہ ان دو دنوں کو بھی اسی طرح برداشت کر گئی جس طرح ہر دن کو آج تک برداشت کرتی آئی تھی۔ وہ بہت بے چین تھی لیکن اس نے رچرڈ کی آمد کے متعلق کسی سے کچھ نہ پوچھا کیونکہ اس کا مطلب تھا اپنی شہرت اور عظمت کو داغ لگانا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے خواب کی داستان پورے زونولینڈ میں پھیل گئی تھی اور اب ہر شخص، حتیٰ کہ بادشاہ بھی اس خواب کو حقیقت بننے کا انتظار کر رہا تھا۔ لوگوں کا انتظار اور بے چینی اس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ ایک مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت اس نے دو آدمیوں کو آپس میں بائیں کرتے بسنا کہ دو آدمیوں کو سزائے موت دی گئی اور مقتل کی طرف جاتے وقت وہ دونوں شخص اسی بات پر افسوس کرتے رہے کہ وہ انکو سازانہ کے خواب کی تعبیر دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہ سکیں گے۔

ریچل نے تالاب کے کنارے بیٹھ کر پھر خواب میں حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی۔ البتہ دوسرے دن رچرڈ کے متعلق ایک معمولی سی اطلاع

اسے اتفاقاً مل گئی۔

تامبوساروزانہ اس کے پاس آیا کرتا تھا چنانچہ اس دن بھی آیا اور باتوں باتوں میں اس سے کہا ڈھنگان کے پیغامبروں نے اجنبی سفید فام کو پالیا ہے اور یہ کہ انھوں نے واپس یہ پیغام بھیجا ہے کہ سفید فام محفوظ ہے اور مرے میں ہے اس نے کہا کہ اگر انکو سازانہ اپنے علم کے زور سے اسے آتے نہ دیکھ لیا ہوتا تو یقیناً یہ سفید فام مارا جاتا۔

”ہاں یہ میں جانتی تھی“ ریچل نے بے پروائی سے جواب دیا حالانکہ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا ”غالباً میں یہ کہنا بھول گئی تھی کہ انکو سی جیسے ہی یہاں آئے اسے فوراً میرے پاس پہنچا دیا جائے اگر میں نے یہ بات بادشاہ سے نہیں کہی تو تم فوراً جا کر بادشاہ سے کہہ دو کہ یہ میرا حکم ہے۔ بادشاہ اگر اس سے ملنے کا خواہشمند ہو تو اسے دوسرے دن طلب کر سکتا ہے کیونکہ شاید ہم دوسرے دن تک یہاں سے نہ جائیں گے۔“

اور پھر اس نے ایک طویل جمائی لی اور اس طرح، جیسے اسے اس کے بعد کا خیال آیا ہو، پوچھا کہ نوئی کی تو کوئی خبر نہیں آئی۔

”نہیں“ تامبوسار نے جواب دیا۔

”کیا وجہ؟“

’بات یہ ہے کہ اس طرف کا علاقہ دشمنوں اور آبادی سے بھی خالی ہے۔ چنانچہ اس طرف خبر رساں چوکیاں نہیں ہیں۔ لیکن انکو سازانہ جب چاہے اپنی روح کو بھیج کر نوئی کی خبر معلوم کر سکتی ہے۔“

”بے شک۔ میں کر سکتی ہوں لیکن اب تک اس سلسلے میں میں نے اپنی

روح کو تکلیف نہیں دی ہے۔“ ریچل نے بے پروائی سے جواب دیا اور اپنا

ہاتھ ہلایا۔ تا مبو سا چلا گیا۔

یہ تیسرے دن صبح کا ذکر ہے۔ ریچل حسب معمول ایک مقدمہ کا فیصلہ کر رہی تھی کہ ایک پینا مبر نے آکر افسر کے جس کی اس دن ڈیوٹی لگی ہوئی تھی کان میں کچھ کہا۔ فوراً ہی افسر نے آگے بڑھ کر ریچل کو سلام کیا۔

”کیا بات ہے؟“ ریچل نے پوچھا۔

”انکو سازانہ! وہ دریائے بافیلو والاسفید فام اجنبی یہاں پہنچ گیا ہے اور باہر کھڑا ہوا ہے“ افسر نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ اسے انتظار کرنے دو۔“ ریچل نے جواب دیا۔

اور پھر مقدمے کی طرف متوجہ ہو گئی حالانکہ اس کے دل میں عجیب طرح کی دھکڑ پکڑ مچی ہوئی تھی۔ بہر حال خدا خدا کر کے مقدمے کا فیصلہ ہو گیا۔ ریچل نے سر کی جنبش سے لوگوں کا سلام قبول کیا اور عدالت برخواست ہونے کا اشارہ کیا۔ تمام لوگ آہستہ آہستہ چلے گئے اور اب ریچل اپنی خدمتگار غورتوں کے ساتھ اکیلی تھی۔

”جاؤ“ ریچل نے ایک لڑکی سے کہا ”محافظوں کے افسر سے کہو کہ اس سفید فام سردار کو آنے کی اجازت ہے اور کہو کہ سفید فام مسلح نہ ہو اور اکیلا آئے اور پھر تم سب بھی چلی جاؤ۔ اور اگر ضرورت ہوئی تو میں تمہیں بلا لوں گی۔“

لڑکی اس حکم کی تعمیل میں روانہ ہوئی اور دوسری خادماںیں کچیلے دروازے سے نکل گئیں۔ ریچل نے چاروں طرف نظر دوڑا کر اپنا اطمینان کر لیا کہ اب وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ اپنی تپانی پر بڑی شان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ

میں سفید عصا تھا۔ اس نے سفید لباس پہن رکھا تھا اور دھوپ میں اس کے بال سنہرے تاج کی طرح چمک رہے تھے۔ وہ کسی حسین مجسمے کی طرح خاموش اور منتظر بیٹھی ہوئی تھی۔

اندرونی حصار کا دروازہ کھلا، ایک شخص اندر آ گیا اور دروازہ پھر بند ہو گیا آنے والا چند قدم آگے بڑھا اور پھر کھڑا ہو گیا کیونکہ وہ خود دھوپ میں تھا اور ریچل جھوپڑی کے سائے میں چنانچہ وہ ریچل کو دیکھ نہ سکا تھا۔ اب کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہ گئی تھی۔ ریچل کے سامنے کوئی اور نہیں بلکہ رچرڈ دارین کھڑا ہوا تھا۔ وہی رچرڈ جس سے کئی برسوں پہلے ملاقات ہوئی تھی۔ اب وہ جوان ہو چکا تھا۔ وہ مرد بن چکا تھا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی سوائے اس کے کہ اب اس کے چہرے پر ڈاڑھی تھی اور بدن مضبوط اور پختہ تھا۔ اس کا قد زیادہ لاंबا نہ تھا لیکن وہ پست قامت بھی نہ تھا۔ وہی بھوری آنکھیں، وہی بشارت چہرہ اور وہی دہانہ اور وہی ماتھا جس سے مستقل مزاجی عیاں تھی۔ اسے دیکھ کر ریچل کو مایوسی نہ ہوئی رچرڈ ایسا ہی تھا جیسا ریچل نے اسے تصور کیا تھا یا تصور میں دیکھا تھا۔

اور اب رچرڈ کو بھی وہ نظر آ گئی اور وہ غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ریچل نے لب و لہجہ کی کوشش کی، اس نے چاہا کہ وہ رچرڈ کو خوش آمدید کہے لیکن اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ رچرڈ کی زبان بھی گنگ ہو گئی تھی چنانچہ چند ثانیوں تک وہ دونوں خاموش کھڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ آخر کار رچرڈ نے بڑے میکانیکی طور پر اپنے سر سے ہیٹ اتار کر کہا:-

”آپ ہی ہیں انکو سازاۓ زولا ہے۔“

”لوگ ہی کہتے ہیں۔“ ریچل نے بڑی کوششوں کے بعد جواب دیا۔
اس آواز کو سنتے ہی رچرڈ کے رگ دریشے میں برقی لہریں دوڑ گئی، وہ بڑی
تیزی سے آگے بڑھا۔ ”اب مجھے یقین ہو گیا ہے“ وہ بولا ”تم ریچل دیوی ہی ہو
وہی لڑکی جو۔۔۔۔۔ کس قدر خوبصورت ہو تم!“

”شکریہ رچرڈ،“ ریچل نے کہا۔ شدت جذبات سے اس کی آواز کانپ
رہی تھی اور اس کا چہرہ شرم سے سرخ تھا۔

اور ریچل نے اپنے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیے لیکن رچرڈ نے
اس کے ہاتھ پکڑنے کی بجائے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا اور اپنے پیاسے ہونٹ
ریچل کے نرم نم اور پھٹکتے ہوئے ہونٹوں پر رکھ دیے ریچل اس کی آغوش
میں سے پھسل کر اپنی تپائی پر بیٹھ گئی اور اب اس کا چہرہ سرخ کے بجائے سفید
تھا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ اس نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے ریچل کی طرف
دیکھا اور بولی:-

”میں کیوں شرماؤں؟ یہ تو قسمت کے کھیل ہیں۔“

”ہاں۔۔۔ رچرڈ نے کہا“ قسمت کے کھیل ہی ہیں۔“

اور یہ وہ دونوں جانتے تھے کہ قسمت نے ہی انھیں پھر ملا یا ہے حالانکہ
یہ ان کی دوسری ملاقات تھی اور وہ بھی کئی برسوں کے بعد تاہم پہلی اور اس
دوسری ملاقات کے درمیانی عرصے میں ایک دوسرے کو چاہتے رہے تھے
اس دوری اور جدائی نے ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت
پختہ کر دی تھی۔ ان کی محبت عظیم اور مکمل تھی اور اس بو سے نے ان کی محبت پر
نہ ٹوٹے والی ہر نگاہی تھی اور انھیں ایک مقدس بندھن میں باندھ
دیا تھا۔

”کتے برسوں بعد ملے ہیں رچر ڈے۔“ رچل نے کہا۔

”آٹھ برسوں بعد۔“

”آٹھ برس!“ رچل نے آہستہ سے کہا۔ ”اور ان آٹھ برسوں میں

تم نے اپنی خیر خبر نہ بھیجی۔ رچر ڈ! بہت بے مروت ہو تم۔“

”نہیں رچل نہیں۔ میں نے تین خط لکھے جو خدا جانے کہاں گھوم پھر کر

میرے پاس واپس آ گئے۔ البتہ ایک خط دوسرے لوگوں کے پاس پہنچ

گیا اور وہ بہت خفا ہوئے مجھ پر۔ پھر دو برس پہلے میں نے سنا کہ تمہارے

والدین ناٹال آئے تھے جہاں سے وہ انگلستان چلے گئے۔ اور یہ کہ تم مر چکی ہو

ہاں رچل۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تم مر چکی ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ

کسی اور کا ذکر کر رہا تھا یا شاید جھوٹ بک رہا تھا۔ بہر حال میں نے اس

کی بات کا یقین نہ کیا۔ میں نے اس اطلاع کے بعد بھی یہی محسوس کیا ہے

کہ تم زندہ ہو۔“

”تم مجھ سے ملنے کیوں نہ آئے رچر ڈ؟“

”اس لئے کہ یہ ممکن نہ تھا۔“

”کیوں ممکن نہ تھا؟“

”میرے والد پر اچانک فالج کا حملہ ہوا اور وہ برسوں تک صاحب فراش

رہے۔ میں ان کی تنہا اولاد ہوں چنانچہ ظاہر ہے کہ اس حالت میں انہیں چھوڑ

کر نہ جاسکتا تھا۔“

رچل نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”ہاں“ رچر ڈ نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ”ان کے انتقال کو دس مہینے

گزر چکے ہیں۔ اس کے بعد کئی ہفتوں تک میں حائداد و غمہ کے انتظام میں

الٹھا رہا۔ آخری عمر میں والد صاحب کو خاصا منافع ہوا تھا چنانچہ وہ حاصل ورثہ چھوڑ گئے تھے۔ اسی زمانے میں نے ایک مبلغ سے اس کی بیوی اور بیٹی کے متعلق چند افواہیں سنیں اور یہ بھی سنا کہ یہ لوگ ناٹال کی سرحد باہر کسی جگہ ایک تقریباً غیر آباد جنگل میں رہتے ہیں۔ انہی دنوں بوئیروں کا ایک قافلہ اسی علاقے کی طرف جا رہا تھا چنانچہ میں اس امید کے ساتھ اس قافلے میں شامل ہو گیا کہ شاید تمہیں تلاش کر سکوں حالانکہ یہ امید احمقانہ ہو م تھی۔“

” تو تم ————— تو تم ریچل دیو کی ہی تلاش میں چلے تھے؟۔“

” بے شک تمہاری تلاش میں چلا تھا ورنہ مجھے کیا ضرورت پڑی تھی کہ اپنے کھیت کھلیان چھوڑ کر اور اپنی جان کی پروا نہ کر کے ان وحشیوں میں آجاتا؟“

” اور پھر تم نے“ ریچل نے کہا ” یا کسی اور نے ایک کافر جاسوس کو جس کا نام کو بی ہے، یہاں بھیجا اور وہ انکو سا زانہ زولا کے متعلق بڑی حیرت انگیز خبریں معلوم کر کے بوئیروں کے پاس پہنچ گیا۔ تمہیں یاد ہے کہ تم اسے دوسرے بوئیروں کے پاس، جن میں ایک بوڑھا بھی تھا جو لمبا پائپ دبائے ہوئے تھا، لے کر آئے تھے اور وہ لوگ کو بی کی باتوں پر دل کھول کر سننے لگے تھے؟ اور وہ لوگ اس وقت بھی سننے لگے تھے جب تم نے کہا تھا کہ یہ انکو سا زانہ بہت ممکن ہے کہ وہی انگریز لڑکی ہو جس کی تلاش تمہیں ہے چنانچہ تم اسے دیکھنے اور اپنا اطمینان کرنے زولینڈ میں ضرور جاؤ گے۔ کہا تھا نا تم نے؟۔“

” ہاں۔ لیکن ریچل“ اس نے دفعتاً چونک کر پوچھا ” یہ تفصیلات

تمہیں کیسے معلوم ہوئیں؟ تمہارے جاسوس بڑے عمدہ اور بہت تیز ہوں گے کیونکہ ظاہر ہے کہ تم نے کو بی سے تو ملاقات نہ کی ہو گی۔“

” ہاں۔ میرے جاسوس بڑے عمدہ اور بہت تیز ہیں۔ بادشاہ کے

پنیا مہروں کے ذریعہ میں نے جو پیغام بھیجا تھا وہ تمہیں مل گیا تھا نا؟ پیغام یہ تھا کہ انکو سازانہ زولا سے سلام بھیجتی اور خوش آمدید کہتی ہے جس طرح کہ اس نے کئی برسوں پہلے اسے ایک جزیرے پر خوش آمدید کہا تھا۔ وغیرہ۔

”ہاں۔ میں اسی وقت بھی سمجھ نہ سکا تھا اور اب بھی سمجھ نہیں پایا ہوں۔

اس پیغام کے آنے سے پہلے وہ لوگ مجھے بوئیر جاسوس کے طور پر قتل کر دینے والے تھے۔ یہ سب باتیں تمہیں کس نے بتائیں؟“

”میرے دلانے“ ریکل نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”یہ سب میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ رچرڈ ا قدرت کو یہی منظر رکھا کہ میں تمہاری جان بچا کر تمہیں یہاں بلاؤں تاکہ تم پھر مجھے بچا سکو۔ سنور چرڈ۔ میں تمہیں ایک عجیب غریب اور حیرت انگیز کہانی سنانے جا رہی ہوں۔ اگر تمہیں اس کی صداقت میں شک ہو تو خود بادشاہ سے پوچھ کر اپنا اطمینان کر لینا۔“

اور پھر اس نے اپنا وہ خواب، جو اس نے تالاب کے کنارے دیکھا تھا، رچرڈ کو سنادیا اور یہ بھی بتادیا کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ رچرڈ خاموشی سے سنتا رہا اور جب وہ خاموش ہوئی تو سر ہلا کر بولا:-

”میں اب بھی نہیں سمجھا۔ لیکن اگر زونوؤں نے تمہیں اپنی دیوی بنالیا ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ لیکن اب کیا ہوگا ریکل؟ اگر تم میں مقیم رہیں تو اس کے بعد یہ لوگ ظاہر ہے کہ مجھے ہنت اعلیٰ تو نہ بنائیں گے۔“

”میں یہاں کیوں رہنے لگی؟ گھر جاؤں گی اور تم مجھے لے جاؤ گے۔“

میں نے یہی کہا ہے ان لوگوں سے کہ تم مجھے لینے آ رہے ہو۔ تمہارے پاس ایک گھوڑا ہے ہی جس کی اگلی ٹانگ سفید ہے۔ بس تو پھر ہم اسی وقت روانہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن نہیں۔ پہلے تم کچھ کھا لو اور پھر کچھ انتظامات بھی تو

کرنے ہیں۔ اب تم مجھ سے ذرا دور ہٹ کر اور احترام سے کھڑے رہو
کیونکہ تم جانو یہاں مجھے ایک محترم و مقدس مقام حاصل ہے۔
اور پھر ریچل نے تالی بجائی۔ فوراً خادمائیں حاضر ہو گئیں۔
» انکوس دارین کے لئے کھانا لاؤ « اس نے حکم دیا » اور دروازے
کے محافظوں کے افسر کو میرے پاس بھیج دو۔ «

تھوڑی دیر بعد ہی محافظوں کا افسر ریچل کے سامنے سجدے میں پڑا
ہوا تھا اور بلند آواز میں اس کے القاب دہرا رہا تھا۔

» فوراً بادشاہ کے پاس جاؤ « ریچل نے کہا » اور کہو کہ انکوسازانہ کا
حکم ہے کہ میرا گھوڑا جس پر سوار ہو کر میں یہاں آئی تھی، فوراً یہاں بھیج
دیا جائے کیونکہ میں چند دنوں کے لئے زولو لینڈ سے رخصت ہو رہی ہوں،
اور کہو کہ سپاہیوں کا ایک دستہ بھی تیار رہے جو مجھے اس سفید فام سردار کو
تو گیلہ تک پہنچا دے۔ کہو بادشاہ سے کہ انکوس دارین بڑی اہم خبر لے کر آئے
ہیں چنانچہ مجھے زولوؤں کی بہتری کے لئے فوراً یہاں سے روانہ ہونا ہے۔ ورنہ
بدقسمتی زولوؤں کا گھر دیکھ لے گی۔ اگر بادشاہ یا اس کے مشیر انکوسازانہ یا
سردار دارین سے ملاقات کرنا چاہتے ہوں تو راستے میں کر لیں کیونکہ اب ہمارے
پاس وقت نہیں ہے کہ ہم بادشاہ کے پاس آسکیں۔ اور کہو کہ اس دستے
کا سردار تا مہوسا ہوا ہے کہو کہ اگر یہ دستہ فوراً یہاں نہ پہنچ گیا تو پھر میں خود
اپنی فوج طلب کر لوں گی۔ بس جاؤ اور بھاگ کر جاؤ کیونکہ بہت سی نامور
شخصیتوں کی جانوں کا انحصار تمہاری رفتار پر ہے۔ «

افسر نے اٹھ کر سلام کیا اور تیر کی طرح کمرال سے نکل گیا۔

» یہ لوگ مانیں گے تمہارا حکم؟ « رچرڈ نے پوچھا۔

”میرا تو ایسا ہی خیال ہے۔ یہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اور پھر میں نے تمہیں یہاں آتے بھی دیکھ لیا اور انہیں بتا دیا تھا۔ بہر حال ہمیں جلدی کرنی چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ بادشاہ پھر اس معاملے پر غور کرنے لگ جائے اور کھانا آگیا۔ کھا لو۔ اسے عورت! جا کر محافظوں سے کہو کہ انکوسی کے گھوڑے کو بھی دانپانی دے دیا جائے کیونکہ بہت جلد اس گھوڑے کی ضرورت پڑے گی۔ اور سنو۔ انکوسی کے ملازم کو بھی کھانا دیا جائے۔“

”انکوسازانہ! میرے ساتھ کوئی ملازم نہیں ہے۔ کوئی کے پیر میں زخم آگیا تھا چنانچہ میں نے اسے یہاں سے پچاس میل دور ایک گاؤں میں چھوڑ دیا ہے۔ وہ تندرست ہوتے ہی دریا سے بافیلو کے اس پار آ جائے گا۔“

چنانچہ رچرڈ کھانا کھانے لگا اور بڑی رغبت سے کیونکہ خوشی کی وجہ سے اس کی بھوک کھل گئی تھی۔ کھانے کے دوران نہ تو وہ خاموش رہا اور نہ ہی ریکل۔ اس نے ریکل سے بلو چھا کہ وہ زولو لینڈ سے فوراً ہی رخصت ہونا کیوں چاہتی ہے ریکل نے جواب دیا کہ دو وجوہات کی بنا پر اول تو یہ کہ وہ اپنے والدین کی طرف سے متفکر ہے۔ اور دوم اس لئے کہ اسے خود اپنی بہتری اسی میں نظر آرہی تھی۔ اس نے بتایا کہ زولوؤں نے اسے ایک مقدس دیوتی بنا کر رکھا ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ کسی سے بھی اس کا رشتہ قائم ہو چنانچہ جب انہیں معلوم ہو گا کہ رچرڈ اسے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے اور یہ کہ وہ انکوسازانہ سے محبت کرتا ہے تو زولو اسے زندہ نہ چھوڑیں گے اور پھر وہ اپنے تمام اختیارات کے باوجود اسے نہ بچا سکے گی۔ اگر وہ یہیں رہی تو رچرڈ سے بہت زیادہ مل نہ سکے گی اور انکوسازانہ کے کراں میں تو اسے آنے کی بھی اجازت نہ ہوگی چنانچہ تنہائی میں ملنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چنانچہ اب اگر وہ زولو لینڈ میں ہی رہے تو رچرڈ کو بستی میں کسی جگہ رہنا پڑے گا اور پھر وہیں کوئی بھالا بڑی آسانی سے اس سے متعارف ہو جائے گا یا اسے کھانے میں زہر دیا جائے گا۔ فی الحال زولو رچل کی پیشین گوئی سے جو اس نے رچرڈ کی آمد کے متعلق کی تھی، بے حد مرعوب تھے اور اسی لئے وہ رچرڈ کو فوراً اس کے پاس لے آئے تھے۔

”لیکن“ اس نے آخر میں کہا ”یہ اثر جلد زائل ہو جائے گا اور پھر کیا پتہ شمیل ہی واپس آجائے۔“

”د اشمیل! یہ کون بزرگ ہیں؟“ رچرڈ نے پوچھا۔

چنانچہ رچل نے اشمیل کی پوری داستان اسے سنا دی اور حالانکہ بہت سی باتیں اس نے قصداً حذف کر دی تھیں تاہم یہ داستان سننے ہی رچرڈ کے ابرو پر بل پڑ گئے۔

ابھی اس نے یہ کہانی ختم کی ہی تھی کہ باہر سے ایک خادمہ نے تیج کر باریابی کی اجازت چاہی۔ ایک بار پھر رچرڈ کو اپنے سے دور اور احترام سے کھڑے ہو جانے کو کہا۔ رچرڈ نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ اب خادمہ کو اندر آنے کی اجازت دی گئی۔

”بادشاہ کے چند خاص مشیر باریابی کی اجازت چاہتے ہیں“ خادمہ نے کہا۔

”اجازت ہے۔“

اور مشیروں نے داخل ہو کر اسے سلام کیا اور رچرڈ کی طرف قدرے گستاخانہ نظروں سے دیکھ کر پھر رچل کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”میرے حکم کے مطابق میرے سفر کے انتظامات کر دئے گئے“ رچل

نے پوچھا۔

”کردئے گئے انکو سازانہ! تمہارے حکم سے کوئی سرتابی کی جرأت کر سکتا ہے؟“ ان کے ترجمان نے کہا ”تامبوسا اور دستہ باہر بھیج گیا ہے اور منتظر کھڑا ہے۔ لیکن انکو سازانہ! کالے ہاتھی (مطلب ڈنگان) اور اس کے مشیروں اور تمام زولوؤں کے دل ٹوٹ گئے ہیں کیونکہ تم جارہی ہو اور انھیں روتا چھوڑ کر جارہی ہو۔ زولو لینڈ پر غم کا بادل چھا گیا ہے چنانچہ انکو سازانہ! زولوؤں کی تالیف قلوب ضروری ہے۔ اب اگر یہ شخص دارلو تمہارا خادم نہ ہو تو اسے یہیں چھوڑ جاؤ۔“

”بے شک یہ میرا خادم ہے جسے خود میں نے بلایا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ اور نہ پوچھو“ ریچل نے قدرے خستہ انت سے کہا۔ ”میرے الفاظ تم سب یاد رکھو اور بادشاہ سے کہہ دو کہ اگر اس سفید خام سردار کو جو میرا جمان ہے، ذرا بھی نقصان پہنچا یا گیا تو میرے اور زولوؤں کے درمیان خون ہوگا اور پھر اس خون کا سخت اور بھرت انگیز انتقام لیا جائے گا۔“

ریچل کے اس اعلان نے مشیروں کو سہما دیا۔ کسی کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا البتہ چند ثانیوں کے توقف کے بعد ترجمان نے ہمت کر کے پوچھا۔ ”بادشاہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تمہارا یہ خادم آما بونا کی کوئی خبر لے

کر آیا ہے؟۔“

”ہاں۔ خبر لے کر آیا ہے کہ آما بونا زولوؤں کے ساتھ امن و آشتی چاہتے ہیں بشرطیکہ زولوان پر حملہ نہ کریں۔ لیکن اگر انہوں نے حملہ کیا تو پھر حملے کا جواب حملے سے دیا جائے گا۔ تو کیا میں آما بونا سے کہہ دوں کہ زولو بھی امن و صلح چاہتے ہیں؟۔“

”بادشاہ نے اس کے متعلق ہم سے کچھ نہیں کہا ہے انکو سازانہ“ ترجمان نے جواب دیا ”وہ خوابوں کے شکاریوں کا منتظر ہے کہ وہ آکر تمہارے الفاظ کا مطلب بیان کریں اور ٹوٹے تارے کا شگون بتائیں۔“

”بہت اچھا۔ یونہی سہی۔“ ریچل نے کہا ”میری خادمہ نوئی واپس آجائے تو اسے فوراً میرے پاس بھیج دیا جائے تاکہ میں بھی خوابوں کے شکاریوں کے الفاظ معلوم کر لوں۔“

اور وہ تیانی پر سے یہ ظاہر کرنے کے لئے اٹھنے لگی کہ اب دروازہ برخواست ہوا۔
”انکو سازانہ!“ میشریوں کے ترجمان نے کہا ”بادشاہ کی طرف سے ایک اور سوال۔۔۔ تم یہاں واپس کب آؤ گی؟“

”جب ضرورت ہو گی میں واپس آ جاؤں گی۔ فکر نہ کرو۔ میرا خیال ہے کہ میں ضرور واپس آؤں گی اور بادشاہ سے کہہ دو کہ جب میں دوبارہ آؤں تو اس وقت میرے اور زونوؤں کے درمیان خون نہ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو پھر آسمان پر سے تم لوگوں پر ایک عذاب نازل ہو گا۔ بس میں کہہ چکی جاؤ۔ خوش بختی تم پر سایہ خنک ہو۔“

میشریوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر وہ اٹھے، احترام سے جھکے اور لئے قدموں باہر نکل گئے۔

ایک گھنٹے بعد سپاہیوں میں گھری ہوئی ریچل اور اس کے ساتھ چرڈ بھی تو گیلانے والے راستے پر جا رہا تھا۔ ایک ٹیلے پر پہنچ کر ریچل نے اپنی گھوڑی کی رگامیں پہنچ لیں اور گھوم کر شاہی کراں کی طرف دیکھا اس نے رچرڈ کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

”رچرڈ! میں سمجھتی ہوں کہ بہت جلد میں دوبارہ اس نفرت انگیز کراں میں آؤں گی“ اس نے کہا۔

”کیوں؟“ اس نے پوچھا۔

”رچرڈ! ان مشیروں نے، جو میرے پاس آئے تھے، بڑے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔ وہ — وہ — کسی بھیانک راز سے واقف ہیں۔ رچرڈ! میرے دل میں ایک انجانا خوف سر اٹھ رہا ہے۔“

چودھواں باب

راہ کی تباہی

ریپل کو جو یہ خبر ملی تھی کہ سپاہیوں سے بچنے کے بعد اشمیل کئی دنوں تک بیمار رہا تھا تو یہ خبر غلط نہ تھی۔ کئی دنوں تک وہ سفر کے قابل ہی نہ رہا اور جب وہ تن رست ہو گیا تو پھر اس کے بعد ہی دریا اُسے تو گیلہ کی طرف روانہ ہوا لیکن وہ بھی تیزی سے نہیں کیونکہ وہ اب بھی نقاہت محسوس کر رہا تھا اور تیزی سے سفر نہ کر سکتا تھا۔

قارئین! بھولے نہ ہوں گے کہ ریپل سے کہا گیا تھا کہ اشمیل فرار ہو گیا ہے۔ جہاں تک فرار کا تعلق ہے اس میں صرف اس قدر صداقت تھی کہ وہ رات کے وقت اور چپکے سے رشاہی کراں سے نکل گیا تھا لیکن اس فرار کا انتظام پہلے ہی سے کر دیا گیا تھا اور وہ بھی ایک سوچے سمجھے ہوئے مقصد کے تحت۔ چنانچہ اشمیل کو نہ تو کسی نے روکا اور بعد میں نہ ہی اسے تلاش کر کے اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی۔ آخر کار جب وہ تو گیلہ کے کنارے پہنچا تو زولوؤں کی فوج اس کی منتظر تھی۔ فوج کے کسی سپاہی کو پتہ نہ تھا کہ انھیں کیا کرنا اور کہاں جانا ہے۔ سپاہیوں کو تو صرف یہ حکم ملا تھا کہ وہ ہر معاملے میں اشمیل کے ہر حکم کی تعمیل کریں۔ اشمیل نے یہ بھی دیکھا کہ دریا اُسے تو گیلہ چڑھا ہوا تھا اور اسے عبور کرنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ اس نے دریا کے کنارے پر قیام کر دیا اور پورے دن دنوں تک اسے اسی جگہ ٹھہرنا پڑا یہاں تک دریا کا پانی اتر گیا۔

ان دس دنوں میں اشمیل کی طبیعت بھی بحال ہو گئی اور اسے پورے معاملے پر غور و خوص کرنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ اس نے اپنے ماضی کو یاد کیا اور یہ یادیں بڑی ہی مایوس کن تھیں۔ اس کی سوانح عمری سے ہمیں کوئی تعلق نہیں۔ وہ بے شک ایک شریف خاندان کا فرد تھا جیسا کہ اس نے ریکل سے کہا تھا لیکن اس کی پرورش بڑے ماحول میں ہوئی تھی۔ نوجوانی میں وہ ادب اش بن گیا اور اس کے مربیوں نے بجائے اس کے کہ اسے سدھارتے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر وہ فوج میں بھرتی ہو گیا اور اس طرح افریقہ پہنچا اور وہاں اس نے ایک جرم کیا۔۔۔ غالباً کسی کا خون کر دیا۔۔۔ اور قانون سے بچنے کے لئے وہ جنگلوں کی طرف بھاگ گیا اور اپنا نام بدل کر اشمیل رکھ لیا۔

یہ نئی اور تقریباً وحشیانہ زندگی اسے بہت راس آئی کیونکہ اسے بہت سی بیویاں مل گئیں اور اس کی عیاشی کی تسکین ہوتی رہی اور اسے بہت سے مولیشی مل گئے اور اس کی امارت کے خواب بھی پورے ہو گئے اور پھر اس کی ملاقات ریکل سے ہوئی اور اس کا وہ خاص جذبہ بیدار ہو گیا جو ایک صے سے خوابیدہ تھا۔ ریکل ایک انگریز لڑکی تھی اور اس کی وجہ سے اشمیل کو یاد آ گیا کہ کبھی وہ بھی انگریز اور ہندو شخص تھا۔ پھر وہ حسین بھی تھی اور اشمیل حُسن پرست تھا۔ اس کے علاوہ وہ بہادر بھی تھی اور اس میں کوئی خاص طافی قوت تھی جو اشمیل کے لئے باعث کشش تھی کیونکہ وحشیوں میں رہتے رہتے وہ خود بھی تو ہم پرست بن گیا تھا۔ چنانچہ وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور اسے اپنی بیوی بنانے کے لئے بے چین ہوا اٹھا۔ ریکل کو ایک دفعہ دیکھ لینے کے بعد وہ اپنی سپاہ قاصد اشتادوں کو خواہ وہ کتنی ہی قبول صورت کیوں نہ ہوں، ناپسند کرنے لگا۔ حتیٰ کہ مولیشیوں کے ریپڑ بھی اب اسے خوش نہ کرتے

تھے حالانکہ پہلے وہ اپنی یہ دولت دیکھ کر پھولانہ سماتا تھا۔ اب وہ اپنے اجداد کی طرح باعزت زندگی گزارنا چاہتا تھا اور وہ بھی اس عورت کے ساتھ جو اسی کی طرح انگریز تھی۔

چنانچہ اس نے ریچل سے ذرا بے تکلف ہونے کی کوشش کی اور اس کی ان کوششوں کا جو نتیجہ ظاہر ہوا اس سے قارئین واقف ہی ہیں۔ اشمیل پندرہ برس تک وحشیوں میں رہا تھا اور ریچل کے سامنے اپنا وحشیانہ پن چھپا نہ سکتا تھا اور نہ ہی اپنے آپ کو اب بندھنوں یا الجھڑوں سے آزاد کر سکتا تھا جو اس کے گرد پیدا ہو گیا تھا۔ اگر ریچل اس کی طرف متوجہ ہو گئی ہوتی تو بہت ممکن تھا کہ وہ رفتہ رفتہ یہ بندھن توڑ دیتا بلکہ شاید وہ اپنی پوری زندگی ہی بدل لیتا اور جب مرتا تو شاید ایک باعزت نوآبادکار ہوتا۔ لیکن ریچل اس کی طرف متوجہ نہ ہوئی بلکہ وہ اس سے نفرت کرنے لگی۔ اس کے نزدیک اشمیل ایک آوارہ، بد معاش اور بزدل شخص تھا اس لئے اس کی قبول صورتی اسے اپنی طرف متوجہ نہ کر سکتی تھی اور نہ ہی اس کے لئے کوئی کوشش رکھتی تھی۔ چنانچہ ریچل نے اس کی آرزو کو بڑی بے رحمی سے کچل دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اشمیل کا تینگلی پن، توہم پرستی اور بد معاشی عود کر آئی۔

اس کی یہی توہم پرستی تھی جس نے ریچل کو ایک مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ اشمیل اسے ایک غیر معمولی عورت سمجھنے لگا تھا چنانچہ اس نے ریچل کی پر اسرار ذات اور زبردست قوتوں کا ذکر و نوؤں سے کیا اور ریچل کے اخلاقی نام اور حسن نے زو لوؤں کے اعتقاد کو اور بھی ہوا دی اور آخر میں موپو نے اس بات کی تصدیق کر کے کہ ریچل واقعی انکو سازا نہ زولا تھی، رہی سہی کسر پوری کر دی۔ چنانچہ یوں ریچل اشمیل کی اور زو لوؤں کی دیوی بن گئی۔ لیکن جب زو لو صرف اس کی پوجا کرنا

اور اس کی مافوق الفطرت قوتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے تو اشمیل سے بیوی بنانے کے خواب دیکھنے لگا۔ یہ بات جتنی زیادہ ناممکن بنتی جاتی تھی اشمیل اتنا ہی زیادہ مجبوں بنتا جاتا تھا ریچل نے اس کی درخواست سختی سے ٹھکرا دی تو اشمیل نے اسے زولو لینڈ میں لے آنے کے لئے ایک چال چلی اور سوچا کہ ریچل وہاں اس کے اختیار میں ہوگی۔ اس کی چال کامیاب رہی لیکن اسے پتہ چلا کہ ریچل تو نہیں البتہ وہ خود اس کے اختیار میں تھا اور ریچل کی بیدردی اور سنگدلی کا شکار تھا۔

ان سب باتوں کے باوجود وہ مایوس نہ ہوا اور اپنے شیطانی ارادے سے باز نہ رہا اور پھر اتفاق ایسا ہوا کہ قسمت نے نئے اور ترپ کے تاش اس کے ہاتھ میں دے دیئے۔ وہ جانتا تھا اور زولو بھی جانتے تھے کہ ریچل زولوؤں میں نہ رہے گی چنانچہ اسی لئے زولوؤں نے اشمیل کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ وہ ریچل کے والدین کو بھی زولو لینڈ میں لے آئے۔ اگر اس کے والدین کو نہ لایا گیا تو ریچل خود ان کی تلاش میں آئے گی اس کا اشمیل کو یقین تھا اور اگر وہ ان کو نہ پاسکی تو وہ کہاں جائے گی یا کون اس کی مدد کو آئے گا؟ چنانچہ اب قسمت یادری کر رہی تھی اب بازی اس کے ہاتھ میں آنے والی تھی۔ وہ ریچل کو اٹھا لے جائے گا اور اسے جبراً اپنی بنائے گا۔ اس نے پندرہ برس وحشیوں میں گزارے تھے چنانچہ یہ زبردستی کی شادی اس کے نزدیک کوئی گناہ اور جرم نہ تھا البتہ اسے صرف یہ خوف تھا کہ انکو سازا نہ زولا سے ایسی زبردستی کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن اس کی محبت، یا آپ اسے ہوس کہہ لیجئے، اس کے خوف پر غالب آگئی اور اس نے یہ خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا۔

تو یہ تھے وہ خیالات جو اشمیل کے دماغ میں چکر کاٹ رہے تھے

اور یہ تھے وہ فیصلے جو وہ دل ہی دل میں کر رہا تھا۔ پوری فوج اس کے زیرِ کمان تھی اور وہ جو چاہے اس سے کام لے سکتا تھا۔ وہ بہر حال زیادہ خون خرابہ کرنا نہ چاہتا تھا۔ وہ تو صرف یہ چاہتا تھا کہ ریچل اکیلی رہ جائے کیونکہ پھر کون بچانے آئے گا اسے؟

اور اس سوال کا جواب خود اس کے دل نے دے دیا۔ — وہ دیوی تھی، وہ مافوق الفطرت قوتوں کی مالک تھی اور وہ اپنی ہی قوتوں سے اپنے آپ کو بچا سکتی تھی۔ کوئی غیبی قوت اس کے کان میں کہہ رہی تھی کہ اس کا یہ شیطانی اقدام خود اس کے لئے انتہا سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ لیکن اس کے دل میں جو آگ بھڑک رہی تھی وہ ہر احتیاط اور ہر اندرونی آواز کو جلا رہی تھی۔

اشمیل ابھی زولو لنیڈ میں اور توگیلا کے اس طرف ہی تھا کہ ڈنگان کا ایک پیغام اس کے پاس پہنچا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا اور ڈنگان کا پیغام بھی دوپہر ہی کی طرح گرم تھا۔ پیغام میں کہا گیا تھا کہ ابو بوسی اب تک زولو لنیڈ میں ہی تھا اور اس کی خبر ابھی ابھی بادشاہ کو ملی تھی چنانچہ وہ زخمی بھئیے کی طرح بھرا ہوا تھا۔ پیغام میں کہا گیا تھا کہ انکو سازانہ سفید فام کے ساتھ کرا ل سے نکل کر رامہ کی طرف روانہ ہو چکی ہے۔ اب اگر اشمیل فوراً ہی روانہ نہ ہو گیا تو پھر انکو سازانہ راستے میں ہی اسے آ لے گی اور تمام کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ چنانچہ ڈنگان کا حکم تھا کہ اشمیل فوراً روانہ ہو جائے اور پورے مبلغ اور اس کی بیوی کو اپنے ساتھ لے کر فوراً لوٹ آئے۔ اگر واپسی میں اشمیل کی مڈ بھیر انکو سازانہ اور اس کے ساتھی سے ہو جائے تو اشمیل اور ماتحت، سپاہی ریچل کا حکم نہ مانیں اور مبلغ اور اس کی بیوی کو آزاد نہ کریں۔

اور ریچل اور اس کے ساتھی پر ہاتھ بھی نہ اٹھائیں بلکہ بوڑھے مبلغ اور اس کی بیوی کو خاموشی سے اپنے ساتھ لے آئیں کیونکہ اس طرح ریچل خود ہی بادشاہ کے کراں میں آجائے گی۔ اگر ریچل کا سفید فام ساتھی ذرا بھی جدوجہد یا بوڑھے اور اس کی بیوی کو چھڑانے کی کوشش کرے تو اسے رسیوں سے باندھ لیا جائے لیکن ان کا خون نہ بہایا جائے کیونکہ اگر ایسا ہوا تو پھر انکو سازانہ کا عذابِ زور لینیڈ پر نازل ہوگا اور پھر ڈنگان نے اس کا لے ہاتھی کی جو جاکا (یعنی شاکا) کی قسم کھائی تھی کہ اگر ایسا ہوا تو وہ ابو بوسی کو قتل کر دے گا۔ ہاں۔ وہ ابو بوسی کے جسم پر شہد چھڑ کر اسے ایک د کوڑے سے باندھ دے گا اور پھر چونٹیاں اسے کھالیں گی۔ اس کے علاوہ اگر وہ اس کام کو انجام تک نہ پہنچا سکا یا ناکام رہا تو ڈنگان سپاہیوں کا ایک دستہ اس کے کراں فاموتی کی طرف بھیج دے گا اور ابو بوسی کی بیویوں، اولاد اور اس کے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دے گا اور اس کے مویشیوں پر قبضہ جمائے گا اور اس کے لئے بھی اس نے شاکا کے سر کی قسم کھائی۔

اشمیل کے پاس جب یہ پیغام پہنچا تو وہ سہم گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ محض گیدڑ بھبکیاں نہ تھیں۔ تھکے ہوئے پیغامبر نے اکھڑے اکھڑے سانسوں کے درمیان اسے بتایا کہ کبھی کسی نے ڈنگان کو اتنے غصے میں نہ دیکھا تھا جیسا کہ اس وقت جب اسے معلوم ہوا کہ ابو بوسی اب تک لوگیدا کے اس کنارے پر پڑا ہوا ہے۔ پیغامبر نے یہ بھی کہا کہ غصے کی شدت سے ڈنگان کے منہ سے کف جاری ہو گئے تھے اور وہ اونچی آواز میں بڑی ہی لرزہ خیز دھمکیاں دے رہا تھا۔ اشمیل نے بے حد خاکسارانہ پیغام کے ساتھ پیغامبر کو واپس بھیج دیا کہ دریا چڑھا ہوا تھا اور اسے کسی بھی طرح عبور

کرنا ممکن نہ تھا لیکن اب وہ ڈنگان کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا اور یہ کہ انکو سازانہ کابل بھی بیکانہ ہوگا۔

” تو پھر بادشاہ کے احکامات کی تعمیل کرو ابو بوسی، ” پیغا مہر نے جانے کے لئے اٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا ” کیونکہ جان لو کہ انکو سازانہ اور اس کا ساتھی دارل قہار سے پیچھے اور صرف آدھے دن کی مسافت پر ہیں۔ “

” کیسا ہے دارل یو؟ “ اشمیل نے پوچھا۔

” جو ان ہے اور بے حد خوبصورت ہے۔ اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال سنہرے ہیں اور آنکھیں انکو سازانہ کی آنکھوں جیسی ہیں۔ کئی لوگ کہتے ہیں کہ وہ انکو سازانہ کا بھائی ہے، چند کا کہنا ہے کہ وہ پسر افلاک ہے اور بقیہ کہتے ہیں کہ وہ انکو سازانہ کا شوہر ہے۔ بہر حال میں ان عظیم رازوں کو کیسے جان سکتا ہوں؟ البتہ یہ توصیف بات ہے کہ انکو سازانہ اسے بہت چاہتی ہے کیونکہ اپنے جادو کے زور سے اس نے دارل یو کی آمد کے متعلق ڈنگان کو بتا دیا تھا اور جب وہ انکو سازانہ کے پیچھے چلتا ہے تو وہ بار بار گردن گھما کر اس کی طرف دیکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ “

” تو وہ اس دارل یو کو بہت زیادہ چاہتی ہے “ اشمیل نے دانت پیس کر کہا اور پھر دستے کے افسر کو بلا کر حکم دیا ” بادشاہ کا حکم ہے کہ فوراً دریا عبور کیا جائے چنانچہ تیاری کرو کیونکہ بزدلوں کی طرح بھالوں سے مرنے کی بہ نسبت بہتر ہے کہ ہم ڈوب کر مر جائیں۔ “

چنانچہ وہ لوگ بڑی دقتوں کے بعد دریا عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ایک بھی شخص غرق نہ ہوا اشمیل نے ایک مضبوط اور تگڑے سپاہی کے کندھے پر سوار ہو کر دریا عبور کر لیا۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر اس نے فوج کے تمام چھوٹے بڑے افسروں کو طلب کر کے انھیں بادشاہ کے احکامات سنا دیے اور پھر وہ رماہ کی طرف

اس طرح روانہ ہوئے کہ اشمیل بانسوں کی بنی ہوئی ایک ڈولی میں سوار تھا۔ جب سپاہی اس کے لئے ڈولی بنارہے تھے تو اس نے، یعنی اشمیل نے دلدل میں اور توگیلا کے کنارے اپنے والے لوگوں میں سے دو آدمیوں کو بلایا اور بڑے انعام کا وعدہ کر کے اپنے کراں مافوقی کی طرف دوڑا دیا کہ وہ مافوقی کے چودھری سے جا کر کہیں کہ وہ تیس بہترین سپاہیوں کو لے کر فوراً روانہ ہو جائے اور رماہ کے قریب ایک خاص ٹیلے پر جھاڑیوں میں اپنے آدمیوں کے ساتھ بچھا رہے اور یہ کہ رات کے وقت اشمیل سے وہیں ملاقات کر لے گا یہ دونوں آدمی ابوبوسی سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ اس کی حکم عدولی کرنے کی سزا کیا ملتی ہے چنانچہ وہ تیزی سے روانہ ہو گئے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ڈولی تیار ہو چکی تھی اور اشمیل اس میں سوار اپنے ماتحت سپاہیوں کے ساتھ رماہ کی طرف جا رہا تھا۔

سورج غروب ہونے سے کچھ پہلے جب رماہ کے باشندے اپنے مویشیوں کو ہنکا کر مستقر کی طرف لارہے تھے تو اشمیل اپنے سپاہیوں کے ساتھ اس ٹیلے پر نمودار ہوا جو رماہ سے دور نہ تھا۔ زولوؤں کو دیکھتے ہی چرواہوں نے رماہ والوں کو خبردار کرنے کے لئے شور مچا دیا۔ رماہ والوں نے سوچا کہ ڈنگان نے انھیں قتل کرنے کے لئے فوج بھیج دی ہے چنانچہ وہ خوفزدہ ہو کر بستی سے نکلے اور پناہ لینے کے لئے جنگل کی طرف بھاگ پڑے۔ چرواہے مویشیوں کو بھی اسی طرف ہنکا لے گئے۔ عورتیں، مرد اور بچے اپنے مربی کو، جو زولوؤں کی آمد سے بے خبر تھا، چھوڑ کر بھاگ گئے۔ چنانچہ جب اشمیل رماہ میں داخل ہوا ہے تو وہاں کوئی نہ تھا سوائے ان بوڑھوں اور بیماروں کے جو چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے تھے۔

بستی کے باہر اشمیل ڈولی سے اتر آیا اور سپاہیوں سے کہا کہ وہ بستی کے گرد گھیرا ڈال دیں اور حکم دیا کہ بستی والوں کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ لیکن اگر سفید فام الفادوسی، جو بیٹے والے کے نام سے مشہور تھا، یا اس کی بیوی فرار ہونے کی کوشش کرے تو انھیں پکڑ کر اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور پھر اپنے چند افسر دس مافظوں کو ساتھ لے کر وہ خاص مستقر کی طرف بڑھا۔

مستقر کا دروازہ کھلا تھا چنانچہ اشمیل کا دل اس خیال سے دھڑکنے لگا کہ کہیں جوہان اور اس کی بیوی دوسروں کے ساتھ فرار نہ ہو گئے ہوں۔ وہ لوگ مستقر کے پیلے کمرے میں پہنچے۔ اس کمرے کا دروازہ بھی کھلا تھا۔ تو اشمیل نے دیکھا کہ اس کا اندیشہ بے بنیاد تھا۔ اسی کمرے میں ایک بستر پر مسز دیوٹین بیوی تھی جو سنت، بیمار معلوم ہوتی تھی اور بستر کے قریب جوہان گھٹنوں کے بل بیٹھا دعائیں صرف تھا۔ چند لمحوں تک اشمیل اور اس کے ساتھی دروازے میں ہی بہت

بے کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ مسز دیوٹین گردن گھما کر ان کی طرف دیکھا اور کہنیوں کے بل نیم دراز ہو کر اپنی شہادت کی انگلی اشمیل اور اس کے ساتھیوں کی طرف اٹھا دی اور اشمیل نے دیکھا کہ بڑی بی بی کے ہونٹ ادھے ہو رہے تھے اور یہ کہ اس کی زبان شاید بند تھی۔ جوہان نے اپنی بیوی کو نیم دراز ہو کر اپنا ہاتھ ایک طرف اٹھاتے دیکھا تو وہ بھی اسی طرف دیکھنے لگا۔ مافوقی میں اشمیل کو چابک رسید کرنے کے بعد سے لے کر اب تک جوہان نے اشمیل کو نہ دیکھا تھا اس کے باوجود اس نے اس آوارہ گرد سفید فام کو فوراً پہچان لیا اور درخت آوار میں پوچھا:-

"ان وحشیوں کے ساتھ کیوں آئے ہو یہاں؟ دیکھ نہیں رہے ہو کہ میری

بیوی سخت بیمار ہے اور گڑبڑ اور پریشانی ان کے لئے سخت مضر ثابت ہو سکتی ہے۔“

”مجھے افسوس ہے جناب کہ مجھے مجبوراً آپ کو پریشان کرنے آنا پڑا ہے۔“
اشمیل نے سہمی ہوئی آواز میں کہا کیونکہ وہ جوہان سے ڈر رہا تھا۔ لیکن زولوؤں کے بادشاہ ڈنگان نے مجھے تمہارے پاس ایک پیغام کے ساتھ بھیجا ہے اور وہ ہیں ”اسنے کچھ سوچ کر اضافہ کیا۔“ تمہاری بیٹی ریچل کا بھی پیغام لایا ہوں۔“
”میری بیٹی کا پیغام“ جوہان نے جلدی سے کہا ”وہ خیریت سے تو ہے؟“
ہم نے اس کے متعلق بہت سی افواہیں سنی ہیں اس کی کوئی خیر خبر نہیں معلوم ہوئی آج تک۔

”میں صرف ایک دفعہ ریچل سے مل سکا ہوں“ اشمیل نے جواب دیا۔
”اور اس وقت وہ خیریت سے اور مرے میں تھی۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو گے کہ زولوؤں نے اسے اپنی انکو سزا نہ بنا لیا ہے چنانچہ اسے گویا نظر بند کر رکھا ہے۔“
”تو پھر ان وحشیوں کے ساتھ اکیلی رہتی ہے؟“
”اب تک تو اکیلی تھی لیکن اب نہیں رہی۔“

”کیا مطلب؟“
”مطلب یہ کہ اب اس کے پاس ایک بد معاش سفید فام آگیا ہے جس کے ساتھ تمہاری بیٹی نے ناجائز تعلق قائم کر لئے ہیں۔“
”بد معاش سفید فام سے ناجائز تعلقات قائم کئے ہیں! یہ جھوٹ ہے۔“
”کیا نام ہے اس سفید فام کا؟“

”نام تو میں نہیں جانتا البتہ زولوؤں سے دارپو کہتے ہیں کہ وہ جوہان اور قبول صوڑا ہے اور اس کے بال سنہرے ہیں اور یہ کہ ریچل اس سے محبت کرتی ہے۔ اس شخص

کے متعلق میں اس سے زیادہ کچھ اور نہیں جانتا۔

جوان نے اُلجھ کر اپنا سر ہلایا لیکن اس کی بیوی دُفقہ اٹھ بیٹھی اور اپنے شوہر کی آستین پکڑ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور موٹی پھٹی ہونٹوں سے آواز ادا کر گشتی میں کہا:

”دارو — جوان — قبول صورت — وہ اس سے مجرت کرتی

ہے۔ — میرے سر تاج — وہ — وہ — رچرڈ وارین ہے
جوان ہو گیا ہے — وہی لڑکا جس نے دریائے اوم ٹوموا کے ایک
جزیرے پر پہنچ کر ریکل کی جان بچائی تھی — کئی برسوں پہلے —
اور ریکل اسے بھولی نہ تھی — شکرت ہے — خدایا تیرا شکر ہے —
رچرڈ کے ساتھ میری بیٹی محفوظ رہے گی — میں جانتی تھی کہ جلد یا بدیر
رچرڈ میری بیٹی کے پاس پہنچ جائے گا — وہ دونوں ایک دوسرے
کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔“

اور وہ نڈھال ہو کر بستر پر ڈھلے گئی۔

”زو لو بھی ہی کہتے ہیں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے پیدا کئے گئے
ہیں“ اشمیل نے تسخیرانہ انداز میں کہا۔

”بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ انہوں نے کافروں کی طرح آپس میں شادی بھی
کر لی ہے۔“

”یہ انتہا ہے اشمیل“ جوان نے کہا۔ ”جس طرح تم ہر عورت کو اپنی
بیوی بنا لیتے ہو اسی طرح میری بیٹی ہر مرد کو اپنا شوہر نہیں بنا سکتی خواہ یہ
شخص رچرڈ وارین ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن جو جیسا ہوتا ہے دوسروں کو ویسا
ہی سمجھتا ہے۔ خیر یہ بتاؤ کہ وہ دونوں یہیں آ رہے ہیں؟“

” نہیں۔ کیونکہ وہ جہاں ہیں بہت مرے ہیں اور اگر وہ آئے بھی چاہیں تو زولو انھیں آنے نہ دیں گے لیکن مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ میں تمہیں لے جانے ہی آیا ہوں۔ تم میرے ساتھ زولو لینڈ میں چلو گے اور آئندہ سے اپنی بٹی کے ساتھ ہی رہو گے۔“

”میں لے جانے آئے ہوں! لیکن یہ ناممکن ہے“ جوہان نے اپنی بیوی کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

”ناممکن ہو یا کچھ اور۔ بہر حال تم دونوں کو فوراً میرے ساتھ چلنا ہے۔ یہ بادشاہ کا حکم اور انکو سامانہ بھی چاہتی ہے اور یہ بھی سن لو کہ میرے ساتھ زولو کی پوری فوج ہے۔ اگر خوشی سے نہ چلے تو پھر جو کچھ ہو گا اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہ ہوگی کیونکہ میں تو حکم کا بندہ ہوں۔ میں تمہیں تیار ہونے کے لئے صرف پانچ منٹ دیتا ہوں۔ پانچ منٹ بعد ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔“

”اشتمیل! تم پاگل ہو گئے ہو یا؟“ جوہان نے کہا وہ دیکھ نہیں رہے ہو کہ میری بیوی سخت بیمار ہے اور زولو لینڈ تک جانا تو ایک طرف زیادہ ایک قدم بھی نہیں چل سکتی ہے۔“

”اگر نہیں چل سکتی تو اسے اٹھا کر لے جایا جائے گا“ اشتمیل نے جواب دیا۔ ”بیکار باتوں میں وقت ضائع نہ کرو اور تیار ہو جاؤ جلدی۔“ یہ میرا حکم ہے۔ تم دونوں کی خاطر میں اپنا کلا کٹوانے سے تو رہا۔ اگر مسٹر دیو کیڑے بھی نہیں ہیں تو اسے کیڑوں میں پیٹ لو اور چلو۔“

”جوہان۔ میرے سرتاج!“ مسٹر دیو نے سرگوشی میں کہا ”تم جاؤ۔۔۔ تم جاؤ۔۔۔ ورنہ یہ لوگ تمہیں قتل کر دیں گے۔ میری فکر نہ کرو۔۔۔ ہاں۔۔۔ نہ کرو۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ م۔ م۔ میرا تو وقت آ گیا ہے۔“

اور میں — خوشی سے موت کو بلیک کہوں گی — کیونکہ رچرڈ میری بیٹی کے پاس پہنچ گیا ہے — اور اب — میں اس طرف سے مطمئن ہوں۔ رچرڈ کا نام سن کر اشمیل آگ بگولا ہو گیا ہے۔

”اے بڑھے اچل رہا ہے یا مجھے زبردستی کرنی پڑے گی؟ وہ چیخ کر بولا۔“
”زبردستی۔“ کہنے اذلیل کئے ا۔“ جوہان نے بھی چیخ کر کہا کیونکہ تم اور غصے کی وجہ سے وہ اپنے آپ میں نہ رہا تھا۔

”تو مجھے زبردستی کیا لے جائے گا؟ میں یسوع مسیح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہر اس شخص کو گولی مار دوں گا جس نے میری بیوی کو انگلی بھی لگائی۔“
اور اس نے وہ دونالی پتروں گھسیٹ لیا جو قریب ہی دیوار میں ایک کیل سے لٹکا رہا تھا۔

اشمیل ان زو لوؤں کی طرف گھوم گیا جو اس کے عین پیچھے خاموش کھڑے اشمیل اور جوہان کو بڑی دلچسپی سے دیکھ اور ان کی باتیں سن رہے تھے۔

”اس بوڑھے کو پھڑکرا اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دو“ اشمیل نے کہا
”اور اس بڑھیا کو اس کے بستر سمیت اٹھا کر لے چلو اگر یہ مر گئی راستے میں تو ہمارا کوئی قصور نہ ہوگا۔“

افسر خاموش اور چہ کنم کے عالم میں کھڑے تھے۔ وہ خوفزدہ نہ تھے لیکن مسز دیو کی حالت زار نے ان کے کالے دلوں میں رحم کا جذبہ بیدار کر دیا تھا
”میرے حکم کی تعمیل کیوں نہیں کر رہے ہو؟“ اشمیل چیخا وہ کہتا ا بزدلو! یہ بادشاہ کا حکم ہے۔ اٹھا لو اس بڑھیا کو ورنہ تم میں کا شخص مارا جائے گا اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ڈنگان کیسی سخت سزا دیتا ہے ان

لوگوں کو جو اس کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔ اگر یہ بوڑھا مقابلہ کرے تو ڈنڈے مار مار کر اسے بیہوش کر دو۔“

اور اب زولو تیزی سے آگے بڑھے، انہوں نے بستر کے چاروں کو نے کپڑے اور اسے اٹھانے لگے، مسنردیو بدقت تمام اسٹھ بیٹھی اور اپنے آپ کو بستر سے گرانے کی کوشش کرنے لگی لیکن اسی کوشش میں وہ اٹھال ہیکر بستر پر ہی گری، کراہی اور بے حرکت اور خاموش پڑی رہی۔

”شیطانو! آخر کار تم نے میری بیوی کی جان لے لی“ جوہان نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

اور پھر اس نے پستول اٹھا کر اس زولو کی طرف گولی چلا دی جو اس کے عین سامنے کھڑا ہوا تھا۔ گولی دیو قامت زولو کے سینے میں داخل ہو گئی اور اس کے دل کو چاٹتی ہوئی پشت کی طرف سے نکل گئی۔ زولو اُن تک کے بغیر گرا اس خوف سے کہ کہیں وہ بکھر گولی نہ چلا دے زولو بچارے بوڑھے پر ٹوٹ پڑے اور موٹے ڈنڈوں اور بھالوں کے دستوں سے مارنے لگے کہ کسی طرح اس کے ہاتھ سے پستول چھڑالیں۔ حالانکہ زولو یہ نہ چاہتے تھے لیکن گڑ بڑ اور افراتفری میں کسی افسر کے لٹو دار ڈنڈے کی ایک زوردار ضرب جوہان کی کینٹی پر پڑ گئی اور اس وقت پستول کی دوسری نال بھی چل گئی اور گولی اشمیل کے کان کے قریب سے نکلی چلی گئی۔ پستول کی نالی سے نکلا ہوا دھواں ضنا میں تحلیل ہو گیا تو نظر آیا کہ جوہان چت گرا ہوا تھا۔ آخر کار اسے وہ شہادت مل گئی تھی جس کی آرزو لے کر وہ اپنے وطن سے چلا تھا اور جسے وہ تلاش کیا کرتا تھا۔

جوہان حرجکا تھا اور اس کی بیوی بھی مر چکی تھی۔

ایک افسر نے آگے بڑھ کر جوہان اور اس کی بیوی کی طرف غور سے دیکھا۔ اسے اطمینان

نہ ہوا تو باری باری سے دونوں کے سینے پر کان رکھ کر دل کی دھڑکن سننے کی کوشش کرنے لگا اور پھر بولا:-

”یہ دونوں سفید فام تو روحوں کی دنیا میں چلے گئے۔ اب کیا حکم ہے ابو بوسی؟“
اشمیل ایک طرف دم بخود سا کھڑا ہوا تھا۔ اس کا رنگ دھلی ہوئی چادر کی طرح سفید ہو رہا تھا کیونکہ اس اٹھنے نے جو موڑ یا تھا وہ خلاف توقع تھا۔ دراصل خود اشمیل ان دونوں کی جان لینا نہ چاہتا تھا۔ ”میں تو سمجھتا ہوں کہ ان لاشوں کو اٹھا کر شاہی کراں تک لے جانا ہی مناسب ہوگا“ وہ بولا ”کیونکہ بادشاہ کا یہی حکم ہے کہ ہر حال ان دونوں کو وہاں پہنچا دیا جائے۔ لیکن بیوقوفو! تم نے چیخنے والے کی جان لی ہی کیوں؟“ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں اضافہ کیا ”اب نہ تو ہم بادشاہ کے غصے سے بچ سکیں گے اور نہ ہی انکو سزا نہ کی بددعا سے۔“

”ابو بوسی! اسی افسر نے جواب دیا“ خود تم نے حکم دیا تھا کہ چیخنے والے کو ڈنڈے مارے جائیں اور ہم سے کہہ دیا گیا تھا کہ ہم تمہارے ہر حکم کی تعمیل کریں لیکن ہم کیسے جان سکتے تھے کہ بہت زیادہ سوچنے کی وجہ سے چیخنے والے کی کھوپڑی کی ہڈی اس قدر پتلی ہو گئی ہے کہ ذرا سی ضرب سے چٹخ جائے گی؟ اگر یہی ضرب میری یا تمہاری کھوپڑی پر پڑی ہوتی تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا جیسے کھتی نے لات مار دی لیکن یہ لوگ روحوں کی دنیا میں جا چکے اور اب ہم انہیں چھو کر اپنے آپ کو ناپاک نہ کریں گے۔ مردہ ہڈیاں کسی کام کی نہیں ہوتیں اور پھر ہو سکتا ہے کہ ان کے جھوٹ ہمیں پریشان کرتے رہیں۔ چلو دوستو! ہم واپس چل کر بادشاہ کو پوری روداد سنا دیتے ہیں۔ ہم نے ایسا ہی کیا ہے جیسا کہ ابو بوسی نے کہا تھا چنانچہ جو کچھ ہوا اس کی ذمہ داری ہم لوگوں پر عائد نہیں ہوتی۔ قصور ہمارا نہیں ہے کیونکہ ہمیں تاکید کر دی گئی تھی کہ ہم ابو بوسی کے ہر حکم کی تعمیل کریں اور یہی ہم نے کیا ہے۔“

”ہاں چلو“ دوسرے افسروں نے کہا ”تم بھی چل رہے ہو ابو بوسی؟“
 ”نہیں۔ میں نہیں چل رہا ہوں“ اشمیل نے جواب دیا ”کیونکہ اگر میں بادشاہ
 کے پاس آیا تو تمہارے انارٹی پن کی ہنرا مجھے دی جائے گی۔ تم لوگ جاؤ اور بادشاہ
 سے صلح صفائی کر کے اپنی جانیں بچا لو۔ اور ہاں۔ یہ بھی سن لو کہ انکو سازانہ اسی طرف
 آرہی ہے۔ اگر راستے میں اسے دیکھ لو تو اس سے کترا کر نکل جانا کیونکہ اگر اسے پتہ چل
 گیا کہ تم نے ان دونوں کی جنہیں وہ اپنے ہاں باپ کہتی ہے، جان لے کر آرہے ہو تو پھر
 وہ تم لوگوں پر موت نازل کر دے گی۔“

”بے شک ہم اس سے کترا کر ہی نکل جائیں گے کیونکہ اس کی بد دعا سے ہم ڈرتے
 رہیں“ افسر نے جواب دیا ”لیکن ابو بوسی! اس کا سراپ تم پر پڑے گا۔ ہم پر نہیں
 کیونکہ حکم تو تمہارا ہی تھا۔ اس مہینے کا چاند غروب ہونے سے پہلے موت تم پر نازل ہو جائیگی
 ابو بوسی! اگر ہو سکے تو آسمانوں سے معافی مانگ لو ورنہ پھر دوسری دنیا میں بھی تم سکون
 نہ پاسکو گے۔“

”کہتے! یہ کیا بد فال منہ سے نکال رہا ہے؟“ اشمیل نے اپنے ماتھے سے خوف کا
 پسینہ پونچھتے ہوئے کہا ”خدا کرے کہ خود تم مر کر اکڑ جاؤ۔“

”نہیں نہیں ابو بوسی۔ تم خود مر کر اکڑ جاؤ گے۔ اور یہ کام ہم نہیں خود انکو سازانہ
 کر لگی ہم تو تمہیں اسکو سازانہ اور اسکے عذاب کے سپرد کر کے چلتے ہیں۔ الوداع ابو بوسی۔ اب تم
 اور انکو سازانہ جانے۔ تم پر انکو سازانہ کا عذاب نازل ہو جائے گا اور تم مر
 جاؤ گے تو ہم تمہاری ہڈیاں دفن کرنے آجائیں گے۔“
 اور وہ لوگ جانے کے لئے چلے۔

”ٹھہرو“ فرش پر پڑے ہوئے اور آخری سانس لیتے ہوئے زولونے کہا۔
 ”بھائیو! تم مجھے تو چھوڑے جا رہے ہو۔“

اشہر نے جھاک کر مرنے والے کے زخم کا موازنہ کیا۔

”جان لیڈا زخم ہے“ وہ بولا ”تمہارے دل کے ٹکڑے اڑ گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں چھینے والے کی دھاڑنے والی نلکی نے تمہارے بجائے ابو بوسی کو کیوں نہ چاٹ لیا کہ انکو سازانہ کے سر سے ایک بڑی مصیبت مل جاتی؟ بہر حال تمہارے ہاتھوں میں اب بھی جان ہے اور یہ رہا بھالا۔ تم جانتے ہی ہو کہ بھالا کہاں مارا جائے۔ اب کوئی پیغام ہو تو جلد کہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا پیغام پہنچا دیا جائے گا۔ الوداع میرے بھائی۔ تمہیں یاد ہے کہ میں برس پہلے اس عظیم جنگ میں ہم نے کس طرح پسپا ہو کر جنگ کی تھی جب وہ دیو پونڈو مجھے پچھا کہ میرے سینے پر سوار ہو گیا تھا اور تم نے اس کی پشت اپنے بھالے کی ضربوں سے تھیلنی کر دی تھی؟ بڑی عمدہ جنگ تھی وہ۔ اس جنگ کے متعلق ہم روحوں کی دنیا میں باتیں کریں گے۔ الوداع!۔۔۔ میرے بھائی۔ ہاں میں تمہارا پیغام تمہاری ننھی بیٹی تک پہنچا دوں گا اور کہوں گا اس سے کہ وہ ہارتم نے کہاں رکھا ہے اور اس سے یہ بھی کہہ دوں گا کہ وہ اپنے پہلو بھٹی کے بیٹے کا نام تمہارے نام پر رکھے۔ الوداع۔ اب یہ بھالا استعمال کر لو بھائی کیونکہ یہ زخم تمہیں سخت تکلیف پہنچا رہا ہوگا یا شاید ابو بوسی تمہارے لئے یہ کام کر دے گا۔ الوداع میرے بھائی۔ اور ابو بوسی! میں تمہیں بھی الوداع۔ ہم لوگ تو جلد ہی ٹوگیلا عبور کر کے زولوفینڈ میں پہنچ جائیں گے لیکن تم انکو سازانہ کو یہ بتانے کے لئے ہمیں ٹھہرو کہ چھینے والے کی موت کس طرح واقع ہوئی۔“

اور وہ لوگ پلٹ کر جانے لگے۔ فرش پر پڑا ہوا زولوفینڈ اٹھیں جاتے دیکھتا رہا

اور جب آخری آدمی بھی کمرے سے نکل گیا تو اس نے بھالا اٹھا کر خود اپنے ہی پیٹ میں اتار دیا اور پھر اسے گھسیٹ کر اپنے بے جان ہوتے ہوئے ہاتھ سے اٹھیل کی طرح پھینک مارا۔

زولا کا بھالا اشمیل کے ایک گال پر گہری خراش پیدا کرتا ہوا گزر گیا۔ اس کے گال سے خون بہنے لگا۔ اشمیل بے ہوش ہوا تھا۔ بھالے کی زخم کی تکلیف بھی اس نے محسوس نہ کی۔ وہ خاموش اور بے حرکت کھڑا جوہان اور اس کی بیوی کی لاشوں کی طرف دیکھتا رہا تھا اور ایک آواز اس کے دل میں کہہ رہی تھی : —
 ”ان لوگوں کا خون تمہاری گردن پر ہے۔ ان لوگوں کی روحیں انتقام۔ انتقام۔ پکار رہی ہیں۔ اشمیل! تمہارا سکون اور چین غنقا ہو گیا۔ اب تم سکون کی بھند نہ سوسکو گے کیونکہ ان کی روحیں تمہیں ہر دم پریشان کرتی رہیں گی۔“

عین اسی وقت جوہان کا ہاتھ — جو اپنے بستر پر گویا ٹپک لگائے بیٹھا تھا — اس کے زخمی ماتھے پر سے کھپیل کر نیچے کی طرف جھکا اور ایک لمحے تک ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اشمیل کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ مومن الذکر کانپ گیا لیکن اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ مرنے ہوئے مبلغ کی بے نور آنکھیں اشمیل کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا ستا ہوا چہرہ سہ پہر کے سورج کے شعاعوں میں، جو کھلی ہوئی کھڑکی سے کمرے میں ریگ آئی تھیں، بے حد مہیا نک معلوم ہو رہا تھا۔ عین اسی وقت اشمیل کے زخمی گال سے خون کا ایک قطرہ فرش پر ٹپک پڑا اور اس کی ہلکی سی آواز اشمیل کو جس کے اعصاب پوری طرح تن گئے تھے، لپتول کے دھماکے کی طرح سنائی دی۔

خون — خود اس کا خون — اس نے جو کچھ کیا ہے اس کا انتقام خود اسی کے خون سے لیا جائے گا۔ اس خیال کے آتے ہی اسے جیسے ہوش سا آگیا وہ پلٹ کر ایک خوفزدہ بھڑکنے کی طرح کمرے سے باہر بھاگا۔

باہر پہنچ کر وہ رکا۔ زولا ایک طرف اور رماہ کے باشندے دوسری طرف بھاگ گئے تھے۔ اب وہاں کوئی نہ تھا۔ دفعۃً اس کی نظر اس ٹیلے کی طرف اٹھ گئی

جو راہ سے دور نہ تھا اور جس پر گھنٹی اور گنجان جھاڑیاں اُگ رہی تھیں اور اسے یاد آیا کہ اس نے دو پیغامبروں کے ذریعہ اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا اور اُنھیں اسی ٹیلے پر ملنے کو کہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ آگئے ہوں۔

اور اس ٹیلے کی طرف چلا تو رفتہ رفتہ اس کے حواس بجا ہونے اور اس کا خوف دور ہونے لگا۔ وہ پھر سوچنے لگا۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تھا ظاہر ہے کہ اب وہ مردوں کو دوبارہ زندہ نہ کر سکتا تھا۔ بہر حال جو کچھ ہوا تھا اس کی ذمہ داری اس پر عائد نہ ہوتی تھی اور پھر جو کچھ ہوا تھا وہ کم سے کم اشیائے حق میں تو اچھا ہی ہوا تھا۔ اس ایک شخص داریو کے علاوہ اب اس دنیا میں ریکل کا کوئی نہ رہ گیا تھا اور مردے کہاں نہیں کہتے چنانچہ ریکل یہ معلوم ہی نہ کر سکے گی کہ اس کے والدین کی موت اشیائے حق کی وجہ سے واقع ہوئی تھی۔ چنانچہ اب وہ دنیا میں اکیلی ہے۔ بے وطن اور بے سہارا ہے اب وہ اشیائے حق کا سہارا لے گی لیکن وہ داریو — خیر — اس سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ جائے اور پھر ریکل اشیائے حق کے ساتھ اکیلی رہ جائے۔ بہر حال اس نے جو کچھ کیا ہے ریکل ہی کے لئے تو کیا ہے۔ گناہ اور جرم سہی لیکن یہ گناہ اور جرم اس نے کس کے لئے کیا ہے؟ ریکل کے لئے۔ اسے زبردستی اپنی بنانا جرم سہی۔ لیکن وہ جرم بھی کرے گا۔ لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس کا یہ جرم بے حد خطرناک اور تباہ کن ثابت ہو۔ ہو سکتا ہے کہ خود ریکل ایک پھری ہوئی شیرنی ثابت ہو اور پھر ہو سکتا ہے کہ زولو اس کے کراں پر ہلے بول دیں۔ چنانچہ — چنانچہ — کیوں نہ وہ یہاں سے غرار ہو کر افریقہ کے کسی دور دراز خطے کی طرف چلا جائے یا کسی جہاز میں سوار ہو کر کسی دوسرے ملک میں پہنچ جائے اور نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرے۔

لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔ وہ ریچل کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟۔۔۔ اس کے لئے تو وہ اندر ہی اندر سلگ رہا تھا۔ اب قدرت نے اسے اپنی بنانے کا موقع فراہم کیا ہے تو وہ فراہم ہونے کے منصوبے کر چھ رہا ہے۔ نہیں۔ ریچل اس کی ہے اور وہ اسے اپنی بنا کر رہے گا۔ اگر دار پورا راستے کا روڑا ہے تو اسے راستے سے ہٹا دیا جائے گا۔ انہی خیالات میں غلطاں و بیچیاں وہ ٹیلے پر کی جھاڑیوں میں پہنچ گیا۔ فوراً ہی کسی نے اسے آہستہ سے آواز دی۔ یہ اس کے کراں کے چودھری کی آواز تھی "باہر آ جاؤ کتے کی اولاد" اشمیل نے کہا اور گنجان جھاڑیوں میں اپنے آموں کو تلاش کرنے لگا۔ فوراً ہی ایک شخص جھاڑیوں میں سے نکل آیا۔

"سردار! ہمیں تمہارا پیغام مل گیا تھا اور دیکھو ہم آگئے" چودھری نے کہا وہ یہاں کیا واقعہ ہوا سردار کہ یہ لبتی اس قدر خاموش ہے؟۔۔۔ "یہاں زولو آئے تھے اور پھر چلے گئے۔ انہوں نے سفید فام مسلخ اور ان کی بیوی کو قتل کر دیا ہے حالانکہ میں نے ان دونوں کو بچانے کی کوشش کی تھی یہ دیکھو۔ مجھے بھی زخم آ گیا ہے۔ رہے لبتی والے تو وہ فرار ہو گئے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا" چودھری نے کہا "کیونکہ وہ بوڑھا ایک مقدس آدمی تھا اور اب اس کی روح قاتلوں سے سخت انتقام لے گی۔ یہ اچھا ہوا سردار کہ تم نے اس معاملے سے کوئی تعلق نہ رکھا حالانکہ میرا تو ابتدا میں ہی خیال تھا کہ اس میں تمہارا بھی اتنا ہی ہاتھ ہے جتنا زولوؤں کا۔ سردار! گذشتہ رات ایک انجانا کتا تمہاری جھونپڑی کی چھت پر چڑھ کر بڑی بھیانک آواز میں روتا رہا تھا۔ ہم نے اسے بھالے مار مار کر بھگانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ بھاگا چنانچہ ہمارا تو خیال ہے کہ وہ کوئی بھوت تھا اور تمہاری بیویوں کا خیال ہے کہ کوئی مصیبت تمہارے قریب آرہی ہے۔"

اشکیل نے تڑپ سے ایک تھپڑ چو دھری کے رسید کر دیا اور چیخ کر بولا:-
 ”اپنی منحوس زبان کو لگام دو ورنہ تم اپنے اس بھوت کتے سے زیادہ بلند آواز میں
 رونے لگ جاؤ گے۔“

”بہت اچھا سردار“ چو دھری نے بڑی انکساری سے کہا لیکن اس کی آنکھوں
 میں ایک عجیب چمک تھی جسے اشکیل دیکھ نہ سکا۔ ”اب ہمارے لئے کیا حکم ہے؟“
 ”ہم یہیں ٹھہرتے اور چاروں طرف نظر رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں بوڑھے
 مہلک کی بیٹی، جو انکو سازانہ زولا کے نام سے مشہور ہے، اسی طرف آرہی ہے۔
 چنانچہ ہو سکتا ہے کہ اسے ہماری مدد کی ضرورت ہو۔ میرے حکم کے مطابق تم
 اپنے ساتھ تیس آدمی لائے ہو یا اکیس ہی چلے آئے ہو؟۔“

”ابو بوسی! میں تیس آدمیوں کو لیکر آیا ہوں۔ یہ لوگ جھاڑیوں میں چھپے ہوئے ہیں۔
 میں بلاتا ہوں انھیں۔ حالانکہ میں نہیں سمجھتا کہ انکو سازانہ کو ہماری مدد کی ضرورت ہو
 کیونکہ وہ چاہے تو ایک آواز سے زولوں کی پوری فوج اور ایک اشارے سے دنیا کی
 تمام روحوں کو اپنی مدد کے لئے بلا سکتی ہے۔ ایسی عظیم ہستی کی مدد بھلا ہم کیا کریں گے؟۔“

پندرھواں باب

ریچل راہ میں

ریچل جس شان سے اور دبدبے سے دریائے توگیلا کی طرف سے شاہی کراں کی طرف گئی تھی اب اسی شان اور دبدبے سے واپس لوٹ رہی تھی کیونکہ وہ دیوکی تھی اور مقدس تھی اور ریچل وہ پہلی سفید قام لڑکی تھی جس نے نہ صرف زولو لینڈ میں قدم رکھا تھا بلکہ خاص شاہی کراں میں بادشاہ کی جہان بن کر رہی تھی۔ دن بھر وہ اکیلی سفر کرتی رہی۔ اکیلی سے ہماری مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی نہ چل رہا تھا تاہم بسا آگے آگے سفید بیل کی نیل کیڑے چل رہا تھا، رچرڈ اس کے پیچھے تھا اور آگے اور پیچھے مسلح زولو سپاہی احترام سے سر جھکائے چل رہے تھے۔ رات کے وقت وہ کسی کراں میں پہنچتی تو یہ کراں پہلے ہی طرح خالی ہوتا، ریچل ایک جھونپڑی میں اکیلی سوتی اور زولو لڑکیاں اس کی خدمت کے لئے حاضر رہتیں اور رچرڈ کو اس کراں کے باہر کسی جھونپڑی میں ٹھہرایا جاتا۔

اور پھر ایک دن ٹھیک دوپہر کے وقت وہ لوگ دریائے توگیلا کے کنارے پر پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ ان کے وہاں پہنچنے سے چند ہی گھنٹوں پہلے انہیں دریا عبور کر کے راہ کی طرف روانہ ہوا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر ریچل نے رچرڈ کو بلا بھیجا کیونکہ اس پورے سفر میں اسے اپنے محبوب سے گفتگو کرنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ رچرڈ حاضر ہوا اور ریچل کے سامنے مگر اس سے چند قدم دور احترام سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

اور ریچل نے اسے انگریزی میں مخاطب کیا تو فوج کے افسر اور ڈنگان کے جاسوس اس کی رچرڈ کی طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگے۔ کیونکہ انکو سنا نہ اسے اس بدیسی زبان میں مخاطب کر رہی تھی جس کا ایک لفظ بھی ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔

”رچرڈ! کیسے ہو؟“ اس نے پوچھا ”اور ان لوگوں کا سلوک کیسا رہا تمہارے ساتھ؟“

”اچھا ہوں“ اس نے جواب دیا ”اور زو لوؤں سے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ لیکن ریچل! اب تمہارے ارادے کیا ہیں؟ دریا چرٹھا ہوا ہے اور اسے عبور کرنا آسان نہیں تاہم اسے عبور کیا جاسکتا ہے کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ سفید فام اٹھیل، جس کے متعلق تم مجھے بتا چکی ہو، آج صبح ہی ایک مسلح فوجی دستے کے ساتھ عبور کر گیا ہے۔“

ریچل حیران ضرور ہوئی لیکن اس نے حیرت کا اظہار اپنے لبشرے سے نہ ہونے دیا کیونکہ زو لوؤں کی نگاہیں اس پر تھی ہوئی تھیں۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ اس نے بظاہر بے تعلقی سے کہا ”میں نے تو سنا تھا کہ کئی دن ہوئے وہ شاہی کراں سے فرار ہو گیا ہے اور اب سن رہی ہوں کہ وہ زو لو لینڈ سے مسلح سپاہیوں کے ساتھ نکلا ہے۔ یہ کیا معنی ہے؟“

”یہ تو میں نہیں جانتا ریچل! البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ اس معاملے کو راز میں ہی رکھا گیا ہے کیونکہ جب بھی میں نے اس کے متعلق کسی سے کچھ پوچھا تو وہ اپنے کندھے اچٹکا کر خاموش ہو رہا اور اگر کسی نے جواب دیا تو صرف یہ کہ بادشاہ کے معاملات بادشاہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اس کے متعلق زو لوؤں سے کبھی نہ پوچھتا کیونکہ پوچھنے پر بھی یہ لوگ تمہیں کچھ نہ بتائیں گے اور اگر تم نہ پوچھو گی تو یہ

لوگ سمجھ لیں گے کہ تم سب کچھ جانتی ہو۔

”ٹھیک ہے“ وہ بولی ”لیکن رچرڈ! مجھے آج ہی رات کو یہ دریا عبور کرنا ہے۔ صرف تم اور میں آج ہی رات کو یہ دریا عبور کر لیں گے اور رہا پانچ بجائیں گے۔ رچرڈ! میرا دل گہرائیوں میں ڈوبا جا رہا ہے۔ کچھ ہونے والا ہے رچرڈ۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔ بے حد خوفزدہ ہوں۔“

”لیکن ہم دریا کیسے عبور کریں گے؟ ہم دونوں اکیلے یہاں سے کس طرح نکل سکیں گے؟ پہلا سوال تو یہاں سے نکلنے کا ہے۔“

”یہ تو میں اس وقت نہیں بتا سکتی۔ البتہ جہاں تمہارا قیام ہے اسی جگہ تم میرا اور اپنا گھوڑا تیار رکھو“ اور اس نے سر ہلا کر اس جھونپڑی کی طرف اشارہ کیا جو وہاں سے کوئی پچاس گز کے فاصلے پر تھی ”میں شاید جلد ہی تمہارے پاس آ جاؤں گی۔ بس۔ اب جاؤ۔“

رچرڈ سلام کر کے رخصت ہوا۔

فوراً ریچل نے تانبوسا اور دوسرے افسروں کو بلا بھیجا اور ان سے دریا کے چڑھے ہوئے پانی کے متعلق پوچھا۔ کیونکہ دریا وہاں سے نصف میل کے فاصلے پر تھا چنانچہ نظر نہ آتا تھا۔ افسروں نے جواب دیا کہ دریا ”غصے میں بھرا ہوا ہے“ اور یہ کہ اسے عبور کرنے کے متعلق سوچنا حماقت ہے کیونکہ پانی اور بھی چڑھ رہا ہے۔

”اچھا!“ اس نے بے تعلقی سے کہا ”بہر حال میں خود دیکھتی ہوں چل کر“ اور وہ بڑی شان اور تکبر سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس جھونپڑی کی طرف چلی جہاں اس کا اور رچرڈ کا گھوڑا تیار رکھا ہوگا جیسا کہ اس نے رچرڈ سے کہہ رکھا تھا۔

تامبوسا اور افسر اس کے پیچھے چلے۔

جھونپڑی کے قریب پہنچ کر اس نے دیکھا کہ اس کی گھوڑی اور رچرڈ کا گھوڑا جھونپڑی کے دوسری طرف کسے کسائے سفر کے لئے تیار کھڑے تھے اور رچرڈ ان کے قریب بیٹھا تمباکو پی رہا تھا۔

اسے دیکھتے ہی رچرڈ نے کھڑے ہو کر اسے سلام کیا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر اپنی بھوری گھوڑی کی طرف چلی اور ایک پیر رکاب میں رکھ کر اس پر سوار ہو گئی ساتھ ہی اس نے رچرڈ کو بھی سوار ہوجانے کا اشارہ کیا۔

”کہاں جا رہی ہو انکو سازانہ؟“ تامبوسا نے پوچھا۔

”دریا کے پانی پر سحر بھونکنے“ اس نے جواب دیا ”تاکہ پانی اتر جائے اور میں اسے کل عبور کر سکوں۔ دارپو! تم میرے ساتھ چلو۔ تامبوسا! تم بھی چلو لیکن اور کوئی میرے ساتھ نہ آئے کیونکہ میرا سحر ہر کسی کی نظر کے لئے نہیں ہے۔ اور اگر کسی نے چوری چھپے بھی میرے سحر کو دیکھنے کی کوشش کی تو وہ اندھا ہو جائے گا۔ لیکن افسر جہاں تھے وہیں کھڑے رہے۔

”جاؤ تم لوگ“ ریچل نے کڑک کہا ”مبادا تم پر کوئی مصیبت آجائے۔“

چنانچہ افسر خوفزدہ ہو کر لوٹ گئے اور ریچل تو گیلہ کی طرف بڑھی۔ رچرڈ اس کے ساتھ تھا جو گھوڑے پر سوار تھا اور تامبوسا اس کے ساتھ تھا جو پیرل تھا تھوڑی دیر بعد ہی وہ اس جگہ پہنچ چکے تھے جہاں سے اس نے اس وقت دریا عبور کیا تھا جب وہ زولولینڈ میں داخل ہوئی تھی۔ حالانکہ پانی دونوں کناروں سے لگ کر بہہ رہا تھا لیکن ریچل نے دیکھا کہ اسے گھوڑے پر سوار ہو کر عبور کیا جاسکتا تھا اس نے رچرڈ کو اپنے قریب بلا کر کہا:-

”رچرڈ! ہمیں اسی وقت دریا عبور کرنا ہے کیونکہ سوائے تامبوسا کے ہمیں کوئی

روکنے والا نہیں ہے۔ تا مہوسا پر حملہ نہ کرنا کیونکہ یہ مجھ پر بہت زیادہ مہربان رہا ہے ہاں اگر وہ خود تم پر اپنے بھالے سے حملہ کر دے تو پھر اپنے بچاؤ کے لئے تشدد آزمانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور پھر اس نے تا مہوسا کو مخاطب کر کے کہا:-

”تا مہوسا! میں نے پانی سے کہہ دیا ہے۔ وہ مجھے نہ تو غرق کرے گا اور نہ ہی بہالے جائے گا چنانچہ اب وقت آ گیا ہے کہ میں اپنے لوگوں سے عارضی طور پر رخصت ہو جاؤں اور اپنے خادم داریو کے ساتھ اس پار پہنچ جاؤں بسنوا! یہ ہیں میرے احکامات۔ کوئی میرے پیچھے آنے کی جرأت نہ کرے سوائے تمہارے۔ جب پانی اتر جائے تو تا مہوسا تم میرے سفید بیل اور میرے سارو سامان کو لے کر آسکتے ہو۔ بیل اور سامان تم میرے پاس رہاؤ گے لے آنا سنا تم نے تا مہوسا؟“

”سنا انکو سازانہ“ تا مہوسا نے جواب دیا ”اور تمہارے ان الفاظ نے میرے دل کے ٹکڑے اڑا دیے ہیں۔“

”اس کے باوجود تم میرے احکامات کی تعمیل کرو گے تا مہوسا۔“

”ہاں انکو سازانہ کیونکہ جانتا ہوں اگر میں نے اس میں کوتاہی کی تو میرا انجام کیا ہوگا اور پھر یہ بادشاہ کا بھی حکم ہے کہ کوئی تمہارے حکم سے سرتابی کی جرأت نہ کرے۔ بہر حال میں جانتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن تم اپنے لوگوں میں، یعنی ہم میں، واپس آ جاؤ گی۔ پھر کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ تم کل تین تارے ساتھ ہی کھڑ جاؤ تاکہ دریا کا پانی اس وقت اتر جائے؟“

”تا مہوسا! ریحیل نے آگے کی طرف جھک کر اور تا مہوسا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ”ابو بوسی صرف چند گھنٹوں پہلے یہ دریا عبور کر کے دوسری

طرف کیوں گیا ہے اور وہ بھی سپاہیوں کے ساتھ؟ وہی ابوبوسی جو شروع چاند میں کراں سے فرار ہوا تھا؟ وہ دیکھو۔ وہ یہی اس کے اور اس کے ساتھیوں کے قدموں کے نشانات۔

”میں نہیں جانتا انکو سازانہ“ تامبوسا نے نظریں جھکا کر جواب دیا، ”کل میں سفید بیل کے کر رہا تھا میں آؤں گا اور اکیلا ہی آؤں گا۔“

”ٹھیک ہے تامبوسا۔ لیکن اگر میں وہاں نہ ملوں تو پھر پوچھنا کسی سے کہ ابوبوسی کہاں ہے اور اگر ضرورت ہو تو فوج لے کر مجھے تلاش کرنا۔ مجھے اور سفید فام سردار داریو کو۔“

اور اس نے پھر جھک کر تامبوسا کی طرف دیکھا۔

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکا انکو سازانہ“ تامبوسا نے جواب دیا ”لیکن اگر میں نے تمہیں رہا میں نہ پایا تو میں تمہیں تلاش کروں گا اور اگر ضرورت ہوئی تو زولو لینڈ کا ایک ایک سپاہی میرے ساتھ ہوگا۔“

”اچھا تو پھر الوداع تامبوسا۔ میری طرف سے ان سپاہیوں کو بھی الوداع کہہ دینا جو میرے ساتھ آئے ہیں۔ افسردہ سے کہہ دینا کہ یہ میرا حکم ہے اور یہی میں چاہتی بھی ہوں کہ وہ لوگ کل شاہی کراں کی طرف لوٹ جائیں اور ڈنگان تک میرا اور داریو کا سلام پہنچا دیں۔ تم کل رہا میں مجھے تلاش کرنے آجانا۔“

اور اس نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا دیا۔ رچرڈ اس کے پیچھے تھا۔ وہ دونوں لب دریا جا کھڑے ہوئے۔ تامبوسا نے اپنا بھالا بلند کر کے ریحل کو شاہی سلام کیا۔

ہر چند کہ پانی گولا اور کف آلود تھا اور بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا تاہم

اسے عبور کرنا مشکل نہ تھا اس کے ہاوجود بیچ منچدھار میں گھوڑوں کے قدم اکٹڑ گئے اور وہ تیرنے لگے اور آخر کار بدقت تمام اپنے سواروں کے ساتھ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔

”آزاد — اب ہم آزاد ہیں ریچل اور زندگی اور اس کی مسرتیں ہمارے سامنے ہیں“ دوسرے کنارے پر پہنچتے ہی رچرڈ نے خوشی سے چیخ کر کہا لیکن جب اس کی نظر ریچل پر پڑی تو اس کی ساری خوشی کا فور ہو گئی کیونکہ ریچل کے چہرے کا رنگ سفید ہو گیا تھا اور اس سے انتہائی خوف اور تکلیف کے آثار عیاں تھے اور اس نے آگے کی طرف جھک کر زمین کا اٹھا ہوا اگلا حصہ یوں پکڑ رکھا تھا جیسے وہ بیہوش ہونے والی ہو۔

”کیا بات ہے ریچل؟“ رچرڈ نے گھبرا کر پوچھا ”چڑھے ہوئے دریا کا خوف اب تم پر غالب آگیا ہے یا تم بیمار ہو؟“

چند لمحوں تک اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ سیدھی ہو بیٹھی اور ایک طویل ٹھنڈا سانس لینے کے بعد کہا:-

”رچرڈ! میں زولوڈوں میں اتنے دنوں تک رہی ہوں اور اتنے دنوں تک ایک دیوی کا کردار ادا کرتی رہی ہوں کہ اب میں اپنے آپ کو دیوی ہی سمجھنے لگی ہوں یا کم سے کم زولوڈ پچ ٹو اکٹڑوں کے جادو کا کچھ حصہ مجھے بھی مل گیا ہے۔“

”میں سمجھا نہیں ریچل۔“

”پانی کے شور میں“ میں نے دوسری آوازیں بھی سنی ہیں۔“

”دوسری آوازیں! کیسی آوازیں؟ کس کی آوازیں؟“

”میرے والدین کی آوازیں جو مجھے پکار رہی تھیں اور تمہارے متعلق کچھ کہہ

رہی تھیں۔ رچرڈ! جیسے وہ دونوں خوفزدہ تھے اور بڑی تکلیف میں تھے۔ ایک منٹ تک میرا ان کی آواز میں سنتی رہی اور پھر خوفناک سرد ہوا مجھے چھوتی ہوئی گذر گئی۔ یہ ہوا۔۔۔ نہیں رچرڈ۔۔۔ وہ ہوا تو سیدھی آئیں اور پر سے آئی تھی اور پھر۔۔۔ پھر کچھ نہ تھا۔ آوازیں خاموش تھیں اور میرے دماغ میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میرا دماغ خالی تھا۔ مفلوج سا ہو گیا تھا چنانچہ مجھے یاد نہیں کہ ہم نے دریا کس طرح عبور کیا اور کب اس کنارے پر آ گئے۔ میں تو جیسے اس دنیا میں نہ تھی۔ ہنسور چرڈ۔ یہ سچ ہے۔ کافروں کا خیال غلط نہیں ہے شاید قدرت کی طرف سے مجھے یہ خصوصیت عطا ہوئی ہے۔ تم بھولے نہ ہو گے کہ میں نے تالاب کے پانی میں نہیں دیکھ لیا تھا۔

”میں تم پر کیوں ہنسنے لگا ریکل“ رچرڈ نے بڑی سنجیدگی سے کہا کیونکہ وہ خوف جیسے ریکل محسوس کر رہی تھی اس کے دل میں بھی اتر گیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ تم دنیا میں کسی بھی لڑکی سے مختلف ہو۔ لیکن ریکل! پچھلے بڑے مہینوں کی دماغی مشقتوں اور تنہائی نے تمہیں تھکا مارا ہے اور یہ اب اس کا رد عمل ہو رہا ہے تمہارا یہ خوف شاید بے بنیاد ہے۔“

”شاید۔ بلکہ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ رچرڈ! کیا بچا ہو گا اس وقت؟“

”سورج کے جھکاؤ سے پتہ چلتا ہے کہ پونے چھ بج رہے ہیں۔“

”تو پھر اندھیرا ہونے سے پہلے ہم کسی صورت رماہ نہ پہنچ پائیں گے۔“

”ہاں ریکل۔ لیکن بچا چاند جو ہے۔“

”ہاں۔ بچا چاند تو ہے ہی لیکن میں سوچتی ہوں کہ اپنی روشنی میں وہ

میں کیا دکھائے گا۔“

اور وہ آپ ہی آپ کانپ اٹھی۔

شام کا دھند لکا اتر چکا تھا کہ وہ اس میدان میں تھے جو رامہ تک پھیلنا چلا گیا تھا۔ تمام راستے ریکل اور رچرڈ خاموش اور اپنے ہی خیالات میں الجھے رہے تھے۔ اور پھر اندھیرا اتر آیا اور ان دونوں نے اپنے رہواروں کی رفتار کم کر دی کیونکہ ابھی چاند طلوع نہ ہوا تھا۔ اور پھر ایک ٹیلے کی اوٹ سے چاند آہستہ آہستہ ابھرا یہاں تک کہ پورے میدان میں دودھیا چاندنی بکھرنی اور رچرڈ نے دیکھا کہ ریکل کا چہرہ مردے کی طرح زرد تھا۔

اور اب سامنے رامہ تھا۔ راستے میں کسی جاندار سے ملاقات نہ ہوئی تھی البتہ اینٹلوپوں کے اس ریوڑ کے جو پانی پینے کے لئے دریا کی طرف جا رہا تھا۔ انہوں نے کوئی آواز نہ سنی تھی سوائے ایک شیر کی گرج کی آواز کے جو کہیں دور دھاڑ رہا تھا رامہ ان کے سامنے تھا۔ چاندنی مستقر کی چھت، چھوٹے سے گرجا اور بستی کی جھونپڑیوں پر چمک رہی تھی لیکن وہاں موت کی سی خاموشی۔ مویشی ڈکرا رہے تھے نہ ہی بچے رورہے تھے اور نہ ہی شام کی عبادت کے لئے گرجا کا گھنٹہ بج رہا تھا۔ رامہ میں اندھیرا تھا۔ کسی جھونپڑی میں دیانہ جل رہا تھا اور کسی جھونپڑی کے چولہے سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

”رچرڈ! رامہ والے کہاں گئے؟“ ریکل نے سرگوشی میں کہا ”بستی تو موجود ہے لیکن بستی والے کہاں ہیں؟“

لیکن رچرڈ کوئی جواب نہ دے سکا۔ وہ صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ ایک قسم کا شدید انجان خوف اور سنسنی اس پر بھی مسلط ہو چکی تھی۔

اور اب وہ مستقر کی دیوار کے قریب پہنچ چکے تھے۔ وہ اپنے اپنے گھوڑے پر سے اتر کر شانہ بشانہ مستقر کے کھلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے اور جب وہ دروازے کے قریب پہنچے ہیں تو کوئی چوپایا دالان سے نکل کر ان کی طرف آیا اور

غراتا ہوا ان کے قریب سے نکلا چلا گیا۔ یہ ایک لکڑ بگھا تھا۔ ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے وہ دونوں مستقر کی عمارت کی طرف بھاگے۔ ریچل اپنے ساتھی کو سیدھا اپنے والدین کے کمرے کی طرف لئے جا رہی تھی جس کی کھڑکیاں دروازے کی طرح چو پٹ کھلی ہوئی تھیں۔ ایک لمحے بعد وہ اس کمرے میں تھے۔

اور دوسرے ہی لمحے چاندنی انھیں سب کچھ دکھا چکی تھی۔

کئی منٹوں تک — جو رچرڈ کو کئی گھنٹے معلوم ہوئے — ریچل خاموش اور بے حرکت کھڑی اپنے والدین کی لاشوں کی طرف دیکھتی رہی۔ یہ رچرڈ تھا جس نے اس بھیانک خاموشی کو توڑا کیونکہ یہ خاموشی اس کے اعصاب پر سوار ہونے لگی تھی اور اسے احساس ہو چلا تھا کہ اگر مزید چند منٹوں تک یہ خاموشی طاری رہی تو اس کا دم گھٹ جائے گا یا وہ بیہوش ہو جائے گا۔

”زولوؤں نے مار ڈالا انھیں“ رچرڈ نے پھٹی ہوئی آواز میں کہا اور فرش پر مردہ پڑے ہوئے زولو کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں“ ریچل نے غیر جذباتی آواز میں جواب دیا۔ ”اشمیل“۔

اور اس نے اس چیز کی طرف اشارہ کیا جو رچرڈ کے پیروں کے قریب پڑی ہوئی تھی۔

رچرڈ نے جھک کر وہ چیز اٹھالی۔ یہ ہاتھی کی دم کا بنا ہوا مورچہ تھا جس کا دستہ گینڈے کے سینگ کا تھا۔ مرتے ہوئے زولو کا بھالا جب شمیل کے گال پر چرکا لگا گیا تھا تو یہ مورچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

”میں اس مورچہ کو جانتی ہوں“ ریچل نے کہا۔ ”اشمیل ہمیشہ اسے اپنے ہاتھ میں لئے رہتا تھا۔ اصلی خونی اشمیل ہے۔ زولو کبھی اس کی جرأت نہ کرتے۔“ اور اس کی آواز بھرا گئی۔

”ٹھہرو — سوچنے دو مجھے“ رچرڈ نے کہا ”کوئی بات تھی میرے ذہن میں کیا تھی وہ؟ ہاں۔ ریچل! اگر تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے تو پھر اس شیطان نے یہ کام بے مقصد نہیں کیا ہے۔ میرے خیال میں وہ کہیں قریب ہی ہے اور تمہیں اٹھالے جانا چاہتا ہے۔“

اور رچرڈ دانت پیسنے لگا۔ پھر بولا:-

”ریچل! ہمیں یہاں سے فوراً چلا جانا چاہئے۔“

”کہاں“ ریچل نے پوچھا۔

”ڈربن — اسی وقت“

”لیکن میرے والدین کی تجہیز و تکفین کون کرے گا؟۔“

”یہ میں نہیں جانتا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔“

یہ لوگ تو خدا کی رحمت کو پہنچ گئے چنانچہ اب ہمیں جانوں کی فکر کرنا چاہئے۔

بودین، میں، والپس، آکر — میں — یہ — ان دونوں کو دفن کر دوں گا۔“

”ٹھیک ہے رچرڈ“ ریچل نے کہا۔

اور پھر وہ لاشوں کے قریب گھٹنوں کے بل جھک گئی اور دیر تک دعا

میں مصروف رہی۔ پھر وہ اٹھی اور اس نے پہلے اپنے والد کا اور پھر اپنی والدہ

کا سر دماٹھا چوم لیا اور جانے کے لئے نپٹی۔ اور ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھی

تھی کہ اس کی نظر اس بھالے پر پڑی جو زولو کی لاش کے قریب ہی پڑا ہوا تھا۔

اس نے جھک کر بھالا اٹھالیا اور دالان میں آگئی اور وہاں پہنچے ہی اس کی قوت

جواب دے گئی۔ پہلے وہ لڑکھڑا کر دیوار سے ٹکرائی اور پھر رچرڈ کی بانہوں میں

آگری۔

”رچرڈ! اب سوائے تمہارے میرا کوئی نہیں رہ گیا ہے۔ کوئی نہیں۔ اگر تمہیں

بھی مجھ سے تھپیں لیا گیا تو میں کیا کروں گی؟۔

اور دوسرے ہی لمحے اسے احساس ہوا کہ پورا دالان کافروں سے بھر رہا تھا جیسے وہ زمین میں سے نکل آئے ہوں پھر ایک آواز نے کافروں کی بولی میں کہا: "اس سفید فام کو پکڑ کر باندھ لو فوراً۔"

اور اس سے پہلے کہ رچرڈ کچھ سمجھ سکتا، اس سے پہلے کہ وہ آنے والوں کی طرف گھوم سکتا، بہت سے مضبوط ہاتھوں نے اسے پکڑ کر ریچل سے علیحدہ کر دیا۔ اس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی جدوجہد کی تو اسے فرش پر بچھاڑ دیا گیا۔ ریچل تیزی سے پیچھے ہٹی اور دیوار سے ٹیک لگا کر اور بھالا بلند کر کے کھڑی ہو گئی۔ دفعۃً اسے خیال آیا کہ یہ لوگ زولوہ تھے اور زولوہوں سے وہ ڈرتی نہ تھی۔

"کون کہتے ہیں یہ؟ اس نے بیخبر کر کہا۔" جو انکو سازانہ اور اس کے خادم پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں؟۔"

کافر آپس میں کانٹا پھوسیاں کرنے لگے اور پھر وہ کافی کی طرح پھٹ گئے اور ایک شخص دالان کی سیڑھیاں چڑھتا اور ان کے درمیان سے گذرتا اور آگیا چاندنی اس کے چہرے پر بڑی اور پیار جھلکے اسے پہچان لیا۔ یہ شہیل تھا۔ "ریچل!" اس نے اپنے سر سے ہینڈ اٹار کر بڑے اخلاق سے کہا۔ وہ میرے آدمی ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ یہ بد معاشرہ "اور اس لفظ نے ہٹا کر اشارہ کیا۔" تم پر دست درازی کر رہا تھا چنانچہ ہم نے اسے گرفتار کر لیا۔ یہ تو کم چڑھ دیکھ ہی لیا ہوگا کہ یہاں ایک بڑا ہی غمناک واقعہ ہو گیا ہے۔ آج سہ پہر کے وقت زولوہاں گھس آئے اور انھوں نے ہمارے والدین کو قتل کر دیا بلکہ یوں کہا، مناسب ہوگا کہ تمہارے والد کو قتل کر دیا کیونکہ تمہاری والدہ اس صدمہ سے

تاب نہ لاکر فوراً ہی انتقال کر گئیں۔ ان لوگوں نے زولو لینڈ تک جانے سے انکار کر دیا اور یہ ڈنگان کا حکم تھا کہ انھیں زولو لینڈ میں پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ یہی سبب ہے اس المناک حادثے کا۔ مجھے معلوم ہوا کہ تم اسی طرف آرہی ہو۔ چنانچہ میں تمہاری مدد کو دوڑ آیا کہ کہیں تم بھی ان وحشیوں کے ہاتھ میں نہ پڑ جاؤ۔ اور بعد کے واقعات سے تو تم واقف ہی ہو۔

اشمیل نے یہ باتیں انگریزی زبان میں کہی تھیں۔ لیکن ریچل نے اس کا جواب زولو زبان میں دیا۔ اس نے کہا اور بلند آواز میں کہا:-

”راتوں کو رینگنے والے! میں تمام واقعات سے واقف ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ میرے والدین کو تمہارے حکم سے قتل کیا گیا ہے اور تمہاری موجودگی میں ان کی جان لی گئی ہے۔ یہ ان دونوں کی روح نے مجھے بتایا ہے۔ اشمیل ابوبوسی اور راتوں کے رینگنے والے چورا تمہارا یہ جرم سخت ہے اور میں تمہیں موت کی سزا دیتی ہوں“ اور اس نے اپنے بھانے سے اشمیل کی طرف اشارہ کیا۔ اے آسمانوں! گواہ ہو، اے زمین گواہ رہ کہ اس شخص کو میں نے موت کی سزا سنائی ہے اے قبیلہ زولو کے لوگو! تم بہت دور اور اپنے کراؤں میں ہو لیکن میری آواز سنو۔ اپنے شاہی کراں کو کھینچنے بڑے جھونپڑے میں بیٹھے ہوئے ڈنگان سنو! یہ میری آواز ہے، یہ انکو سناؤ کہ زولا کی آواز ہے۔ سنو اے افسردہ اور سنو اے مشیر۔ میں اس شخص کو موت کی سزا سناتی ہوں۔ کیونکہ اس کی وجہ سے تمہارے اور میرے درمیان خون آگیا ہے۔ ہاں۔۔۔ میری ماں اور میرے باپ کا خون اب اے ابوبوسی! مرنے سے پہلے جو کچھ کر سکتے ہو کر لو۔ اور اے ابوبوسی کے لوگو! تم بھی سن لو کہ اگر مجھے اور اس سفید فام سردار دیو کو ذرا بھی گزند پہنچا یا گیا تو پھر تم لوگ بھی مارے جاؤ گے۔ ہاں۔ تم میں کا ایک شخص بھی زندہ نہ رہے گا۔ بتلو راتوں

کور نگیں والے اب کیا چاہتے ہو تم؟

”یہ تو میں وہاں مافوقی میں چل کر بتاؤں گا“ اشمیل نے بہادر بننے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ”زولو وحشیوں کی طرح میں تم سے نہیں ڈرتا اور ڈنکان یہاں سے بہت دور ہے۔ اب بتاؤ کہ تم سیدھے سبھاؤ میرے ساتھ چلتی ہو یا نہیں؟ میرے خیال میں چلی چلو گی کیونکہ میں زبردستی کرنا اور نہیں شرمندہ کرنا نہیں چاہتا۔ تمہیں ہر حال میرے ساتھ چلنا ہے اور اس شخص دار یو کو بھی۔ اگر تم نے ذرا بھی گڑ بڑ مچائی تو پھر میں اس سفید فام کو فوراً قتل کر دوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے ساتھی تم سے ڈرتے ہوں لیکن وہ دار یو کو ذبح کرتے ذرا نہ ہچکچائیں گے۔“

”ریچل! تم میری فکر نہ کرو“ رچرڈ کی گھٹی ہوئی آواز سنائی دی کیونکہ بہت سے کافروں نے اسے فرش پر دبا رکھا تھا۔ ”تم جیسا مناسب سمجھو لیا ہی کرو۔“

ریچل کے جو اس بجاتھے اور اس نے کافروں کے چہروں کی طرف دیکھا تو ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی ان کی دلی کیفیت معلوم کر لی۔ اسے یہ سمجھتے دیر نہ لگی کہ اس کا خوف ان کافروں کے ذرا نہ! جب تمہیں چنا پنے اگر اس نے حکم دیا تو یہ لوگ اسے آزاد کر دیں گے پھر اشمیل کچھ ہی کیوں نہ کہے وہ اس کی ایک نہ سنیں گے۔ لیکن اشمیل نے یہ غلط نہ کہا تھا کہ وہ رچرڈ کو ذبح کرتے ذرا نہ ہچکچائیں گے اور غالباً یہ بات بھی ان کے دلوں میں بیٹ گئی ہو کہ رچرڈ واقعی اس پر، ریچل پر دست درازی کر رہا تھا۔ چنانچہ وہ رہا ہوئی بھی تو اس کی قیمت اسے رچرڈ کی جان کی صورت میں ادا کرنی ہوگی لیکن فوراً ہی اس نے ایک آخری اور بڑا ہی جرأت مندانہ فیصلہ کر لیا جیسی

کہ اس کی عادت تھی۔ دفعۃً اسے احساس ہوا کہ اس نے اشمیل کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہ تھا۔ اس کے دن گئے جا چکے تھے اور اس کی موت دور نہ تھی اور یہ کہ اشمیل اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا اور پھر یہ رچرڈ کی زندگی اور موت کا سوال تھا اس لئے کہ وہ اشمیل کے ساتھ جائے گی۔

”اے ابو بوسی کے لوگو“ اس نے کہا ”سفید فام سردار دیو کو اٹھا کر کھڑا کر دو اور جو کچھ میں کہتی ہوں سنو۔“
کافروں نے ریچل کے اس حکم کی فوراً تعمیل کی حتیٰ کہ انھوں نے اشمیل کے حکم کا انتظار بھی نہ کیا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ اب تک رچرڈ کو پکڑے ہوئے تھے۔

”سنو! میں تمہارے ساتھ تمہارے کراں مافوقی کی طرف چلتی ہوں۔ اس لئے نہیں کہ میں تم سے یا تمہارے سردار سے ڈرتی ہوں بلکہ اس لئے کہ وہ عذاب جو نازل ہونے والا ہے نازل ہو جائے اور وہ موت جو آنے والی ہے آجائے مجھے تو خیر تم کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے لیکن یاد رکھو کہ اگر تم نے اسے ”اور آ“ اور ”اشمیل“ اشارہ کیا ”بھی کوئی نقصان پہنچا یا تو میرا نام لیوا زولو کہنے لگے دیں گے اور پھر تم بھی اپنے سردار ابو بوسی کے پاس روحوں کی دنیا پر پہنچ جاؤ گے۔ بس۔ اب چلو مافوقی کی طرف۔“
چنانچہ اکثر کافر اشمیل کے ساتھ باغ میں آگئے اور رچرڈ کو بھی گھسیٹ لائے

سند کافر ریچل کے پاؤں کھڑے رہ گئے اور پھر یکایک باغ میں سے تھجکڑنے سے آوازیں بلند ہوئیں۔ ریچل اتنی دور تھی کہ وہ الفاظ تو نہ سمجھ سکی البتہ شور و غل نوعیت سے اس نے یہ ضرور سمجھ لیا کہ اشمیل کوئی حکم دے رہا تھا اور کافر اس کا سننے سے انکار کر رہے تھے اور اشمیل غصے سے بے قابو ہو کر گالیاں

بک رہا تھا۔ فوراً بندوق کا دھماکا اور ساتھ ہی کراہیں سنائی دیں۔ چند ثانیوں بعد ہی ایک کافر بھاگتا ہوا آیا اور ان لوگوں سے، جو ریکل کو گھیرے ہوئے تھے، بے حد نیچی آواز میں کچھ کہنے لگا۔ یہ شخص وہی چودھری تھا جس کے اشمیل نے ٹیلے پر کی جھاڑیوں میں ایک تھپڑ رسید کر دیا تھا اور جس نے کہا تھا کہ اشمیل کی جھوٹری پر ایک کتا چڑھ کر رو یا تھا۔ یہ چودھری بے حد گھبرایا اور خوفزدہ رہا تھا۔

ریکل دیوار کا سہارا لئے کھڑی تھی، اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئی تھیں اور زبان گنگ تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ یہ گولی رچرڈ پر چلائی گئی تھی اور یہ کہ اب وہ اس دنیا میں نہ رہا تھا۔

”گھبراؤ نہیں انکو سازانہ“ چودھری نے کہا ”ابو بوسی نے ہمارے ایک ساتھی کا خون کر دیا ہے کیونکہ یہ پورا معاملہ ہمیں پسند نہیں۔ سردار دیو محفوظ ہے اور ہم قسم کھاتے ہیں کہ محفوظ رہے گا۔ ہم دیو کی خبر گیری اور اپنی جانوں کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کی حفاظت کریں گے اور اگر ہم اسے قیدی بنا کر لئے جا رہے ہیں تو ہم مجبور ہیں کیونکہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ابو بوسی ہم سب کو قتل کر دے گا۔ چنانچہ انکو سازانہ! جب تمہارا عذاب مافوقی پر نازل ہو تو ہم لوگوں پر رحم کرنا۔“

اس سے پہلے کہ ریکل کوئی جواب دیتی باہر سے اشمیل کی آواز سنائی دی۔
”یو تو فو! انکو سازانہ کوئے آؤ جلدی کیونکہ گھوڑے تیار ہیں۔“

”اب چلو زولا“ چودھری نے بڑی عاجزی سے کہا ”ورنہ سردار دوسرے لوگوں کو بھی گولی مار دے گا۔“

چنانچہ ریکل راہ کے مستقر اور اپنے والدین کی لاسٹوں کو پیچھے چھوڑ کر

باہر آگئی۔ باغ کے دروازے کے پاس گھوڑے کھڑے ہوئے تھے۔ ایک گھوڑے پر جو رچرڈ کا تھا، رچرڈ کو سوار کرا دیا گیا۔ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور اس کے پیر بھی گھوڑے کے پیٹ کے نیچے مضبوطی سے باندھ دئے گئے تھے۔ رچرڈ جب اس کے قریب سے گزر رہی تھی تو اس نے بے حد نیچا آواز میں کہا :-

”میں مجبور ہو گیا ہوں رچرڈ اور تمہیں بچا نہیں سکتا۔ لیکن فکر نہ کرو کبھی ہمارا بھی وقت آئے گا۔“

”ہاں رچرڈ“ رچرڈ نے بڑے سکون سے جواب دیا ”جب اشمیل کا وقت گزر جائے گا تو پھر ہمارا ہی وقت آئے گا۔“ اور اس نے اپنے بھالے سے اشمیل کی طرف اشارہ کیا جو دور کھڑا ان دونوں کو گھور رہا تھا۔ اور پھر وہ اپنی گھوڑی پر سوار ہو گئی۔ کس طرح؟ یہ خود اسے یاد نہ تھا۔

اور اب رچرڈ اور اس کے درمیان جدائی ہو چکی تھی۔

اس کے بعد اسے صرف یہ یاد رہا کہ اشمیل مسلسل بول رہا تھا۔ خدا جانے کیا کیا درخواستیں کر رہا تھا، کیسے کیسے دلائل دے رہا تھا اور اپنی صفائی میں کیا کچھ کہہ رہا تھا لیکن وہ خاموش تھی۔ وہ کوئی جواب نہ دے رہی تھی۔ اس کا دماغ بالکل خالی تھا۔ وہ تو صرف اتنا جانتی تھی کہ وہ گھوڑی پر سوار سفر کر رہی تھی اور بعد میں بھی اسے صرف یہ یاد رہا کہ وہ کئی گھنٹوں تک مسلسل سفر کرتی رہی اس کا تھکا ہوا ہوا ایک تنگ درے میں سے گزرا اور لڑکھڑاتا ہوا دوسری طرف اتر گیا اور پھر اس نے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی اور سامنے روشنی دیکھی۔ گھوڑی چلتے چلتے رک گئی اور وہ خود اس کی پیٹھ پر سے اتر آئی اور

چونکہ وہ اس قدر تھکی ہوئی تھی کہ چل نہ سکتی تھی اس لئے اسے سہارا دے کر یا شاید اٹھا کر ایک جھونپڑی میں پہنچا دیا گیا۔ اسے سہارا دینے والی شاید عورتیں تھیں جو اسے چھوتے بھی ڈرتی تھیں۔

اس کے بعد کیا ہوا یہ اسے یاد نہ تھا کیونکہ اس پر غشی طاری ہو چکی تھی۔

ریچل کو جب ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک وسیع عریض اور کافر طرز کی جھونپڑی میں ایک بستر پر پڑا پایا۔ جھونپڑی کسی یورپی کمرے کی طرح سچی ہوئی تھی۔ جھونپڑی میں کرسیاں تھیں اور میز بھی اور کھڑکی کے کواڑوں میں کابچہ کی جگہ نرسلوں کی چٹائیاں لگی ہوئیں تھیں۔ چھت میں دھواں نکلنے کے لئے ایک بڑا سا سوراخ بنا ہوا تھا جسے آپ دودکش کہہ سکتے ہیں۔ اس سوراخ میں سے سورج کی تیز شعائیں سیدھی سیدھی نیچے اتر آتی تھیں چنانچہ ریچل نے اندازہ لگایا کہ یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا۔

ریچل اپنے دماغ پر زور دے کر سوچنے لگی یہاں تک کچھلے تمام واقعات رفتہ رفتہ اس کے دماغ میں تازہ ہو گئے اور وہ خوف و غم سے نیم جاں سی ہو گئی اس کے قریب ہی موت کا سامان پڑا ہوا تھا۔ وہ بھالا جو اس نے مستقر میں زو لوسپاہی کی لاش کے قریب سے اٹھایا تھا۔ اس نے بھالا اٹھا کر اس کی نوک پر انگوٹھا پھرا اور پھر اسے رکھ دیا۔ بالوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں سکون اور امید کی ایک ننھی سی کرن رینگ آئی۔ اسے یقین تھا کہ چرڈ زندہ تھا، اور اگر وہ مر گئی، اگر اس نے خودکشی کر لی تو چرڈ بھی زندہ نہ رہے گا چنانچہ جب تک وہ زندہ ہے وہ خود بھی زندہ رہے گی۔ اس کے علاوہ خودکشی گناہ ہے اور — اس نے سوچا — وہ اسی وقت خودکشی کرے گی

جب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوگا، جب اس کی عزت و آبرو کا سوال ہوگا۔ اور اس صورت میں خدا اس کے اس گناہ کو نظر انداز کر دے گا۔

ان خیالات کو جھٹک کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ میز پر کھانا لگتا ہوا تھا اس کی بھوک مرگئی تھی تاہم قوت برقرار رکھنے کے لئے اس نے لقمے حلق سے نیچے اتار لئے۔ جھونپڑی کے ایک کونے میں بڑے بڑے مٹی کے پیالوں میں پانی رکھا ہوا تھا، کنگھی اور آئینہ بھی تھا۔ چنانچہ اس نے منہ ہاتھ دھوئے اور اپنے اچھے ہوئے بالوں میں کنگھی کی۔ یہ چیزیں اسی کے استعمال کے لئے وہاں رکھی گئی تھیں۔

اس طرف سے فرصت پا کر وہ دروازے کے قریب پہنچی۔ عام کافر طرز کے برخلاف یہاں کواڑ لگے ہوئے تھے جو بند نہ تھے۔ چنانچہ اس نے جھانک کر باہر دیکھا۔ سامنے ہموار صحن تھا جس کی زمین دمکڑے کی مٹی بچھا کر سخت کر دی گئی تھی۔ صحن کے سرے پر ایک بلند دیوار تھی جو پتھر کی تھی اور اس دیوار میں ایک دوسرا اور مضبوط دروازہ تھا۔ صحن کے عین بیچ میں کسی قسم کا سائے دار درخت اُگ رہا تھا جس کی چھاؤں میں ایک بیج رکھا ہوا تھا۔ اپنے ہاتھ میں بھالا لئے وہ اس دروازے کے قریب پہنچی جو دیوار میں تھا دروازہ باہر سے بند تھا چنانچہ وہ واپس آئی اور درخت کی چھاؤں میں رکھے ہوئے بیج پر بیٹھ گئی۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چار دیواری کے باہر سے ریچ کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھی جا رہی تھی کیونکہ بیج پر بیٹھی اسے چند سکند بھی نہ گذرے تھے کہ دروازے پر کی روک ہٹانے کی آواز آئی، دروازہ کھلا اور اشمیل نے صحن میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ اس نے اشمیل کی طرف دیکھا اور اس کے دل میں غم و غصہ

کالاوا اُبلنے لگا۔ وہ اس خفیہ مقام میں اپنے والدین کے قاتل کے ساتھ اکیلی تھی جو ہر طوعاً سے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تاہم یہ عجیب بات ہے کہ وہ ذرا بھی خوفزدہ نہ تھی البتہ اسے غصہ آرہا تھا اور اس کی نفرت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بڑے یقین سے اور اپنے ہونٹوں پر فحشندانہ مسکراہٹ لئے ریچل کی طرف بڑھا تو وہ نہ گھبراتی اور نہ ہی اس نے بھاگنے کی کوشش کی بلکہ وہ سینہ تانے اور گردن اکڑائے یوں بیٹھی رہی جیسے وہ شاہی کراں میں مقدموں کا فیصلہ کرتے وقت بیٹھا کرتی تھی۔

اشمیل اس کے سامنے آکھڑا ہوا اور اپنے سر سے ہیٹ اتار کر اس کے سامنے جھک گیا۔ لیکن ریچل نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموش بیٹھی اسے گھورتی رہی۔

”امید ہے رات بڑے آرام سے گزری ہوگی کیونکہ میں اس وقت تمہیں تازہ دم اور بشاش دیکھ رہا ہوں“ اشمیل نے کنا شروع کیا۔ ”مجھے تو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ گزشتہ کل کے طویل سفر نے کہیں تمہیں بیمار نہ ڈال دیا ہو۔ رماہ میں جو کچھ ہوا اور تم نے جو کچھ دیکھا اس سے تمہارے دل کو سخت صدمہ پہنچا ہوگا۔ میں یہ بتانے آیا ہوں کہ اس معاملے سے میرا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ کام ان لعنتی زولوؤں کا ہے جو حکم کی تعمیل کے اندھے پن میں حد سے تجاوز کر گئے تھے۔“

چنانچہ وہ ہکا بھکا کر رک رک کر اپنی صفائی پیش کرنے لگا لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر کار وہ الجھ کر اور تھک کر خاموش ہو گیا۔ اور اب ریچل نے بھالا اٹھا کر اور اس کے پھل کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر دفعتاً پوچھا:

”اس بھالے پر کس کا خون ہے۔ تمہارا؟“

”شاید چند قطرے میرے بھی خون کے ہیں“ اشمیل نے جواب دیا ”جب

تمہارے والد نے اس کافر کو گولی مار دی تو وہ بیوقوف اپنا بھالا گھمانے لگا۔
اتفاقاً میرے گال پر ہلکی سی خراش آگئی۔

اور اس نے اپنے گال کی طرف اشارہ کیا۔
ریچل جھک کر بھالے کے پھل کو بیچ کی ٹانگ سے یوں رگڑنے لگی جیسے
وہ اس پر سے خون کا داغ مٹانا چاہتی ہو۔ اشمیل نے جانتا تھا کہ ریچل کے
اس عمل کا مطلب کیا تھا تاہم وہ خوفزدہ ہو گیا۔
”یہ کیا کر رہی ہو تم؟“ اس نے پوچھا۔

”میں نہیں چاہتی کہ تمہارا ناپاک خون میرے خون کو بھی گندہ کر دے“
ریچل نے جواب دیا اور بدستور بھالے کے پھل کو رگڑتی رہی۔
اشمیل چند ثانیوں تک خاموش کھڑا رہا پھر بولا:-

”لعت ہے۔ میں سمجھا نہیں۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”یہ زرد لوڑوں سے پوچھو“ ریچل نے جواب دیا ”وہ مجھے اور میری باتوں
کو سمجھتے ہیں چنانچہ وہی بتائیں گے تمہیں یا اگر اس وقت نہ ہو تو پھر بعد میں
والدین سے پوچھ لینا۔“

اشمیل کا رنگ زرد ہو گیا اور وہ نامعلوم طور پر کانپ بھی گیا لیکن پھر
فوراً ہی سنبھل کر بولا:-

”دبچ ڈاکٹروں کی یہ بگڑاس کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھو۔ میرے پاس
فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہے تمہارے والدین کی موت سے مجھے کوئی
واسطہ نہیں ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انھیں بچانے ہی کی کوشش میں مجھے یہ زخم
آگیا تھا۔“

”اگر ایسا ہی تھا تو پھر وہ تمہیں اپنی بے نور آنکھوں سے کیوں گھور رہے

تھے؟ ہاں۔ مرنے کے بعد بھی وہ کیوں دیکھ رہے تھے تمہاری طرف؟“ ریچل نے بڑے سکون سے پوچھا ”اور دیکھو وہ اب بھی دیکھ رہے ہیں۔“

اشمیل نمایاں طور پر چونکا اور فوراً ہی اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔
 ”تم مجھے اس طرح خوفزدہ نہیں کر سکتیں“ وہ بولا ”میں بیوقوف اور توہم پرست کافر نہیں ہوں چنانچہ اپنی یہ شعبدہ بازیاں تم اپنے پاس ہی رکھو۔ ریچل! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ جب سے تمہیں دیکھا ہے اسی وقت سے تمہاری محبت میں گرفتار ہوں حالانکہ تمہارا سلوک میرے ساتھ بڑا ہی سخت رہا ہے لیکن میری محبت میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ وہ کچھ اور ہی بڑھ گئی ہے۔ بتاؤ! اب تم مجھ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہو یا نہیں؟“

”میں گزشتہ رات بتا ہی چکی ہوں کہ چند دنوں بعد تم مرجاؤ گے۔ چنانچہ شادی وغیرہ کے سلسلے میں باتیں کر کے اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ مٹی میں ملنے سے پہلے مٹی پر بیٹھ کر تو بہ کر لو شاید عاقبت سدھ جائے۔“

”بہت اچھا ریچل۔ میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ تم ایک عمدہ پیشین گو

ہو اور.....“

”اور نوئی بھی ایک عمدہ پیشین گو ہے“ ریچل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ”تم نے اس کے ماں باپ کو بھی قتل کروانے کے لئے زولوؤں کو آلہ کار بنایا تھا۔ ٹھیک ہے نا؟ تمہیں یاد ہے کہ مجھے زولو لینڈ میں بلوانے کے لئے جب نوئی کا اغوا کیا گیا تھا یا تم نے اس کا اغوا کروایا تھا اور اس وقت نوئی نے اپنے والدین کا ایک پیغام تمہیں سنایا تھا؟ یاد ہے تمہیں وہ پیغام؟“

”میں اس کی شیطنیت کو بھول سکتا ہوں کبھی؟ اشمیل نے ابرو پر بل ڈال کر کہا ”اگر تم چرطیل ہو تو پھر وہ خبیث روح تھی جو تمہارے کانوں میں

منتر پھونک دیتی تھی۔ اگر وہ نہ چلی گئی ہوتی تو میں تمہیں کبھی نہ کپڑا سکتا۔“

” لیکن وہ واپس آ جائے گی حالانکہ“

” حالانکہ کیا ہے۔“

” حالانکہ میں سمجھتی ہوں کہ وہ تمہیں الوداع کہتے وقت پر نہ آ سکے گی۔“
یعنی بعد میں آئے گی۔“

” تم نے کہا ہے کہ میں جلد ہی مرجاؤں گا“ اشمیل نے نوئی کے متعلق بحث
سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

” بہت اچھا یونہی سی۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ حالانکہ مجھے تمہاری
اس پیشین گوئی کا یقین نہیں ہے تاہم اس وقت یقین کئے لیتا ہوں۔ اب
مجھے اپنی مختصر سی زندگی میں ہر آرزو پوری کرنی ہے چنانچہ جیسا کہ تم نے کہا کہ
فضول باتوں میں وقت ضائع کرنا حماقت ہے۔ اب بتاؤ کہ تم کب تک مجھ
سے شادی کر رہی ہو؟“

” کبھی نہیں۔ نہ اس دنیا میں اور نہ دوسری دنیا میں۔ تمہاری یہ آرزو
کبھی پوری نہ ہوگی۔ مجھے تم سے نفرت ہے۔ مجھے تم سے گھن آتی ہے اور جب
میں تمہاری صورت دیکھتی ہوں تو مجھے پھریری آ جاتی ہے جیسے میرے پیروں
پر سے سانپ رینگتا ہوا گزر گیا ہو اور جب میں تمہارے ہاتھوں کی طرف
دیکھتی ہوں تو وہ مجھے اپنے والدین کے خون میں نہنگے ہوئے نظر آتے ہیں اور
نوئی کے والدین اور دوسرے بہت سے انسانوں کا خون بھی تمہارے ہاتھوں
پر نظر آتا ہے۔ یہ ہے میرا جواب۔“

اشمیل چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر بولا:-
” پچھلے ایہ میری شرافت ہے کہ میں اس چیز کی درخواست کر رہا ہوں جسے

میں جبراً حاصل کر سکتا ہوں۔ یہاں نہ تو کوئی تھیں دیکھ سکتا ہے اور نہ تمہاری آواز سن سکتا ہے سوائے میری عورتوں کے۔ ریچل! آخر کار تم میرے قبضے میں آگئی ہو۔“

اشمیل کا خیال تھا کہ اس کے یہ الفاظ ریچل کو خوفزدہ کر دیں گے اور اگر ریچل کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو یقیناً خوفزدہ ہو جاتی لیکن ریچل نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا اور اپنے بھالے سے اس عقاب کی طرف اشارہ کیا جو بہت اوپر فضا میں چکر کاہٹ رہا تھا۔

”دیکھو“ اس نے کہا ”وہ عقاب تو تمہارے قبضے میں آ سکتا ہے لیکن میں نہیں۔ اس سے پہلے کہ تم مجھے انگلی بھی نہیں لگاؤ میں مرنے کے سیکڑوں ذریعہ تلاش کر لوں گی لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اس کی کوئی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ تم مجھے چھونے کے لئے زندہ نہ رہو گے۔“

چند لمحوں تک انہیں خاموش رہا اور اس کے الفاظ کو اپنے دماغ میں تولتا اور ان پر غور کرتا رہا۔ یقیناً اسے کوئی جواب نہ ملا اس نے جب پھر کہنا شروع کیا تو یہ قطعی مختلف موضوع تھا۔

”تم کہتی ہو ریچل کہ تمہیں مجھ سے نفرت ہے تو پھر اس کا سبب وہ لعنتی دارین ہے جس سے تم نفرت نہیں کرتیں۔ بہر حال وہ تو میرے ہی قبضے میں ہے اب فیصلہ تمہارے اختیار میں ہے۔ یا تو تم یہ سبب بکو اس بند کر کے میری بیوی بن جاؤ ورنہ پھر تمہارا دارین مارا جائے گا۔“

ریچل نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب پہلی دفعہ وہ خوفزدہ تھی تاہم وہ یہ بھی نہ چاہتی تھی کہ اس کی باتوں سے خوف ظاہر ہو۔

”اس وقت تم بے حد تھکی ہوئی ہو“ اشمیل نے کہا ”چنانچہ کچھ سوچنے سمجھنے

کے قابل نہیں رہیں۔ تمہارا خیال ہے کہ تمہارے والدین کو میں نے قتل کیا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ چنانچہ یہی خیال ہے جس نے تمہیں میرے خلاف کر دیا ہے میں سختی کرنا اور عجلت کرنا بھی نہیں چاہتا کیونکہ ہماری شادی سے پہلے مجھے بہت سے انتظامات کرنا ہیں اس لئے میں تمہیں تین دنوں کی ہفت دیتا ہوں۔ اگر ان تین دنوں میں تم نے اپنا ارادہ نہ بدل لیا تو پھر دارین مارا جائے گا اور پھر ہم دیکھیں گے کہ تم پر میرا اختیار ہے یا نہیں۔ یہ گھور گھور کر کیا دیکھ رہی ہو میری طرف؟ میں بہت آگے بڑھ گیا ہوں چنانچہ مزید خطرات منول لینے سے نہ ہچکچاؤں گا۔ اس عرصے میں تم اس جھوٹے کو اپنا گھر سمجھ کر رہو۔ تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی اور نہ ہی میں تمہیں اپنی محبت کے اظہار سے پریشان کر دینگا کیونکہ تین دنوں کے بعد تم میری ہوگی اور پھر محبت ہوتی رہے گی۔

ریچل اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنا کھالہ دروازے کی طرف اٹھا دیا۔

”چلے جاؤ“ اس نے کہا۔

”بہت اچھا۔ میں جا رہا ہوں۔ چنانچہ فی الحال خدا حافظ۔ تیسرے دن کی شام کو ملاقات ہوگی۔ امید ہے کہ میری عورتیں تمہارا خیال رکھیں گی۔ جس چیز کی ضرورت ہو ان سے کہہ دینا اور وہ چیز حاضر کر دی جائے گی۔ خدا حافظ۔“

اور وہ چلا گیا اور چار دیواری کا دروازہ باہر سے بند کرنا لگا۔

سولہواں باب

تین دن

اشمیل چلا گیا اور ریچل نے اطمینان طمانس لیا کیونکہ اشمیل کی موجودگی سے ارد گرد کی فضا زہریلی ہو گئی تھی۔ وہ پھر بیچ پر بیٹھ گئی اور سو چنے لگی۔ صورت حال، خود اس کے لئے بھی اور رچرڈ کے لئے بھی نازک تھی۔ زندگی بچا کر یہاں سے نکل بھاگنا ناممکن نظر آتا تھا اور اس کا تو اس نے فیصلہ ہی کر لیا تھا کہ اگر رچرڈ زندہ نہ رہا تو وہ بھی زندہ نہ رہے گی لیکن ابھی تین دن بیچ میں تھے اور ان دنوں میں کون جانے کیا ہو؟ مثلاً وہ کسی نہ کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو جائے یا پھر زولو اسے تلاش کرتے ہوئے آجائیں بشرطیکہ انہیں معلوم ہو کہ وہ کہاں تھی۔ افسانہ اپنے ساتھ چند زولوئے کر رہا کی طرف کیوں روانہ نہ ہوئی؟ کم سے کم وہ اسے اشمیل سے بچا تو لیتے۔

وہ حیران تھی کہ اشمیل نے اسے تین دنوں کی مہلت کیوں دی تھی؟ ایک وجہ ہو سکتی تھی۔ غالباً اشمیل نے ریچل کی اس بات پر یقین کر لیا تھا کہ وہ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا چنانچہ اب وہ رچرڈ کو بیچ میں ڈال کر بلکلیوں کیے کہ اس کو قتل کر دینے کی دھمکی دے کر ریچل کو راسم کرنا چاہتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خود اس معاملے کو ختم کر سکتا تھا لیکن اس صورت میں، اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہتی، اسے اشمیل کو قتل کر دینا پڑتا اور ریچل کے خیال میں وہ رچرڈ کو قتل کرتے ڈرتا تھا کم سے کم اس وقت تک رچرڈ کا خون بہانا نہ چاہتا تھا

جب تک کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو۔ چنانچہ اس نے یقیناً یہ سوچ کر تین دنوں کی ہمت دے رکھی تھی کہ اس عرصے میں ریچل کی قوت ارادی کمزور ہو جائے گی اور وہ خود ہتھیار ڈال دے گی۔

ریچل انہی خیالات میں غلطیاں و بیچاں تھی کہ چار دیواری کا دروازہ کھلا اور تین عورتیں داخل ہوئیں۔ ان عورتوں نے آتے ہی ریچل کو سلام کیا اور کہا کہ انھیں جھونپڑی کی صفائی کرنے اور خود ریچل کی خدمت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ریچل ان عورتوں کا جائزہ لینے لگی۔ ان میں سے دو تو جوان اور اپنے طور پر قبول صورت تھیں لیکن تیسری کی جوانی ڈھل چکی تھی۔ اس کی عمر تیس اور پچیس کے درمیان رہی ہوگی۔ اور وہ ہر کافر عورت کی طرح جلد ہی بوڑھی ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ اس تیسری عورت کے لبشرے سے نہ صرف اداسی بلکہ ہمدردی کے جذبات بھی عیاں تھے۔ وہ بڑی ہی شفیق معلوم ہوتی تھی۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“ ریچل نے اس تیسری عورت سے پوچھا۔

”میرا نام مامی ہے اور ہم تینوں ابوہسی کی بیویاں ہیں۔“ اس نے جواب

دیا۔

اس کے بعد وہ تینوں جھونپڑی میں چلی گئیں اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر انھوں نے بتایا کہ جھونپڑی میں جھاڑو وغیرہ دے چکی تھی اور یہ کہ وہ اس کا کھانا لے آتی ہیں۔

”تم تینوں کو آنے کی کوئی ضرورت نہیں“ ریچل نے کہا ”میری خدمت کے لئے صرف مامی کافی ہے چنانچہ وہی میرا کھانا لے کر آئے۔ آئندہ سے تم دونوں کے آنے کی ضرورت نہیں۔“

تینوں عورتوں نے سلام کر کے کہا کہ اس حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ دونوں

جوان عورتیں ریچل کے اس حکم سے خوش نظر آتی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے ڈرتی تھیں۔ ریچل کی مافوق الفطرت قوتوں کی روایتیں انہوں نے بھی سنیں تھیں چنانچہ زولوؤں کی عظیم دیوی انکوسازانہ زولا کی اس قید میں خدمت کرتے ڈرتی تھیں کہ کہیں ان سے کوئی لغزش ہو جائے اور پھر وہ دیوی کے غضب میں مبتلا ہو جائیں۔

ایک گھنٹے بعد تنہا مامی کھانا لے کر آگئی جو بڑی احتیاط سے پکایا گیا تھا۔ ریچل نے خوب ڈٹ کر کھایا کیونکہ وہ اپنی جسمانی قوت برقرار رکھنے کا فیصلہ کر چکی تھی کہ خدا جانے کب اپنے بچاؤ کی ضرورت پڑ جائے۔ مامی اس کے عین سامنے پائی مارے بیٹھی تھی چنانچہ ریچل اس سے باتیں بھی کرتی جاتی تھی۔ جاہر ہی وہ مامی کی سرگزشت معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

مامی اشمیل کی پہلی کافر بیوی تھی لیکن اشمیل نے کبھی اس کی پروانہ کی بلکہ قانون اور رسم کی پروانہ کرتے ہوئے اس نے اسے چھوڑ دیا نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ اپنی کلینر بنایا حتیٰ کہ مامی کے بہت سے مولشی بھی چھپن کر اشمیل نے اپنی دوسری بیویوں میں تقسیم کر دیئے۔ چنانچہ مامی کو اشمیل پر سخت غصہ تھا۔ مامی نے کہا کہ ابتدا میں وہ ایک سفیر فام کی بیوی بن کر فخر کیا کرتی تھی لیکن اب...

کاش کہ میں نے اس کی منحوس صورت نہ دیکھی ہوتی۔ مامی نے کہا کہ ریچل کے دل میں امید کی شعاع ریٹک آئی۔ مامی اشمیل سے نفرت کرتی تھی۔ چنانچہ مواد تیار تھا جسے حسب ضرورت استعمال کیا جاسکتا تھا۔ لیکن ریچل نے فی الحال اس معاملے کو آگے بڑھانا مناسب نہ سمجھا چنانچہ اس نے مامی سے کہا کہ وہ رات کے کھانے کے بعد بھی ریچل کے پاس ہی رہے اور اس کے ساتھ ہی چھوٹی پڑی میں مسور ہے کیونکہ اس نے کہا، اسے اکیلے میں سونے کی

”میں اس عزت افزائی کے قابل نہیں ہوں“ مامی نے جواب دیا ”تاہم اگر ابوہوسی نے اجازت دی تو میں تمہارے اس حکم کی تعمیل ضرور کروں گی۔“

اور اشمیل نے مامی کو ریچل کی جھونپڑی میں سونے کی اجازت دے دی۔ آپ جانے حرص ہوس میں انسان کی عقل جاتی رہتی ہے۔ چنانچہ اشمیل نے بھی اپنی اس ”تھوکی ہوئی“ بیوی پر اختیار کر لیا اور اسے ہدایت کر دی کہ وہ ایک جاسوسہ کے فرائض انجام دے اور ریچل کی ایک حرکت کی خبر اسے پہنچاتی رہے اور وہ جو کچھ کہے اس کا ایک ایک لفظ بھی مامی اشمیل کے سامنے دہرا دے۔ جلد ہی ریچل نے یہ بات بھی معلوم کر لی اور مامی کو خبردار کر دیا کہ اگر اس نے جاسوسی کی تو ریچل کو اس کی خبر ہو جائے گی اور پھر ”انکو سازانہ سے جو غداری کرے گا اس پر عذاب نازل ہوگا۔“

”تم فکر نہ کرو انکو سازانہ کیونکہ میں تمہاری قوتوں سے واقف ہوں اور پھر مجھے ابوہوسی سے نفرت ہے“ مامی نے جواب دیا ”وہ اندھا اور بیوقوف ہو رہا ہے چنانچہ میں اسے تمہارے متعلق جیسی بھی جھوٹی بستی کہانی سنا دوں گی وہ یقین کر لے گا۔“

چنانچہ اب ریچل مامی سے باتیں کرنے لگی اور مامی جلد ہی کھل گئی اور ریچل کو چند باتیں معلوم ہو گئیں۔ مثلاً یہ کہ مافوقی میں جس میں ساٹھ ستر خاندان آباد تھے، گزشتہ چند دنوں کے واقعات سے بے چینی کی ایک عام لہر دوڑ گئی تھی اور ہر شخص بے چین اور پریشان تھا۔ انہیں یہ بات پسند نہ تھی کہ انکو سازانہ کو مافوقی میں لایا گیا تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جہاں انکو سازانہ جائے گی زولو بھی پہنچ جائیں گے اور چونکہ مافوقی والوں کی رگوں میں بھی زولونون تھا اس لئے وہ جانتے تھے کہ کسی بھی جگہ زولوؤں کے پہنچنے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ سفید فام وچ ڈاکٹر ”چھینے والے“ اور اس کی بیوی کی موت کے خیال نے بھی انہیں خوفزدہ کر رکھا تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ

ان دونوں کے خون سے بھی ابو بوی کے ہاتھ رنگے ہوئے تھے چنانچہ اب مافوقی والوں کو یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ مبادا ان سب کو مجرم سمجھ لیا جائے۔ انھیں اس بات پر بھی اعتراض تھا کہ سفید فام سردار دار یو کو قید کر دیا تھا کیونکہ وہ نہ صرف بے ضرر انسان تھا بلکہ عظیم دیوی انکو سازانہ مافوقی والوں کے نزدیک عورت نہیں بلکہ عظیم روح تھی جس نے سب کو خبردار کر دیا تھا کہ اگر دار یو کا بال بھی پیکا ہوا تو پھر مافوقی والے تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ مافوقی والوں کو اس بات پر بھی غصہ تھا کہ ابو بوسی نے جھگڑے میں خود ان کے ایک آدمی کو گولی مار دی تھی۔ یہ سب کچھ تھا لیکن وہ ظالم ابو بوسی سے اس قدر ڈرتے تھے کہ اس کے ذاتی معاملات میں دخل دینے کی جرأت نہ کر سکتے تھے کہ انہیں اپنے مویشیوں بلکہ جاں تک سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔ چنانچہ مافوقی والے پریشان تھے اور نہ جانتے تھے کہ کیا کریں رہا ابو بوسی تو وہ مافوقی کی قلمبندی میں مصروف تھا اور اسے مضبوط سے مضبوط تر بنا رہا تھا حتیٰ بوڑھوں اور بچوں تک کو اس نے پتھر ڈھونے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ پتھر مافوقی کی چہار دیواری پر پھینکے جا رہے تھے چنانچہ ظاہر ہوا کہ اشمیل کو کسی دشمن کے حملے کا خوف تھا۔

جب ریچل اور دوسرے اطلاعات فراہم کر چکی تو اس نے مامی سے پوچھا کہ کیا وہ اس کا ایک پیغام رچرڈ تک پہنچا دے گی۔ مامی نے جواب دیا کہ وہ دوسرے دن صبح اس کی کوشش کرے گی۔ چنانچہ ریچل نے مامی سے کہا کہ وہ رچرڈ سے کہہ دے کہ وہ خود محفوظ ہے اور یہ کہ رچرڈ بھی ہوشیار اور چوکنا رہے کیوں ان دونوں کو، ریچل اور رچرڈ کو، سخت خطرہ لاحق تھا۔ اس سے زیادہ کچھ اور کہنے کی وہ جرأت نہ کر سکی کیونکہ اسے خوف تھا کہ کہیں مامی غدار می کر بیٹھے یا اشمیل، جو شکی مزاج تھا، اسے بے تحاشہ اور بے دردی سے پٹینا شروع کر دے۔ یہاں تک کہ مامی سب کچھ اگل دے۔

اس کے بعد چونکہ اور کوئی کام نہ رہ گیا تھا اس لئے ریچل نے بیٹ کر آنکھیں

بند کر لیں۔

ریچل کا دوسرا دن بھی پہلے دن کی طرح ہی گزرا۔ دن کا زیادہ تر حصہ اس نے درخت کی چھاؤں میں پنچ پر بیٹھے گزار دیا۔ کوئی اس کا سا بھتی نہ تھا سوائے اس کے بھیانک اندیشوں اور خوف کے۔ کوئی اس کے پاس نہ آیا اور کوئی واقعہ نہ ہوا۔ صبح ہوتے ہی مامی چلی گئی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے وقت وہ واپس آئی۔ اس نے بتایا کہ اشمیل اس سے پوچھتا رہا تھا کہ انکو سازا نہ کیا کرتی اور کیا کہتی رہی تھی۔ اس کے سوالات کا جو جواب مامی نے دیا وہ یہ تھا کہ کھانے سے فارغ ہو کر انکو سازا نہ سو گئی تھی اور اس نے کوئی بات نہیں کی۔ رہا چرڈ تو مامی اس کے پاس نہ پہنچ سکی کیونکہ وہ قید میں تھا۔ اور پھر اشمیل مامی پر نظر رکھ رہا تھا۔ رہی دوسری باتیں تو مافوقی کی قلعہ بندی کا کام بڑے زور و شور سے جاری تھا۔ حتیٰ کہ اشمیل کی بیویوں کو بھی اس کام پر لگا دیا گیا تھا۔

سہ پہر کے وقت مامی پھر چلی گئی اور رات کو واپس آئی تو بڑی اہم خبریں لیکر آئی۔ پہلی خبر اس نے یہ سنائی کہ سنتری کا پتھر ڈھوتے ڈھوتے تھک کر سو گیا تھا تو مامی کو موقع مل گیا اور وہ اس جھوپڑ کی دیوار کے قریب پنچ گئی جس میں چرڈ قید تھا۔ مامی نے کہا کہ چرڈ کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ دیوار کے دوسری طرف ٹہل رہا تھا۔ مامی نے نرسوں کی جھیریوں میں سے اس سے گفتگو کی تھی اور ریچل کا پیغام اس تک پہنچا دیا تھا۔ چرڈ غود سے سنتا رہا تھا اور پھر اس نے کہا تھا کہ وہ انکو سازا نہ کا مشکور ہے کہ اس نے ایسا تسلی بخش پیغام بھیجا تھا اور یہ کہ وہ ذرا بھی پریشان اور خوفزدہ نہیں ہے اور یہ کہ مستقبل خدا کے

اختیار میں ہے چنانچہ انکو سازانہ بھی اپنا دل چھوٹانہ کرے اور بہت سے کام لے۔ غین اس وقت سنتری کی آنکھ کھل گئی چنانچہ مامی وہاں سے چلی آئی۔

اسی شام ایک لڑکا، جو مولشی ہینکا نے مافوقی سے باہر گیا ہوا تھا، ایک اہم خبر لے کر آیا تھا اور وہ بڑی تفصیل سے اشمیل کو یہ خبر سنارہا تھا۔ مامی چونکہ قریب ہی تھی اس لئے اس نے وہ سب کچھ سن لیا جو لڑکے نے اشمیل سے کہا اور اب وہ لڑکے کے کہے ہوئے الفاظ اشمیل کے سامنے دہرا رہی تھی۔

لڑکا جب مولشی ہینکا تاہو مافوقی کی طرف آ رہا تھا تو اس کی ملاقات ایک زولو سے ہو گئی یہ زولو اکیلا تھا لیکن وضع قطع سے کوئی بڑا سردار معلوم ہوتا تھا اور بے حد تھکا ہوا بھی تھا جیسے کہیں دور سے چل کر آیا ہو۔ زولو نے لڑکے سے پوچھا تھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ انکو سازانہ اور سفید فام سردار داریو مافوقی ہیں اور قید ہیں۔ لڑکے نے جب کوئی جواب نہ دیا تو زولو نے اپنے بھالے کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی اور اسے دھمکا نے اگلا کہ اگر اس نے سچ سچ نہ بتایا تو وہ بھالا اس کے سینے میں اتار دے گا۔ لڑکا ڈر گیا اور اس نے کہہ دیا کہ ہاں یہ سچ ہے اور یہ انکو سازانہ اور داریو کورماہ سے مافوقی میں لایا گیا ہے۔ زولو نے جواب دیا کہ یہ تو وہ خود بھی جانتا ہے کیونکہ وہ خود رماہ سے آ رہا تھا جہاں اس نے عجیب دل خراش مناظر دیکھے تھے اور یہ کہ اس کافر سے چند باتیں کی تھیں جو مستقر کے باشندے میں بڑا دم توڑ رہا تھا۔

زولو نے لڑکے کی زبانی جو پیغام بھیجا وہ یوں تھا:-

”کہنا ابو بوسی سے کہ میں اس کی عیاری سے واقف ہوں۔ اگر انکو سازانہ کو ذرا بھی نقصان پہنچا گیا اور اگر سفید فام سردار داریو کے بدن سے ایک قطرہ بھی خون ٹپکا یا گیا تو میں نہ صرف ابو بوسی بلکہ مافوقی کے ہر جاندار کا، حتیٰ کہ

چوہوں تک کا خاتمہ کر دوں گا۔ اس سے یہ بھی کہو کہ وہ فرار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ لوگ جو پیچھے والے کے سائے میں رہتے تھے، واپس آگئے اور انھوں نے ماخوتی کو نرغے میں لے رکھا ہے چنانچہ خزاں کی تمام راہیں مسدود ہیں۔

”کون ہو جو ایسا پیغام بھیج رہے ہو؟“ لڑکے نے پوچھا۔

”میں کا لے سنیے کا سینک ہوں، میں زبردست ہاتھی کی سونڈ ہوں، میں

ڈنگان کی زبان ہوں۔“ زولو نے جواب دیا۔

اور پھر وہ پلٹ کر سیدھا زولو لینڈ کی طرف تیزی سے بھاگ پڑا۔ اس

کے علاوہ مامی نے اس زولو کا سراپا بھی بیان کر دیا جو اس لڑکے نے ایشیل کے

سامنے بیان کیا تھا اور ریچل نے سمجھ لیا کہ یہ زولو تا مہو سا کے علاوہ اور کوئی نہ ہو سکتا

تھا جسے اس نے حکم دیا تھا کہ وہ سفید بیل لے کر اکیلا ہی رہا آئے۔

مامی نے بتایا کہ یہ پیغام سن کر ابو بوسی خوفزدہ ہو گیا حالانکہ اپنے لوگوں کے

سامنے تو اس نے یہی کہا کہ یہ سب بکواس ہے کیونکہ ڈنگان کا سفیر نہ تو اکیلا آ سکتا

ہے اور نہ ہی کسی کم عقل لونڈے کے ہاتھ پیغام بھیج سکتا ہے۔ لیکن لوگ مطمئن نہ

تھے، وہ بے حد خوفزدہ تھے، وہ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے اور اس خیال سے

کانپ رہے تھے کہ ڈنگان سخت اور عبرت انگیز انتقام لے گا۔

دوسرے دن مامی پھر چلی گئی۔ رات کا اندھیرا اترنے لگا وہ واپس آئی تو اس

نے ریچل کو بتایا کہ وہ اس جھونپڑی کے قریب نہ پہنچ سکی جس میں دار یو قید تھا اور

سبب اس کا یہ تھا کہ گزشتہ دن وہ جھونپڑی کی دیوار میں ایک سوراخ بنا آئی

تھی کہ دار یو سے گفتگو کر سکے۔ یہ سوراخ کسی سنتری نے تلاش کر لیا تھا چنانچہ

اب اس جھونپڑی کے گرد پہرہ سخت کر دیا گیا تھا۔ مامی نے بتایا کہ ابو بوسی کا مزاج

بے حد بگڑا ہوا تھا اور یہ کہ وہ ماخوتی کی غلہ بندی کی کارروائی مکمل کر لی تھی

دیوانہ وار کوشش کر رہا تھا کیونکہ اب اسے یقین ہو چکا تھا کہ رامہ والے یا دوسرے کافر قریب ہی چھپے مافوقی اور مافوقی والوں پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ رہے مافوقی والے تو وہ بے حد خفا تھے۔ اول تو اس لئے کہ پتھر اٹھاتے اٹھاتے ان کی کمری ٹوٹ گئی تھیں اور دوم اس لئے کہ انہیں یقین تھا کہ ابو بوسی انکو سازانہ اور داریو کو قید کر کے جو جرم کیا ہے اس کی سزا ان سب کو بھگتنی پڑے گی۔ مامی نے کہا کہ لوگ اس قدر خوفزدہ تھے کہ اگر انہیں یہ خوف نہ ہوتا کہ ان کافروں کے ہاتھ میں پڑ جائیں گے جو کہیں قریب ہی چھپے ہوئے تھے، تو وہ سب کے سب مافوقی چھوڑ کر چلے جاتے۔

”تو پھر وہ مجھے اور داریو کو یہاں سے نکال کر زولوؤں کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے؟“ ریچل نے پوچھا۔

”اس لئے کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ابو بوسی ان میں سے اکثر گولی مار دے گا کیونکہ تمنا اسی کے پاس بندوق ہے“ مامی نے جواب دیا۔ ”انکو سازانہ ابو بوسی نے کہا ہے کہ وہ تمہارا جواب حاصل کرنے آئے گا۔“

اس رات ریچل کو نیند نہ آئی کیونکہ جو مدت اسے دے گئی تھی وہ ختم ہو چکی تھی اور دوسرے دن اشمیل اس کا جواب لینے آنے والا تھا۔ اسے خود اپنی پروا نہ تھی کیونکہ وہ اس جگہ پناہ لے سکتی تھی جہاں اشمیل نہ آ سکتا تھا۔ یعنی قبر میں۔ لیکن اسے رچرڈ کی بڑی فکر تھی۔ اگر اس نے انکار کر دیا تو اشمیل قسم کھا چکا تھا کہ وہ رچرڈ کو بلا تکلف قتل کر دے گا۔ تو پھر وہ کیا کرے؟ کیا وہ اس کی جان بچانے کے لئے اپنی عصمت کو داؤ پر لگا دے؟۔ لیکن۔۔ شاید اشمیل اسے قتل نہ کرے، شاید وہ زولوؤں کے انتقام سے ڈرتا ہو اور محض ریچل کو ڈرا رہا ہو۔۔۔

کاش۔۔۔ اے کاش ازو لو آجائیں۔ خدا کرے کہ وہ وقت گزر جانے سے پہلے

آجائیں۔ لیکن اس کی امید کم ہی تھی۔ تا مہوسا، لبشر طیکہ اس لڑکے کے ہاتھ پیغام بھیجنے والا وہی ہو، جب فوج لے کر آئے گا تو اس وقت جو کچھ ہونا ہوگا۔ ہاں اگر با فنی والے اشمیل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو پھر بات بن سکتی تھی۔ لیکن افسوس یہ بھی ممکن نہ تھا۔ با فنی والے اشمیل سے ڈرتے تھے اس کے علاوہ وہ خود ان سے مل نہ سکتی تھی کہ انہیں آکسا سکے۔ چنانچہ وہ مجبور تھی اور کچھ نہ کر سکتی تھی سو انہیں اس کے دعا کرتی رہے۔ شاید خدا ان کی مدد کرے۔ ورنہ جو کچھ ہونا ہے ہو کر رہے گا۔ اگر اس وقت اشمیل اس کے پاس آجاتا، اگر اس وقت وہ اشمیل کو دیکھ سکتی، اگر وہ اس کی دلی کیفیت معلوم کر سکتی تو اس کی حالت دیکھ کر اس کی بڑی ڈھارس بندھتی۔

اس وقت اشمیل اپنی جھونپڑی میں بیٹھا دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا، اپنے کھر درے ہاتھوں سے اپنی داڑھی کی فصیح رہا تھا اور بے تحاشہ شراب پی رہا تھا لیکن یہ آتش سپال بھی اسے سکون بخش رہی تھی۔ وہ پی رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ وہ ریچل کو اپنی بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس کی یہ خواہش اب جنوں میں تبدیل ہو چکی تھی۔ جب تک اس کے دم میں دم ہوگا وہ اپنی کوشش جاری رکھے گا اور ہر جائز دنا جائز طریقہ استعمال کرے گا۔ لیکن۔ شاید ریچل زندہ نہ رہے۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ مرجائے گی لیکن اس کی بیوی نہ بنے گی اور ریچل ان عورتوں میں سے نہ تھی جو اپنی بات پر قائم رہتی ہیں اور جو کچھ کہتی ہیں کر دکھاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اسے اشمیل سے سخت نفرت تھی اور اس کی یہ نفرت حق بجانب تھی چنانچہ ریچل کو حاصل کرنے کی ایک ہی ترکیب تھی۔ اشمیل جانتا تھا کہ ریچل دارین سے محبت کرتی تھی۔ چنانچہ اب اس کے سامنے دو باتیں رکھی جائیں۔ یعنی یا تو وہ اشمیل کی بیوی بن جائے یا اپنے محبوب کی موت برداشت کرے۔ اس صورت میں شاید

وہ ہتھیار ڈال دے۔ لیکن یہاں پھر ایک مشکل تھی۔

ڈنکان نے اشمیل کے سامنے قسم کھائی تھی کہ اگر دارین کا خون بہایا گیا تو وہ اشمیل کو نہ بچھے گا۔ اور ڈنکان بھی جو کہتا تھا کہ دکھا تا تھا۔ اس کے علاوہ اس زو لو نے بھی جس کی ملاقات اس چرواہے سے ہوئی تھی دھمکی دی تھی۔ چنانچہ اب ایک بات توصاف تھی۔ یعنی اگر خود اسے زندہ رہنا تھا تو پھر اسے دارین کا خون کسی صورت نہ بہانا تھا۔ دوسری باتیں وہ زو لوں کو سمجھا سکتا تھا۔ اور اسے یقین تھا کہ زو لوؤں کی فوج آئے گی۔ مثلاً وہ کہہ سکتا تھا کہ انکو سازانہ اپنی خوشی سے اس کی زوجیت میں آگئی تھی لیکن دارین کے قتل کے متعلق انہیں کوئی اطمینان بخش جواب نہ دے سکے گا۔ خیر اگر دارین مر گیا۔ یا اگر یوں معلوم ہوا کہ اگر مر گیا ہے تو پھر کون اس کی موت کا الزام اشمیل کو دے گا؟ اور اگر اسے ہی قاتل سمجھا گیا اور اس کے بعد مافوقی والے اس کے وفادار رہے تو پھر زو لوؤں کو پسپا کیا جاسکتا تھا۔ زو لوہاؤں سے لیکن ظاہر ہے کہ وہ اس ذہیل کو نہ توڑ سکیں گے جو اس نے بڑی محنت سے بنائی تھی۔

اس نے شراب پیالے میں اُنڈلی اور اسے خالص ہی چڑھا گیا۔ پھر وہ اٹھا اور اس نے دروازے کے قریب جا کر کسی کو آواز دی۔ فوراً ہی ایک بد صورت بڑھیا اندر رینگ آئی اور جھونپڑی میں جلتے ہوئے چراغ کی روشنی میں پالتھی مار کر بیٹھ گئی وہ حد سے زیادہ بد صورت تھی اور چہرے پر کی ان گنت جھریاں اس کی بد صورتی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ اس نے اپنی کمر کے گرد سانپ کی کیچلی پیٹ رکھی تھی۔ اور بالوں میں پھلیوں کے مٹانے پر درکھے تھے چنانچہ معلوم ہوا کہ وہ کاہنہ یا دیوچ ڈاکٹر ہیں۔

”کہو ماما! اشمیل نے پوچھا“ وہ زہر تیار کر لیا تم نے؟“

”ہاں ابو بوسی تیار کر لیا جیسا کہ صرف میں تیار کر سکتی ہوں۔ بہت عمدہ دوائی ہے یہ جس کی قیمت کئی گایوں میں ادا کی جاسکتی ہے۔ کیا کہا تھا تم نے کہ کتنی گائیوں کو گمے مجھے۔۔۔ چھ ۹۔“

”نہیں۔ تین۔ لیکن اگر اس زہر نے وہ کام کیا جو میں چاہتا ہوں تو پھر تمہیں بقیہ تین گائیں بھی مل جائیں گی۔ اب بتاؤ کیا کرشمہ دکھائے گی تمہاری یہ دوا؟“

”سنو ابو بوسی۔ جو بھی یہ دوا پے گا مردے کی طرح بن جائے گا، حتیٰ کہ ماہر سے ماہر وچ ڈاکٹر بھی اس کو مرا ہوا ہی یقین کرے گا۔ اور دوا پیئے والا ایک یا شاید دو یا شاید تین دنوں تک اسی طرح اور اسی حال میں رہے گا اور پھر اس کے جسم میں جان آنے لگے گی۔ رفتہ رفتہ زندہ ہوتا جائے گا لیکن اس کی یادداشت واپس نہ آئے گی۔ پورے ایک مہینے تک اس کی یہ حالت رہے گی۔ ابو بوسی! جو بھی یہ دوا پے گا اس بچے کی طرح بن جائے گا۔ جو رفتہ رفتہ ہر بات سیکھتا ہے۔“

”ماتا! اب یہ تم جھوٹ کہہ رہی ہو کیونکہ میں نے کسی دوا کا ایسا اثر نہیں دیکھا۔“

”بے شک نہ دیکھا ہو گا کیونکہ یہ دوا سوائے میرے اور کوئی نہیں بنا سکتا اور اس دوا کا راز میری دادی نے مجھے بتایا تھا اور اس کے علاوہ یہ بھی ہے ابو بوسی کہ صرف چند ہی لوگ ایسے ہیں جو اس دوا کی قیمت ادا کر سکتے ہیں۔ بہر حال یہ دوا استعمال کی گئی ہے اگر یہ راز نہ بدلتے تو میں چند مثالیں پیش کر دیتی کہ فلاں سے پوچھ لو اور فلاں نے یہ دوا استعمال کی تھی۔ لیکن ٹھہرو۔ میں تمہیں اطمینان دلاؤں دیتی ہوں اس جانور کو بلاؤ“ اور اس نے کتے کی طرف اشارہ کیا جو جھوٹری کے ایک کونے میں سو رہا تھا ”یہ بے اس کے پیئے کا دودھ۔“

میں اس دوا کا کرشمہ دکھاؤں گی۔

اشمیل، چکپا نے لگا کیونکہ یہ اس کا پالٹو کٹا تھا اور اسے پسند تھا۔ لیکن چونکہ وہ بہر حال یہ دوا آزمانا چاہتا تھا اس لئے اس نے کتے کو آواز دی۔ کتا آکر اشمیل کے قریب بیٹھ گیا اور اپنے آقا کی صورت تکھنے لگا۔ بڑھیا نے ایک پیالے میں تھوڑا سا دودھ انڈیلا، اپنے تھیلے میں سے کسی درخت کا لٹھا ہوا بڑا سا پتہ نکالا، پتے کی پٹیا کھول کر اس میں سے کسی قسم کا سفید سفوف چٹکی بھر لے کر دودھ میں حل کر دیا اور پھر دودھ کتے کے سامنے رکھ دیا۔ کتے نے دودھ سونگھا، غرا یا اور دودھ نہ پیا۔

”اس کلمخت کو مجھ سے نفرت ہے“ بد صورت بڑھیا نے کہا ”اس نے کل ہی مجھے کاٹ لیا تھا۔ ابو بوسی! تم رکھو اس کے سامنے یہ دودھ۔ چونکہ اسے تم پر کھردسہ ہے اس لئے دودھ پی لے گا۔“

چنانچہ اشمیل نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اسے پھکارا اور پھر دودھ کا پیالہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ کتا سارا کا سارا دودھ سٹپ گیا بلکہ پیالہ بھی چارٹ گیا۔

”ہات تیری کی عیار جانور“ بڑھیا نے بڑی ہنستاہٹ سے کہا ”اب تو مجھے کاٹ نہ سکے گا بلکہ ایک عرصے تک مجھے سرے سے بھول ہی جائے گا۔ دیکھو ابو بوسی دیکھو۔ اس کی حالت دیکھو۔“

کتے کے بال کھڑے ہو گئے تھے اور وہ کانپ رہا تھا بلکہ اس پر تشنچ سا طاری تھا۔ پھر وہ غرایا، بے حد ہلکی آواز میں اور اشمیل کی طرف دوڑ پڑا۔ اس نے اشمیل کا ہاتھ چاٹنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ فوراً ہی وہ لڑھک گیا اور بے حس و حرکت پڑا رہا۔ بظاہر وہ پوری طرح چپکا تھا۔ اس میں زندگی کا

شائبہ تک معلوم نہ ہوتا تھا۔

” بڑھیا! تو نے میرے پسندیدہ بلکہ اس کتے کی جان لے لی جس سے میں محبت کرتا تھا“ اشمیل نے غصے سے کہا۔

” تو پھر ابو بوسی تم نے اس جانور پر یہ دوا کیوں آزمائی جس سے تم ہجرت کرتے ہو؟ لیکن فکر نہ کرو کتے نے بہت کم مقدار میں دوا پی ہے چنانچہ کل اسے ہوش آجائے گا لیکن یہ تمہیں اور کسی کو نہ پہچانے گا۔ ابو بوسی! یہ دوا تم نے کس کے لئے بنوائی ہے؟ اگر زولا کے لئے تو پھر مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اس پر اثر نہ کرے گی کیونکہ وہ عظیم ہے اور نقصان پہنچانا ممکن نہیں۔“

” بیوقوف! تم سمجھتی ہو کہ میں انکو سازانہ کو دھوکا دوں گا؟“

” نہیں۔ بہر حال تم اس سے شادی تو کرنا ہی چاہتے ہو لیکن خود اس کا رجحان اس طرف نہیں ہے۔ تو پھر کیا یہ دوا اس جوان کے لئے ہے جس کی طرف انکو سازانہ مائل ہے؟ ابو بوسی! تم نے مجھے چھ گائیں دینے کا وعدہ کیا ہے اور ایک دفعہ تم نے میری جان بھی بچائی تھی چنانچہ اس احسان کے عوض میں تمہیں مشورہ دینا چاہتی ہوں۔“

” کیسا مشورہ؟“

” ابو بوسی! یہ دوا سردار دارلو کو پلانا مناسب نہ ہوگا؟“

” دو کیوں مناسب نہ ہوگا؟ کیا یہ اس کا خاتمہ ہی کر دے گی؟“

” ایسی کوئی بات نہ ہوگی بلکہ میں نے جو کہا ہے وہی ہوگا۔ نہ اس سے زیادہ

اور نہ اس سے کم“ بڑھیا نے کہا اور پتوں کی ایک چھوٹی سی پٹریا اشمیل کو دے دی

لیکن ابو بوسی! تمہارے متعلق میں نے بہت بڑے بڑے خواب دیکھے ہیں اور ان خوابوں

میں انکو سازانہ بھی لگتی اور سردار دارلو بھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ دونوں تم پر موت

لے آئے ہیں۔ بھیانک موت۔ ابو بوسی! یو قوت نہ بنو۔ دار یو کو آزاد کر دو اور انکو سازانہ سے شادی کرنے کا خیال ترک کر دو کیونکہ انکو سازانہ تمہارے لئے نہیں ہے۔ ”میں یہ خیال ترک کر دوں! باز آ جاؤں اس سے! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ اشمیل نے غصے سے بھنک کر کہہ دیا۔ ”کیا دو پہاڑوں کے درمیان بہتی ہوئی ندی اپنا راستہ بدل سکتی ہے؟ کیا ایک دریا الٹا بہہ سکتا ہے۔ یعنی سمندر کی طرف سے واپس پہاڑوں کی طرف بہہ سکتا ہے؟ نہیں۔ تو پھر میں بھی اپنا ارادہ نہیں بدل سکتا۔ اس عورت نے میرے بدن میں آگ سی لگا دی ہے اور میں اس کی طرف یوں کھینچا جا رہا ہوں جیسے دریا سمندر کی طرف۔ میں بہر حال اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں چاہے اس کے فوراً بعد ہی میں مر ہی کیوں نہ جاؤں۔ وہ جتنی زیادہ مجھ سے نفرت کرتی ہے میں اتنی ہی زیادہ اس سے محبت کرتا ہوں۔“

”میں سب سمجھتی ہوں ابو بوسی“ بڑھیا نے اپنا سر ہلا کر کہا ”پہلے بھی میں مردوں اور عورتوں کو بھی اس دیوانگی میں مبتلا دیکھ چکی ہوں اور یہ حالت ان لوگوں کی ہو جاتی ہے جن میں کوئی بدروح حلول کر گئی ہو اور یہ بدروح اس لئے حلول کر جاتی ہے کہ انھوں نے کوئی بڑا گناہ کیا ہوتا ہے۔ انکو سازانہ اور اس کی محافظ روحوں نے یہ بدروح تمہارے جسم میں داخل کر دی ہے اور اب ابو بوسی تمہیں اس راستے پر چلنا ہے۔ تو تمہارے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ لیکن ابو بوسی! جب ہماری ملاقات روحوں کی دنیا میں ہو۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہم دونوں بہت دہاں پہنچ جائیں گے۔ تو پھر مجھے الزام دینا اور یہ نہ کہنا کہ میں نے تمہیں خبردار نہ کیا تھا۔ خیر! تو اب وہ گایوں کا معاملہ طے رہا حالانکہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ ان گایوں کا دودھ دہنا مجھے نصیب نہ ہوگا بلکہ ان کا دودھ زردلو پیس گئے کیونکہ آج رات میں فضا میں زردلوؤں کی بو پارہی ہوں“ اور وہ اپنی چوڑی اور چٹنی ناک کے ننھنے پھیلا کر ہوا سونگھنے لگی۔

میں پھر کتنی ہوں کہ ابو بوسی کہ اچھا ہوتا اگر تم نے انکو سازانہ اور داریو کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہوتا کیونکہ میرے خواب میں انکو سازانہ اور داریو گویا ایک جان اور ذوقالب ہی تھی۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ تم میری بات نہ مانو گے اور اپنی من مانی کر دو گے چنانچہ شب بخیر ابو بوسی۔ تمہارا کتا کل صبح زندہ ہو جائے گا لیکن وہ تمہیں بچانے کا نہیں۔ شب بخیر ابو بوسی اور ہاں۔ یقین ہے کہ تم مجھے جو گائیں دو گے وہ بوڑھی نہ ہوں گی اس سفوف کو دودھ یا پانی یا کسی بھی چیز میں ملا دینا۔ اس کا نہ ٹورنگ ہے اور نہ ذائقہ۔ شب بخیر ابو بوسی۔ اور جواب کا انتظار کئے بغیر بڑھیا جھونپڑی سے باہر رینگ گئی۔

جب وہ چلی گئی تو اشمیل نے بلند آواز میں اس کے پیچھے دو چار گالیاں لڑھکاد میں اور پھر شراب پیئے لگا۔ وہ اکیلا کھتا اور شدت سے تنہائی کا خوف محسوس کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ سامنے ہی اس کا کتا پڑا ہوا تھا جو سراسر بے جان معلوم ہوتا تھا چنانچہ اسے دیکھ دیکھ کر بھی وہ بے چین ہوا جا رہا تھا۔ اشمیل نے کتے کے سر پر ہاتھ بھیرا اسے تھپتھپایا لیکن کتے نے ذرا بھی حرکت نہ کی۔ اس نے کتے کا ایک پنجرہ اٹھایا اور پھوڑ دیا تو وہ بے جان سا "دھپ" سے گر گیا۔ کتا بالکل ہی مردہ تھا اور خدا جانے کہاں سے یہ خیال اس کے دماغ میں رہ گیا آیا کہ دوسری رات آئے گی تو وہ خود بھی اس کتے کی طرح پڑا ہوا ہوگا اور اس کی روح۔۔۔ خدا جانے کہاں ہوگی اور کون کون سی اس کی روح سے انتقام لے رہی ہوں گی۔ خیال کے ساتھ ہی اسے اپنے گناہ یاد آ گئے اور اسے جوہان اور اس کی بیوی یاد آ گئے۔ دفعۃً اسے یوں معلوم ہوا جیسے جوہان اور اس کی بیوی کی روح جھونپڑی میں آ گئی۔ اب وہ اکیلانہ تھا۔ اب دو شبہیں اس کی جھونپڑی میں چل پھر رہی تھیں۔ جوہان اور اس کی بیوی کی شبہیں۔ جوہان کی کھوپڑی ڈنڈے کی ضرب سے ہلکی ہوئی تھی وہ چراغ کے قریب کھڑا ہوا تھا اور اس کی بیوی جس کے ہونٹ اودے ہو رہے

چار دیواری کے باہر سے آوازیں سنائی دیں جن میں اشمیل کی آواز نمایاں تھی۔

ریچل کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

”اس کتے کو لپٹ کر باندھ دو“ اشمیل کسی سے کہہ رہا تھا۔ اس کمبخت پر

سحر کر دیا گیا ہے چنانچہ یہ مجھے اور کسی کو پہچانتا ہی نہیں۔“

کتے کو گھٹنے کی آواز آئی اور پھر دروازہ کھلا اور اشمیل داخل ہوا۔ بظاہر وہ

بڑا ہی ہشاش معلوم ہوتا تھا لیکن اس کی ایک ایک حرکت اور صورت سے کبھی ممکن

عیاں تھی۔ اس کی آنکھیں بے خوابی کی غمازی کر رہی تھیں اور ان کے گرد سیاہ

حلقے نمایاں تھے۔ وہ ایک ہاتھ میں دو تالی بندوق لئے ہوئے تھا لیکن اس

کا یہ ہاتھ نمایاں طور پر کانپ رہا تھا اور خود اشمیل کی یہ حالت تھی کہ اگر پتا بھی

کھڑکتا تو وہ چونک پڑتا۔ اس کے پیچھے رچرڈ تھا جس کے ہاتھ پشت کی طرف

بندھے ہوئے تھے اور پیروں میں چرنی بٹریاں پڑی ہوئی تھیں چنانچہ وہ بمشکل چل

سکتا تھا۔ اس کے علاوہ چار مسلح کافرا سے اپنی حراست میں لئے ہوئے تھے۔

ریچل نے اپنے محبوب کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا

لیکن وہ ذرا بھی خوفزدہ نہ تھا۔

”اچھے ہو رچرڈ؟“ ریچل نے اشمیل کی طرف متوجہ ہوئے بغیر پوچھا۔

”ہاں“ اس نے جواب دیا۔ ”اور تم ریچل؟“

”بظاہر تو اچھی ہوں لیکن میری روح.....“

اس سے پہلے کہ رچرڈ کوئی جواب دیتا اشمیل اس کی طرف گھوم کر گرجا۔

”خاموش رہو ورنہ تمہارے حق میں بُرا ہو گا۔“

اور پھر کانپتے ہاتھ سے اپنا ہیٹ اتار کر ریچل کے سامنے جھک گیا۔

”ریچل!“ اس نے کہا ”میں اپنے وعدے پر قائم رہا اور تین دنوں تک

تمہارے پاس نہ آیا۔ مدت گزر چکی اور اب میں دارین کو اپنے ساتھ لے کر تمہارا فیصلہ سننے آیا ہوں کیونکہ تمہارا فیصلہ ہم دونوں کے لئے بہت ہی اہم ہے۔

”مجھے کیا فیصلہ کرنا ہے؟“ ریچل نے کہیں خلا میں گھورتے ہوئے پوچھا۔
 ”بھول گئیں؟ معلوم ہوتا ہے تمہارا حافظہ بہت کمزور ہے۔ بہر حال میں چاہتا ہوں کہ بات ہر طرف سے صاف ہو جائے تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی کا خدشہ باقی نہ رہے۔ ریچل! بتاؤ تم آج ہی اپنی خوشی سے میری زوجیت میں آجاتی ہو یا میں دارین کا خاتمہ کروں؟ غالباً تم نہیں جانتیں کہ اس شخص نے ایک پرے دار کی جان لینے اور پھر فرار ہونے کی کوشش کی تھی اور اس جرم کی سزا موت ہی ہو سکتی ہے۔ اس کی موت کے بعد تمہاری مرضی ہو یا نہ ہو میں بہر حال تمہیں اپنی بنالوں گا۔“
 یہ الفاظ سنتے ہی رچرڈ کے ماتھے کی رگیں تیر آئیں اور غصے کی شدت سے اس کا چہرہ لال ہو گیا۔

”بد معاش! بزدل!“ وہ بولا ”اگر میرے ہاتھ بندھے ہوئے نہ ہوتے تو....“
 لیکن تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں دارین اور تم اس چرنی رستی کو توڑ نہ سکو گے چنانچہ اس کی کوشش نہ کرو، خاموش رہو اور اس خالقن کا جواب سنو کہ وہ کیا کہتی ہے۔“ اشمیل نے کہا۔

”رچرڈ! رچرڈ!“ ریچل نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا ”تم نے سن ہی لیا کہ یہ تمہاری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ میں کیا کروں رچرڈ؟۔“

”کیا کروں! کیا کروں!“ رچرڈ نے بلند آواز میں کہا ”یہ میری نہیں بلکہ تمہاری زندگی کا سوال ہے۔۔۔ آہ۔۔۔ میں نہیں کہہ سکتا۔۔۔ نہیں کہہ سکتا۔۔۔“
 اگر شیطان مجھے قتل کر دینا چاہتا ہے تو یو نہی سہی۔ اس کے بعد اگر ممکن ہو تو تم بھی دوسری دنیا میں میرے پاس آ جانا۔ چند گھنٹوں کی دیر سویر سے کوئی

فرق نہ پڑ جائے گا اور دوسری دنیا میں ایک بار پھر ہم ساتھ ہوں گے۔

ریچل چند ثانیوں تک کچھ سوچتی رہی اور پھر اس نے پُر سکون آواز میں کہا:

”ٹھیک ہے۔۔۔ سنو اشمیل! میں رچرڈ کی ہوں اور وہ میرا ہے۔ اب

اگر تمہارا پس چلے تو بے شک اسے قتل کر دو اور جب مجھے اس کی موت کا یقین ہو

جائے گا تو میں بھی اس کے پاس چلی جاؤں گی۔“

”بہت اچھا ریچل۔ ایسا ہی ہوگا“ اشمیل نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں

کہا ”اپنے محبوب کی طرف آخری بار دیکھ لو۔ اگر میں تمہیں حاصل نہیں کر سکتا تو

دارین بھی تمہیں اس دنیا میں حاصل نہ کر سکے گا۔ نوجوان! آخری دفعہ دعا مانگ

لو تمہارا وقت آگیا ہے۔“

اشمیل آگے بڑھا اور اس نے اپنی بندوق کا گھوڑا چڑھا لیا۔

”اے مافوقی کے لوگو“ ریچل نے زو زو زبان میں کہا ”ابو بوسی اس شخص کا

خون کرنے والا ہے جو میری طرح ڈنگان کی پناہ میں ہے۔ اگر آج یا کل اس کا

خون بہا تو پھر اس کے عوض تمہارا خون بھی بہایا جائے گا۔ ہاں تمہارا اور تمہاری

بیویوں کا اور تمہارے بچوں کا کیونکہ سردار کے گناہ کا کفارہ اس کی رعایا کو بھی

سوا کرنا پڑتا ہے۔“

ریچل کی اس تقریر نے ان چار کافروں کو، جو قدرے بے چینی سے یہ منظر

دیکھ رہے تھے، جوش دلا دیا اور انہوں نے صنائے احتجاج بلند کرتے ہوئے اشمیل

کو اپنے ناپاک ارادے سے باز رہنے کو کہا لیکن اشمیل نے کوئی جواب دینے کے بجائے

بندوق کی نالی رچرڈ کے سینے کی طرف اٹھا دی۔ ریچل نے اپنا سانس روک لیا۔

کوئی دم میں اس کا محبوب خاک و خون میں لوٹتا نظر آئے گا۔ دفعۃً ایک کافر

جو کچھ زیادہ ہی بہادر تھا، آگے بڑھا اور اس نے اشمیل کی بندوق کی نالی پکڑ کر

اد پر اٹھا دی۔ ساتھ ہی بندوق چل گئی۔ اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اشمیل نے قصداً بندوق چلائی تھی یا اتفاقاً چل گئی تھی۔

”دوسری نالی چلاؤ“ رچرڈ نے ہنستے ہوئے کہا ”تمہارا پہلا نشانہ تو خطا کر گیا۔“

اشمیل مارے غصے کے دیوانہ ہو رہا تھا اور اگر کا فر اس کے خلاف نہ ہو گئے ہوتے تو شاید اس نے دوسری نالی رچرڈ کے سینے پر خالی کر دی ہوتی۔ یکایک مافوقی دالے اشمیل کی طرف دوڑ پڑے۔

”نہیں۔ نہیں“ وہ چلائے ”سفید فام سردہر کا خون ہماری گردنوں پر نہ ہوگا۔ ہم انکو سازانہ کے غضب میں مبتلا ہونا نہیں چاہتے۔ ابو بوسی! اگر تم نے سفید فام سردہر کو قتل کرنے کی کوشش کی تو ہم خود تمہیں پکڑ کر زونوؤں کے حوالے کر دیں گے۔“

اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اشمیل واقعی رچرڈ کو گولی مار دینا چاہتا تھا یا نہیں۔ اگر وہ غصے میں اندھا ہو رہا تھا اور اپنے کامیاب رقیب کا خاتمہ کر دینا چاہتا تھا تو اس وقت اسے اپنی خیریت اسی میں نظر آئی کہ اپنے اس ارادے سے باز رہے کیونکہ مافوقی دالے بگڑ کھڑے ہوئے تھے۔

”بہت اچھا“ اس نے ریکل سے کہا ”میں ظالم نہیں ہوں چنانچہ تم دونوں کو ایک اور موقع دیتا ہوں۔ میں دارین کو لے کر جا رہا ہوں لیکن مامی تمہارے پاس آجائے گی۔ اگر تم نے تین گھنٹوں کے اندر اندر مامی کے ساتھ یہ پیغام بھیج دیا کہ تم نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے تو دارین زندہ رہے گا اگر نہیں تو آج رات کا اندھیرا اترنے سے پہلے تم اس کی لاش دیکھ لو گی اور ہم اس کے بعد تمام معاملات طے کر لیں گے۔“

”ریچل! رچرڈ نے چیخ کر کہا ”قسم کھاؤ کہ تم اپنی بات پر قائم رہو گی۔“
اشمیل غصے سے پاگل ہو گیا اور رچرڈ کو مارنے کے لئے دوڑ پڑا۔ موخر الذکر
نے اسے دیکھا تو ہر چند کہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے لیکن اس نے اپنا
سر جھکا کر ایک ایسی ٹکڑا شمیل کے پیٹ میں لٹائی کہ وہ زمین پر لڑھک گیا اور کئی سکند
تک اٹھ نہ سکا۔

”قسم کھاؤ ریچل۔ قسم کھاؤ“ رچرڈ نے کہا ”ورنہ زندہ ہوں یا مر جاؤں
میں تمہیں کبھی معاف نہ کروں گا۔“

”میں قسم کھاتی ہوں“ ریچل نے مردہ آواز میں کہا۔

پھر وہ آگے بڑھا اور جھک کر اس نے ریچل کے ہونٹ چوم لئے۔ ریچل نے بھی جو آ
میں اس کے ہونٹ چوم لئے انھوں نے ایک دوسرے سے کچھ نہ کہا اور یوں انھوں نے
ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔ دو کافروں نے مل کر اشمیل کو اٹھایا اور اسے سہارا دے کر
باہر لے گئے۔ دوسرے دو نے رچرڈ کو اپنی حراست میں لیا اور وہ کچھ کئے بغیر خاموشی
سے ان کے ساتھ چل دیا۔ دروازے میں پہنچ کر اس نے پلٹ کر ریچل کی طرف دیکھا، آخری
دفعہ ان کی آنکھیں چار ہوئیں اور پھر وہ بانہل گیا۔
ایک بار پھر ریچل کھلی تھی۔

شرعواں باب

عظیم روح کی رخصتی

تھوڑی دیر بعد مامی آگئی اور اس نے کہا کہ اس دفعہ اشمیل نے اسے بطور پیغامبر کے انکو سازانہ کے پاس بھیجا تھا کہ شاید وہ ریچل، ابو بوسی کو کوئی پیغام بھیجنا چاہے ریچل صحن میں اور درخت کے پھاؤں میں اپنی مخصوص پنج پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اشارے سے مامی کو کہا کہ وہ جھونپڑی میں چلی جائے۔ مامی نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔

وقت گذرتا رہا اور ریچل جہاں تھی وہیں بیٹھی رہی۔ تین گھنٹے گزر گئے۔ کسی نے چار دیواری کے دروازے پر کی روک ہٹائی اور دستک دی۔ مامی نے دروازہ کھولا اور واپس آ کر ریچل سے کہا:-

”انکو سازانہ! باہر ابو بوسی کھڑا ہوا ہے اور پوچھ رہا ہے کہ تمہیں کچھ اس سے کچھ کہنا ہے۔“

”نہیں۔ میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں“ ریچل نے وہ قسم یاد کر کے جواب دیا جو اس نے رچرڈ کے سامنے کھائی تھی۔

دروازہ بند کر دیا گیا۔

اس کے بعد وہاں گہری موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔ آسمان بھورا ہوا تھا۔ شاید کہیں دور زوروں کی بارش ہو رہی تھی، فضا بوجھل تھی اور کسی طرف سے کوئی آواز نہ آرہی تھی حتیٰ کہ سستی کے مولشی اور جنگل کے جانور بھی خاموش تھے۔ ریچل

کے اعصاب تن گئے تھے اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے موت کے فرشتے نے اپنے بازو مافوقی پر پھیلا دئے ہیں۔ ریچل خاموش اور مفلوج سی بیٹھی ہوئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ خدا جانے اس کے محبوب پر اس وقت کیا گذر رہی ہو گی وہ سوچ رہی تھی کہ اپنی عزت آبرو پر رچرڈ کو بھینٹ چڑھا کر اس نے غلطی تو نہیں کی۔ وہ سوچتی رہی، سوچتی ہی رہی یہاں تک کہ اس کا دماغ تھک گیا اور وہ بالکل خالی الذہن ہو گئی۔

سودج غروب ہونے لگا اور اس کی شعاعیں بادلوں کے شکافوں میں سے نکل آئیں اور ان کی روشنی میں پوری لبتی سرخ ہو گئی جیسے آگ لگ گئی ہو اور دفعۃً ریچل کو یوں محسوس ہوا جیسے آگ قریب تھی، بہت قریب۔ جلد ہی آگ مافوقی کو نگل لے گی۔ دروازہ کھلا اور آٹھ کافر داخل ہوئے۔ ڈھالوں کے بنے ہوئے اسٹریچر پر وہ کوئی چیز اٹھائے ہوئے تھے۔ کوئی چیز جس پر کمبل پڑا ہوا تھا۔ وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور اپنا بوجھ ریچل کے قدموں میں رکھ دیا اور ایک کافر نے کمبل اٹھالیا۔ ڈھالوں کے اسٹریچر پر رچرڈ دارین کا مردہ جسم پڑا ہوا تھا۔ اسی کافر نے غمزہ آواز میں کہا:-

”انکو سازانہ! ابوبوسی نے یہ لاش تمہاری خدمت میں بھیجی ہے کہ تم دیکھ لو کہ وہ

جو کتابے کرتا بھی دہی ہے۔ بعد میں وہ خود تمہارے پاس آئے گا۔“

ریچل گھٹنوں کے بل بیٹھ کر رچرڈ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر موت کی سرد ہر لگ چکی تھی۔ اس نے رچرڈ کو ہاتھ چھو کر دیکھا وہ سرد ہو رہا تھا اس نے اس کے دل کی دھڑکن محسوس کی۔ وہ خاموش تھا۔

”لوگو! مجھے اس لاش کا زخم دکھاؤ“ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا ”تاکہ میرے

جسم پر بھی اسی جگہ زخم آئے۔“

”انکوسازانہ!“ کافروں کے ترجمان نے کہا ”سردار کے جسم پر کوئی زخم نہیں ہے“
 ”تو پھر اس کی موت کیسے واقع ہوئی؟ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ سردار مر گیا
 اور میں نے اس کی روح گزرتے محسوس نہیں کیا!“۔

انکوسازانہ! سردار کو پیاس معلوم ہوئی، انھوں نے دودھ پیا اور پھر مر گئے۔
 ”خدا یا! میرے محبوب کو زہر دیا گیا اور میرے پاس زہر نہیں ہے۔ ماما! او
 اور سفید خام سردار کی لاش دیکھ لو۔ ابوبوسی نے اسے زہر دے دیا ہے۔“

ماما جھونپڑی میں سو رہی تھی۔ ریچل کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر
 باہر آئی رچرڈ کی لاش پر نظر پڑی تو وہ بلند آواز میں ماتم کرنے لگی۔

”افسوس ہے تجھ پر مافوقی“ اس نے روتے ہوئے کہا ”اور افسوس ہے ان
 لوگوں پر جو مافوقی میں بستے ہیں کیونکہ اب ان عذاب — سرخ عذاب آسمانوں
 سے نازل ہو گا۔ اب مافوقی والوں سے انتقام لیا جائے گا۔ ایک بے گناہ کا
 خون مافوقی والوں کی گردن پر ہے۔ انکوسازانہ کا سراپ ان کے سردوں پر ہے۔
 زوڑوں کے بھالے اب مافوقی والوں کے سینے تلاش کر لیں گے۔ مافوقی کے لوگو!
 اس وحشی درندے ابوبوسی کو قتل کر دو اور بھاگ جاؤ۔ اس لاش کو اپنے ساتھ
 لے کر یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ہاں اس لاش کو یہاں نہ رکھ جانا کہ یہ تمہارے خلاف
 گواہی دے۔ اسے لے جاؤ، دورے جاؤ اور دفن کر دو۔ مٹی کا پہاڑ کھڑا کر دو
 اس لاش پر۔ اسے اس گھاٹی میں دفن کر دو جہاں کوئی نہ پہنچ سکتا ہو، جہاں کوئی
 انسان اسے نہ پاسکے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ موت کی وادی میں سے بھٹ کر تمہارے
 خلاف گواہی دے۔ مافوقی والو! اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو بھاگو۔ بھاگو۔

جس طرح کہ میں فرار ہو رہی ہوں۔“

اور ماما پلٹ کر تیزی سے بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

سورج غروب ہو چکا لیکن آسمان سرخ تھا۔ آسمان پر منڈلاتے ہوئے طوفانی بادل خون ہو رہے تھے اور وہ آٹھوں کافر خوفزدہ تھے اور آپس میں کاناکھنچیاں کر رہے تھے۔

”یہ لاش پھینک دو اور بھاگو“ ایک کافر نے کہا۔

”نہیں“ دوسرے نے جواب دیا ”مامی کی زبان سے کوئی روح نہیں ہٹا دے رہی تھی۔ یہ لاش اٹھا کر بھاگو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ہمارے خلاف گواہی دے“

آٹھوں کافر ایک ساتھ آگے بڑھے۔ رچرڈ کی لاش پر ایک بار پھر کمبل ڈال دیا گیا۔ انھوں نے ڈھالوں کا بنا ہوا اسٹریچر بھر اٹھایا اور بھاگتے ہوئے باہر نکل گئے۔ دروازہ پھر بند ہو چکا تھا۔ وہ رچرڈ کی لاش اپنے ساتھ لے گئے تھے اور ریچل اکیلی تھی۔ بالکل اکیلی۔

”میں اکیلی رہ گئی۔ بالکل اکیلی“ ریچل نے بے حدنجی آواز میں کہا۔ لیکن خود اس کے کانوں کو یہ آواز ایک گرج، ایک طوفانی گرج معلوم ہوئی جو فرشتوں سے اٹھی اور خلا کو اور عناصر کو چیرتی ہوئی عرش تک پہنچ گئی۔ وہ جیسے خدا تک پہنچ گئی۔ یہ الفاظ، جو دراصل ایک مایوسانہ پکار تھی، اس مقام تک پہنچ گئی جس مقام پر جاتے فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں۔

یہ ایک کوئی چیز سی اس کے دماغ میں چٹخ گئی اور دفعۃً اس کا تمام خوف اور سادی سستی جاتی رہی اور اب وہ سکون محسوس کر رہی تھی۔ ریچل میں ایک فوری تغیر ہوا تھا۔ ایسا تغیر کہ اب وہ سنسن رہی تھی اور زوردار قہقہے لگا رہی تھی۔ وہ بھوکہ محسوس کر رہی اور قریب ہی میز پر کھانا رکھا ہوا تھا۔ وہ میز کی طرف لپکی اور اس نے شکم سیر ہو کر کھایا اور خوب سا پانی پی کر وہ بڑبڑائی:-

”رچرڈ نے مرنے سے پہلے کچھ پایا تھا۔ مجھے بھی پینے دوا اور پھر میں اپنی تنہائی اور مضائب کا خاتمہ کر دوں گی۔“

کھانے سے فارغ ہو کر وہ ٹہلنے اور کوئی گیت گانے لگی اور اسے معلوم ہوا جیسے بہت سی آوازیں اس گیت کے بول کو اٹھا رہی ہیں۔ ان لوگوں کی آوازیں جو مچکے تھے۔ ان بھیانک آوازوں نے اسے خوفزدہ کر دیا اور وہ خاموش ہو گئی اور پھر اس نے دیکھا کہ بہت سے درندے، جن کی صورتیں ابوبوسی کی سی تھیں، اپنی آلتشی زبانوں سے بادلوں کو چاٹ رہے تھے۔ یہ عجیب منظر تھا جو بچے صاف نظر نہ آ رہا تھا۔ ٹھیک ہے۔ اوپر سے جھونپڑی کی چھت پر سے صاف نظر آئے گا۔ اور ہاں اشمیل بھی تو اس کے پاس آ رہا تھا۔ ٹھیک ہے وہ اس شخص سے آخری ملاقات جھونپڑی کی چھت پر ہی کرے گی۔ اب وہ اشمیل سے نہ ڈرتی تھی۔ بالکل بھی نہ ڈرتی تھی۔ لیکن جب وہ چوہے کی طرح جھونپڑی کی چھت پر چڑھ رہا ہو گا تو وہ بڑا ہی مضحکہ خیز منظر ہو گا اور وہاں — جھونپڑی چھت پر وہ اس سے چند باتیں کرے گی یہاں تک کہ — یہاں تک کہ کوئی بات ہوگی۔ اشمیل کے لئے کوئی بڑی بات — کوئی واقعہ۔ نہیں۔ نہیں۔ وہ خود کشی نہ کرے گی۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے زندہ رہے گی کہ اشمیل کے ساتھ کیا واقعہ ہوتا ہے — وہ عجیب واقعہ جس سے وہ اچھی طرح واقف ہے لیکن جو اسے یاد نہیں آ رہا۔

وہ بڑی آسانی سے، ایک بلی کی سی پھرتی سے جھونپڑی کی چھت پر چڑھ گئی اور اب وہ وہاں چھت پر کھڑی ہوئی تھی اس کے ایک ہاتھ میں کھال لٹکا تھا۔ اور دوسرے سے وہ اس کھجے کو پکڑے ہوئے تھی جو آسمان سے گرتی ہوئی بجلیوں کو ڈرانے اور لوٹا دینے کے لئے وہاں لگا یا گیا تھا۔ اور وہ وہاں کھڑی ان زندوں

کو دیکھتی رہی جن کی صورت اشمیل کی سی تھی اور جو اپنی آتش زبانون سے بادلوں کو
چاٹ رہے تھے۔

درندے بادلوں کو چاٹتے چاٹتے تھک گئے۔ تھوڑی دیر کے لئے ان کی
بھوک کی تسکین ہو گئی۔ بہر حال اب ریپل ان کی زبانیں نہ دیکھ رہی تھی۔ ہوا
بند تھی، فضا بو تھل ہو رہی تھی اور اندھیرا مکمل ترین تھا اور یہ اندھیرا جیسے کسی
ٹھوس پتھر کی طرح اسے چاروں طرف سے دبا رہا تھا، پس رہا تھا۔ اور ریپل کو
ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس اندھیرے میں سے آوازیں سن رہی ہو۔ بھاگتے ہوئے
پیروں کی آوازیں جو مشرق کی طرف سے آرہی تھیں، جو مغرب کی طرف سے
آرہی تھیں۔

اور پھر اس نے ایک آواز سنی۔ دروازہ کھلنے کی آواز اور پھر محتاط قدموں
کی چاپ جیسے کوئی بھیڑیا چوری چھپے مرغیوں کے ڈر بے کی طرف جا رہا ہو۔ اس
نے یہ چاپ پہچان لی کیونکہ اب اس کی حسیں کسی بھی کافر سے زیادہ تیز ہو چکی
تھیں۔ یہ البو بوسی کے پیروں کی چاپ تھی۔ وہی راتوں کو رینگنے والا۔ وہ جو پٹری
کی چھت پر کھڑی ہوئی تھی اور اشمیل اسے نیچے تلاش کر رہا تھا اس قدر مضحکہ خیز
خیال تھا کہ اس کا جی چاہا کہ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ لیکن وہ قہقہہ لگانے کی جرأت
نہ کر سکی کیونکہ اسے یاد آیا کہ اگر اس نے قہقہہ لگایا تو رد میں بھی اس کا ساتھ دیں گی
جیسا کہ انھوں نے اس وقت ساتھ دیا تھا جب وہ گیت گارہی تھی۔ پختا پختا وہ خاموش
رہی۔

اور نیچے اشمیل اسے تلاش کر رہا تھا۔ وہ اس درخت تلے پہنچا جہاں ایک بچہ
رکھی ہوئی تھی اور وہاں اسے ٹھٹھانے لگا کہ شاید ریپل وہاں ہو اور اب وہ جو پٹری
میں داخل ہو رہا تھا اور اب وہ اندھیرے میں بستر ٹٹول رہا تھا اور اب وہ چراغ

جلا چکا تھا اور اس کی اندھی روشنی چھت کے اس سوراخ میں سے باہر نکل رہی تھی جو دو کشت کی عرض پوری کر رہا تھا۔ جھوڑی میں ریچل نہ تھی چنانچہ وہ چراغ جلتا چھوڑ کر باہر آ گیا۔

”ریچل! ریچل!“ اس نے آہستہ سے پکار کر کہا ”کہاں ہو تم؟“

کوئی جواب نہ آیا تو وہ اپنے آپ سے ہی باتیں کرنے لگا۔

”کہیں فرار تو نہیں ہو گئی؟“ وہ بڑبڑایا ”یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ چرما فونی والے

فرار ہو گئے ہیں۔ بیوقوف اگدھے! بزدل!۔ نہیں۔ یہ ممکن نہیں۔ وہ فرار نہیں ہو سکتی

کیونکہ پرہ سخت ہے۔ ہاں البتہ اگر وہ حقیقت میں روح ہو اور ہوا میں تحلیل ہو گئی

ہو تو کہا نہیں جاسکتا۔ خدا کرے کہ وہ روح نہ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو پھر وہ مجھے آسیدب

بن کر ستایا کرے گی۔ اور میں اپنے جسم کو اپنا ناچا ہوتا ہوں نہ کہ اس کی روح کو۔

مجھے بہر حال اسے حاصل کرنا ہے۔ اس کمبخت نے یقیناً مجھ پر سحر کر دیا۔ بے درہ کوئی

وجہ نہ تھی کہ میں اس کی خاطر ہر خطرہ بول لیتا۔ شیطان نے انگلی دکھائی ہے مجھے اور

میں اس راستے پر چلا جا رہا ہوں جو شیطان کا بنایا ہوا ہے۔“

اشمیل یونہی بکتا رہا یہاں تک کہ ریچل اس کی بکواس برداشت نہ کر سکی۔

”ہاں۔ ہاں۔“ اس نے جھوڑی کی چھت پر سے کہا ”یہ راستہ شیطان کا ہی

بنایا ہوا ہے جس پر تم شروع سے چل رہے ہو اب بوسنی اور اب یہ راستہ ذرا آگے

چل کر دوزخ سے جا ملتا ہے چنانچہ اطمینان رکھو تمہاری منزل قریب ہے۔

اشمیل نے گہرا کر چاروں طرف دیکھا، وہ خوف سے لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا

اور دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

”کیسی آواز تھی یہ! کس کی آواز تھی یہ؟“ کہاں ہو تم؟“ اس نے منہ اٹھا کر

ہوا سے پوچھا۔

لیکن ریچل نے کوئی جواب نہ دیا تو اشمیل نے پھر اپنے آپ سے کہا:-
 "آواز تو ریچل کی ہی تھی لیکن کہیں اوپر سے آرہی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس نے
 خود کشی کر لی ہے۔۔۔ رچرڈ کی بننے سے بہتر تو یہی ہے کہ وہ مر جائے۔ میں اسے
 کبھی برداشت نہ کر سکوں گا کہ میرے علاوہ وہ کسی اور کی ہو جائے۔ اچھا ہوا کہ وہ
 مر گئی۔۔۔ لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔ اگر اس نے خود کشی کر لی ہے تو پھر۔۔۔
 وہ بولی کہاں سے؟"

وہ جھونپڑی کی طرف بڑھا۔ غالباً چراغ لانے کے لئے۔ یکایک افق پر ایک
 زوردار بجلی چمک گئی جس کی روشنی کئی سکنڈ تک قائم رہی اور اس روشنی میں ریچل نے
 جو جھونپڑی کی پھت پر کھڑی ہوئی تھی، اس بلندی پر سے دور دور تک دیکھ سکتی تھی
 بہت سی چیزیں دیکھیں۔ مغرب کی طرف میدان میں بہت سے کالے کالے دھتے
 حرکت کر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ اور ان کے مولشی تھے جو مافوقی چھڑ کر جا رہے تھے۔
 اور مشرق کی طرف بھی سائے حرکت کر رہے تھے اور وہ درے میں سے نکل کر مافوقی
 کی طرف آرہے تھے اور وہ کوئی سفید چیز اٹھائے ہوئے تھے۔ یہ یقیناً زولو فوج
 تھی۔ چند سائے بستی کی دیوار کے قریب پہنچ چکے تھے، چند دیوار پر چڑھ آئے تھے
 اور چند صرف سوگز دور بستی کی بڑی ٹرک پر رینگ رہے تھے۔

اس کے علاوہ ان رینگنے والوں کو کچھ نظر آگیا، وہ رک گئے اور پھر جیسے خوف
 کے عالم میں ایک دوسرے پر گرے اور بجلی کی روشنی غائب ہونے سے پہلے اس
 نے آخری منظر یہ دیکھا کہ نیچے کھڑا ہوا اشمیل پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ
 رہا تھا۔۔۔ ریچل کی طرف۔۔۔ جو بلندی پر اور جیسے ہوا میں کھڑی ہوئی
 تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں بھالا تھا اور اس کی آنکھوں میں پاگل پن کی چمک
 تھی اور اس کے بشرے سے وہ وحشت عیاں تھی جو پاگلوں کے بشرے پر نظر آتی

نے۔ لیکن اشمیل نے ان متحرک دھبوں کو نہ دیکھا جو مغرب کی طرف تھے اور مشرق کی طرف تھے۔ وہ گھٹنوں کے بل گر گیا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ ایک بار پھر بجلی چمک گئی۔ طوفان کوئی دم میں پھٹ پڑنے والا تھا۔ اسی روشنی میں اشمیل نے دیکھا کہ وہ روح نہیں ریکل تھی جو جھوپڑی کی تخت پر کھڑی ہوئی تھی۔

”آہ۔ تو تم وہاں ہو!“ اس نے کہا۔ اس کا خوف زائل ہو چکا تھا ”نیچے اتر آؤ ریکل کر ہم معاملے کی بات کریں۔“

ریکل نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ وہ یہ دیکھنے کے لئے بے تاب تھی کہ اب اشمیل کیا کرتا ہے۔ اشمیل نے کافی دیر تک جھوپڑی کا طواف کرتا اور ریکل سے درخواستیں کرنا اور اسے دھمکیاں دیتا رہا اور پھر آخر کار وہ جھوپڑی کی چھت پر چڑھنے لگا لیکن اندھیرے میں، جس میں کبھی کبھی بجلی چمک کر شگاف ڈال دیتی، اسے یہ کام بڑا ہی مشکل معلوم ہوا اور ایک دفعہ تو وہ کافی بلندی سے نیچے چت گرا۔ وہ اٹھا اور دانت پیس کر جھوپڑی کی طرف بھاگا۔ اس نے ایک چھلانگ لگائی اور ان تاروں کو جن سے جھوپڑی کی دیواریں بندھی ہوئی تھیں، پکڑتا ہوا چھت تک پہنچ آیا۔ لیکن وہاں اس نے سرا بھارا تو ریکل کے بھالے کی نوک اس کے سامنے تھی چنانچہ وہ وہیں ٹکٹا رہا جیسے کسی چٹان کے کنارے سے مینڈک شک رہا ہو۔ وہ ادر پر نہ چڑھ سکتا تھا کیونکہ بھالا اس کی طرف بڑھا ہوا تھا اور نہ ہی نیچے اترنا چاہتا تھا کیونکہ بڑی دقتوں کے بعد وہ اوپر چڑھنے میں کامیاب ہوا تھا۔

”ریکل!“ اشمیل نے کہا ”نیچے اتر آؤ ریکل۔ میں نے جو کچھ کیا ہے تمہاری خاطر کیا ہے، نیچے آ جاؤ ریکل اور مجھے معاف کر دو۔“

ریکل نے ایک قہقہہ لگایا۔ دیدانگی کا بھیانک ہنسمہ۔

”میں معاف کر دوں تمہیں؟“ اس نے پوچھا ”چرند و ارمن نے معاف کیا ہے تمہیں؟“

اور تم نے اسے زہر کس چیز میں ملا کر دیا تھا؟ دودھ میں؟ ٹھیک ہے۔ انسانیت اور رحمہندی کے دودھ میں۔ بہت عمدہ زہر تھا وہ اس قدر عمدہ کہ میں سمجھتی ہوں وہ تم نے اپنے خون سے کشید کیا ہو گا۔ جب تم مر جاؤ تو میرائی لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے تیرے تمھارے خون میں ڈبو لیں کیونکہ تمھارے خون میں بچھائے ہوئے تیرے زہریلے ثابت ہوں گے حتیٰ کہ گرچہ اور زہریلے ناگ بھی ان تیروں سے مر جائیں گے۔

اشمیل نے کوئی جواب نہ دیا چنانچہ ریکھل نے سلسلہ کلام جاری رکھا:-

”خود تمھارے لوگوں نے تمھیں معاف کیا ہے۔ اگر معاف کیا ہے تو پھر وہ اس سفید چیز کو اپنے ساتھ لے کر کیوں فرار ہو گئے ہیں جو کبھی ایک انسان تھا؟ کیا میرے والدین نے تمھیں معاف کر دیا ہے؟ تم سن رہے ہو کہ اس وقت ان کی رد میں مجھ سے کیا کہہ رہی ہیں؟ وہ کہہ رہی ہیں کہ تمھارا انسان خدا کے دربار میں ہو گا۔ کیا زولوؤں نے تمھیں معاف کر دیا ہے جن کا خیال ہے کہ تمھارا انسان بادشاہ اور انکو سازا نہ ہی کر سکتی ہے؟ گھوم جاؤ اور خود زولوؤں سے پوچھ لو جو قریب آگئے ہیں اور اس نے اپنے بھالے سے اشارہ کیا۔ گھوم جاؤ اسے منیڈک! گھوم جاؤ اور اپنا مقدمہ پیش کرو اور میں اس کا فیصلہ کر دنگی اور ان لوگوں کو بلاؤں گی جو تمھارے ہاتھوں مارے گئے ہیں اور وہ گواہی دینگے اور میں فیصلہ کر دنگی اور بھالے اپنا کام کریں گے۔ دیوار کی طرف دیکھو اسے منیڈک دیوار کی طرف دیکھو۔“

ریکھل اپنی دیوانگی میں یوں بک رہی تھی اور اپنے بھالے سے اشارے کر رہی تھی کہ ایک بار پھر بجلی چمک گئی اور اشمیل نے گردن گھما کر دیکھا کہ زولو سپاہی فنیسل پر سے مانو قی میں کود رہے تھے اور افسر کھیلے ہوئے دروازے میں سے اندر دھنسنے آئے تھے۔ اشمیل نے اوپر سے چھلانگ لگا دی کہ اپنی بندوق، جسے وہ نیچے چھوڑ آیا تھا، اٹھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ بندوق تک پہنچ سکتا غضبناک زولو اس پر یوں ٹوٹ پڑے جس

طرح تیندوے بکری پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور اب زولو انجیل کو پکڑے ہوئے تھے اور
تامبوسا کہہ رہا تھا :-

”انکوسازانہ! سلام ہو تجھ پر۔ نیچے اتر آؤ اور اس وحشی درندے کو،
جس نے تمہیں پھاڑ کھایا ہوتا، مرادو“

”تامبوسا! ریکل نے کہا، انکوسازانہ چلی گئی۔ وہ عظیم روح رخصت ہوئی۔
اب انپر وہ جسم رہ گیا ہے جس میں عظیم روح کا قیام تھا۔ تامبوسا! عظیم روح غصے
میں بھری ہوئی زولوؤں پر منڈلا رہی ہے جس طرح کہ عقاب خرگوش پر منڈلاتا
ہو۔ تامبوسا! اب انکوسازانہ اور زولوؤں کے درمیان خون آگیا ہے۔ ان لوگوں
کا خون جھنڈوں نے انکوسازانہ کو وہ جسم دیے جس میں اس نے قیام کیا۔ تامبوسا!
انکوسازانہ اور ربوبوس کے درمیان خون ہے اس سفید فام کا خون جس سے یہ جسم محبت
کرتا تھا جس میں انکوسازانہ کا قیام تھا اس سفید فام کا خون جسے ربوبوس نے محض اس
بے موت کے حوالے کر دیا کہ انکوسازانہ نے ربوبوس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا
تامبوسا! انکوسازانہ کو اس ربوبوس نے بڑی تکلیفیں دی ہیں۔ تامبوسا! انکوسازانہ
نے تو ہین برداشت کی ہے۔ بڑے دکھ جھیلے ہیں اور جب انکوسازانہ نے زولوؤں
کو پکارا تو ہزاروں، لاکھوں میں سے ایک بھلا بھی اس کی مدد کے لیے بلند نہ ہوا اور
ہوتا بھی کیسے؟ زولو بہادر اس بوڑھے اور اسی بڑے ہیبا کو قتل کرنے میں مصروف تھے
جسے انکوسازانہ اپنے والدین کہتی تھی۔ چنانچہ تامبوسا! عظیم روح اس جسم میں سے یوں
نکل کر پرداز کر گئی جس طرح گھوٹلے سے پرندہ، جس طرح انڈے میں سے چوڑہ نکل جاتا
ہو اور خون رہ جاتا ہے اس طرح مختارے سامنے صرف خون رہ گیا ہے اور خون میں غم
ہے اور اداسیاں ہیں۔ اس کے باوجود تامبوسا! عظیم روح اب بھی میری زبان سے گویا ہو
اور یوں کہتی ہے عظیم روح کہ خون کے اسی بیج سے، جو زولوؤں نے بویا ہے، انکوسازانہ کے

پرستار زولو مصائب و تباہی و بربادی کی کاشت کریں گے۔ کیونکہ انکو سازانہ نے جب وہ زولوؤں میں مقیم تھی، کہا تھا کہ اگر اس کے اور زولوؤں کے درمیان خون آگیا تو پھر زولوؤں کے حق میں برا ہوگا۔ تا مبادیہ! یہ ہے انکو سازانہ کا حکم کہ تم اس جسم کی حفاظت کرو گے جس میں عظیم روح مقیم تھی تاکہ ابو بوس سے وہ محفوظ رہے اور تمام بدعاش لوگوں سے محفوظ رہے اور تم اس جسم کو بہ حفاظت سیاچی کی بیٹی نوئی کے پاس لے جاؤ گے کیونکہ یہ جسم اسی کے ساتھ رہے گا۔

اندھیرے میں جھونپڑی کی چھت پر کھڑی ہوئی رچل یوں ماتم کر رہی تھی اور نیچے کھڑے ہوئے زولوؤں اور غم سے کراہ رہے تھے کیونکہ انھوں نے اپنے گناہوں سے انکو سازانہ کی روح کو آوارہ بنا دیا تھا اور اب انکو سازانہ انھیں سراپ دے چکی تھی اور اب اس کا غضب نازل ہونے والا تھا۔

بجلی بڑے زور سے چمکی اور اس کی روشنی میں انھوں نے رچل کو جھونپڑی کی چھت پر کھڑے دیکھا اس نے بھالا پھینک دیا تھا جسے اب اس کی ضرورت نہ رہ گئی تھی اور اس کے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے ہوئے تھے، اس کا چہرہ بھی اوپر کی طرف اٹھا ہوا تھا اور اس کے سنہرے بال ہوا میں اڑ رہے تھے اور اس کی آنکھوں میں دیوانگی کی چمک تھی۔ چنانچہ اس عالم میں وہ عورت نہیں بلکہ جیسا کہ زولو سمجھتے تھے، روروں کی ملکہ معلوم ہوتی تھی۔ بجلی کی روشنی میں زولوؤں نے اسے دیکھا تو وہ بھر کراہنے لگے اور چند لوگ زیر پر او نہ سے منہ لیٹ گئے اور اپنے ہاتھوں میں انھوں نے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ ایک بار پھر اندھیرا چھا گیا اور ایک شخص جھونپڑی میں رہ جرائع لینے دنگ رہ گیا جو وہاں جل رہا تھا اور جب وہ جرائع لے کر آیا تو رچل زولوؤں کے درمیان کھڑی ہوئی تھی۔ انھوں نے اسے اترتے نہ دیکھا اور نہ ہی اس کے اترنے کی آواز سنی تھی۔ اشمیل نے بھی اسے دیکھ لیا اور چونکہ زولوؤں کی آنکھوں میں اسے اپنی سوت نظر آگئی

تھی اس لیے اس نے ایک ہاتھ بڑھا کے ریکل کا دامن پکڑ لیا اور گڑ گڑا کے رحم طلب کرنے لگا۔

اشمیل کی گرفت اپنے چنے کے دامن پر محسوس کر کے چیخ پڑی اس کی یہ چیخ بڑی ہی بھیانک اور وحشیانہ تھی جو نیز خنجر کی طرح زو لو سپاہیوں کے دلوں میں اترتی چلی گئی۔

”ارے میرے لڑکھو! وہ بولی“ دیکھو۔ دیکھو۔ اپنے لمس سے یہ مجھے نجس کر رہا ہے؟ زو لوؤں نے اشمیل کو بلاتیں، گھونٹے اور بھالوں کے دستروں سے مار مار کے دوز بڑا دیا اور سوالیہ لگا ہوا، سے اپنے سردار کی طرف دیکھنے لگا کہ اس کا حکم ہو تو اسی وقت اشمیل کے منکڑے اڑا دیں۔

”نہیں“۔ تاجموسا نے کہا۔ ہم اسے ڈنگائی کے پاس لے جا رہے تھے۔ وہی اسے سزا دے گا۔“ مجھے بچاؤ۔ خدا کے لیے مجھے بچاؤ ریکل“ اشمیل گڑ گڑا یا۔ ”تم نہیں جانتیں کہ اس سردار کا مطلب کیا ہے۔ ریکل! میں مختاری بخت میں دیوانہ ہو رہا ہوں، اندھا ہو گیا تھا میں۔ خدا کے لیے مجھے رحم کرو اور مجھے ڈنگائی کے پاس نہ بھیجو۔ وہ مجھے سخت تکلیفیں دے دے کر مارے گا؟“

”میں کون ہوں رحم کرنے والی“ ریکل نے کہا۔ اس سے رحم طلب کر دو جو سب سے بڑا منصف ہے۔ اور پھر اس نے لرزہ خیز سرگوشی میں کہا۔ ”اشمیل! اشمیل؟ میں نے کیا بگاڑا تھا؟ مختار! جو تم نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا؟ کیا جرم کیا تھا میں نے مختار، جس کی سزا میں تم نے میرے والدین کو قتل کروا دیا؟ تم نے میرے محبوب کو کیوں نہ ہر دلوایا؟ کیوں تم نے عظیم روح کو میرے جسم سے دھکیل کر اس کی جگہ پاگل پن، بھردا دیا؟ تاجموسا! اس سے پہلے کہ اس بستی پر عذاب نازل ہو مجھے یہاں سے لے جاؤ اور ہاں۔ اب میرا اس شخص کی صورت تک دیکھنا نہیں چاہتی؟“

چنانچہ چند سپاہیوں نے آگے بڑھ کر ریکل کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور اسے بستی سے

باہر اس غار میں لے آئے جو مافوقی سے کچھ فاصلے پر ایک چٹان میں تھا۔ حالانکہ بارش نہ
ہو رہی تھی لیکن طوفان کے آثار زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوتے جا رہے تھے اور طوفان بادل
سے اسے غار میں ہی پناہ مل سکتی تھی۔ بجلی چمک رہی تھی، بادل گر جنے لگے تھے اور ہوا
درختوں اور جھاڑیوں کو جھنجھوڑ رہی تھی۔

اور وہاں غار کے دہانے میں ریچل بیٹھ گئی اور مافوقی کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ جانتی تھی
کہ کچھ ہو گا البتہ یہ نہ جانتی تھی کہ کیا ہو گا۔ خود کراہ میں زولودوں نے توڑ پھوڑ مچا رکھی تھی
اور اشمیل اس جھونپڑی کی چھت پر بندھا کھڑا تھا جس میں ریچل قید تھی۔ اس وقت
اشمیل مارے خوف کے نیم جاں ہو رہا تھا۔

ریچل یوں بیٹھی مافوقی کی طرف دیکھ رہی تھی اور کچھ ہونے کی منتظر تھی کہ
دفعۃً ایک جھونپڑی سلگ اٹھی۔ اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس پنہیلی گری تھی یا کسی
زولوسا ہی نے اس میں آگ لگا دی تھی۔ جھونپڑی دھڑا دھڑا سگنے لگی۔ تین ہوانے شعلوں
کو اپنی لپیٹ میں لے کر قریبی جھونپڑی تک پہنچا دیا۔ وہ بھی جلنے لگی۔ پھر تیسری، چوتھی،
پانچویں یہاں تک کہ پورا مافوقی جلنے لگا۔ زولوسا ہی گہرا کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ وہ
مافوقی کے راستوں سے واقف نہ تھے۔ چنانچہ باڑوں میں الجھ گئے۔

دفعۃً ایک جلتا ہوا انسان مافوقی کی شاہراہ پر دوڑتا ہوا آیا۔ وہ سر سے پیر تک
شعلہ بنا ہوا تھا۔ ریچل کے قریب کھڑے ہونے زولو چلائے۔

دیکھو۔ دیکھو۔ وہ تو ابو بوسی ہے۔

اشمیل، جو شعل کی طرح سلگ رہا تھا، چار دیواری کے دروازے تک
نہ پہنچ سکا کیونکہ ایک صلتی ہوئی جھونپڑی اس کے راستے میں اور عین اس کے سامنے گری
وہ پلٹ کے اس قریبی چٹان کی طرف بھاگا جو مافوقی کے ایک کنارے پر تھی۔ یہ چٹان
جو کہ عمودی تھی اس لیے اس طرف دیوار نہ بنائی گئی تھی۔ اس چٹان کے قریب وہ ادھر

اُدھر دیوانوں کی طرح بھاگ رہا تھا۔ یکایک تریبی جھونپڑی کے شعلے آتش زبانون کی طرح اشمیل کی طرف لپکے۔ اشمیل زمین پر لیٹ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنے لگا کیونکہ اب اس کے لائے بال جلنے لگے تھے وہ اٹھا، وہ چٹان کی چوٹی پر پہنچا کیونکہ اندر کی طرف سے چٹان عمودی نہ تھی۔ وہ چٹان کی چوٹی پر بھاگنے لگا، وہ بے حد خوف زدہ اور گھبرایا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے سلگ رہے تھے، اس کی جلد جھلس رہی تھی، اس کی کھال اڑھڑکی تھی اور چربی نکل آئی تھی۔ اشمیل اس تکلیف کو برداشت نہ کر سکا اور چٹان پر سے — پچاس ساٹھ فٹ کی بلندی پر سے — دوسری طرف پتھروں پر کود پڑا اور پھر وہیں پڑا رہا یہاں تک کہ مر گیا اور دوسرے زولودوں نے اس کی جلی ہوئی لاش دفن کر دی۔

اور یوں اشمیل ریکل کی زندگی اور اس دنیا سے رخصت ہوا۔ لیکن اشمیل اس دنیا سے اکیلا نہ گیا تھا بلکہ بہت سے زولود بھی — تقریباً پانچ سو — سلگتے ہوئے مافوقی میں جل مرے تھے اور بہت سے جھلس گئے تھے۔

”اف اما بسوس نے زخمیوں کے معائنے اور لاشوں کو شمار کرنے کے بعد کہا، انکو سارا نہ کامر اپ ہم پر بہت جلد اثر کر رہا ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ ابتدا ہے آگے دیکھو کیا ہوتا ہے۔“

رہا مافوقی تو وہ پوری طرح اجڑ گیا اور آج تک اجڑا ہوا ہے اور وہاں جھاڑیاں اور خود رو پودے آگے ہوئے ہیں کیونکہ مافوقی زائے، جو فرار ہو گئے تھے، پھر اس طرف نہ آئے اندر نہ ہی کسی دوسرے قبیلے نے یہاں آباد ہونے کی ہمت کی کیونکہ اگر آج بھی آپ اس طرف نکل جائیں اور وہاں اگر کسی کافر سے آپ کی ملاقات ہو تو وہ آپ کو بتائے گا کہ وہ مقام، جہاں کبھی مافوقی آباد تھا، آسیرب زدہ ہے اور یہ کہ جب طوفان باد و باران آتے ہیں تو ایک جلتی ہوئی مٹیہ اس سرے سے

اس سرے تک بھاگتی ہوئی نظر آتی ہے اور پھر جنوبی چٹان پر چڑھ کر دوسری طرف
گھاٹی میں پھاند پڑتی ہے۔

تیز ہوا اور کڑک اندر گرج کے بعد بارش شروع ہو گئی۔ موسلا دھار بارش
جیسے آسمان کے تمام دریچے کھل گئے ہوں۔ ریچل خالی خالی نظروں سے پانی کی اس
چادر کو، جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی تھی، دیکھتی رہی۔ پھر وہ بلیٹی اور غار کے
آخری سرے پر پہنچ کر اس نے اپنے آپ کو اس چنے میں پیٹ کے، جو اسی کے لیے
بنا یا گیا تھا، لیٹ گئی اور شیرخوار بچے کی طرح دوسرے دن تک سوئی رہی یہاں
تک کہ سورج نکل آیا اور تب ریچل نے بیدار ہو کر کھانا طلب کیا۔

لیکن سپاہی جاگتے رہے۔ رات بھر وہ ایسی جگہ، جہاں انھیں بارش سے
پناہ مل سکتی تھی، چھوٹے چھوٹے گروہوں میں کھڑے رہے لیکن بارش کا پانی انہیں
بڑی بے رحمی سے بھگو تارہا یہاں تک سردی سے ان کے دانت بجنے لگے اور
اعضا اکڑے گئے۔ چند سپاہی تو اسی رات اکڑ کر مر گئے اور بہت سے تب لرزہ میں
مبتلا ہو گئے اور چند دفن بعد ان بیماروں میں سے زیادہ تر دوسری دنیا میں پہنچ گئے۔
صبح جب طوفان گزر گیا اور سورج پوری طرح آب و تاب سے چمکنے لگا تو ماہوسا
نے افسردہ کی ایک مجلس مشاورت طلب کی۔ مسئلہ یہ درپیش تھا کہ مافوقی دالوں کو
جو زار ہو گئے تھے، تھاقب کر کے ان کا خاتمہ کر دیا جائے یا زولو لینڈ کو کوٹ جایا جائے
اکثر افراد نے جواب دیا کہ مافوقی اور مافوقی دالوں کا وہ انجام دیکھ چکے ابو بوسی
پر آسمان سے عذاب نازل ہوا اور اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا۔ انکو سازا
بچا لیا گیا ہے اور وہ زندہ ہے حالانکہ وہ پاگل ہو چکی ہے، سفید خام سردار
دارو کا ابو بوسی نے خون کر دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسے زہر دے دیا گیا ہے۔

چنانچہ اس کی لاشیں یقیناً مافوقی کی آگ میں جل گئی ہوں گی، رہا مافوقی والے تو معلوم ہوتا ہے ان میں سے اکثر بے گناہ ہیں کیونکہ اپنے سردار کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ دوسرے افسروں نے ان دلائل کے جواب میں کہا کہ مافوقی والے قطعی بے گناہ نہیں ہیں کیونکہ انکو سازانہ اور دادیوں کو رماہ سے اٹھالانے میں انھوں نے ابو بوسی کی مدد کی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ جب ابو بوسی نے ان دونوں کو قید کر دیا اور داریوں کی جان بھی لے لی تو اس کے بعد بھی مافوقی والے خاموش بیٹھ رہے اور اس وقت فرار ہونے کے بجائے انھیں تہ چلا کر زولویوں کی طرف آرہی ہے اس کے علاوہ بادشاہ کا یہ حکم ہے کہ ان کتوں میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے لیکن ہوا یہ کہ مافوقی والوں میں کا ایک شخص بھی نہ مارا گیا اور صرف وہی مولشی ہاتھ لگے ہیں جنہیں مافوقی والے چھپے چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ افسروں میں بحث ہونے لگی اور وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو طے پایا کہ یہ معاملہ انکو سازانہ کے حضور پیش کیا جائے اور وہ جو کہے اس پر عمل کیا جائے بشرطیکہ اس کے الفاظ کے معنی وہ سمجھ سکیں۔

چنانچہ تانبوسا، ایک شخص کو اپنے ساتھ لے کر غار میں پہنچا اور پورا معاملہ ریکچل کے سامنے پیش کیا جو اپنی تقریباً پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اس کی صورت تکستی رہی جیسے وہ کچھ سمجھ نہ رہی ہو اور جب وہ خاموش ہوا تو ریکچل نے چیخ کر کہا:-

”مجھے بادشاہ کے کراہ میں فوفی کے پاس لے چلو۔ فوفی کے پاس لے چلو مجھے۔“

اور اس کے بعد وہ خاموش ہو گئی اور اس نے کچھ نہ کہا۔

مافوقی والے فرار ہو گئے تھے اور کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ کس طرف گئے تھے۔ زولویوں نے ان مولشیوں پر تہ بند کر لیا تھا جو مافوقی میں رہ گئے تھے اور بہت سے سپاہی بھی گئے تھے اور بہت سوں کو بخار چڑھ آیا تھا چنانچہ تانبوسا نے افسروں اور سپاہیوں سے کہا کہ انکو سازانہ چاہتی ہے کہ زولینڈ کی طرف چلا جائے۔

چنانچہ تھوڑی دیر بعد ہی وہ لوگ روانہ ہو گئے جو سپاہیوں کی طرح جل گئے تھے اور سفر

نہ کر سکتے تھے انھیں ڈھنچالوں پر لٹا دیا گیا اور چار سپاہیوں نے یہ ڈھنچال اٹھالیے۔ لیکن ریکل نے ڈولی میں سوار ہونے سے انکار کر دیا اور پیدل ہی چلتی رہی اور اس سے چند قدم کے فاصلے پر زولو سپاہی اس کی حفاظت کرتے چلتے رہے۔ مسلسل کئی گھنٹوں تک وہ سر جھکائے اور بے آنکھ چلتی رہی لیکن وقتاً فوقتاً وہ اپنا سر اٹھا کر ایک بھیانک تہقہہ لگاتی جیسے اسے وہ باتیں نظر آرہی ہوں جو اسے خوش کر رہی ہوں لیکن زولو سپاہی خوش نہ تھے کیونکہ انھوں نے انکو سا زمانہ کے وہ الفاظ سنے تھے جو اس نے مافوقی میں ایک جھوٹری کی چھت پر کھڑے ہو کر کہے تھے کہ اب ان پر عذاب نازل ہونے والا ہے کیونکہ اب انکو سا زمانہ زولوؤں کے درمیان خون آگیا ہے۔ چنانچہ زولو اس خیال سے اسے کہہ رہے تھے کہ انکو سا زمانہ ان کی قسمتی پر نہیں رہی ہے ان مصائب پر نہیں رہا ہے جو ان پر نازل ہو چکے ہیں اور ان مصائب پر نہیں رہی ہے جو ان پر نازل ہونے والے ہیں۔

دوپہر کے وقت ان لوگوں نے ایک جگہ قیام کر دیا اور ریکل نے اس وقت بھی سکھ ہو کر کھایا کیونکہ اب اس کا دماغ چل گیا تھا چنانچہ اس کا جسم غذا طلب کر رہا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ لوگ آگے بڑھے اور دریائے یانیلہ کے کنارے پہنچ گئے جو زیادہ زور نہ تھا۔ دریا گزشتہ رات کی بارش کی وجہ سے چڑھا ہوا تھا اور اسے عبور کرنا ممکن نہ رہا تھا اس لئے انھوں نے وہیں قیام کر دینے کا فیصلہ کر لیا اور کہنے لگے کہ اس سفر میں ہر بات ان کے خلاف ثابت ہو رہی ہے جیسی کہ توقع تھی اور یہ کہ اگر انھوں نے مافوقی والوں کا تعاقب کیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ ہر حال حالات یہ تھے اور بدتر ہونے والے تھے کیونکہ جب وہ انکو سا زمانہ کی جھوٹری کے لیے درختوں کی ٹہنیاں اور جھاڑیاں اور گھاس کاٹ رہے تھے تو ریکل خالی خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یکایک وہ پیٹی اور دیوانوں کی طرح قہقہے لگاتی زور دھور سے ہتھے اور کھٹ اچھالتے ہوئے دریا کی طرف بھاگی۔ لب دریا پہنچ کر اس نے اپنا بالائی جنہ اتار کھینکا اور اس سے پہلے کہ زولو کچھ سمجھ سکے وہ دریا میں اتر چکی تھی اور آگے

بڑھ رہی تھی۔ وہ آگے بڑھتی رہی یہاں تک کہ منجد عمار میں پہنچ گئی اور تیز دھارے نے اس کے قدم اکھاڑ دیئے۔ فوج کا ہر سپاہی خوف اور مایوسی کے عالم میں چیخ اٹھا لیکن ریچل اپنے اطمینان سے تیرنے لگی وہ دوسرے کنارے کی طرف تیر رہی تھی لیکن تیز دھارے سے اپنے ساتھ گھسیٹ رہا تھا۔ ایک ایک مایوسہ نے، جو اس خوف سے پاگل ہو رہا تھا کہ کہیں ریچل غرق نہ ہو جائے، چیخ کر کہا:-

”ہاں انکو سزا نہ جائے ہمیں بھی جانا ہے خواہ موت کی طرف ہی کیوں نہ جا رہی ہو۔“
”بے شک، بے شک“ سپاہیوں نے کہا۔

اور ہر سپاہی نے اپنے قریب کھڑے ہوئے دوسرے سپاہی کی کمر میں ہاتھ ڈال کے اس مضبوطی سے پکڑ لیا اور یکے بعد دیگرے وہ دریا میں اس امید پر اتر پڑے کہ اس طرح وہ ایک سے دوسرے ساحل تک انسانی پل بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اس عرصے میں ریچل بڑی تیزی اور قوت سے دوسرے ساحل کی طرف تیر رہی تھی۔ دیوانگی کی وجہ سے اس کے جسم میں جبرت انگیز قوت آگئی تھی۔ بار بار گزرے پانی کی موجیں اس کے سر پر سے گزر جاتیں اور زرد لو اس خوف سے چیخ اٹھتے کہ وہ غرق ہو گئی ہے۔ لیکن ہر دفعہ اس کا منہرے بالوں والا سر سطح آب پر نمودار ہو جاتا۔ کسی درخت کا تنا تیرتا ہوا سیدھا ریچل کی طرف آیا۔ وہ غوطہ مار گئی۔ ساتھ ہی تیز دھارے نے اسے گھسیٹ کے ایک ابھری ہوئی چٹان پر دے مارا لیکن وہ سنبھل کے پھر تیرنے لگی اور زرد لو خوشی سے چلا اٹھے کیونکہ انھوں نے دیکھا کہ ریچل اب تیر رہی تھی بلکہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دوسرے کنارے کی طرف بڑھ رہی تھی یہاں تک کہ وہ کنارے پر چڑھ گئی اور اب وہ وہاں کھڑی اس فانی زنجیر کی طرف دیکھ رہی تھی جس کا ایک سر ایچ منجد عمار میں پہنچ چکا تھا۔ ریچل کو یہ احساس ہی نہ تھا کہ وہ کسی خطرے سے گزر کر آئی تھی اور اسے یہ بھی احساس نہ تھا کہ اس کے سر پر اور سینے سے پانی ٹپک رہا تھا۔

”جو کام ایک عورت کر سکتی ہے وہ ہم بھی کر سکتے ہیں“ چند سپاہیوں نے کہا۔
 ”وہ عورت نہیں بلکہ روح ہے“ دوسروں نے جواب دیا ”حتیٰ کہ موت بھی اس کا خاتمہ
 نہیں کر سکتی۔“

اب اس انسانی زنجیر کا سرا سجدہ ہمارے میں تھا اور یکا یک سرے پر کے زولوؤں
 کے قدم اکٹھے گئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ لوگ اپنے ساتھیوں کی گرفت سے کبھی جھوٹ گئے
 اور اکثر غرق ہو گئے کیونکہ تیرنا نہ جانتے تھے۔ تین دفعہ ایسا ہی ہوا یہاں تک کہ ماہر
 پیرا کیوں کو آگے بھیجا گیا اور یہ لوگ ریکل کی طرح تیر کر بہر حال دوسرے کنارے پر
 پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور اب ایک سے دوسرے کنارے تک ایک انسانی زنجیر پل
 تیار تھا جس کا درمیانی حصہ تیر رہا تھا اور پانی کے دباؤ سے ایک طرف جھکا ہوا تھا۔

چنانچہ اس انسانی رستے کو بکڑ کے اور اس کا سہارا لے کر رجسٹری کے بعد دیگرے
 دریا عبور کرنے لگیں لیکن ہوا یہ کہ آخر کار یہ انسانی زنجیر پانی کے دباؤ اور دریا عبور کرنے
 والوں کے بوجھ کو برداشت نہ کر سکی اور عین سچ میں سے ٹوٹ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت
 سے سپاہی بہ گئے اور پھر کسی نے انھیں نہ دیکھا۔ تاہم بار بار کی کوششوں کے بعد بقیہ فوج
 دوسرے کنارے پر پہنچ گئی البتہ زخمی، چند نوجوان جو زخموں کی دیکھ بھال کر رہے
 تھے اور مولشی جہاں تھے وہیں رہے۔ اور اب ان بہادر سپاہیوں کا رستہ سانپ کی طرح
 مل کھاتا ہوا اور ان تھک کوشش کرنا ہوا آخر کار دوسرے کنارے پر چڑھ آیا اور ہر
 سپاہی نے کف آلود پانی سے باہر آتے ہی انگلیوں سے ان کو سلام کیا۔

بہت سے غرق ہو چکے تھے اور بہت سے زیر آب پتھروں سے ٹکرا کر زخمی ہو چکے
 تھے لیکن زولوؤں نے اپنے اس نقصان کی اور اپنے زخموں کی کچھ پروا نہ کی کیونکہ وہ محفوظ تھے
 جو ان کی زبوری تھی اگر وہ اسے نہ بچا سکے ہوتے تو پھر زولو قبیلہ کا سر ہمیشہ شرم و خجالت سے
 جھکا رہتا۔ ریکل ایک طرف خاموش کھڑی تاہم دوسرا اور دوسرے انسروں کی طرف

ذمہ داری رہی جو مرنے والوں کی تعداد معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور جب انہوں نے اپنی کوششوں کا نتیجہ ریکچل کے سامنے پیش کیا تو اس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے گھڑی بھر کے لیے رحم و ہمدردی کے جذبات عیاں ہو گئے۔

”اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ ان کا خون میری گردن پر نہیں ہے“ وہ چلائی ”انکو سازانہ اور زولوڈوں کے درمیان خون ہے اور خون کا بدلہ خون ہی ہے“ اور اس نے ہتھوڑہ لگایا۔ وہی پاگل پن کا بھیانک ہتھوڑہ۔

”سچ کہا۔ سچ کہا۔ اور یہی الزام بھی ہے“ تاہم سانس بڑی سنجیدگی سے جواب دیا ”ہمیں اپنے کئے کی سزا ملنی ہی چاہیے۔ جس طرح کہ ابو بوسی اپنے گناہوں کی سزا پا چکا“ اب چونکہ آگے سفر کرنا ممکن نہ رہا تھا اس لیے انہوں نے انکو سازانہ کے لیے ایک جھوٹری تعمیر کی اور ایک زبردست الاؤ روشن کیا اور اس الاؤ کے قریب ریکچل نے بیٹھ کر اپنے کپڑے سکھائے۔

زولوڈوں نے بھی اپنے لیے چھوٹے چھوٹے الاؤ جلا لیے اور بہت سے لوگوں کو قریب ہی کراؤں کی طرف دھڑا دیا کہ وہ کھانا لے آئیں اور کراؤں سے کہیں کو انکو سازانہ کی خدمت کے لیے فوراً چند لڑکیوں کو بھیج دیا اور افسر ذی بیٹیلے پر جا پڑھے کہ نقادوں کے ذریعہ حالیہ تباہی کی نحوس خبر شاہی کراؤں تک پہنچا دیں۔

اٹھارھواں باب

خوابوں کے شکاری

اس رات زردلوؤں اور ریکل نے دریا کے کنارے ہی قیام کر دیا اور کوئی خاص واقعہ نہ ہوا سزا اس کہ دو سپاہیوں کو شیر اٹھالے گئے، دو زخمی رات کے کسی حصے میں مر گئے اور چند بیمار ہو گئے۔ دوسرے دن تریبی کرالوں سے بہت سا کھانا اور انگوٹا زانہ کی خدمت کے لیے اعلیٰ خاندانوں کی لڑکیاں بھی آگئیں۔

لیکن ریکل کو نہ تو ان لڑکیوں سے کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی اسے ان کی ضرورت تھی چنانچہ جب وہ اس کے پاس پہنچی ہیں تو ریکل نے صرف یہ کہا:۔
”سیاہی کی بیٹی نوئی کہاں ہے؟ مجھے نوئی کے پاس لے چلو۔“

چنانچہ زردلوؤں نے پھر کوج کر دیا۔ ریکل حسب معمول مسلح سپاہیوں کے درمیان چل رہی تھی۔ اسی رات انھوں نے ایک کرال کے قریب اور ایک ٹیلے کی چوٹی پر قیام کر دیا۔ اور وہاں ڈنگان کے سیفر آئے اور انھوں نے ریکل کو بادشاہ کا عاجزانہ پیغام سنایا اور وہ کچھ سمجھے بغیر سنتی رہی اور جب وہ خاموش ہوئے تو ریکل نے اپنے بھیانک قہقہے سے انھیں خوف زدہ کر دیا۔ یہ پیغامبر بادشاہ کی طرف سے انگوٹا زانہ کے لیے ایک شہنشاہی لائے تھے۔ یہ ایک سفید چغہ تھا اسی لیے نادر تھا کہ سفید بندر کی کھال کا بنا ہوا تھا اور سفید بندر تقریباً ناپید ہیں۔ یہ چغہ ریکل نے لے کر بہن دیا کیونکہ کم سے کم اتنا تو اسے ہوش تھا اور یہ تو وہ سمجھ سکتی تھی کہ اس کے کپڑے جھیر جھیر ہو رہے تھے۔

دوسرے دن وہ ایک زرخیز علاقے میں سے گزر رہے تھے جہاں سکئی کے کھیت ہلہار رہے تھے اور یہاں انھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا ان کی پشت کی طرف افق پر سے ایک سیاہ بادل

سا اٹھا جو بڑی تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ فوراً ہی اس بادل کا سمجھتا حل ہو گیا۔ یہ بادل نہیں بلکہ ٹڈی ہی دل تھا۔ ہزاروں لاکھوں نہیں کروڑوں ٹڈی کھیتوں پر ٹوٹ پڑے اور غلے اور رہ اس چیز کو جو سری تھی، نگل گئے۔ چند منٹوں بعد ہی کھیتوں اور میدانوں میں جڑوں اور ننگے رخنوں کے علاوہ کچھ نہ تھا اور اس علاقہ کی عورتیں اپنے بال نوچتی، روتی اور سینہ کو بیٹھتی دیوانوں کی طرح ادھر ادھر دوڑ رہی تھیں کیونکہ جانتی تھیں کہ اب آئندہ موسم سرما میں نہ اور ان کے بچے بھوکوں مر س گئے اور مویشی ادھر ادھر آوارہ اور ڈاکراٹے ہوئے پھر رہے تھے کیونکہ ٹڈوں نے گھاس کے میدان اور چراگا ہیں بھی صاف کر دی تھیں۔ بات صرف یہیں ختم نہ ہو گئی بلکہ ان کیٹروں نے آنا بہت سا کھا لیا تھا کہ اب یہ ٹڈی سے لاکھوں کی تعداد میں مرنے لگے اور جلد ہی نضا ان کے زہر سے سموع ہو گئی حتیٰ کہ پانی بھی ان کی ان گنت لاشوں سے زہر پلا ہو گیا۔ لوگ بیمار ہونے لگے اور یہ بیماری دبا میں تبدیل ہو گئی۔

اب اس علاقے کے لوگوں نے ایک دفعہ انکو سازانہ کی خدمت میں بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اپنا سراپا اٹھائے۔ ریحل خاموشی سے ان کی درخواست سن رہی اور جب وہ خاموش ہوئے تو ریحل نے وہی الفاظ ہرادیئے جو اس نے دریائے بے فیلو کے کنارے کھڑے ہو کر کہے تھے۔

”اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ ان کا خون سری گردن پر نہیں ہے۔ انکو سازانہ اور ان کے پرستاروں کے درمیان خون ہے۔ قحط جنگ اور موت۔۔۔ زولوؤں کے سر پر ہے۔ کیونکہ انھوں نے د و خون بہایا ہے جو مقدس تھا“

چنانچہ دند کے لوگ خود فرزدہ ہو کر رخصت ہوئے اور زولوؤں جو بھی روانہ ہو گئی اور ان کے پیچھے ٹڈی دل چلا جو ہر میدان، ہر کھیت اور ہر جنگل کو جاڑ رہا تھا۔

پوری پوری بستیوں کو ماتم کناں اور کھیتوں کو ویران چھوڑ کر آخر کار یہ فوج شاہی کراں میں پہنچ گئی اور ان کے ساتھ ٹڈی دل بھی پہونچا اور وہاں چونکہ گھاس اور کھیت نہ تھے

اس لیے ٹنڈی دل جھوٹریوں پر ٹوٹ پڑا اور ٹنڈے جھوٹریوں کی جھٹوں اور دیواروں کا گھاس پھوس ننگے لگے صرغ یہی نہیں بلکہ چرمی ڈھالیں اور لوگوں کے موچھے دنگوٹے، بھٹی ان سے محفوظ نہ رہ سکے۔ عجیب منظر تھا وہ کہ مرٹنڈوں کو دیوانوں کی طرح اپنے پیروں تلے روند رہے تھے اور جیتی ہوئی عورتیں اور چلاتے ہوئے بچے کراں کے راستوں پر دوڑ رہے تھے اور اپنے بدن پر سے اور بالوں میں سے ٹنڈوں کو جھٹک رہے تھے۔

چنانچہ یہ عالم تھا بڑے شاہی کراں کا کہ زور سپاہی ریکل کو اپنی حفاظت میں لے کر اس ٹیلے کی طرف چلے جس پر کھچلی دفعہ ریکل کا رچرڈ کی آمد تک قیام رہا تھا۔ آخر کار وہ لوگ وہاں پہنچ گئے اور ان عورتوں نے، جو کھچلی دفعہ اس کی خدمت پر معذور تھیں، خوشی کے فردن کے ساتھ اس کا استقبال کیا لیکن ریکل ان کی طرف متوجہ نہ ہوئی اور اس رات وہ اسی ٹیلے پر اور اسی جھوٹری میں سوئی کیونکہ سپاہیوں نے فوراً ہی بادشاہ کے پاس بے جانا مناسب نہ سمجھا کیونکہ ان کے خیال میں وہ بے حد تھکی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ خود بادشاہ بھی پہلے تاہوسا اور دوسرے لوگوں سے اس عجیب و غریب سفر اور ان پر جو کچھ بیتا پڑی تھی اس کی تمام تفصیلات معلوم کر لینا چاہتا تھا۔

دوسرے دن صبح ریکل اس تالاب کے قریب بیٹھی ہوئی تھی، جس کے کنارے بیٹھ کر اس نے کبھی رچرڈ کی آمد کا خواب دیکھا تھا، کہ تاہوسا چن۔ سپاہیوں کے ساتھ آگیا کہ اسے ڈنگان کے پاس لے جائے۔ جب تاہوسا نے یہ درخواست ریکل کے سامنے پیش کی تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اٹھ کھڑی ہوئی لیکن اس ٹورلی میں سوار نہ ہوئی جو اس کے لیے لائی گئی تھی بلکہ وہ سپاہیوں سے چند قدم آگے "اسٹو کو لو (شاہی محلات) کی طرف پیدل ہی چلی پڑی اور ان راستوں پر سے گزرنے لگی جو زندہ اور مردہ ٹنڈوں سے بے پڑے تھے اور نہراڑوں زوروا قرام خوف بھری نظروں سے گزرتے دیکھ رہے تھے۔ اور وہاں اپنے مشیروں اور انسروں کے جھرمٹ میں اور اپنے بڑے جھوٹری کے

سائے میں ڈنگان بیٹھا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے اٹھ کر ریکل کو شاہی سلام کیا۔ وہ آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھی۔ وہ پہلے سے زیادہ حسین معلوم ہو رہی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ اس کے لیے ایک تپائی رکھ دی گئی اور وہ اس پر بیٹھ کر خالی خالی نظروں سے زمین کی طرف دیکھنے لگی۔ چونکہ وہ خاموش تھی اس سائے ڈنگان نے، جو بے حد اس اور خمرہ کھا، تابوسا سے کہا کہ وہ شیریں کے سامنے حالیہ غمناک واقعات کی تفصیلات بیان کرے۔

اور تابوسا نے دریا سے تو گیلٹاک کے سفر کے حالات بیان کیے اور بتایا کہ ابو بوسی کی روانگی کے چند گھنٹوں بعد ہی کسی طرح سفید فام سردار دارو اور انکو سازانہ دریا عبور کر گئے اور یہ انکو سازانہ اسے حکم دے گئی کہ وہ اکیلے ہی سفید بیل پر سامان لا کر رہا ہینچ جائے۔ اس نے بتایا کہ اس نے اس حکم کی تعمیل کی اور رہا ہینچ کر اس نے دیکھا کہ مستقر کے ایک کمرے میں سفید فام انتہائی اور اس کی بیوی مردہ پڑے ہوئے تھے اور اسی کمرے میں ایک زولو سپاہی کی بھی لاش پڑی ہوئی تھی اور یہ زولو ان سپاہیوں میں سے ایک تھا جنہیں ابو بوسی کے ساتھ بھیجا گیا تھا اور باغ میں ابو بوسی کے آدمیوں میں سے ایک شخص بڑا ہوا تھا جو مرد ہاتھ اور اس شخص نے مرنے سے پہلے تابوسا کو بتایا کہ کس طرح ابو بوسی انکو سازانہ اور سفید فام سردار دارو پر کھڑے ہوئے تھا کہ اسے کیا۔ اب تابوسا نے یہ بیان کیا کہ وہ کس طرح مافوقی کے قریب پہنچا اور یہ کہ اس نے ایک چرواہے کی زبانی ابو بوسی کو کیا پیغام بھجوایا۔ آخر میں اس نے کہا کہ وہ کسی طرح، گویا اسے پرنگ گئے ہوں زولینڈ پہنچا اور چونکہ وہ رحمت جو انکو سازانہ کے ساتھ بھیجی گئی تھی، اب تک دریا کے کنارے پر ہی پڑا ڈھالے ہوئے تھی چنانچہ وہ اس رحمت کو لے کر مافوقی پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا اور مافوقی میں داخل ہو کر دیکھا کہ وہاں کے لوگ اسے خالی کر گئے تھے۔

اور جب وہ یہ بیان کر رہا تھا کہ کس طرح انھوں نے کھلی کی روشنی میں انکو سازانہ کو ایک

جھونپڑی کی چھت پر کھڑے دیکھا، کس طرح انھوں نے وحشی درندے ابو بوسی کو گرفتار کیا، کس طرح انھیں معلوم ہوا کہ انکو سازانہ کی روح رخصت ہو گئی ہے اور بھٹک رہی ہے، انکو سازانہ نے کیا خوفناک الفاظ کہے اور یہ کہ مافوقی کس طرح جل کے راکھ ہو گیا اور ابو بوسی کس طرح جل کے مر گیا۔ تاہو ساری تفصیلات بیان کر رہا تھا اور تمام لوگ خاموشی سے سن رہے تھے۔ وہ سن رہے تھے کہ واپسی کے سفر میں کس طرح زولودوں کے بعد دیگرے مصائب نازل ہوئے، کئی زولود مافوقی میں جل مرے، کئی دریا میں غرق ہو گئے، ٹڈی دل نے پہاڑی کھیت اجاڑ دیئے اور ان کے مرنے سے وہاں پھیل گئی۔

تاہو ساخا موش ہوا تو چند لوگوں کو ڈنگان کے سامنے لایا گیا۔ ان لوگوں کی شکایات کسی ہوئی تھیں۔ یہ اسی رجسٹ کے انسرتھے جو ابو بوسی کے ساتھ بھی گئی تھی اور ان لوگوں میں سے تھے جن کے ہاتھوں یا جن کے سبب جو ہاں اور اس کی بیوی کی موت واقع ہوئی تھی۔

بادشاہ نے حکم دیا اور ان لوگوں نے بھی اپنی کہانی سنا دی اور کہا کہ وہ سفید نام چھیننے والے کی جان لینا نہ چاہتے تھے اور یہ کہ انھوں نے جو کچھ کیا ابو بوسی کے حکم سے کیا اور انھوں نے کہا کہ انھیں اس کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر معاملے میں ابو بوسی کے حکم کی تعمیل کریں اور یہ کہ یہ انھیں اب معلوم ہوا ہے کہ ابو بوسی نے انکو سازانہ کو گرفتار کرنے کا منصوبہ گڑھا تھا اور اسی منصوبے کے تحت وہ احکامات صادر کر رہا تھا جب وہ لوگ اپنی کہانی سنا چکے تو ڈنگان اٹھا اور غصے میں ان لوگوں پر برس پڑا کیونکہ انہی کے کرتوتوں کی وجہ سے انکو سازانہ کی روح رخصت ہو گئی تھی اور اس نے زولودوں کو سراپ دیا تھا جو اب اپنا کام کرنے لگا تھا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ ان سب کو لے جایا جائے اور اذیت دے دے کہ انھیں مار ڈالا جائے اور ان انسرو کو بھی قتل کر دیا جائے جنھوں نے مافوقی دالوں کو قتل نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

ڈنگان کے اس حکم کے ساتھ ہی جلاد دوڑے آئے، ان لوگوں کو پیر کر مقتل کی طرف لے جائیں۔ اور اس وقت ریکل نے، جو اس تمام عرصے میں سر جھکائے خاموش بیٹھا رہی

نقعی، اپنا سراٹھایا اور اب پہلی دفعہ اس نے اپنی زبان کھولی۔

”ان لوگوں کو چھوڑ دو، آزاد کر دو انھیں۔ اس نے تھکنا نہ پہنچے میں کہا“ انتقام اوپر سے نازل ہو گا اور مسلسل نازل ہو گا۔ نہیں۔ نہیں۔ ان لوگوں کا خون میری گردن پر نہ ہو گا جنہوں نے انکو سازانہ کی روح کہہ سکتا کر دیا ہے۔ کون تھا وہ جس نے فوج رماہ کی طرف بھیجی تھی اور کیا کرنے لگی تھی یہ فوج وہاں اور کیا سلوک کیا گیا ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے مجھے جہنم دیا تھا؟ قصور کس کا ہے؟ ہاں کس کا ہے؟ جب آقا کا حکم ہو تو پھر کتوں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ تمکا تلاش کر کے اس کا خاتمہ کر دیں ان لوگوں کو چھوڑ دو مبادا انکو سازاں اور زولوؤں کے درمیان مزید خون حائل ہو جائے“

دنگان نے جب یہ الفاظ سنے جو عجیب مانتی آواز میں کہے گئے تھے، تو وہ کانپ گیا کیونکہ وہ آقا خود وہی تھا جس نے اپنے کتوں کو تمکا تلاش کرنے کا حکم دیا تھا۔

”چھوڑ دو ان لوگوں کو“ اس نے کہا۔ اور یہ لوگ پھر کبھی یہاں نہ دیکھے جائیں۔

چنانچہ یہ لوگ انکو سازانہ کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے چلے گئے اور پھر کبھی زولو لینڈ میں نہ دیکھے گئے۔ جب یہ لوگ دروازے میں سے باہر نکل رہے تھے تو دوسرے لوگ اندر داخل ہو رہے تھے جو بھوکے حلوم ہوتے تھے اور ان کی پسلیاں ابھرائی تھیں اور انھوں نے اپنے ہاتھوں میں ڈھالوں کے ڈھانچے اٹھا رکھے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ان ڈھالوں کو چڑھوں نے کتر لیا ہو انھوں نے مری ہوئی کمزور آواز میں بادشاہ کو سلام کیا اور زمین پر پھسکڑا مار کر بیٹھ گئے۔

”کون ہیں یہ بڑھاپے جنہوں نے بلا اجازت ہمارے دربار میں داخل ہونے کی جرات کی ہے؟ دنگان نے غصے سے پھنکار کر پوچھا۔

”بادشاہ!“ ان کے سردار نے جواب دیا ”ہم لوگ بربا جیے، نووہ انگے اندر اسانگو جنٹوں کے انسر ہیں۔ بادشاہ نے ہمیں سردار مادو کو اور اس کے قبیلے پر جو انتہائی جنوب کی وادی میں آباد ہے، مانت کر کے یہ بھیجا تھا۔ بادشاہ! ہم اس سردار کو نہ پاسکے کیونکہ وہ فرار ہو گیا کشتیوں

میں بیٹھ کر فرار ہو گیا۔ ہاں وہ بھی اور اس کے قبیلے والے بھی فرار ہو گئے۔ ہم لوگ نرسوں اور دادیوں میں پھنس گئے اور بھٹک گئے اور بار بار دشمن نے جو راستوں سے واقف تھا، ہم پر حملے کئے۔ اور ہم سے بہت سے لوگ دلدلوں میں ڈوب گئے۔

”اور پھر ہمیں کھانے کو کچھ نہ ملا، اسی افسر نے کہا: چنانچہ ہم نے ڈھالیں چبا چبا کر پیٹ کی آگ بجھانی چنانچہ ہمارے سینکڑوں آدمی مر گئے اور جتنے سپاہی گئے تھے ان میں سے صرف دو سو دس زندہ بچ پائے ہیں۔“

”ڈنگان یہ تفصیلات سن کے کراہ اٹھا کیونکہ اس کے بازو شکستہ ہو گئے تھے اور اس کی تین بہترین رجنٹیں تباہ ہو گئی تھیں۔ لیکن ریحل نے قہقہہ لگایا۔ ایسا بھیانک قہقہہ کہ اسے منہ والے کانپ کانپ اٹھے۔

”ہمیں کہا تھا میں نے“ دوبولی“ کہ انتقام آسمان سے نازل ہو گا اور مسلسل نازل ہو گا کیونکہ انکو سزا دینا اور زلوٹوں کے درمیان خون آگیا ہے؟“

”ذاتی تمھارا سواپ بڑا ہے زوداثر ہے“ ڈنگان نے کہا اور بھوکے افسروں کی طرف متوجہ ہو کر دھاڑا: ”بھاگ جاؤ یہاں سے بھوکے چمبو ہو۔ بھاگ جاؤ بزدلو تم جنگ کرنا جانتے ہی نہیں۔ شکر کرو کہ کالا بام بھی (شنا کام) اس دنیا میں نہیں رہا ورنہ وہ تمھیں ڈھالوں کا چمڑا اس وقت تک کھلاتا جب تک کہ تم مرنے جاتے۔“

چنانچہ یہ افسر بھی چلے گئے۔

ابھی انھیں رخصت ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔

اجازت ملنے پر یہ شخص حاضر ہوا جو بے حد موٹا تھا اور بے تحاشا دور ہا تھا۔ ڈنگان اس شخص سے واقف تھا کیونکہ ہر ہفتے اور کئی مرتبہ تو ہفتے میں دو دفعہ وہ اس سے ملاقات کرتا تھا۔

”ماو! ہمارے موشیوں کے رکھوالے!“ ڈنگان نے کہا۔ ”کیا بات ہے کہ آج تم بے وقت ہمارے پاس آئے ہو؟“

”شاہ زونو! ما اونی جواب دیا“ میں بے وقت آنے کی معافی چاہتا ہوں۔ لیکن میں بری خبر لے کر آیا ہوں“

”بری خبر بہت جلد پہنچ جاتی ہے اور بری خبر لانے والا بہت تیز بھاگا ہے“ ڈنگان غرایا: خبر! اب ٹھوے بہانا بند کرو اور بتاؤ کہ کیا بات ہے؟“

”اے دشمنوں! کد کھا جانے والے“ ما اونی کہا: ”آج خود تم کھالے گئے۔“

”یہ کیا منہوس فال منہ سے نکالتا ہے“ ڈنگان گڑھا۔

”شاہی ریوڑ میں ایک رہا پھیل گئی۔ اس ریوڑ میں جس کا ہر جانور زندہ کی طرح سفید اور بن کے سینگ مڑے ہوئے اور خوبصورت تھے“ اور ما اونی خاموش ہو کر ایک ہچکی لی۔ ایک ہزار موشی مر گئے اور بہت سے بیمار پڑے ہیں وہ وقت دور نہیں جب اس ریوڑ کی ایک گائے بھی زندہ نہ ہوگی“

اور موٹا ما اونی پھوٹ پڑا۔

ادھر ڈنگان کے غم و غصے کا پار نہ رہا۔ وہ ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس بھگے کا، جو اس کے ہاتھ میں تھا، دستہ اتنے زور سے مارا کہ وہ چٹاخے سے ٹوٹ گیا۔

”بے وقوف موٹے گدھے“ ڈنگان گر جا۔ کیا کیا تم نے میرے موشیوں کو؟ بتاؤ ورنہ میں تمھاری گردن مار دوں گا کہ تم بھی نے موشیوں پر سحر کر دیا ہوگا۔“

”بادشاہ! موٹا ہونا تو کوئی گناہ نہیں“ موٹا ما اونی اپنی کھوپڑی سہلاتے ہوئے کہا: ”خصوصاً اس صورت میں جبکہ دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ موٹے لوگ موجود ہیں اور اس نے ڈنگان کی طرف دیکھا جو ما اونی سے بھی موٹا تھا“ اگر تمھارے موشی اب صرف ڈنگانوں منڈھنے کی کھال بن کر رہ گئے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔“

”اب تم مجھے جواب دو گے یا بھالے کے دوسرے سرے کا بھی مزا چکھنا چاہتے ہو؟“

ڈنگان نے بجائے کاٹوٹا ہوا دستہ کپڑے اس کا پھل ماد کے سینے کی طرف بڑھا دیا۔ بتاؤ کیا کر دیا تم نے سرے موشیوں کو؟

”ہیں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ بولا۔ اگر موشیوں نے گھاس کے بجائے سرے ہوئے ٹڈے کھالے اور پھر نہ سے کف اگل کر لیٹ گئے تو میں کیا کر سکتا تھا؟ اور موشی بھی ٹڈے نہ کھاتے تو کیا کرتے کیونکہ گھاس کی ایک ایک پتی پر سنیکڑوں ٹڈے بیٹھے ہوئے تھے قصور نہ میرا ہے اور نہ موشیوں کا اگر کسی کو قصور وار ٹھہرانا ہی ہے تو پھر آسمانوں کو ٹھہراؤ جنہیں تم نے یا کسی عیار ساحر نے اپنی کسی حرکت سے غصہ دلا دیا ہے زولو لیتا۔ میں پہلے تو کبھی ایسا واقعہ نہ ہوا تھا۔

ایک بار پھر ریکل نے وحشیانہ تہقیر لگا کر کہا:-

”نہیں کہا تھا میں نے ڈنگان کہ انتقام آسمان پر سے مسلسل نازل ہو گا؟ موسلا دھار بارش کی طرح بر سے گا؟ انتقام۔۔ بادشاہ سے، لوگوں سے، موشیوں سے، غلے سے، اور پورے ملک سے انتقام لیا جائے گا۔ ہاں۔ ہاں اس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑے گا انکو سازا کی روح اور قبیلہ آما زولو کے درمیان خون بہہ رہا ہے اور آما زولو وہ قبیلہ ہے جس سے کبھی انکو سازا نہ کو بہت محبت تھی۔“

”یہ سچ ہے۔۔ یہ سچ ہے اے سفید فام لیکن تم۔ الفاظ بار بار کیوں دہرا رہی ہو؟“ ڈنگان نے کراہتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ بے حد پریشان تھا۔ اس شخص کو چاہیے کہ کھانے سے کیا فائدہ جو اس کی فز میں بہر حال برداشت کرنے والا ہے؟ ماد! کہہ چکے یا اور بھی کچھ کہتا ہے؟

”صرف یہ بادشاہ ما اد نے کہا جواب بھی اپنی کھوپڑی سہلارہا تھا“ ارد گرد کے کرا لوں کی مڑبڑی اس دباؤ میں سر رہے ہیں اور کھڑی فصلیں تمام کی تمام ٹڈوں نے کھانی ہیں چنانچہ اب موسم ہر ما میں قحط کا سامنا ہو گا۔“

”کسچے مادہ“

”نہیں۔ اردگرد کے کراہوں سے خبر آتی ہے کہ وہاں بھی بادشاہ کے ریڈرز میں مکر پڑ گیا ہے اور وہ مویشی کسی دوسری دبا میں مر رہے ہیں اور یہ تو میں کہنا بھول ہی گیا کہ.....“

”اس شخص کو یہاں سے نکال باہر کر دو۔ ڈنگان گر جا“ اور رکھوالوں کو حکم دے دو کہ خود مادے مویشی ہمارے باڑے میں پہنچا دیئے جائیں کہ ہمارے مرے ہوئے جانوروں کی جگہ پُر ہو جائے۔

فوراً ہی چند لوگ با قسمت ماد کی طرف لپکے اور اُسے ڈنڈوں سے مار مار کے دروازے کی طرف دھکیلنے لگے۔ دروازہ کے قریب پہنچ کے ماد دربار کی طرف گھومنے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے چیخ کر کہا:-

”یہ سب بیکار ہے بادشاہ کیونکہ میرے بھی تمام مویشی مر چکے ہیں۔ چنانچہ تمہارے کاغذوں کو سنگوں اور کھردوں کے علاوہ اور کچھ نہ ملے گا کیونکہ کھالیں تو میں ڈھالیں بنانے والوں کے ہاتھ فروخت کر چکا“

اور لوگوں نے ماد کو باہر دھکیل دیا۔

ماد چلا گیا اور دربار کے میدان پر خاموشی مسلط ہو گئی۔ ہر شخص اس اور خاموش تھا اور بادشاہ اور اس کے مشیروں کے دل غم اور خوف سے بھرے ہوئے تھے اور وہ ریکل کی طرف دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ ریکل اور اس کے سراپ سے اور تباہی سے جو اس سراپ کی وجہ سے نازل ہوئی تھی، کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔ وہ لوگ ابھی خاموش ہی تھے اور ریکل کی طرف دیکھ ہی رہے تھے کہ ایک اور بیجا مہر دوڑتا ہوا دربار میں داخل ہوا۔ وہ بہت عجلت میں معلوم ہوتا تھا۔

”اس سے پہلے کہ یہ شخص کچھ کہے اس کی گردن اڑا دینا مناسب ہوگا“ ڈنگان نے کہا۔

کیوں کہ یہ بے وقوف بھی کوئی بری خبر ہی لے کر آیا ہوگا:-

”نہیں بادشاہ۔ نہیں“ آنے والے نے گھبرا کر جلدی سے کہا ”میں تو صرف یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ ایک دُعا آیا ہے اور باہر کھڑا ہے۔“

”دُعا آیا ہے! کہاں سے؟“ ڈنگان نے تدرے آگے کی طرف جھک کے پوچھا ”ابا بونا (بویڑوں) کی طرف سے؟“

”نہیں۔ یہ دُعا خوابوں کے شکاریوں کی ملکہ نے بھیجا ہے۔“

”خوابوں کے شکاری!۔“

”ہاں۔ جن کے پاس بادشاہ نے سیاہی کی مٹی خریدی تھی اور ایک پیغام کے ساتھ بھیجا تھا۔“
نوئی کا نام سنتے ہی رکھل نے سر اٹھایا اور اب اس وقت پہلی دفعہ اس کے بشرے سے وحشت کے آثار دور ہو گئے

”ہاں اب یاد“ ڈنگان نے کہا ”دُعا کو آنے دو۔“

خاموشی کا ایک طویل وقفہ رہا اور پھر دروازہ کھٹکا اور نوئی نمودار ہوئی جس نے سفید اور بے داغ لباس پہن رکھا تھا اور حالانکہ اس کے بشرے سے طویل سفر اور تھکن کی علامتیں عیاں تھیں تاہم وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ چار دیو قامت مرد تھے جن کے جسم پر ایک لنگوٹ کے سوائے اور کوئی لباس نہ تھا البتہ ان کے ہاتھوں میں پیتل کے بھاری کنگن تھے اور پیروں میں اسی دھات کی زربنی بیڑیاں بڑی ہوئی تھیں اور انھوں نے اپنے کانوں میں بھی بڑے بڑے حلقے پہن رکھے تھے۔ نوئی اور

اس کے محافظوں کے بعد تین ڈولیاں تھیں جن پر گھاس کے بنے ہوئے پردے پڑے ہوئے تھے جو گویا مضبوطی سے بند تھے ان ڈولیوں کو اٹھانے والے بھی نوئی کے محافظوں کی طرح ہی دیو قامت تھے اور اسی نسل سے تھے اور ان ڈولیوں کے بعد ایسے ہی دیو قامت سپاہیوں کا ایک محافظ دستہ تھا جو چپاس سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ یہ سراسر وحشی نظر آتا ہوا گروہ آگے بڑھا اور بادشاہ اور درباری حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگے کیوں کہ

پہلے کبھی انھوں نے ایسے بلند قامت لوگ نہ دیکھے تھے۔ دیوتا قامت ڈولی برداروں نے بادشاہ کے سامنے پہنچ کر دو لیاں آہستہ سے، بہت ہی آہستہ سے، زمین پر رکھ دیں اور گردنیں گھما کر اپنی بڑی اور گول آنکھوں سے پیچھے دیکھنے لگے کہ اب کیا حکم ہوتا ہے۔ جب یہ جلوس دربار میں داخل ہوا تھا تو یہ ریکل اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور اب وہ اور نوئی ایک دوسرے کے روبرو تھے۔ ایک لمحے تک وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر نوئی دوڑ کر ریکل کے قریب پہنچی، وہ گھٹنوں کے بل جھک گئی اور اس کے چنے کا دامن چومنے لگی لیکن ریکل نے جھک کر اسے اٹھایا اور اپنے سینے سے یون لگا لیا جیسے ایک ماں اپنے بچے کو سینے سے بھینچ لیتی ہے۔

”کیاں تمہیں بہن؟“ ریکل نے پوچھا۔ بہت انتظار کیا ہے میں نے تمہارا۔“
”تمہارے ہی کام سے تو لگی تھی زولا“ نوئی نے ریکل کے چہرے پر نظریں گاڑ کر جواب دیا۔
”تمہیں یاد نہیں؟“

”نہیں۔ مجھے کچھ یاد نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں نے تمہارا بہت انتظار کیا اور تمہیں بہت تلاش کیا۔ نوئی! اب میری روح بھٹک رہی ہے۔“

”ہاں خاتون۔ میرے لوگوں نے مجھ سے یہی کہا تھا۔ انھوں نے مجھے بہت سی لرز خیز باتیں بتائی ہیں کیونکہ وہ بہت دور تک دیکھ سکتے ہیں اور فاصلے ان کے سامنے سمٹ جاتے ہیں۔ میں نے ان کی باتوں کا یقین نہ کیا تھا لیکن اب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔ اطمینان رکھو زولا، خوابوں کے شکاری نئی تمہاری روح کو واپس لے آئیں گے البتہ اس کی تلاش میں تمہیں شاید ایک طویل سفر کرنا پڑے گا کیونکہ خوابوں کے شکاریوں کے ملک میں تمام روحیں بستی ہیں۔ اطمینان رکھو اور سنو۔“

”نوئی! تم ہو تو مجھے اطمینان ہی ہے۔“ ریکل نے کہا اور تپائی پر بیٹھ گئی البتہ نوئی کا ہاتھ بدستور اپنے ہاتھ میں لیے رہا۔

”وہ پیغامبر کہاں ہیں؟“ ڈنگان نے پوچھا۔ مجھے تو وہ کہیں نظر نہیں آرہے ہیں۔
”شاہ زور لود!“ نوئی نے کہا۔ ”وہ ظاہر ہوا چاہتے ہیں۔“

نوئی نے ایک دیوتا مت لوگوں کو، جو اس کے ساتھ آئے تھے، اشارہ کیا۔ چند دیوؤں نے آگے بڑھ کر دیویوں پر پڑے ہوئے گھاس کے پردے اٹھا دیے اور زور لود نے وہ لمبے دستوں والے اور بید کی کمانوں والے چھاتے کھول دیئے جو ان کے ہاتھوں میں تھے۔

”اب یہ کون سے ہتھیار ہیں؟“ ڈنگان نے چھاتوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ سیاہی کی مٹی! تم تو جانتی ہی ہو کہ کون بھی شخص بادشاہ کے حضور ہتھیار لے کر نہیں آ سکتا۔
”یہ وہ ہتھیار ہیں جن کے ذریعہ اپنے آپ کو دھوپ سے بچایا جاسکتا ہے، نوئی نے جواب دیا۔ اور میرے لوگوں کو دھوپ سے سخت نفرت ہے۔“

”اور وہ ساحر کون ہیں جو دھوپ سے نفرت کرتے ہیں؟“ برت زور ڈنگان نے پوچھا۔
اور پھر وہ فوراً ہی خاموش ہو گیا کیونکہ پہلی ڈول میں سے ایک چھوٹا سا آدمی نکل آیا۔ اس کا رنگ زرد تھا اس پیاز کے ڈنٹھل کی طرح زرد جو کسی اندھیرے غار میں اُگی ہوئی ہو۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی، آلودگی آنکھیں جیسی، تھیں اور وہ روشنی میں جھپک رہی تھیں جیسے اسے برداشت نہ کر سکتی ہوں، اس کے بال لانبے تھے جن کی زنگت پوری طرح دھندلا گئی تھی۔

اس عجیب و غریب شخص نے، جس کا قد بارہ سالہ لڑکے سے زیادہ نہ تھا، اور جس نے پیرتے پہن رکھے تھے، ڈولی سے نکل کر زمین پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک دیوتا کا حافظہ، جو چھاتا کھولے تیار کھڑا تھا۔ ڈولی میں سے نکلنے والے پر سایہ کرنے کے لیے اچھل کر آگے بڑھا لیکن اپنی عجلت یا شاید انارٹھی پن میں ڈولی کے ڈنڈے سے ٹکرا گیا اور سیدھا زرد اور چھوٹے آدمی پر آگرا، موخرانہ کر گرتے گرتے بچا، دیوتا مت نے زور لود کو

بچانے کی کوشش کی تو چھاتا اس کے ہاتھ چھوٹ گیا۔

زرد بونا بڑے غصے کے عالم میں چھاتا بردار دیو قامت کی طرف گھوم گیا اور ایک ہاتھ سے اپنے سر پر سایہ کر کے دوسرا ہاتھ چھاتا بردار کی طرف لہا کر دیا اور بید نہی اور تسکاری نما آواز میں، جو سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھی، کچھ کہنے لگا۔ اس پر وہ دیو قامت چھاتا بردار گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اپنا ماتھا پھوڑنے اور ناک رگڑنے لگا جیسے وہ رجم طلب کر رہا ہو۔ یہ عجیب منظر تھا کہ ایک دیو قامت شخص اس بونے کے سامنے ناک رگڑ رہا تھا جسے وہ چپکی میں مسل سکتا تھا۔

”نوئی! یہ بونا اس دیو کو قتل کر دینے کا حکم دے رہا ہے؟ ڈنگان نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

”نہیں بادشاہ!“ نوئی نے جواب دیا۔ ”کیونکہ ان لوگوں کو خون سے نفرت ہے۔ یہ کہہ رہا ہے کہ دیو قامت پہلے بھی کئی دنگت مافی کر چکا ہے۔ چنانچہ وہ اسے بددعا دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ شخص ٹہنی سے ٹوٹے ہوئے پتے کی طرح مرجھا جائے گا اور خشک ہو جائے گا اور اپنے گھر پہنچنے سے پہلے ہی مرجائے گا۔“

”اور یہ دیو واقعی مرجائے گا؟“ ڈنگان نے پھر پوچھا۔

”بے شک کیونکہ خوابوں کے تسکاری جسے بددعا دیتے ہیں وہ پھر بچ نہیں سکتا اس کے علاوہ اس دیو قامت کو ہزا ہی ہے اور یہی اس کی سزا ہے کیونکہ راستے میں کھانا حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنے ایک ساتھی کا خاتمہ کر دیا تھا۔“

”یہ تو واقعی بڑے خوفناک قسم کے لوگ ہیں۔“ ڈنگان نے کہا۔ ”بہر حال ان سے

کہہ دو کہ یہ مجھے بددعا نہ دیں ورنہ یہ اتنا بہت سا خون دیکھیں گے کہ پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ خوابوں کے تسکاریوں کے عظیم کاموں کو دھکیاں دینا حماقت ہے۔“ نوئی نے بڑی

سنجیدگی سے کہا: "کیونکہ یہ لوگ وہ باتیں بھی سن اور معلوم کر لیتے ہیں جنہیں بظاہر سمجھ نہیں سکتے۔"

"تب تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں" ڈنگان نے سہم کر کہا: "مجھے افسوس ہے کہ میں نے انہیں یہاں آنے کی تکلیف دی۔"

اس عرصے میں گستاخ دیوتا مت پیٹ کے بل رنگتا ہوا درمہٹ گیا تھا اور اس کی جگہ دوسرے دیو نے چھاتا سبھا لیا تھا اور اب وہ غصے میں بھرے ہوئے ہونے پر سایہ کئے ہوئے تھا اس کے علاوہ بقیہ دیو دیویوں میں سے دوسرے دیو نے نکل آئے تھے جو پہلے ہونے سے اس قدر متشابہ تھے کہ ان تینوں میں تمیز کرنا مشکل تھا۔ ان دونوں پر بھی دو دیو چھاتوں سے سایہ کئے ہوئے تھے چٹائیاں بچھا دی گئیں اور تینوں ہونے ان چٹائیوں پر رکھ کر ڈنگان کے سامنے بیٹھ گئے۔ یہاں ہم یہ بتا دیں کہ ریکل کی تپائی ڈنگان کے "تخت" کے عین سامنے تھی۔ تین دیوتا مت ہونوں کے پیچھے ایک ہاتھ میں چھاتا اٹھائے کھڑے تھے اور دوسرے ہاتھ سے ہونوں پر ان ٹہنیوں سے پکھا جھل رہے تھے جو ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ حالانکہ تینوں ٹہنیاں درخت سے جدا جانے کب توڑی گئی تھیں لیکن ان کے پتے اب بھی ہرے چمکدار اور تازہ تھے۔

ڈنگان اور اس کے مشیروں کی طرف ہونوں نے متوجہ ہونا ضروری نہ سمجھا البتہ وہ تینوں ریکل کی طرف غور اور دلچسپی سے دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک ہونے نے بڑبڑا کر اشارہ کیا۔ فوراً ہی ایک دیو آگے بڑھا اور اس نے چھاتا کھول کر ریکل پر سایہ کر دیا۔

"اے! یہ کیوں؟ ڈنگان نے پوچھا۔" انکو سازانہ چمکا دیا تو وہ نہیں کہ دھوپ سے ڈرتی ہو۔

"یہ سایہ انکو سازانہ پر اس لیے کیا گیا ہے" نوئی نے جواب دیا۔ "کہ خوابوں کے شکار دیوں

کے علم کے سائے میں بیٹھے اور اس کے دل کو ٹھنڈک حاصل ہو جو بدسلوکیوں اور زیادتیوں کی وجہ سے گرم ہو رہا ہے۔

”یہ بونا انکو سازانہ اور بدسلوکیوں کے متعلق کیا جانتا ہے؟ ڈنگان نے پوچھا۔ لیکن نوئی نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف کندھے اچکا دیئے۔

اب دوسرے بونے نے اشارہ کیا۔ نورانی چند دیوتا مت محافظ آگے بڑھے۔ یہ لوگ چوبی پیالے اٹھائے ہوئے تھے۔ پیالے چمکدار اور پالش شدہ تھے۔ تینوں بونوں کے سامنے ایک ایک پیالہ رکھ دیا گیا اور پھر توہنی میں سے پانی انڈیل کر ہر ایک پیالے کو نبال بھر دیا گیا۔

”نوئی! اگر یہ لوگ پیا سے ہیں تو میں شراب لانے کا حکم دوں“ ڈنگان نے کہا۔ ”ٹڈوس نے غلہ تو کھالیا ہے لیکن شراب نہیں پی۔ ان سے کہو کہ پانی پھینک دیں میں ان کے لیے شراب سنگھاتا ہوں۔“

”یہ پانی نہیں ہے بادشاہ بلکہ وہ شبنم ہے جو چند خاص درختوں پر سے سورج طلوع ہونے سے پہلے حاصل کی گئی ہے۔ نوئی نے جواب دیا۔“ اور بادشاہ یہ لوگ خود نہیں بلکہ ان کی روح پیا سہی ہے اور اسے علم کی پیاس ہے۔ اسی شبنم میں وہ حقیقت پڑھتے ہیں۔“

”اگر ایسا ہی ہے تو پھر انکو سازانہ اپنی لوگوں کے خاندان سے ہمہ گیری کیونکہ اس نے بھی سردار داریو کا حال تالاب کے پانی میں پڑھ لیا تھا۔“

”شاید ایسا ہی ہو بلکہ یہ حقیقت ہے کہ خوابوں کے شکاری اسے محارم کر لیں گے اور اس کا اعلان بھی کر دیں گے۔“

اور پھر خاموشی کا وقفہ رہا جو اس قدر طویل تھا کہ ڈنگان اور اس کے مشیر بے چینی سے پھلپھلہ بدلتے اور یوں محسوس کرنے لگے جیسے وہ بونے، خوابوں کے یہ شکاری اپنی خشاک

انگلیوں سے ان کے دلوں کے تاروں کو جھنجھار رہے ہوں۔ آخر تینوں بونوں نے اپنے جھریوں پڑے چہرے، جن کا رنگ تازگی کی وجہ سے نیم پختہ مکئی کے بالیوں کی طرح ہو رہا تھا، اوپر اٹھائے اور اپنی گول گول، آلو جیسی آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور پھر ایک ساتھ ان تینوں نے ایک دوسرے سے پوچھا:-
 ”تم کیا دیکھ رہے ہو کاہن؟“

اور غالباً ان کا اشارہ پا کر نوئی نے ان کے الفاظ کا ترجمہ ڈنگان کو سنا دیا۔
 اب اس بونے نے جو سب سے پہلے ڈولی میں سے باہر آیا تھا اور جس نے گستاخ چھاتے بڑا کو بدنامی تھی، اپنی پھٹکارانہ آواز میں کہنا شروع کیا:- نوئی ساتھ ساتھ ترجمہ کرتی جاتی تھی۔

”میں دو لڑکیوں کو دیکھ رہا ہوں جو اس کے مکان کے قریب کھڑی ہیں جو اس وقت چلتا ہے جب بیل اسے کھینچتے ہیں۔ ان لڑکیوں میں سے ایک کی جلد سیاہ ہے اور وہ لڑکی یہ ہے اور بونے نے ریکل کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں لڑکیاں اپنے سر کا ایک ایک بال ہوا میں پھینک رہی ہیں۔ کالا بال زمین پر آگرا ہے لیکن سنہری بال کو ایک روح نے اٹھا لیا ہے اور وہ اسے شمال کی طرف لیے جا رہی ہے اور یہ سیاہی کی روح ہے، اس سیاہی کی جے زولوں نے قتل کر دیا ہے۔ یہ روح اس بال کو شمال کی طرف لیے جا رہی ہے اور دیکھو اس نے یہ بال مادر شجر کی تنہیلی پر رکھ دیا ہے اور ساتھ ہی ایک پیغام بھی“ ہاں بیشک پیغام بھی“ بقیہ دونوں نے سر ہلا کر کہا

پھر ایک بونے نے اپنے چنے میں سے پتوں میں لپٹا ہوا ایک پکیٹ برآمد کیا اور نوئی کو اشارہ کیا کہ وہ یہ چھوٹا سا پکیٹ ریکل کو دیدے۔ نوئی نے اس حکم کی تعمیل کی تو اسی بونے نے کہا:-

”اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کی غیبی نظر ہے یا نہیں۔ سفید قاصد! بتاؤ تمہیں ان پتوں میں کیا نظر آتا ہے۔“

ریکل نے، جو یوں مٹھی ہوئی تھی جیسے نیند میں ہو، پیکٹ لے لیا اور اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا:-

”پتے۔ انکے اندر اور زیادہ پتے اور آخری پتے میں میرے سر کا بال ہے۔ ماں میں خود اپنے سر کا بال دیکھ رہی ہوں۔ بخوبی دیکھ رہی ہوں۔ لیکن اس میں تین گرہیں لگی ہوئی ہیں اور یہ تین گرہیں تین زبردست مصائب ہیں۔

”کھو لو اسے“ بونے نے نوئی سے کہا۔

نوئی نے وہ ریشہ کاٹ دیا جو پیکٹ پر لپٹا ہوا تھا اور پھر وہ پیکٹ کھولنے لگی تو یکے بعد دیگرے پتوں کی تہیں نکلتی اور کھلتی چلی گئیں۔ آخری پتے کو کھولا تو ایک سنہرا بال نظر آیا جس میں تین گرہیں پڑی ہوئی تھیں۔

نوئی نے یہ بال ریکل کے سر پر رکھ دیا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ اسی کا بال تھا اور اس نے یہ بال بادشاہ اور اس کے مشیروں کو دکھایا۔ وہ بال میں پڑی ہوئی گرہوں کی طرف حیرت سے دیکھتے رہے اور نوئی نے بال پتوں میں پیٹ کر بونے کو دیدیا۔

اور اب وہ بونا، جس نے سب سے پہلے اپنے پیالے میں تصویر دیکھ کر بال کا قصہ بیان کیا تھا، اس دوسرے بونے کی طرف گھوم گیا جو اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔

”تم کیا دیکھ رہے ہو کا من؟“ اس نے پوچھا۔

دوسرے بونے نے جھٹک کر پیالے میں بھرے ہوئے شفاف پانی میں دیکھا اور یوں گویا ہوا۔

”میں اس کراں کو دیکھ رہا ہوں۔ رات کا وقت ہے اور بادشاہ جو صاف منہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے مشیر، جو اس وقت بھی اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے ہیں ایک سفید قاصد سے باتیں کر رہے ہیں اس سفید قاصد کی آنکھوں میں عیارانہ چمک ہے اور اس کا چہرہ عقاب جیسا ہے۔“

اور اس کے ماتھے پر اور ایک ٹانگ پر زخم ہے۔ میں ان کے ہونٹوں کی حرکت سے ان کی باتیں سمجھ رہا ہوں۔ وہ ایک سودا گری کر رہا ہے اور یہ سودا ایک بوڑھے سفید فام مبلغ اور اس کی بیوی کو یہاں لانے کے متعلق ہے اور اب میں اس سفید فام کو بوڑھے مبلغ اور اس کی بیوی کے گھر میں دیکھ رہا ہوں۔ عیار آنکھوں والے سفید فام کے حکم سے زو لو مبلغ کو مار ڈالتے ہیں اور اس کی بیوی بستر میں ہی مرجاتی ہے اور اس سے پہلے کہ زو لو مبلغ کا خاتمہ کر دیں وہ ایک دھوئیں سے جو ایک تالی میں سے نکل آیا ہے ایک زو لو کو قتل کر دیتا ہے۔

بونے کے یہ الفاظ سن کے ڈنگان بے چینی سے پہلو بار لینے اور کراہنے لگا لیکن دوسرے بونے نے اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر تیسرے بونے سے پوچھا:-
”تم کیا دیکھ رہے ہو کاہن؟“

اس تیسرے بونے نے یوں کہنا شروع کیا:-

”میں اس سفید فام لڑکی کو ایک جھینپڑی کی چھت پر کھڑی دیکھ رہا ہوں اس کی روح رخصت ہو گئی ہے ہاں اس کے جسم سے نکل کر درختوں پر چلی گئی ہے۔ اس لڑکی کے ہاتھ میں ایک بھالا ہے اور نیچے زو لو اس سفید فام کو پکڑے کھڑے ہیں جس کی آنکھوں میں عیاری ہے۔ ہاں۔ میں سفید فام لڑکی کے ہونٹوں کی حرکت سے اس کی بات سمجھ رہا ہوں۔ وہ کہتی ہے کہ خون حائل ہے“ اور خون کا لفظ ادا کرتے وقت وہ کانپ گیا۔
ہاں۔ وہ کہہ رہی ہے کہ اس کے اور زو لوؤں کے درمیان خون حائل ہے۔ وہ زو لوؤں کی بدقسمتی کے متعلق پیشین گوئی کر رہی ہے۔ اور میں ان کی بدقسمتی دیکھ رہا ہوں بہت سے آگ میں جل مرے۔ بہت سے ایک دریا میں غرق ہو گئے اور میں دیکھ رہا ہوں بہت سے سوں کو دبا کے بھوت نے نگل لیا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ سفید فام کی روح ٹڈوں کو بلاتی ہے اور ان کے دل بادل چلے آ رہے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ان ٹڈوں نے

فصلیں تباہ کر دیں اور خود مر گئے، لیکن مولینہوں میں وہ با پھیل گئے اور اب میں ایک دھندلی شبیہ کو قضا میں بیٹھتا ہوں اور اسی طرف آتے دیکھ رہا ہوں۔ ہاں دیکھو اسی شبیہ کا سر صرف نیکی کھوپڑی ہے اور سنوں اسی کا نام — قحط ہے۔

تیسرا بونا خاموش ہوا تو اب تمینوں نے آگے کی طرف جھٹک گئے اور ایک ساتھ انہوں نے اپنے پیالے زمین پر اوندھا دیئے اور ایک زبان ہو کر کہا۔

”اے زمین اے زمین اپنی بے اور گواہ رہ کہ اس پانی میں ہم نے کیا دیکھا۔“

ادھر بادشاہ اور اس کے مشروں کا عجیب حال تھا۔ وہ حیرت اور پریشان سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے کیونکہ زرد لینڈ میں بھی بڑے بڑے دج ڈاکٹر تھے لیکن ان دونوں جیسے زبردست دج ڈاکٹر انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ ڈنگان نے سر جھٹک لیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا اور پھر اس نے سر اٹھا کر ایک قہقہہ لگایا اور اس کی توند میں مدد جزو سا پیدا ہو گیا۔

”چھوٹے آدمیو! بڑے عمدہ شعبہ باز ہو تم لوگ“ وہ بولا ”تمہارے یہ دیوانہ محافظ یہ ٹہنیاں جو اب تک ہری ہیں، یہ جھوپڑی جو سایہ کرنے کے لئے کھولی اور بند کی جاسکتی ہیں اور تمہارے یہ چوٹی جھکدار پیالے — یہ سب چیزیں بے حد مریب کس ہیں لیکن یہ سب شعبہ بازی سے کہہ نہ سکتے نوئی یا کسی اور سے تم نے ماضی کے حالات معلوم کر لئے اور انہیں ہمارے سامنے دہرایا اگر تم واقعی ایسے ہی زبردست ماسٹر ہو جیسا کہ اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہو تو انکو سازانہ نے جو الفاظ کہے تھے ان کا مسئلہ حل کر دو اور بتاؤ کہ الفاظ کا مطلب کیا ہے اس کے ان الفاظ کا جواب تم مجھے اپنے پیالوں میں دکھا دو ورنہ پھر بھاگ جاؤ یہاں سے کیونکہ تم دھوکے باز اور جھوٹے ہو اور ہاں تم تمینوں اپنے نام بھی ہم کو بتا دو۔“

نوئی نے ڈنگان کے ان الفاظ کا ترجمہ انہیں سنایا تو تمینوں نے کو لھوں کے بل کھسکتے ایک چھاتے تلے آگئے اور آپس میں مشورہ کرنے کے بعد اسی طرح کو لھے گھستے پھر اپنے اپنے

چھاتے تلے چلے گئے اور اب پہلے بونے نے جس نے گستاخ دیو قامت کو بددعا دی تھی، کہا۔

”زدلوؤں کے بادشاہ! میرا نام ایدو ہے۔ یہ جو میرے دائیں طرف بیٹھا ہوا ہے، یونی

ہے اور یہ جو میرے بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے ہانا ہے۔ ہم مادر شجر کے نام لیوا ہیں اور ہم بھوک

لوگوں کے، خوابوں کے شکاریوں کے کاہن اعظم ہیں۔ اور اے بادشاہ ہم تمہاری

طرح آتھیا روں کے بل بوتے پر نہیں بلکہ اپنے علم اور اپنے خوابوں کے ذریعہ

حکومت کرتے ہیں۔ ہم خوابوں کے سب سے بڑے شکاری بلکہ یوں کہو کہ خوابوں کے

بادشاہ ہیں اور خوابوں کے شکاری ہمارا حکم مانتے ہیں۔ ہم لوگ مردوں کے آقا اور دلوں

کا حال پڑھنے والے ہیں۔ اے بادشاہ یہ ہیں ہمارے نام اور یہ ہیں ہمارے القاب

ہم یہاں اس لئے آئے ہیں کہ تم نے اس لڑکی کو پیغامبر بنا کے بھیجا تھا جو ہم میں سے ہے

اور اسی لڑکی نے مادر شجر کے کان میں ایک حیرت انگیز کہانی کہی اس کی کہانی جس سے

ہم واقف تو تھے لیکن جسے دیکھنے کی آزد تھی اور انھوں نے ریچل کی طرف اشارہ کیا

جو تپائی پر بیٹھی ہوئی تھی ”ہم تمہارا مسئلہ حل کر دیں گے بادشاہ لیکن پہلے ہمارا معاوضہ

ملے ہو جائے۔“

”کیا معاوضہ چاہتے ہو تم اے خوابوں کے شکاری؟“ ڈنگان نے پوچھا ”موتی تو

اب ہمارے یہاں بہت کم رہ گئے ہیں رہی بیویاں تو تمہارے کس کام کی کیونکہ میں نہیں

سمجھتا کہ تم انھیں استعمال کر سکو۔ تو پھر کیا چاہتے ہو تم جو میں دے سکوں؟“

چند لمحوں تک تینوں بونے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر ایدو

نے اپنا خشک ٹہنی جیسا ہاتھ جس کی انگلیوں کے ناخن گندے اور لائے تھے

ریچل کی طرف اٹھا دیا۔

”ہم اس کو چاہتے ہیں۔“ وہ بولا ”کیونکہ ہمارے خیال میں اس کی روح

ہمارے ملک میں آکر مقیم ہوگئی ہے۔ ہاں۔ ہم اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں یہاں اس

کا جسم دید کہ ہم اس جسم اور اس کی روح کا ملاپ کرا دیں۔
مشیر یہ سن کر آپس میں کاننا پھو سی کرنے لگے لیکن ڈنگان نے کہا:-

”ایک دن وہ بھی تھا کہ ہم اس سفید فام کو یہاں لانے اور یہاں کھنے کے لئے بیتاب
بمقرر تھے کیونکہ اس کے جسم میں ہماری دیوی کی روح تھی۔ لیکن حالات بڑھا کھائے اور
اس نے ہمیں بد دعائیں دیں۔ اگر جسم اور روح مل جائیں تو بہت ممکن ہے ہمارے
سردوں پر سے اس کا سراپا ہٹ جائے۔ اس کے باوجود ہم اسے تمھارے حوالے کرتے
کی جرأت نہیں کر سکتے۔ ہاں۔ اگر یہ خود اپنے آپ کو تمھارے حوالے کر دے تو پھر ہم
اسے نہ روکیں گے لیکن پہلے کام اور پھر دام۔ ٹھیک ہے؟“

”ٹھیک ہے“ ایسا پونی اور کرنا نے ایک زبان ہو کر کہا ”زولوؤں کے بادشاہ!
تفصیلات بتاؤ اور پھر جو کچھ ہمارے اختیار میں ہوگا ہم کر گزریں گے۔“
چنانچہ ڈنگان نے اس شخص کی طرف دیکھا جس کا ایک ہاتھ خشک تھا اور جو قریب ہی
بیٹھا ہوا تھا اور جو ایک ایک بات دیکھ رہا لیکن خاموش تھا۔
”موپو! آگے بڑھو اور تفصیلات بیان کرو۔“

چنانچہ موپو اٹھ کر چند قدم آگے آیا اور اس نے بیان کرنا شروع کیا کہ زولوؤں میں تنہا
وہی ایک ایسا شخص ہے جسے تین دفو، شا کا کے دور میں، انکوسازانہ نظر آتی تھی۔ اس نے
بتایا کہ کتنے ”چامدوں“ پہلے ابوبوسی نے بادشاہ کے پاس آکر اس سفید فام لڑکی کے
متعلق بتایا تھا جو ”حین بے ادوا انکوسازانہ زولا“ کہلاتی ہے اور یہ کہ وہ دنیا کی کسی بھی
لڑکی سے مختلف ہے اور کچلیوں پر حکومت کرتی ہے۔ موپو نے کہا کہ پھر اسے بادشاہ نے
تحقیق کے لئے بھیجا اور اس نے دیکھا کہ سفید فام لڑکی حقیقت میں انکوسازانہ زولا ہی تھی،
”انکوسازانہ اور اس میں“ موپو نے کہا۔ سو اسے اس کے اور کوئی فرق نہ تھا کہ وہ انکوسازانہ
جسے میں نے شاہ کے زمانے میں دیکھا تھا فرضاً میں یہ داز کرتی تھی اور یہ زمین پر چلتی ہے۔“

اور پھر اس نے نوئی کو پکڑ کر لانے، اسے بچانے کے لیے ریچل کے آگے اور اس کے اور بادشاہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اس کی تفصیلات بیان کیں۔ اب وہ ڈنگان کے سوال اور ریچل کے جواب کے متعلق بتانے ہی والا تھا کہ ایدو نے جو اس تمام عرصے میں یوں بیٹھ رہا تھا جیسے اونگھ گیا ہو، دفعۃً سر اٹھایا۔ پونی اور ہانا بھی جیسے بیدار ہو گئے اور اب ایدو نے کہا:-

”اے وہ جو بادشاہ کی زبانی اور ماکیدا کا بیٹا ہے اور جس کا نام موپو سے امبوپو ہے، سنو تم جو کچھ بھول رہے ہو۔ تم نے وہ الفاظ نہیں دہرائے جو انکو سازا نے تمہارے کان میں کہے تھے اور تم یہ الفاظ سننے ہی دربار میں سے بھاگ گئے تھے۔ بے شک تم ان الفاظ سے واقف ہیں لیکن تم خود ان الفاظ کو کیوں نہیں دہراتے؟“

موپو کے دانت بجنے لگے اور حیرت سے ایدو کی طرف دیکھنے لگا پھر سنبھل کر بولا:-

”اس لیے کہ ان الفاظ کا تعلق اس کہانی سے نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ وہ الفاظ صرف میری موت کے متعلق تھے۔ اور میری زندگی اور موت سے ظاہر ہے کہ کسی کو واپسی نہیں ہو سکتی۔“

”تینوں بونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ایک دوسرے سے کہا:-

”سنو تم نے کاہن؟“

”سنو تم نے کاہن!“

”سنو تم نے کاہن!“

اور پھر:-

”یہ کہہ رہا ہے کہ وہ الفاظ صرف اس کی موت کے متعلق تھے اور ان کا تعلق اس کہانی سے نہیں ہے۔“

اور وہ مسکرائے، اپنے سر ہلائے اور ایک بار پھر جیسے اونگھ گئے۔

اور اب مو پو بیان کر رہا تھا کہ ڈنگان نے ریچل سے پوچھا کہ بوسوں پر حمایہ کرو۔ یا انھیں ان کے حال پر چھوڑ دے اور یہ کہ پھر کسی طرح ریچل نے آسمان پر اپنی نظریں گاڑ دیں اور کس طرح ایک تارہ ٹوٹ کر اور ان کے کراں پر آ کے بھٹ گیا اور کس طرح انکو سازانہ نے کہا کہ وہ بھی ان کے پیروں کی دھماک سن رہی ہے جو میدانوں اور پہاڑوں کو عبور کر کے چلے آ رہے ہیں اور یہ کہ ان کے پیچھے دریا خون سے شہوخ ہوتے جا رہے ہیں اور آخر میں مو پو نے کہا کہ انکو سازانہ نے اپنے کہے ہوئے الفاظ واپس لے لیے یا ان میں کم و بیش کرنے سے انکار کر دیا اور نہ ہی اپنے الفاظ کے معنی بیان کئے۔

اور پھر مو پو مشیروں کے حلقے میں بیٹھ گیا اور تینوں بونوں کی طرف دیکھنے لگا۔
 ”خوابوں کے بادشاہو! سن لیا تم نے؟“ ڈنگان نے کہا ”اب اگر واقعی تم زبردست ساحر ہو تو انکو سازانہ کے کہے ہوئے الفاظ کے معنی بتاؤ اور اس تارے کے ٹوٹنے کا مطلب سمجھاؤ کیونکہ ہمارے دلچ ڈاکٹر یہ مسئلہ حل نہیں کر سکے۔“
 تینوں بونوں نے بیدار ہو کر آپس میں مشورہ کیا اور پھر ایدو نے کہا:-
 ”زولوں کے بادشاہ! یہ معاملہ ہمارا فہم سے بالاتر ہے۔“
 ڈنگان نے ایک قہقہہ لگایا۔

”یہ تو میں پہلے سے ہی جانتا تھا“ وہ بولا ”تم چھوٹے اور دھوکے باز ہو اور عام شعبہ بازوں کی طرح وہ باتیں دہرا دیتے ہو جو تم نے پہلے سے سن رکھی ہوتی ہیں۔ چنانچہ کیوں نہ میں تمہیں سلاخوں سے پٹوا کر یہاں سے نکال دوں تاکہ تم وہ خون دیکھو جو جس سے تمہیں نفرت ہے۔“

خون کا لفظ سن کے تینوں بونے یوں سکر اور سمٹ گئے جس طرح کہ الاؤ کے قریب پڑے ہوئے تنکے اپنی بے سکر کرا بیٹھ جاتے ہیں۔

لیکن پھر ایدو نے مسکرا کر کہا:-

” ایک ذرا صبر بادشاہ - صبر - ہم دھوکے باز ہی تھے - تاہم اپنی کوشش کریں گے
بلکہ کوئی اور ہمارے لئے کوشش کر دے گا - بڑا پیالہ لاؤ - سرخ بادشاہ کے لئے سرخ
پیالہ لاؤ اور اسے شبنم سے لبالب بھر دو -“

فوراً ہی دیو قامت محافظوں میں سے ایک شخص نکل آیا - وہ ایک پیالہ اٹھائے ہوئے
تھا جو ان تینوں پیالوں سے جن میں بونے نے جھانک کر تصویریں دیکھی تھیں، بڑا اور
خوبصورت تھا - اس کا رنگ بھی خون کی طرح سرخ تھا جو دھوپ میں چمک رہا تھا
ایرو نے یہ بڑا پیالہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اور دوسرے دیو قامت غلام نے
توہنی سے شبنم انڈیل کر اسے لبالب بھر دیا - اس کے بعد تینوں بونوں نے کوئی منتر پڑھ
کے پیالے پر پھونکا اور پھر ایدو نے نوئی کو اشارہ کیا کہ وہ پیالہ انکو سازانہ کے پاس لے
جائے اور اس سے کہے کہ وہ پیالے کے پانی میں دیکھے -

ریچل نے پیالہ لے کر اس پر سر جھکا دیا - یکایک اس کے بشرے سے وحشت اور
آنکھوں سے خالی پن دور ہو گیا اور ان سے خوف اور سنی کے جذبات ظاہر ہونے لگے
” کچھ نظر آ رہا ہے تمہیں خاتون؟“ ایدو نے پوچھا -

” ہاں - بہت کچھ نظر آ رہا ہے“ ریچل نے جواب دیا ” بیان کر دوں؟“
” نہیں - نہیں - پانی پر تین دفعہ پھونک دو کہ تصویر غائب ہونے نہ پائے“ ایدو
نے کہا ” اور پھر پیالہ بادشاہ کے پاس لے جاؤ - شاید اسے بھی کچھ نظر آ جائے۔“

ریچل نے تین دفعہ پانی پر پھونک دیا اور پھر یوں اٹھی جیسے نوم توجہ کے عالم میں ہو
اور پھر آگے بڑھ کر اس نے پیالہ ڈنگان کے گھٹنوں پر رکھ دیا -

” دیکھو بادشاہ - دیکھو - ایدو نے کہا“ اور بتاؤ تم جو کچھ دیکھ رہے ہو وہ انکو سازانہ
کے کہے ہوئے معے کا حل ہے یا نہیں؟“

ڈنگان نے ابتدا میں تو غصے سے پھینکا کر پیالے میں بھرے ہوئے پانی کی طرف

دیکھا لیکن پھر دفعۃً اس کا چہرہ متعجب ہو گیا۔

”جنگھاڑنے والے والے ہاتھی (شا کا) کے سر کی قسم ” اس نے کہا ” میں اس کراں میں لوگوں کو جنگ کرتے دیکھ رہا ہوں۔ ہاں۔ سفید فاموں اور زولوؤں کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔ سفید فام شکست کھا گئے ہیں اور زولو انھیں رگید رگید کے قتل کر رہے ہیں۔ زولوؤں کو فتح حاصل ہوئی ہے۔ آہا! میرے لوگ فتحیاب ہوئے۔ تو میرا اندازہ غلط تھا۔ فتح ہماری ہوگی۔ تو یہ ہے انکو سازانہ کے کھلے ہوئے منہ کا حل۔“

”واہ! واہ!“ میشریوں نے سر ہلا کر کہا اگر بادشاہ کو ایسا ہی نظر آ رہا ہے تو ایسا

ہی ہوگا۔“

لیکن بونے ایدو نے مسکرا کر اپنا ہاتھ ہلایا۔

اور پھر دیکھو بادشاہ اس نے اپنی سسکی نما آواز میں کہا

اور ڈنگان پھر پیالے کے پانی میں دیکھنے لگا۔ اس دفعہ اس کا منہ لٹک گیا۔

”میں آگ دیکھ رہا ہوں“ وہ بولا ”ہاں۔ یہ کراں چل رہا ہے۔ میرا کراں چل رہا ہے

میرا اپنا گھر چل رہا ہے۔ اور سامنے سے گھڑ سوار سفید فام چلے آ رہے ہیں۔ واہ! واہ

چلے گئے۔“

ایدو نے ایک بار پھر ہاتھ ہلایا۔

”تیسری بار دیکھو اور بتاؤ کہ کیا نظر آ رہے تھیں؟“ اس نے کہا۔

ڈنگان نے بادل ناخو استہ ایک بار پھر پیالے کے پانی میں دیکھا۔

”میں ایک پہاڑ دیکھ رہا ہوں جس کی چوٹی یوں ہے جیسے کوئی عورت بیٹھی ہوئی ہو اور

اس کے گھٹنوں کے درمیان ایک غار ہے۔ اس غار کے فرش تلے دو لاشیں دیکھ رہا

ہوں۔ ایک تو مرد کی لاش ہے جو بہت تگڑا ہے اور دوسری ایک لڑکی کی لاش ہے

جو بہت حسین رہی ہوگی۔

یہ الفاظ سنتے ہی بادشاہ کا وہ شیر جس کا ایک ہاتھ خشک تھا اور جس کا نام موپو تھا، ایک دم سے ہڑبڑا کر کھڑا ہوا لیکن پھر فوراً ہی بیٹھ گیا۔ تمام لوگ ڈنگان کی طرف متوجہ تھے چنانچہ موپو کی یہ حرکت کسی نے نہ دیکھی سوائے نوئی اور خوابوں کے بادشاہوں کے۔

”میں ایک آدمی کو ایک موٹے آدمی کو، غار سے باہر آتے دیکھ رہا ہوں، ڈنگان کتنا چلا گیا۔“ یہ موٹا زخمی اور تھکا ہوا معلوم ہوتا ہے اس کے علاوہ اس کا پیٹ بھی اندر کی طرف دھنسا ہوا ہے جیسے وہ کئی دنوں کا بھوکا ہو۔ دو دوسرے آدمیوں نے اسے اس موٹے کو کپڑے رکھا ہو۔ ان دو میں سے ایک تو خاصا مضبوط، لمبا ترنگا اور جنگجو معلوم ہوتا ہے لیکن دوسرا دبلا پتلا اور قد میں چھوٹا ہے۔ یہ دونوں موٹے کو گھسیٹتے ہوئے اس چوٹی پر لے جاتے ہیں جو وہاں بیٹھی ہوئی اس عورت کی چھاتیوں کے درمیان ہے وہ دونوں موٹے سے کچھ کہہ رہے ہیں۔ لیکن میں ان دونوں کی اور موٹے کی صورت نہیں دیکھ سکتا کیونکہ وہ دھند میں چھپی ہوئی ہیں۔ وہ موٹے کو گھسیٹتے ہوئے چوٹی کے کنارے پر لے آئے ہیں اور ————— انھوں نے موٹے کو پہاڑ پر سے نیچے پھینک دیا اور موٹے کے چہرے پر سے دھند ہٹ گئی اور میں اس کی صورت دیکھ سکتا ہوں۔ آہ! یہ تو میری صورت ہے۔ یہ تو میں ہی ہوں جسے پہاڑ پر سے پھینکا گیا ہے۔“

”ڈنگان خاموش ہو گیا اور ہر شخص خاموش تھا اور اس خاموشی میں تینوں بونوں نے ایک دوسرے سے کہا۔

”کاہن! یہ بادشاہ کہتا ہے کہ جو صورت اس کی نظر آئی ہے وہ خود اس کی صورت ہے اب کہو کہ انکو سازانہ کی روح نے انکو سازانہ کے استخارے کا جو ایسا نہیں دیدیا ہے کیا اس بادشاہ کو پہاڑ پر سے پھینک دیا جائے گا؟ کیا وہ ستاراجو اس کراں میں ٹوٹا تھا، یہی بادشاہ نہ تھا؟۔ اور وہ تینوں سر ہلا کر مسکرائے۔

لیکن ڈنگان خوف اور غصے کے عالم میں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اور اسی کے ساتھ اس کے مشر بھی اٹھ کھڑے ہوئے لیکن وہ بیچارہ جس کا ایک ہاتھ خشک تھا اور جس کا نام مولو تھا اور جو ایک دام کا بیٹا تھا۔ ڈنگان اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے وہ پیالہ جو اسکے گھٹنوں پر دھرا ہوا تھا اٹھا کر نہایت زور سے پھینک دیا اور پیالے میں کے پانی کے چھینٹے ریچل پر گرے جیسے آسمان سے برس گئے ہوں اور ڈنگان خوابوں کے بادشاہوں کو برا بھلا کہتے اور انھیں حکم دینے لگا کہ وہ اس ملک سے چلے جائیں۔ کیونکہ وہ بہت بُرے لوگ تھے وہ باب رہا تھا۔ وہ بونوں کو دھمکار رہا تھا اور ان پر لعنت بھیج رہا تھا لیکن وہ تینوں خاموش بیٹھے مکاریاں تھے یہاں تک کہ ڈنگان آپ ہی تھک ہار کر خاموش ہو گیا اور تب تینوں بونوں نے ایک دوسرے سے کہا:-

”بادشاہ نے اس سفید فام کو ہمارے درختوں کی شبیہ سے بھگو دیا ہے چنانچہ اب یہ سفید فام درختوں کی ہو گئی اور اب درختوں کا اس پر حق ہے میں نے ٹھیک کہا نا کاہن؟“

انھوں نے اثبات میں سر ہلایا اور اب ایدو اٹھا اور اس نے بادشاہ کو مخاطب کیا تو اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔ اب اس کی آواز تیز اور تیکھی تھی اور لہجہ حکمانہ تھا۔

”اب وہ جو بادشاہ کہلاتا ہے اور جس نے بہت سا خون بہایا ہے ایدو نے کہا تم خون کے دریا پر محض ایک بلبلا ہو، تم قاتل ہو کہ آخر میں تم خود بھی قتل کر دیئے جاؤ گے تم بھالا پھینکنے والے ہو کہ ایک دن خود تم پر بھی بھالا پھینکا جائے گا اور تم اس پتھر کی صورت دیکھو گے جو تم کے نام تک سے واقف نہیں ہے اور تم وہ ہو جسے دھرتی نگل لے گی اور تم وہ ہو جو ان لوگوں کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے جو....“

”اے کاہن! بادشاہ کے قاتلوں کے چہروں پر دھند کی نقاب پڑی ہوئی تھی۔“

بقیہ دو بونوں نے اپنے چھاتوں تلے سے جھانک کر کہا ”کاہن! کاہن! یقیناً ان دونوں کی

صورتیں نہیں دکھائی گئیں۔

”تم وہ ہو جو ان لوگوں کے ہاتھوں مارے جاؤ گے جو انتقام لینے والے ہیں اور ان انتقام لینے والوں کی صورتیں ظاہر نہیں کی گئیں۔ مادرِ بحر نے جیسا کہا تھا ایسا ہی ہوا اور ہم نے وہ معجزہ حل کر دیا جسے تمہارے وچ ڈاکٹر حل نہ کر سکے تھے۔ یہ معجزہ حل ہو گیا، صبح طور پر حل ہو گیا اور اپنے وقت پر وہ تمام باتیں پوری ہوں گی جو دکھائی گئی ہیں۔ اب ہمیں اپنا انعام دے کر یہاں سے رخصت کر دو۔ ہاں ہمیں یہ سفید فام دیدو جس کی روح نے شیخ کے ذریعہ تم سے گفتگو کی ہے۔“

”لے جاؤ۔ اسے اور رفع ہو جاؤ یہاں سے“ ڈنگان گرجا ”کیونکہ یہ سفید فام اور اس کی خادمہ نوئی ہمارے لیے کچھ نہیں لائی سوائے مصائب اور پریشانیوں کے۔“

لیکن ان مشیر نے چیخ کر کہا:-

”لیکن انکو سازانہ کو ان ساحروں کے حوالے نہیں کیا جاسکتا الا یہ کہ خود اس کی مرضی ہو۔“
تینوں لونوں نے ریچل کی طرف کھینک کر اپنے سر ہلائے اور نوئی ریچل کے کان میں کچھ کہنے لگی

ریچل سنتی رہی اور پھر اس نے کہا:-

”نوئی جہاں تم جاؤ گی۔ میں بھی جاؤں گی۔ میں اپنی روح تلاش کر رہی ہوں۔ مجھے اپنی روح کی تلاش ہے نوئی۔“

چنانچہ نوئی نے ریچل کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے دریا کے میدان سے باہر لے چلی اور ان کے پیچھے لونوں کی ڈولیاں اور ان کی بدرقہ جو دیو قامت لوگوں پر مشتمل تھیں، چلا اور تمام مشیروں نے اٹھ کر آخری دفعہ انکو سازانہ کو شاہی سلام کیا۔ اکیلا ڈنگان بٹھا رہا اور غصے کے عالم میں زمین پر گھونسنے مارتا رہا۔

چنانچہ یوں انکو سازانہ زولا زولوں کے شاہی کراں سے رخصت ہوئی اور مایہ ناز

کا بیٹا اسیو پو اپنی آنکھوں پر ہاتھ ڈھانکے اپنی خشک انگلیوں کے درمیان سے
اُسے جاتے دیکھتا رہا۔

انیسواں باب

عظیم روح کی واپسی

نوابوں کے شکاریوں، نوئی اور دیو قاست لوگوں کے بد رفتے کے ساتھ ریکل شمال
کی طرف چلتے رہے، ان کی زقائیز نہ تھی اور وہ دن کو سفر نہ کرتے تھے کیونکہ ایدو پونی اور ہانا
کو دھوپ سے نفرت تھی اور انھیں سورج کی تمازت سے خوف آتا تھا۔ اکثر دفعہ ریکل
نوئی کے ساتھ ڈولی میں سوار ہو جاتی جسے چار دیو قاست غلام اپنے کندھوں پر اٹھا کر چلتے
لیکن زیادہ تر وہ پیدل ہی چلنا پسند کرتی اور وہ تھکے بغیر مسلسل چلا کرتی تھی کہ ان دلدلوں
میں بھی جہاں چھرتھے اور جہاں ہر ایک بخاریں مبتلا ہو جاتا تھا اور جہاں بد رفتے کے بہت
سے لوگ بخاریں مبتلا ہو کر مر گئے تھے، ریکل چلتی رہی اور بخار نے اسے نہ چھوا۔ اس
کے علاوہ یہ جسمانی مشقت اس کے ٹھیکے ہوئے اور پریشان دماغ کو تسکین دیتی تھی اور
نوئی کی آواز اور اس کی موجودگی اور اس کے ہاتھوں کا لمس بھی ریکل کے لیے باعث
تسکین تھا۔ البتہ کبھی کبھی اس پر دیوانگی کا دورہ پڑتا اور وہ مسلسل بھانک قہقہے لگانے
لگتی۔ ویسے ہی قہقہے جو زو لوؤں کو خوفزدہ کر دیتے تھے اور تب ایدو اپنی ڈولی سے باہر
آتا اور اپنے لائے ناخنوں والی خشک انگلیاں ریکل کے ماتھے پر پھیرتا اور اس کی
آنکھوں میں کچھ اس طرح جھانک کر دیکھتا کہ ریکل کی آنکھیں بند ہونے لگتیں اور وہ سو
جاتی لیکن اگر اس وقت جب وہ سو رہی ہوتی، نوئی اس سے باتیں کرتی، تو ریکل نیند میں
ہی اس کے ہر سوال کا جواب نہایت مناسب و مودوں جواب دیتی۔

چنانچہ اس طرح نوئی نے وہ تمام واقعات معلوم کر لیے جو اس کے رخصت

ہونے کے بعد ہوئے تھے کیونکہ زونوؤں سے وہ کچھ زیادہ بائیں معلوم نہ کر سکی تھی۔ بہت پہلے اس نے خود ریکل سے رچرڈ دارین کے متعلق سنا تھا کہ کس طرح ان دونوں نے ایک بڑی فانی رات ایک جزیرے پر لیسر کی تھی لیکن یہ اسے اب معلوم ہوا کہ ریکل کو رچرڈ سے محبت تھی اور یہ کہ ابو بوسی نے رچرڈ کو زہر دیدیا تھا اور یہ کہ اسی صدمے کی وجہ سے ریکل کا دماغ چل گیا تھا اور اسی کی موت کی وجہ سے وہ پاگل ہو گئی تھی۔

چنانچہ اس وجہ سے نوئی خوش تھی کہ خوابوں کے شکاری ریکل کو اپنے ملک میں لیے جا رہے تھے کیونکہ ریکل کو ایک بار پھر اگر اپنے آپ میں لانا ممکن تھا تو یہ کام خوابوں کے شکاری اور ان کے ساحر ہی کر سکتے تھے اس کا پاگل پن ان لوگوں کے علاوہ کوئی اور دور نہ کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اگر زونوؤں اور خوابوں کے شکاریوں نے بھی ریکل کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہوتا تو وہ کہاں جاتی کیونکہ اب دنیا میں اس کا کوئی اور نہ رہ گیا تھا۔ اس کے والدین اور اس کا محبوب بھی مر چکا تھا۔ البتہ وہ ان سفیر فاموں کے پاس جا سکتی تھی جنہوں نے ساحلی علاقے میں اپنی بستیاں بسالی تھیں لیکن سیاہ فاموں کی طرح یہ لوگ پاگلوں کو احترام کی نہیں بلکہ خوف کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں چنانچہ وہ ریکل کو دوسرے پاگلوں کے ساتھ اس گھر میں بند کر دیتے۔ ہاں پاگلوں کو رکھا جاتا ہے اور وہ وہیں بند رہتی یہاں تک کہ مر جاتی۔۔۔ یہ اچھا ہوا کہ خوابوں کے شکاریوں نے ریکل کو اپنے ساتھ لے لیا۔ چنانچہ نوئی خوش تھی حالانکہ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ درختوں کی سرزمین میں خطرات منتظر ہیں۔ بہت سے اور زبردست خطرات۔ تاہم ریکل اس کے ساتھ تھی آگے بڑھو گا دیکھا جائے گا۔

اس کے علاوہ نوئی کی تیمارداری کی وجہ سے ریکل کی حالت پہلے سے کچھ بہتر ہو گئی تھی اور نوئی کو امید تھی کہ ایک نہ ایک دن وہ اپنے آپ میں آجائے گی البتہ نوئی یہ ضرور سوچتی تھی کہ کاش وہ اور ریکل اکیلے ہوتے، ان کے ساتھ خوابوں کے شکاریوں کے یہ

لگا ہن نہ ہوتے خصوصاً ایدو نہ ہوتا کیونکہ وہ ایدو سے واقف تھی اور جانتی تھی کہ ایدو نوئی سے جلتا تھا۔ ہاں۔ اس لیے جلتا تھا کہ تنہا نوئی کو ریکل پر اختیارات حاصل تھے۔ اور اس لیے بھی جلتا تھا کہ نوئی اور ریکل میں بہت زیادہ محبت تھی اور ریکل نوئی کے بغیر رہ نہ سکتی تھی۔ چنانچہ ایدو اندر ہی اندر تیج و تاب کھاتا تھا اور نوئی کا وجود اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ وہ اس پاگل سفید فام سرداروں کو جسے زلو جیسے زبردست قبیلے نے اپنی دیوی بنا کے رکھا تھا، خود اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ ایدو ریکل کو اپنی آلہ کار بنانا چاہتا تھا۔ وہ اس پاگل لڑکی کے ذریعہ خود اپنا آئو سیدھا کرنا چاہتا تھا اور یہ بات اس نے پہلے سے سوچ رکھی تھی چنانچہ ہیں دجہ ہے کہ جب اس نے ریکل کے متعلق سنا تو وہ فوراً وفد کے ساتھ ڈنگان کے دربار میں جانے کے لیے تیار ہو گیا کیونکہ اس نے اپنے سحر کے زور مستقبل کی وہ تمام باتیں دیکھ لی تھیں جنہیں خود نوئی دیکھ نہ سکتی تھی اور نوئی اس لیے ناکام رہی تھی وہ دو غلی نسل سے تھی چنانچہ نوابوں کے شکاریوں کا مکمل سلیطہ اسے ملا تھا۔

اس کے علاوہ مادر شجر کی وادی تھی۔ اب نوئی یہ نہ معلوم کر سکی کہ وہ نوئی کے دادا یا دادا کے باپ کی بہن تھی۔ درختوں کے گہرے میں میں نوئی کا قیام بہت مختصر رہا تھا چنانچہ وہ اس معاملے کی تحقیق نہ کر سکی تھی البتہ یہ تو یقینی بات تھی کہ مادر شجر اس کی وادی تھی۔ یہ بات البتہ نوئی نے معلوم کر لی تھی کہ ایدو، جو کاہن اعظم تھا، مادر شجر کو، یعنی نوئی کی وادی کو پسند نہ کرتا تھا۔

مادر شجر کا نام نایا تھا اور ایدو چاہتا تھا کہ جب نایا کا درخت گر جائے تو وہ یعنی ایدو اس عورت کو مادر شجر بنادے جو خود اس کے ہاتھ میں موم کی ناک بیٹی رہے اور ویسا ہی کرے جیسا ایدو چاہے۔ کیونکہ حالیہ مادر شجر نایا ایدو کی ایک نہ چلنے دیتی تھی۔ نوئی نے سوچا کہ غالباً اس لیے ایدو ریکل کو اپنے ساتھ لے آیا تھا کہ وہ ناپا کی جگہ ریکل کو ہی

مادر شجر بنادے اور چونکہ ریکل پاگل تھی اس لیے ظاہر ہے کہ ایدو اس سے ہر بات منوا سکتا تھا۔ تاہم نوئی کچھ بھی کہنے اور سوچنے میں بڑی محتاط تھی کیونکہ ایدو اور اس کے دونوں ساتھی پونی اور ہانا لوگوں کے دلوں میں جہانک سکتے اور ان کے خیالات معلوم کر سکتے تھے اس کے علاوہ ریکل کو بھی جہانک ممکن تھا ایدو سے بچانے کی کوشش کرتی تھی اور اسے ایک لمحہ کے لیے بھی تنہا نہ چھوڑتی تھی کہ کہیں ایدو اس پر ریکل پر حاوی نہ ہو جائے البتہ جب اس پر پاگل پن کے دور سے پڑتے تو پھر نوئی مجبور ہو جاتی اور ایدو سے کہتی کہ وہ اپنی انگلیوں کے لمس سے اور اس کی آنکھوں میں جہانک کر ریکل کی دیوانگی دور کر دے کیونکہ وہ خود ایسا نہ کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ دوسرے دو کاہنوں کو ریکل کے قریب آنے نہ دیتی تھی کیونکہ وہ دونوں ایدو کے ”جی حضوری“ تھے اور اس کے اختیار میں تھے۔

شمال کی طرف — شمال کی طرف ہی وہ چلتے رہے۔ سفر کے ابتدائی حصہ میں وہ زولوؤں اور ان کی ماتحت قبائل کی بستیوں میں گزرے جو خوابوں کے شکاریوں کے متعلق جانتے تھے اور انکو سازانہ سے بھی واقف تھے یہ لوگ انکو سازانہ کے اس سراپ کے شکار تھے جو ان کے سروں پر سایہ فگن تھا اور یہ مصائب ان کے نزدیک محض اس لیے تھے کہ ان کے اور انکو سازانہ کے درمیان خون حائل تھا ٹیڈی دل نے ہری بھری کھیتیاں اُجاڑ دی تھیں اور مویشیوں میں وبا پھوٹ نکلی تھی۔ چنانچہ یہ لوگ انکو سازانہ سے اور ان بھورے لوگوں سے خائف تھے جن کے ساتھ وہ سفر کر رہی تھی کیونکہ یہ بونے وہ ساحر تھے جنہوں نے اپنے جادو کے زور سے بادشاہ کو بڑی خوفناک تصویریں دکھائی تھیں اور اسے خوفزدہ بچھوڑ کر اب اپنے ملک کی طرف جارہے تھے چنانچہ ان لوگوں کی آمد کا حال سن کر بھاگ جاتے اور بستیوں میں صرف چند بوڑھے باقی رہ جاتے جو اس انکو سازانہ کا استقبال کر کے جوانی بھشکی ہوئی روح کی تلاش میں چلی تھی اور اس کے ساتھ خوابوں کے شکاریوں کا بھی استقبال کرتے جو کسی بھیانک جنگل میں روتوں کے ساتھ رہتے تھے اور

یہ بوڑھے انکو سازانہ سے درخواست کرتے کہ وہ ان کی سرزمین پر سے مصیبت کا بادل ہٹا دے تاکہ وہ لوگ اس طرح پھلنے اور پھولنے لگ جائیں جس طرح کہ سراپ سے پہلو تھے۔ آخر کار زرد لندوں کی بستیاں پیچھے چھوٹ گئیں اور وہ لوگ دوسرے قبائل کے علاقے میں داخل ہوئے۔ بالکل ہی وحشی اور بھٹکتے ہوئے قبائل کے علاقے میں۔ لیکن یہ لوگ بھی خوابوں کے شکاریوں سے واقف تھے چنانچہ ان لوگوں نے بھی ان مسافروں کو پریشان کرنے کی کوشش نہ کی بلکہ ان لوگوں کے رچ ڈاکٹر خوابوں کے شکاریوں کے پاس استخارہ رکھانے یا خوابوں کی تعبیر معلوم کرنے اور اپنے دشمنوں کو بہاد کرنے کا مشتراد زرد لند ہر زبانے کی ترکیب معلوم کرنے آتے رہے اور ان کی خدمت میں تحائف پیش کرتے رہے۔ ایدو اور اس کے ساتھی ان رچ ڈاکٹروں کی باتیں سنتے اور دیہ قامت غلام شبنم سے بھرے ہوئے پیالے لاکے تینوں بونوں کے سامنے رکھ دیتے اور پھر اس میں جو کچھ نظر آتا وہ بیان کر دیتے لیکن چونکہ شبنم کا ذخیرہ اب ان کے پاس زیادہ نہ رہ گیا تھا اس لیے عمل کبھی کبھار ہی کیا جاتا اور چونکہ شبنم جسے وہ اپنے ملک سے لے آئے تھے صرف ایک دنو ہی استعمال کی جاسکتی تھی اس لئے وہ لوگ اسے خود اپنے لیے بچا رکھنا چاہتے تھے کہ کیا پتہ انہیں کب کچھ دیکھنے اور کچھ معلوم کرنے کی ضرورت پڑ جائے۔

اور پھر وہ اس علاقے میں تھے جہاں وسیع و عریض دلدلیں تھیں اور جہاں بہت کم انسان اور بہت زیادہ درندے بستے تھے۔ یہ علاقہ بخار زدہ تھا اور اس میں پانی کے گڑھے تھے اور ان گڑھوں اور دلدلوں میں بہت سے مگرچھے اور زہریلے سانپ تھے لیکن ان جانوروں نے اور ان درندوں نے اور بخار نے خوابوں کے شکاریوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا یا وہ محفوظ رہے کیونکہ ان کے پاس وہ دوا میں تھیں جو بیماری کو قریب آنے نہ دیتی تھیں اور وہ جادو تھا جو خطرات کو دور رکھتا تھا اور اپنے پیالوں میں وہ دیکھتے اور راستہ معلوم کرتے اور دیکھتے کہ کون سا راستہ محفوظ ہے چنانچہ وہ لوگ دلدلوں کے علاقے

سے کبھی محفوظ نکل آئے البتہ یہاں وہ دیوتا مست غلام مرگیا جسے ڈنگان کے کراہ میں ایدو نے بد دعا دی تھی۔ اسی دن سے، جس دن ایدو نے اسے بد دعا دی تھی، یہ غلام گھلنے لگا اور سو کھنے لگا تھا یہاں تک کہ وہ صرف ہڈیوں کی مالارہ گیا چنانچہ دلہ لیں عبور کرتے وقت اسے بنجار چڑھ آیا اور وہ مر گیا۔

”نہیں کہا تھا میں نے کہ ایسا ہی ہو گا؟“ دیکھو ایسا ہی ہوا۔ ایدو نے لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوسرے غلاموں سے کہا جو بید کی طرح کانپ رہے ہیں تو قوت رکھو اور عبرت حاصل کرو اور یہ سمجھو کہ انسان کی قوت اس کے جسم میں ہے اور اس کے بھالے میں ہے؟

اور ایدو نے لاش کو ٹھوکر مار کر دوسرے غلاموں سے کہا کہ وہ یہ لاش پانی پھینک دیں کہ بھوکے منگر مچھوں کا پیٹ بھر جائے۔

دلہلوں سے گزرنے اور بہت سی ندیوں کو عبور کرنے کے بعد آخر کار اس پرستار اور عجیب قافلے نے اپنا رخ بدلا اور اب وہ مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا اور یہ لوگ کئی دنوں تک گھاس کے ہرے بھرے میدانوں میں سفر کرتے رہے اور ان میدانوں میں ان قبائل کے مویشی چرنے نظر آ رہے تھے جو اس طرف آباد تھے۔ یہ میدان قسم قسم کے شکاد اور شیردوں سے بھرے ہوئے تھے اور ان شیردوں کے کچھاراں پہاڑوں میں تھے جو میدانوں میں یہاں وہاں کھڑے ہوئے اور گنجان بھاڑیوں سے ڈھنکے ہونے لگے۔ شیردات کے وقت ان کے پڑاؤ کے قریب آکر دھاڑتے اور اس کے ارد گرد چکر لگاتے لیکن ایدو اور اس کے ساتھی بے خوف رہتے اور اگر یہ شیردرا جرات کا مظاہرہ کرتے تو پھر ان شکار میں، جو ارد گرد کے خانہ بدوش قبائل تحفہ دے جاتے تھے، ایدو کسی قسم کا زہر بھردیتا شیر آکر شکار کھا لیتے اور پھر فوراً ہی مر جاتے۔ اس کے علاوہ یہ زہر ایدو اور اس کے ساتھی بڑی بھاری قیمت لے کر ان قبائل کے ہاتھ فروخت کر دیتے اور قیمت یہ ہوتی کہ وہ اتنی تہی گاہیں

اس جگہ پہنچا دیں جہاں کا مفصل پتہ ایدوان لوگوں کو بتا دیتا اور یہ گائیٹس وہاں پہنچا دیتیں
کیونکہ کوئی بھی مادرِ شجر اور اس کے کاہنوں کو دھوکا دینے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

ان چراگاہوں سے گزر کے وہ لوگ ایک زرخیز نشیبی علاقے میں داخل ہوئے جو سیلاب
بندرِ بچ بلند ہوتا چلا گیا تھا۔ اور نوئی نے ریکل کو بتایا کہ یہ خوابوں کے شکاریوں کی
سرزمین کی بیرونی سرحد تھی اور اسی جگہ وہ دیہ قامت لوگ آباد تھے جو خوابوں کے
شکاریوں کے غلام تھے اور جو "ادم کووسی" کہلاتے تھے اور ریکل کا بدرقہ انہی لوگوں پر
مستمل تھا۔ یہ ادم کووسی: ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں تھے اور کاشت کار تھے اور
حالانکہ یہ لوگ دیہ قامت اور بڑے طاقتور تھے لیکن اس وقت تک جنگ نہ کرتے تھے
جب تک کہ ان پر حملہ نہ کیا جائے۔ اس قبیلے کے سردار پہاڑوں پر ان کے غاروں میں
رہتے تھے اور بہ وقت ضرورت یہی پہاڑ نا قابل تسخیر قلعہ کا کام دیتے تھے لیکن ان کی اصل
حکمران مادرِ شجر تھی اور ادم کووسی کا کام یہ تھا کہ وہ درختوں کی سرزمین کی حفاظت کرتے
رہیں اور وہاں بنے والوں کے کھانے پینے کا انتظام کرتے رہیں کیونکہ وہاں بسنے والے
تو خوابوں کے شکاری تھے اور کوئی کام نہ کرتے تھے یا اگر کرتے تھے تو نہ ہونے کے برابر۔

جب وہ لوگ اس علاقے سے گزر رہے تھے تو ادم کووسی کے تمام سردار ان کے ساتھ
چل رہے تھے اور ہر صبح ایک دربار سا لگتا جس میں یہ سردار اپنے معاملات ایدوان اس
کے ساتھیوں کے سامنے پیش کرتے۔ تینوں بونے سنتے، غور کرتے اور جیسا مناسب سمجھتے
فیصلہ کرتے اور کسی کو چوں چرا کرنے کی جرأت نہ ہوتی بلکہ اگر ایدوان اس کے ساتھی
کسی سردار کو معزول کر کے اس کی جگہ کسی دوسرے کو سردار بنا دیتے تو معزول شدہ سردار
بجائے اس کے کہ احتجاج کرتا ایدوان اس کے سامنے سجدہ دیتا ہو کہ ان کی اس ہربانی
کا شکریہ ادا کرتا۔ انہی دربار میں ان بھرموں کو بھی پیش کیا جاتا جنہوں نے کسی کا خون کیا ہوتا
یا کسی کی بیوی چرائی ہوتی۔ تینوں بونے یہ مقدمے بھی فیصلہ کرتے لیکن وہ بھرموں کو فوراً ہی

قتل کر دینے کا حکم نہ دیتے۔ بعض دفعہ تو یوں ہوتا کہ ایدو ان مجرموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیتا اور پھر اپنی سسکی نما آواز میں انھیں بددعا میں دینے لگتا اور کہتا کہ وہ گھلنے اور خشک ہونے لگ جائیں گے اور ایک برس یا دو برس یا تین برس میں، جیسا کہ ان کا جرم ہوتا مر جائیں گے۔ اور اگر کسی کا جرم بہت سنگین ہوتا تو ایدو اسے یہ سنا سنا تا کہ اسے صحرا میں بھٹکا دیا جائے۔ مطلب یہ کہ وہ صحرا میں اس سرے سے اس سرے تک چلتا رہے اور اسے کھانا پینا نہ دیا جائے اور صحرا میں بھوکا اور پیاسا ٹہلتا رہے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ وقتاً فوقتاً بڑے ہی مصیبت زدہ آئے ہوئے اوم کموسی ان کے پڑاؤ میں آتے۔ یہ لوگ ہڈیوں کے ڈھانچے ہوتے اور سر پیٹتے ہوئے آتے اور تینوں بونوں کے سامنے گڑ گڑاتے کہ اب ان پر سے سراپ اٹھایا جائے۔ ان لوگوں کے گالوں میں گہرے گہرے کھڈ ہوتے اور آنکھیں پھیل کر جیسے حلقوں میں سے نکلی پڑتی ہیں اور یہ چلتی پھرتی لاشوں کی طرح ہوتے۔ ان کے گرد گردن پر ایدو اور اس کے ساتھی پونی اور مانا ہنتے اور ان سے پوچھتے کہ وہ مادرِ شجر کے غصے سے لطف اندوز ہو رہے ہیں یا نہیں اور یہ کہ انھیں دیکھ کر دوسرے عبرت حاصل کر رہے ہیں یا نہیں اور جب یہ لوگ درخواست کرتے کہ انھیں فوراً ہی بھالاما کر قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ لوگ یوں گھل گھل کے مرنا نہیں چاہتے تو قینوں بونے ایک دم سے سمٹ جاتے اور ان بے چاروں سے کہتے کہ شاید وہ پاگل ہو گئے ہیں کہ کاہنوں کو خون بہانے کا مشورہ دے رہے ہیں اور مقدس درختوں کو نجس کرنا چاہتے ہیں۔

ایک صبح اسی قسم کے سحر زدہ لوگ، جن میں مرد، عورتیں اور بچے بھی تھے، روتے پیٹتے ان کے پاس آئے اور حسبِ معمول تینوں بونے ان پر ہنسنے لگے اور ان کے محافظ، جو ان آلے دالوں کے عزیز و اقربا بھی تھے، سوٹے مار مار کر انھیں وہاں سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگے تو وہ بچارے زمین پر لوٹ گئے۔ ریکل کی جھونپڑی، جو پھاتے کی طرح کھولی اور بند کر کے اٹھائی جاسکتی تھی، قریب ہی تھی اور اس وقت وہ اپنی جھونپڑی میں بیٹھی ہوئی

تھی۔ اس نے رونے پینے کی آواز میں سنیں تو وہ نوئی کے ساتھ جھونپڑی میں سے نکل آئی۔
چند لمحوں تک وہ خاموش کھڑی ان سحر زدہ لوگوں کو زمین پر لوٹتے اور روتے پیتے دیکھتی رہی
اور پھر اس نے نوئی سے پوچھا کہ یہ لوگ ایسے کیوں ہو گئے ہیں جیسے بھوکے ہوں اور یہ کہ وہ
رو کیوں رہے ہیں۔

نوئی نے بتایا کہ جب وہ ڈنگان کی طرف سے مادرِ شجر کے پاس وفد کے ساتھ جا رہی تھی
تو اس قبیلے کے سردار نے اسے روک کر اپنی بیوی بنالینے کی کوشش کی تھی حالانکہ وہ جانتا
تھا کہ نوئی مادرِ شجر کے پاس جا رہی ہے۔ نوئی بہر حال اس سے بچ کر نکل جانے میں کامیاب
ہو گئی لیکن اس کے سردار پر۔ اور نوئی نے ایک اذیتور عمر کے شخص کی طرف اشارہ کیا۔
اور اس کے لوگوں پر لعنت پڑی اور اس وجہ سے وہ سب کے سب ایسے بن گئے ہیں۔

وکیل آگے بڑھی اور لعنت زدہ لوگوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے اس طرف
چلی جہاں تینوں بونے کاہن اپنے اپنے چھاتے کی چھاؤں میں بیٹھے اذیتور رہے تھے۔
”جاگ جاؤ آہو۔ جاگ جاؤ“ ریحل نے چیخ کر کہا

فوراً ہی تینوں کاہن بیدار ہو گئے اور حیرت سے آنکھیں پٹپٹا کر ریحل کی طرف
دیکھنے لگے۔

”کیا بات ہے سفید نام؟“ انھوں نے پوچھا

”یہ لوگ بہت کچھ بھگت چکے“ ریحل نے کہا ”چنانچہ اب میں حکم دیتی ہوں کہ اپنا

سر اپ ان لوگوں پر سے اٹھا لو“

”تم ہمیں حکم دے رہی ہو حسینہ؟“ ایدو نے حیرت سے کہا ”خوب! اور اگر ہم تمہارا

حکم نہ مانیں تو؟“

”تو پھر“ ریحل نے جواب دیا ”میں خود ان کے سروں پر سے سر اپ اٹھا کر تمہارے

سروں پر ڈال دوں گی تاکہ خود تم ان لوگوں کی طرح گھل گھل کر مر جاؤ۔ تم لوگ مجھے دیوانہ

سمجھ رہے ہو۔ ہاں تم کہ تم خون سے نفرت کرتے ہو لیکن لوگوں کو بڑے ظالمانہ طریقے سے مارتے ہو۔ تم زولوں سے بھی زیادہ ظالم ہو۔ بیشک میں پاگل ہوں کیونکہ میری روح بھٹک گئی ہے تاہم سن لو ایک نئی قوت میرے جسم میں پیدا ہو رہی ہے اور بڑی سرعت سے بڑھ رہی ہے حالانکہ میں نہیں جانتی کہ یہ قوت کہاں سے آرہی ہے البتہ اتنا ضرور جانتی ہوں کہ میں جو کہتی ہوں وہ کر بھی سکتی ہوں۔

تینوں کاہن ریکل کی صورت تیکنے اور پھر آپس میں کاناپھوسیاں کرنے لگے اور اس کے بعد انھوں نے پیالے طلب کئے اور اس میں جھانکنے لگے۔ ان پیالوں میں انھیں کیا نظر آیا یہ ہم نہیں جانتے تاہم جو کچھ انھوں نے دیکھا اس سے انھیں خوشی حاصل نہ ہوئی کیونکہ ایدو نے سحر زدہ لوگوں کو فحش طرب کر کے کہا:۔

”مادر شجر تمھیں معاف کرتی ہے۔ جو گرہ اس نے لگائی تھی وہ کھولتی ہے۔ جو درخت اس نے بوئے تھے ان کی جڑیں وہ کھود رہی ہے۔ جاؤ۔ تمھیں معاف کیا گیا۔ اے ہڈیو! طاقت حاصل کر لو۔ اے منہنیو! کھانا قبول کر لو۔ اے آنکھو! اپنا اندھا پن بھول جاؤ۔ اے ٹانگو! آوارہ گردی چھوڑ دو۔ مڑے بن جاؤ اور منسو ہو لو۔ شادیاں کر داور نسل بڑھانا کیونکہ وہ بددعا، جو ہم نے تمھیں دی تھی، اب دعا بن گئی ہے۔ پھلو پھلو اور درخت زہاد کہ یہی ہے مادر شجر کی مرضی“

یہ نہیں۔ نہیں۔ ایدو کے الفاظ ریکل کی سمجھ میں آئے تو اس نے چیخ کر کہا: اے لوگو! اس نے جو کچھ کہا ہے اس پر یقین نہ کرو کیونکہ یہ کسی اند کی نہیں بلکہ انکو سازاؤ زولا کی مرضی ہے۔ ہاں۔ اس کی مرضی ہے جس کی روح بھٹک گئی ہے اور کسی دوسرے کی روح بھی بھٹک گئی ہے اور میں ان دونوں روحوں کی تلاش میں سفر کر رہی ہوں؟

اور پھر فوراً ہی اس پر دیوانگی کا دورہ پڑا اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر وہی بھیانک تہمت لگایا جسے سن کر زولوں خوف سے سمٹ جاتے تھے۔ لیکن

ان لوگوں نے، جن کے سر سے سراپ اور مصیبت ٹل گئی تھی، اس کے اس تہقے کی پروا نہ کی اور وہ اس کی طرف دوڑ پڑے اور چونکہ وہ ریکل کو بلکہ اس کے چنے کے دامن کو بھی چھونے کی جرات نہ کر سکتے تھے اس لیے وہ اندھے منہ لیٹ کر اس زمین کو چومنے لگے جہاں ریکل کھڑی ہوئی تھی اور وہ اس کا شکریہ ادا کرنے لگے اور اس وقت سے ان لوگوں میں تبدیلی ہونے لگی۔ وہ صحت یاب ہونے لگے۔ ان لوگوں کو بڑی سرعت سے محتیا ب ہوئے توئی نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کیونکہ یہ لوگ ریکل کے ساتھ صحرا کے کنارے تک آئے تھے اس کے علاوہ ریکل کی اور اس کی رحم دلی کی شہرت اوم کلوس قبائل میں اس سرے سے اس سرے تک پہنچ گئی اور اوم کلوس والے خوش ہوئے کیونکہ خوابوں کے شکاریوں کی ظالمانہ حکومت سے وہ تنگ آ چکے تھے اور ان کی غلامی کا جہاں ان کی گردنوں پر بھاری ہو رہا تھا اور اس دن سے وہ ریکل کا، خواہ وہ پاگل ہو یا نہ ہو، زردلوؤں سے بھی زیادہ احترام کرنے لگے اور انھوں نے بھی اسے وہی یقین کر لیا جو زردلو یقین کرتے تھے یعنی عظیم روح کیونکہ ان کے خیال میں کسی انسان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ خوابوں کے شکاریوں کے سراپ سے انھیں نجات دلا دیتا۔

اور اس دن سے ایدو، پونی اور ہانا بھی ریکل سے چھپ کر اس قسم کے مجرموں کی قسمت کا فیصلہ کرتے اور اس کے بعد انھوں نے کبھی "سحر زدہ" لوگوں سے پرانہ میں ملاقات نہ کی۔ اس کے علاوہ چند ایسے لوگ پکڑے گئے جنھوں نے خوابوں کے شکاریوں کے خلاف بغاوت کی سازش کی تھی اور اب لوگوں کو ایدو کسی مقصد کے تحت اپنے وطن کی طرف لیے جا رہا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ ریکل ان سازشیوں کے انجام سے واقف ہو جائے اور یہ جان کے کہ ایدو دراصل انھیں موت کی طرف لیے جا رہا ہے۔

چنانچہ ایدو پونی اور ہانا نے ان سازشیوں کو مجبور کر کے ریکل کے ڈولی برداروں میں شامل کر لیا کہ اس طرح ریکل ایدو اور اس کے

ساتھیوں کے ارادے اور ان سازشوں کے مقصد سے واقف نہ ہوگی۔ چنانچہ اب غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ڈنگان کی طرح ایدو اور اس کے ساتھی بھی انکو سازانہ سے ڈرنے لگے تھے۔

چنانچہ وہ لوگ اس زرخیز اور بتدریج بلند ہوتے ہوئے علاقے کو عبور کرتے رہے یہاں تک کہ اوم کلوس قبیلے کے کراں بھی پیچھے چھوٹ گئے اور ایک صبح یہ پراسرار تافلہ ایک لقمہ درد صحرا کے کنارے پڑاؤ ڈال چکا تھا۔ بڑا ہی ہمیب تھا یہ صحرا جس کسی خشک سمندر کی تہ کی طرح معلوم ہوتا تھا اور اس صحرائیں کچھ نہ تھا سوائے سنگی اور عکسی ہوئی چٹانوں کے۔ کوئی جاندار نہ تھا سوائے ریگ ماہی اور ان زہریلے سانپوں کے جو دن بھر تو صحرا کے زیت میں اس طرح دفن رہتے کہ صرف ان کے سر سطح ریگ پر ابھرے نظر آتے اور بس لیکن یہ سانپ راتوں کو نکل آتے اوم کلوس قبیلے کے لوگوں کے بعد یہ صحرا خوابوں کے شکاریوں کا سب سے بڑا اور قدرتی محافظ تھا کیونکہ کوئی بھی شخص راہبر اور پانی کا کافی ذخیرہ اپنے ساتھ لیے بغیر اسے عبور نہ کر سکتا تھا اور صحرا درختوں کی سرزمین کے، جہاں خوابوں کے شکاری ہی بسے ہوئے تھے، چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ جب نوئی زولوونڈ سے یہاں آئی تھی تو اسے بھی مجبوراً کسی دنوں تک صحرا کے کنارے پر رکنا پڑا تھا یہاں تک کہ اس کی آمد کے متعلق مادر شجر نے اپنے طور پر معلوم کر لیا اور بھڑکا ہنوں اور محافظوں کو اس کی طرف بھیج دیا کہ وہ نوئی کو درختوں کی سرزمین تک لے آئیں لیکن مادر شجر کے بھیجے ہوئے ان آدمیوں نے ان زولوونڈ کو، جو نوئی کے ساتھ آئے تھے، اپنے ساتھ لیا سوائے ایک زولوونڈ کے کہ وہ مادر شجر اور نوئی کے درمیان جو گفتگو ہو اس کا گواہ رہے۔ چنانچہ بقیہ زولوونڈ کو اوم کلوس لوگوں کے پاس ہی چھوڑ دیا گیا تھا اور اس پر زولوونڈ نے ذرا بھی اعتراض نہ کیا کیونکہ انھوں نے خوابوں کے شکاریوں کے جادو کے بڑے عجیب و غریب قصے سُن رکھے تھے اور ان کے ملک میں جاتے وہ ڈرتے تھے۔

لیکن یہ بھی سچ ہے کہ زرد لو اوم کلوس لوگوں سے بھی ڈرتے تھے کیونکہ وہ قدیں دیوتھے اور بڑے ہی وحشی اور غضب ناک قسم کے لوگ معلوم ہوتے تھے چنانچہ زرد لوؤں نے انھیں انسان نہیں بلکہ بھوت سمجھا اور پھر نہ سوچنے لگے کہ اگر یہ بھوت ایسے ہی پر قوت تھے جیسے کہ نظر آتے تھے تو پھر وہ ان بھورے بونوں کی حکمرانی کیوں برداشت کئے ہوئے تھے جو ان کے علاقے سے بہت دور اور صحرا کے اس پار رہتے تھے۔ بہر حال اوم کلوس نے زرد لوؤں کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی اور جب نوئی لوٹ کے آئے تو یہ لوگ محفوظ اور خوش تھے۔

اس دن شام کے وقت ریچل اور اس کے ساتھ والے صحرا میں اتر پڑے اور اس طرف قدم زنی کرنے لگے جس طرف سورج کا سرخ گھومتا ہوا گولہ گویا ریت کے سمندر میں ڈوب رہا تھا۔ اور اب ریچل کو مجبور کیا گیا کہ وہ ڈوئی میں سوار ہو جائے۔ ایدو نے کہا کہ اب اسے پیدل چلنے کی اجازت نہ دی جاسکتی تھی کیونکہ اسے خوف تھا کہ کہیں کوئی سانپ اسے ڈس نہ لے۔ چنانچہ ریچل نوئی کی ڈوئی میں سوار ہو گئی۔ دیوتہ قاربت کہاؤں نے ڈوولی اٹھائی اور پھر صحرا میں بھاگ پڑے اور جب وہ تھک جاتے تو دوسرے کہاؤں ڈوولی اٹھالتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دوسرے کہاؤں بھی اس قافلے میں شامل ہو گئے لیکن یہ کہاؤں ڈوولیاں نہیں بلکہ اپنے کندھوں پر پانی سے بھری ہوئی مشکیں اٹھائے ہوئے تھے۔ پانی کے اتنے بہت سے ذخیرے کی ضرورت کیا تھی؟ اس کا جواب ریچل کو فوراً مل گیا۔ صحرا سے ریت میں نمک کا عنصر زیادہ تھا اور صحرا کی فضا بھی نمکین تھی چنانچہ اس صحرا میں سفر کرنے والوں کو بار بار پیاس معلوم ہوتی تھی اور اگر یہ پیاس فوراً ہی بجھائی نہ جاتی تو مسافر مر جاتے۔

یہ ایک عجیب سفر تھا اور حالانکہ ریچل اس کی طرف کچھ زیادہ دھیان نہ دے رہی تھی

تاہم گرد و پیش کی ویرانی اور سفر کی تفصیلات خود بخود اس کے ذہن پر نقش ہوتی جا رہی تھیں۔ صحرا کی مکمل ترین اور غیر ارضی سی خاموشی نمک آلود ریت پر لوٹتی ہوئی چاندنی

یہاں وہاں نامکمل مجسموں یا مستطیل میناروں کی طرح کھڑی ہوئی چٹانیں، پہاڑوں اور باربرداروں کے پیروں تلے سے اٹھتے ہوئے ریت کے بادل، راہبروں کی چٹخیں، سخت گرمی اور کھٹن، بار بار چند منٹوں کا قیام کہ خشک حلق پانی سے تر کر لے جائیں، کبھی کبھار خوف کی چٹخیں اور کھنگڑی جب کوئی باربردار تھک کر گر جاتا یا موت کی چٹخیں جب کسی ادم کو کسی کو کوئی سانپ ڈس لیتا۔ یہ اور دوسری عجیب باتیں ریکل کے پاگل اور خالی ذہن پر نقش ہوتی جا رہی تھیں۔

ایک دن ریکل نے نوئی سے پوچھا کہ ان لوگوں کا کیا بنا جو تھک کر راستے میں ہی گر گئے تھے! جنہیں سانپوں نے ڈس لیا تھا۔ نوئی نے سر ہلا کر اپنی لاعلمی ظاہر کی کیونکہ وہ ریکل کو یہ بتانا نہ چاہتی تھی کہ ان لوگوں کو وہیں چھوڑ دیا جاتا تھا کہ اگر وہ اپنی بستی میں واپس پہنچ سکتے ہوں تو پہنچ جائیں ورنہ صحرائیں ہی پڑے رہیں اور بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کے مر جائیں۔

رات بھر اور دن کے ابتدائی حصوں میں ان کا سفر جاری رہا اور آخر کار انہوں نے پہاڑیوں کے ایک مجموعے کے درمیان، جو ایک زبردست قلعہ کی طرح تھیں، کھانے اور گودام کرنے کے لیے قیام کر لیا۔ سورج آگ برساتا اور صحرا کو گلخن زار بناتا رہا یہاں تک کہ وہ غروب ہو گیا اور یہ قافلے والے دن بھر سوتے رہنے کے بعد پہاڑیوں کے قلعہ میں سے نکلے اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے لیکن چند باربرداروں کو اسی جگہ چھوڑ دیا گیا کیونکہ اب قافلے والوں کے پاس پانی نہ یا ذہ نہ رہ گیا تھا اور وہ ادم کھوس ٹھنڈی ریت پر گہ پاراضی بہ رضا بیٹھے خوابوں کے شکاریوں کے قافلے کو جاتے دیکھتے رہے اور وہ جانتے تھے کہ اب چونکہ ان کے پاس پانی نہ تھا اس لیے ان میں سے ایک دو ادم کھوس ہی زندہ اپنے گھر پہنچ پائیں تو پہنچ پائیں ورنہ وہ سب کے سب اس بے رحم صحرائیں پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں گے۔ لیکن خوابوں کے شکاریوں کا خوف ان کے دلوں پر ایسا بیٹھا ہوا تھا کہ ان غریبوں میں سے ایک نے بھی احتجاج نہ کیا اور نہ

کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں گے۔ لیکن خوابوں کے شکاریوں کا خوف ان کے دلوں پر ایسا بیٹھا ہوا تھا کہ ان غریبوں میں سے ایک نے بھی احتجاج نہ کیا اور نہ

کسی کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ اید و اور اس کے ساتھیوں سے درخواست کرتا کہ انہیں بھی تھوڑا سا پانی دے دیا جائے کہ گھر پہنچنے کی کچھ تو اُمید بندھے نہیں۔ وہ تو بار بار دروازہ جانور تھے جن سے خوابوں کے شکاری اس وقت تک کام لینے تھے جب تک کہ وہ مر نہیں جاتے تھے۔

دوسری رات کا سفر پہلی رات سے مختلف نہ تھا۔ رات بھر سفر کرنے کے بعد انہوں نے پھر چٹانوں کے درمیان قیام کر دیا۔ ریت نے رگڑ رگڑ کر ان چٹانوں کو بڑی خوف ناک شکلیں دے دی تھیں اور کئی ایک چٹانوں سے نمک کی ٹھوسس برتنی تلبیس لٹک رہی تھیں۔ ایک بار بار دروازہ جس نے اس سفر میں سستی و کاہلی کا مظاہرہ کیا تھا، بطور سزا پینے کو پانی نہ دیا گیا تھا اور وہ پیاس سے بے تاب ہو رہا تھا۔ چنانچہ وہاں پہنچتے ہی اس نے ان نمکین قلموں کو چوسنا شروع کر دیا۔ یکا یک وہ پاگل ہو گیا اور ننگا چاقو بلند کر کے اید و پونی اور ہاناک کی طرف لپکا جواپنے اپنے چھاتوں تلے۔ اور ان چھاتوں پر ٹھنڈک کے لیے پانی چھڑکا گیا تھا۔ بیٹھے ہوئے تھے یہ بار بار اپنے آپ میں نہ تھا اور تینوں بونوں کو قتل کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

اور اب جو تینوں بونوں نے عین اپنے سر پر چاقو کا پھل چکے دیکھا تو ان کا تمام "روحانی سکون" درہم برہم ہو گیا اور وہ خوف سے اپنی باریک آوازیں چوہوں کی طرح "چوں۔ چوں" کرنے لگے اور وہ زمین پر لیٹ گئے اور چیخ چیخ کر محاذیوں سے کہنے لگے کہ انہیں "سرخ موٹ" سے بچایا جائے۔ صلہ آور کو پکڑ کر اوندھے منہ بچھاڑ دیا اور اس کا چہرہ ریت میں دب کر اس کا دم گھونٹ دیا گیا لیکن مرنے سے پہلے وہ ایک دفعہ اپنا سراٹھا کر اید و کی طرف چاقو پھینکنے میں کامیاب ہو گیا۔ چاقو اید و

کے ایک بازو پر خراش لگا گیا اور اس خراش سے زردی مائل خون بہہ نکلا۔ خون دیکھتے ہی اس کے دونوں ساتھی رونے پھینے لگے اور ان کا ماتم بہت دیر تک جاری رہا۔

”یہ لوگ اتنے بزدل کیوں ہیں؟“ ریحل نے نوئی سے پوچھا۔ اس نے یہ نہ دیکھا تھا کہ ادم کلوسس کا سر ریت میں دبا کر مار ڈالا گیا تھا۔ اس نے تو صرف یہی سمجھا تھا کہ ایدو کے بازو پر کسی طرح خراش اگئی ہے اور بس۔۔۔ اس لیے زولا کا خون دیکھتے ہی انہیں خوف آتا ہے“ نوئی نے جواب دیا۔ اور خون ان کے نزدیک بہت ہی برا شگون ہے۔ یہ لوگ موت سے نہیں ڈرتے کیونکہ یہ بذات خود تقریباً بھوت یا روحیں ہیں لیکن سرخ موت سے ڈرتے ہیں کہ اس طرح پھر کبھی، ان کے اعتقاد کے مطابق، روح اور جسم کا سلاپ نہیں ہوتا کیونکہ سرخ موت کے ذریعہ روح کو جبراً جسم سے جدا کر دیا جاتا ہے۔

اسی دن دوپہر کے وقت آسمان پر مہیب بادل چھا گئے اور آگ اگلتا ہوا سورج ردپوش ہو گیا، جو ابند ہو گئی، گرمی بڑھ گئی اور صحرا پر ایک بھیانک خاموشی مسلط ہو گئی۔ ادم کلوسس بار بار دار پردہ نشان ہو گئے اور چھوٹے چھوٹے گرہوں میں بٹ کر آپس میں کانٹا پھوسیاں کرنے لگے۔ ایدو اور اس کے دونوں ساتھی بھی سوز سکے حالانکہ رزنا نے دوپہر کو سو جانا ان کا معمول تھا۔ اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی نیند کیوں اڑ گئی تھی؟ اس لیے کہ صبح کے واقعہ کا خوف اب تک ان کے دلوں سے دور نہ ہوا تھا یا اس لیے کہ ادم کلوسس بار بار دونوں کی طرح دے بھی گھرائے ہوئے تھے؟ سورج چونکہ پوری طرح بادلوں میں چھپ گیا تھا اور دھوب غائب ہو چکی تھی اس لیے ایدو پونی اور ہانا اپنے اپنے چھاتوں تلے سے رینگ آئے اور کبھی صحرا کی دستوں کی طرف، جس کی ریت اس نیم تاریکی میں برف کی طرح چمک رہی تھی، اور کبھی گہرے ہوئے ہڈیوں کی طرف دیکھنے لگے۔ آخر کار انہوں نے اپنے پیالے منگوائے کہ جو کچھ ہونے والا تھا اسے دیکھ لیں لیکن شبنم ختم ہو چکی تھی ان لیے کچھ بھی دیکھنا ممکن نہ رہا تھا۔

چنانچہ تینوں ساحروں نے بار بار دونوں کے افسر کو طلب کیا اور ان افسروں نے وہ بات بتادی جو کسی بھی جادو کے بغیر معلوم کی جاسکتی تھی یعنی یہ کہ ایک زبردست طوفان آنے والا تھا اور یہ کہ اگر اس طوفان نے ان لوگوں کو صحرا میں ہی آلیا تو پھر وہ سب کے سب

محر کے اڑتے ہوئے قدوں میں دفن ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ سفید موت تاہم تینوں بونے سے بیک کہنے کے لیے تیار نہ تھے۔ چنانچہ انھوں نے خلاف معمول فوراً ہی روانگی کا حکم دیدیا۔ اگر وہ لوگ صبح معمول سورج غروب ہونے کے بعد روانہ ہوتے تو صبح کی پہلی کرن کے ساتھ درختوں کی سرزمین میں پہنچ جاتے اور اب دوپہر کے وقت روانہ ہونے کی وجہ سے آدھی رات کے وقت وہاں پہنچ جائیں گے بشرطیکہ طوفان نے انھیں آنے لیا اور کوئی واقعہ نہ ہوا۔ بہر حال ڈوبلیاں نیا دگی گئیں اور وہ لوگ روانہ ہو گئے۔ گرمی اس قدر سخت اور ناقابل برداشت تھی کہ بار بار دروں کی زبانیں باہر نکل آتی تھیں اور ہر دفعہ ایک نہ ایک بار بار دار تیور اگر ریت پر ڈھے جاتا تھا۔

شام ہو رہی تھی کہ طوفان نے جیسے سانس لینا شروع کیا۔ ہوا کے بھولے بھٹکے جھونکے آنے اور گزرنے لگے۔ بجلی بھی کبھی چمک جاتی تھی۔ اور پھر گرم ہوا چلنے لگی جس کا زور بتدریج بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ ریت پر ہلکی ہلکی سی لہریں اٹھنے لگیں۔ پھر ریت کروٹیں سی بدھنے لگی اور ریت کے ذرات اچھلنے لگے کیونکہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہوا چاروں سمتوں سے چل رہی ہے اور آخر کار ہواؤں میں جیسے سمجھوتا ہو گیا اور اب ہوا کے تیز اور گرم جھونکے مغرب کی طرف سے آئے اور مسافروں کے چہرے پر تھپیڑے مارتے چلے گئے۔ ہوا کا زور دم بدم بڑھتا چلا جا رہا تھا اور اب ایدو نے اپنی ڈولی میں سے کچھ سے کی طرح سر نکال کر بار بار دروں سے کہا کہ وہ اور بھی تیز چلیں کیونکہ اب محر کا کچھ زیادہ حصہ باقی رہ گیا تھا اور اس کے فوراً بعد ہی گھاس کا علاقہ شروع ہوتا تھا اور وہاں ریت میں دب مرنے کا ظاہر ہے کہ کوئی خدشہ نہ تھا۔ بار بار دروں نے ایدو کا حکم سنا اور وہ اور بھی تیزی سے بھاگنے اور ڈوبلیاں اٹھانے والے بار بار کندھ بڈھنے لگے کیونکہ ایک تو ریت میں بھاگنے اور تیزی سے پھسکنے ہوئی مخالف ہوا کی وجہ سے وہ بہت جلد تھک جاتے تھے۔

لیکن طوفان ان سے زیادہ تیز ثابت ہوا۔ ابھی یہ لوگ محرا میں ہی تھے کہ وہ اپنی

پوری قوت کے ساتھ بھٹ پڑا۔ پھر اندھیرا اتر آیا۔ مکمل ترین اندھیرا۔ اور ریت اور نمک اڑا کر ان مسافروں پر ادلوں کی طرح گرنے لگا۔ اس اندھیرے، اڑتے ہوئے ریت اور طوفان میں بھی ادم کلوس اپنا راستہ چلتے رہے اور نوئی، جو انھیں دیکھ رہی تھی، یہ نہ سمجھ سکی کہ انھیں اس اندھیرے میں راستہ کس طرح نظر آ رہا ہے کیونکہ وہاں نہ تو سنگ میل تھے اور نہ نشان راہ۔ وہ لوگ آگے بڑھتے رہے۔ نمکین ریت ان کی آنکھوں، نتھنوں اور پھیپھڑوں میں بھر کر انھیں اندھا کرنے اور ان کا دم گھونٹتا رہا۔ یکے بعد دیگرے ادم کلوس لڑکھڑاکے گرتے اور مرتے رہے لیکن دوسرے آگے بڑھتے رہے۔

آدمی رات کا وقت ہد کا کہ یہ قافلہ یایوں کہیے کہ اس کے بچے کچھ لوگ گرتے پڑتے اس صحرا کے کنارے پر پہنچ گئے۔ یہ کنارہ دراصل پتھروں اور ریت کا ایک میدان تھا جس کے انتہائی سرے سے سرسبز بلندیاں شروع ہو گئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لیے طوفان کا زور ذرا کم ہو گیا۔ یہاں وہاں سے بادل بھی بھٹ گئے اور ان شگافوں میں سے جھانکتے ہوئے تاروں کی روشنی میں نظر آیا کہ وہ لوگ گھاس سے بھری ہوئی ایک ڈھلان اتر رہے تھے جو تقریباً عمودی تھی۔ چند گھنٹوں تک وہ یہ ڈھلان اترتے رہے یہاں تک کہ اس ڈولی کے کنارے، جس میں ریکل اور نوئی سوار تھی، ٹھکن سے چور ہو کر ڈولی سمیت ڈھے گئے۔

نوئی اور ریکل پہلو کے بل گری ہوئی ڈولی میں سے نکل آئیں۔ انھیں چوٹ نہ آئی تھی۔ اور اس کے قریب کھڑی رہ گئیں کیونکہ نہ جانتی تھیں کہ کس طرف جایا جائے۔ تھوڑی دیر بعد ہی دوسری دو ڈولیاں بھی آگئیں۔ تیسری ڈولی کہیں راستے میں ہی چھوڑ دی گئی تھی اور اس میں بیٹھنے والا اب ایدو کے ساتھ اس کی ڈولی میں بیٹھا ہوا تھا اور اب ایک عجیب گڑبڑ مچ گئی۔ تینوں بونے بقیہ بار بار دروں کو حکم دے رہے تھے کہ وہ ڈولیاں اٹھا کر آگے بڑھ جائیں۔ لیکن ادم کلوس دیو قامت اور طاقتور ہونے کے باوجود اس قدر تھک چکے تھے کہ وہ ڈولیاں نہ اٹھا سکتے تھے۔ وہ زمین پر پڑے ہانپ رہے تھے

اڑ رہے تھے کہ اگر ایدو کا جی چاہے تو انھیں بددعا دے دے یا ان کا خاتمہ کر دے جس طرح کہ ان کے بھائیوں کا خاتمہ کر دیا گیا تھا لیکن اب وہ ایک قدم بھی آگے بڑھانے کے قابل نہ رہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے کہا، وہ اس وقت تک اسی جگہ پڑے رہیں گے جب تک کہ سستا نہیں لیتے اور جب تک انھیں پینے کو پانی نہیں مل جاتا۔ وہ اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے جب تک کہ پانی نہیں برسے لگتا۔ اب تینوں بوٹوں نے چاہا کہ ریکل ان میں سے کسی ایک کی ڈولی میں سوار ہو جائے اور نوئی پیدل چلتی رہے کیونکہ ان تینوں میں سے ایک بھی پیدل چلنے کے لیے تیار نہ تھا۔ جب ریکل ان کا مطلب سمجھ پائی تو اس نے جواب دیا۔

”نہیں۔ میں پیدل چلوں گی۔“

اور ایک گمے ہوئے اوم کلوسس کا بھالا اٹھا کر اور اسے چھتری کی طرح ٹیکتی اور دوسرے ہاتھ سے نوئی کا ہاتھ پکڑے دے ڈھلان اترنے لگی۔

تینوں بوٹوں میں سے ایک نے اپنا ہاتھ بڑھا کر ریکل کا دامن پکڑ لیا کہ اسے بہر حال ڈولی میں بٹھالے لیکن وہ بھالا بلند کر کے ایک دم سے اس کی طرف گھوم گئی اور نوئی نے اس کا دامن چھوڑ کے ڈولی میں یوں گھس گیا جیسے گھونگیا اپنے خول میں۔ چنانچہ نوئی اور ریکل ڈھلان اترنے لگیں اور ان کے پیچھے کاہنوں کی ڈولیاں چلی آرہی تھیں جنھیں اوم کلوسس نے اٹھا رکھا تھا جواب بھی چلنے کے قابل تھے۔ ڈھلان کے نیچے اور دور سے ایک عجیب شور سا اٹھ رہا تھا جیسے طوفانی سمندر کی موجیں پتھر بے ساحل سے ٹکرا رہی ہوں۔

”کیسی آواز ہے؟“ ریکل نے نوئی کے کان کے قریب منہ لے جا کر اور جھج کر پوچھا کیونکہ ہوا کا زور پھر بڑھنے لگا تھا۔

”یہ ہوا کا شور ہے جو اس جنگل میں پھنک رہی ہے جہاں خوابوں کے شکاری بستے

ہیں۔ نوئی نے جواب دیا۔

اور پھر پوچھی۔ بڑی ہی دہشت انگیز اور سرخ صبح تھی وہ۔ جیسے جیسے روشنی بڑھتی گئی انھیں وہ نظر آنے لگا جو اب تک نظر نہ آیا تھا۔

ڈھلانوں کے نیچے ایک اتھلا دریا بہ رہا تھا اور اس کے کنارے سے ایک عجیب اور پر اسرار نظر آتا ہوا جنگل حد نظر تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس عظیم جنگل کے درخت بھی عظیم تھے جو دس سو فٹ تک یا اس سے بھی زیادہ بلند ہوتے چلے گئے تھے۔ پورا جنگل ایک مواج سندر ہی معلوم ہوتا تھا۔

دریا پر نظر پڑتے ہی نوئی اور ریکل ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کے اس کی طرف بھاگ پڑیں کیونکہ وہ پیاسی تھیں اور صحرا کی ریت اور نمک نے ان کے حلق میں کانٹے ڈال دیئے تھے۔ وہ بار بار رہا بھی، جنھوں نے ڈولیاں اٹھا رکھی تھیں اور جن میں تینوں بونے سوار تھے، تینوں کاہنوں کی چیخوں کی پردا نہ کرتے ہوئے تیزی سے دریا کی طرف بھاگے۔ آخر کار وہ وہاں پہنچ گئے اور اوندھے منہ لیٹ کر اور سطح آب سے اپنے ہونٹ چپکا کر اس دقت تک پانی غٹ غٹاتے رہے جب تک کہ ان کی جلتی ہوئی پیاس بجھ نہ گئی۔ حتیٰ کہ تینوں بونے بھی پانی پینے کے لیے ڈولیوں میں سے نکل آئے۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد انھوں نے دریا عبور کیا اور اس راستے پر چل پڑے جو سیدھا جنگل کی طرف جاتا تھا ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ ایک بار پھر طوفان، جس کا زور در پچھلے چند گھنٹوں سے ٹوٹ گیا تھا، پوری تندہی سے پھٹ پڑا۔ بجلی چمکنے لگی، بادل گر بنے لگے اور ہوا تو جیسے دیوانی ہو گئی اور اس کا زور اس قدر بڑھا کہ معلوم ہوتا تھا ہوا آج بہہ کر پھر کبھی نہ بہے گی۔ یکایک ہوانے وہ ڈولیاں، جن میں ایدو، پونی اور ہانا بیٹھے ہوئے تھے۔ دیو قامت کہا زور کے کندھوں پر سے گھسیٹ کر زمین پر دے ماریں۔ ڈولیاں کنزور اور نازک تھیں چنانچہ ٹوٹ کر بونوں پر ڈھیر ہو گئیں بڑی کوششوں کے بعد کہا زور نے ڈولیوں کے "میلے" تلے سے تینوں کاہنوں کو گھسیٹ کر

باہر لگا۔ تینوں بونے کانپ رہے تھے اور دیو قامت بار برداروں کے بازوؤں سے یوں لٹکے ہوئے تھے جیسے بچہ ہم کر اپنی ماں کے ہاتھ سے لٹک جاتا ہے۔ ریکل نے انھیں اس حالت میں دیکھ کر ایک قہقہہ لگایا۔

”خوابوں اور ساحروں کے بادشاہوں کی حالت تو دیکھو! اس نے چیخ کر نوئی سے کہا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو بدو عادی کر لوگوں کو مار ڈالتے ہیں اور خوابوں کے شکار یوں اور وحوش پر حکومت کرتے ہیں۔“

اور اس نے ان مریل اور بھورے بونوں کی طرف اشارہ کیا جو دیو قامت بار برداروں کے بازوؤں سے چپکے آگے گھٹتے چلے آ رہے تھے اور یہ وہی بار بردار تھے جنہیں یہ بونے چند گھنٹوں پہلے موت کی زعمیاں دے چکے تھے۔

”ہاں۔ میں دیکھ رہی ہوں زردلا“ نوئی نے اس کے کان میں کہا۔ جب اسن و سکون ہوتا ہے تو ان لوگوں کی ردیوں میں بڑے زردوں پر ہوتی ہیں لیکن مصیبت اور خطرے میں یہ لوگ موت سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ اگر میں ان بار برداروں میں ہوتی تو ان ساحروں کا خاتمہ کر دیتی کیونکہ ان کے ظلم و ستم سے نجات پانے کا یہ بہترین موقع ہے۔“

لیکن ان دیو قامت بار برداروں نے ایسا نہ کیا بلکہ انھوں نے کیا تو یہ کیا کہ جب تینوں بونے تھک گئے اور طوفان کے خوف سے نیم جان ہو گئے تو ادم کلاس نے انھیں اپنی گود میں اٹھالیا جس طرح عورت اپنے بچے کو اٹھا لیتی ہے۔

اب وہ لوگ اس میدان کو عبور کر رہے تھے جوں دریا سے عظیم جنگل تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میدان میں مولشیوں کے ریوڑ کے ریوڑ طوفان سے خوف زدہ ہو کر بھاگتے پھر رہے تھے اور ان کے رکھوائے، جو اوم کلاس کی طرح دیو قامت ہی تھے، انھیں کسی ایسی جگہ نہ کالے جانے کی کوشش کر رہے تھے جہاں انھیں طوفان سے پناہ مل سکے۔ اسی میدان میں چند کھیت بھی تھیں اور انھیں کھیتوں سے خوابوں کے شکار یوں کی خوراک کا مسئلہ حل ہوتا تھا۔

آخر کار وہ لوگ جنگل میں داخل ہوئے اور ریکل کی صرت زدہ نظر نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ ہر درخت کے تنے کے قریب خیمہ نما ایک جھوٹی سی جھونپڑی تھی اور ہر جھونپڑی کے دروازے کے سامنے ایک بونا زمین پر پھسکا مارے بیٹھا ہوا تھا اور بولے کے سامنے کاٹھ کا ایک پیالہ دھرا ہوا تھا اور بونا اس میں دیکھ رہا تھا اور اپنا سینہ کوٹ رہا تھا۔

”یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ ریکل نے نوٹی سے پوچھا۔

”زدلا! اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس لیے رو رہے اور سینہ کوٹ رہے ہیں کہ ہوا پیالوں میں کی شبنم کو ہلکوارے دے رہی ہے چنانچہ ان لوگوں کو اس میں کچھ نظر نہیں آ رہا ہے اور وہ یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ ان کا درخت کھڑا رہے گا یا گر جائے گا۔ میرے ساتھ آؤ۔ زدلا۔ میرے ساتھ آؤ۔ یہاں ہم محفوظ نہیں ہیں۔ راستہ میں جانتی ہوں؟“

طوفان اپنے عروج پر تھا۔ جنگل کے بلند و بالا درخت جھوم رہے تھے اور لچکدار ترسلوں کی طرح جھکے پڑ رہے تھے۔ بڑے بڑے ٹہنے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ ایک ٹہنا ایک بونے پر گرا اور وہ کچی ہو گیا۔ ارد گرد کے بونوں نے اس کا یوں حلوا سا بنتے دیکھا تو وہ چیخ پڑے۔ دیو قامت بار برداروں کی گود میں چڑھے ہوئے ایدو، پونی اور بانانے بھی یہ نظارہ دیکھا اور وہ چیخنے لگے کیونکہ خون دیکھتے ہی ان لوگوں کو لرزہ چڑھ آیا تھا۔

جنگل طوفان کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ وہ جیسے چیخ رہا تھا اور کراہ رہا تھا اور بار بار چمکتی ہوئی بجلی اس کے تاریک قلب میں روشنی کی لکیروں سی دوڑا رہی تھی۔ طوفان کی تیزی اور خوفناکی اور جنگل کا عجیب منظر ریکل کے اعصاب پر اثر انداز ہوا۔ چنانچہ وہ اپنا بھالا ہلانے اور چیخنے لگی اور پھر بھیانک تھپتھپانے لگی۔ اس کے عجیب

قہقہے اتنے عجیب اور بھیاں تک تھے کہ اس پاس کے درختوں تلے بیٹھے ہوئے بونے پیالوں میں دیکھنا اور سینہ کو ڈبانا بھول کر سہمی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

ہر ہر قدم پر موت کو سامنے دیکھتے لیکن ہر دفعہ اس سے بچتی ہوئی ریکل اور نوئی آگے بڑھتی رہیں یہاں تک کہ وہ جنگل میں چھٹے ہوئے ایک وسیع میدان میں پہنچ گئے۔ اس میدان کے بیچ میں ایک تنہا درخت کھڑا ہوا تھا جو جنگل کے دوسرے تمام درختوں سے زیادہ عظیم تھا۔ ایسا درخت کبھی کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا۔ اس کا تنہا جو سو فٹ اور پرتھانکا تھا، یعنی اس پر ایک بھی ٹہنی اور ایک بھی شاخ نہ تھی، ڈنگان کے محل کی جھونپڑی سے زیادہ چوڑا تھا اور اس کی چوٹی تیزی سے بھاگتے ہوئے بادلوں میں گم تھی اس درخت کے سامنے بہت سے لوگ جمع تھے۔ عورتیں، مرد اور بچے اور یہ سب کے سب بونے تھے۔ یہ لوگ گھٹنوں کے بل بیٹھے دعا میں مصروف تھے۔ درخت کے تنے کے قریب اور خمیر نما جھونپڑی کے دروازے کے سامنے ایک ننھی ننھی عورت کھڑی ہوئی تھی جس کے لہجے اور بھورے بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔

”مادر شجر“ نوئی نے اس عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخ کر ریکل سے کہا ”چلو اس کے پاس۔ وہ ہمیں پناہ دے گی۔“

اور وہ ریکل کا ہاتھ پکڑ کر اس طرف چلی۔

لیکن ابھی انھوں نے پہلا ہی قدم اٹھایا کہ یکایک بڑے زور سے بجلی چمکی اور سناٹا ہی ہوا کا خوف ناک جھکڑ آیا۔ شاید بجلی اس درخت پر گری یا پھر ہوا کے جھکڑ نے اس کی جڑیں توڑ دیں۔ وجہ کچھ بھی ہو عظیم درخت کا تنا بیچ میں سے پھٹ گیا اور وہ کڑکڑا کر گرا۔ اس کے ٹوٹنے کی آواز گھری بھر کے لئے طوفان کی آوازوں پر غالب آگئی۔ دیر بعد ٹپنے نوئی اور ریکل کے دائیں بائیں گرے لیکن وہ دونوں بہر حال محفوظ رہیں۔ ایک ٹہنہ اس اور مکلوس کی جو ایک دوسرے میں لیے ہوئے تھا، گردن سے ٹکرایا۔ اس کا سر صاف اڑ گیا لیکن ایدو

محفوظ رہا۔ اور ٹھنڈا اس بار بردار کے عین سر پر گرا جو پونی کو اٹھائے ہوئے تھے اور وہ دونوں زندہ ہی دفن ہو گئے اور پھر کبھی نہ دیکھے گئے۔ اکثر بونے گرتے ہوئے درخت کی حدود سے باہر تھے لیکن تیز ہوائ نے چند ٹہنیاں جو ٹوٹ گئی تھیں، اٹھا کر ان لوگوں کے سروں پر لاپھٹیں چڑھائی تھیں اور بونے دے مرے اور چند بری طرح سے زخمی ہو گئے۔

دس سکندے۔ صرف دس سکندے میں یہ آفت آئی اور گزر گئی۔ وہ عظیم درخت جو ہزاروں سال سے اس جنگل کا حکمران تھا زمین پر دراز ہو چکا تھا۔ اس کی ٹہنیاں ادھر ادھر پڑی ہوئی تھیں اور بنالیا لیا ہوا تھا۔ درخت کے گرنے کا دھکا ایسا زبردست تھا کہ نوئی اور ریکل بھی زمین پر گر پڑی تھیں۔ ریکل سنبھل کر اٹھی اور اس نے نوئی کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھٹی کھڑا کر دیا اور پھر جیسے کسی جذبے سے بے تاب ہو کر آگے بڑھی اور پھر گرے ہوئے درخت کے تنے پر چڑھ کر دوڑتی ہوئی اس کی جڑوں تک پہنچ گئی۔ جو اپنے ساتھ مٹی کا ایک بڑا سا تھال ایسے زمین سے اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں۔ حالیہ طوفان کے بعد یکایک سکون ہو گیا تھا جیسے طوفان اپنا تمام زور آزمانے کے بعد اب سستا رہا ہے۔ ریکل نے اپنا دم درست کر کے چاروں طرف دیکھا۔

چاروں طرف بلند و بالا درخت قطار اندر قطار کھڑے ہوئے تھے اور ان قطاروں کے درمیان سے گزرتی ہوئی چوڑی چوڑی گلیڈنڈیاں اس میدان سے آملتی تھیں جس میں تھوڑی دیر پہلے ہی درختوں کا بادشاہ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور اس کے دماغ کے اندھیرے میں روشنی کی کیر سی چمک گئی۔ ریکل کو کچھ یاد آنے لگا۔ کیا؟ کیا؟۔ ٹھیک ہے۔ اسے یاد آ گیا۔ وہ خواب جو اس نے کئی برسوں پہلے اس جزیرے پر دیکھا تھا جہاں رچرڈ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے اپنے اس خواب میں ایسے ہی درخت دیکھے تھے جیسے کہ یہ خوابوں کے شکاری تھے اور اس نے یہ بھی تو دیکھا تھا کہ اسی جنگل کے

ایک درخت سے چڑھ بندھا ہوا تھا۔ یہ کیا ہو گیا تھا اسے؟ مافوقی میں رچرڈ کی لاش دیکھنے کے بعد اسے لے کر اب تک کے واقعات اسے یاد نہ تھے۔ اس کا دماغ گم ہو گیا تھا اسے کچھ یاد نہ تھا۔

لیکن یہ مافوقی نہ تھا اور نہ ہی نوئی، جو اس وقت اس کے پاس کھڑی ہوئی تھی وہاں اس کے ساتھ تھی وہ تو بادشاہ ڈنگان کی درخواست پر اپنے لوگوں میں گئی تھی؟ ٹھیک ہے۔ یہی نوئی کا قبیلہ تھا اور یہی وہ بونے تھے، جو اس وقت بندروں کی طرح پیچھے ہوئے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے، جن کا ذکر نوئی نے اس سے کیا تھا۔ اس نے شاید کوئی بھیانک خواب دیکھا تھا۔ وہ شاید اب بھی خواب دیکھ رہی تھی۔ بہر حال اب سنسنی نہ تھی جسے وہ پچھلے کئی دنوں سے، خدا جانے کب سے، محسوس کر رہی تھی سنسنی اور خوف دور ہو چکا تھا اور اس کی جگہ اب حیرت نے لے لی تھی۔ بہر حال اب وہ دیکھے گی کہ کیا ہوتا ہے۔ اور کچھ ہو رہا تھا ایک ننھا سا ہاتھ گہرے ہوئے درخت کے تنے کے پہلو کی طرف سے نمودار ہوا اور اس نے تنے کو کپڑے کی کوشش کی۔

ریکل نے جھک کر دیکھا۔ سفید بالوں والی ایک بونی عورت بیٹھے ہوئے تنے کی دراڑ میں اپنے پیر ٹکائے اس سے بندریا کی طرح لٹک رہی تھی۔ جڑوں نے تنے کو زمین سے تیس فٹ اوپر اٹھا رکھا تھا چنانچہ وہ بونی عورت زمین سے کوئی تیس فٹ اوپر لٹک رہی تھی۔ ریکل سوچ رہی تھی کہ اگر اس عورت کی گرفت چھوٹ گئی تو وہ تیس فٹ نیچے جا پڑے گی اور اس کی ہڈیاں بسرہ ہو جائیں گی۔ وہ سوچنے لگی کہ وہ عورت وہاں کیسے آگئی؟ جب درخت گرا ہے تو وہ اس سے پھٹ گئی تھی یا کسی ٹہنی نے اسے اوپر اٹھالیا تھا اور پھر یکایک اسے خیال آیا کہ اس بونی عورت کو بچایا جاسکتا ہے۔

”میری ٹانگیں پکڑ لو“ اس نے نوئی سے کہا جو قریب ہی کھڑی ہوئی تھی اور یہ الفاظ ریکل نے اپنی اصل اور قدرتی آواز میں کہے تھے اس کا لہجہ پاگلوں کا سا نہ تھا اور نوئی نے اپنی

آنکھوں میں خوشی کی چمک لیے ریچل کی طرف دیکھا۔

”نوئی! میری ٹانگیں پکڑ لو“ ریچل نے پھر کہا ”میرا خیال ہے کہ میں اس عورت کو بچا لوں گی؟“

اور جواب کا انتظار کئے بغیر وہ تنے پر پیٹ کے بل اسی طرح لیٹ گئی کہ اس کا پورا دھڑ تنے سے نیچے لٹک رہا تھا۔

نوئی نے تنے پر بیٹھ کر اپنے پر مضبوطی سے جما کر ریچل کی دونوں ٹانگیں ٹخنوں کے قریب سے مضبوطی سے پکڑ لیں۔ ریچل نے اپنے ایک ہاتھ پر اپنے نازک جسم کا تھوڑا سا بوجھ ڈال کر دھڑا ہاتھ نیچے لٹکا دیا اور عین اس وقت جب نوئی کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی اور وہ گرنے والی تھی کہ ریچل نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ نوئی ریچل کے ہاتھ میں لٹکنے لگی۔ وہ بالکل ہی ہلکی پھلکی تھی۔ پانچ سارے بچے کی طرح اور ریچل خاصی مضبوط تھی چنانچہ اس نے نوئی کو آسانی سے اوپر گھسیٹ لیا اور اب وہ ننھی عورت ریچل کے قریب درخت کے تنے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اب ریچل اٹھی اور ہنسنے لگی۔ لیکن یہ پاگل عورت کی وہ ہنسی نہ تھی جس نے اشمیل اور زو لوؤں کو خوفزدہ کر دیا تھا بلکہ یہ ایک تندرست اور ہمدرد عورت کی شائستہ ہنسی تھی۔

ننھی عورت نے جو بندریا کی طرح ریچل کے قدموں میں ہاتھوں اور ٹانگوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی، اپنا سر اٹھایا اور اپنی چیاں سی آنکھوں سے ٹکڑ ٹکڑ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس وقت سورج بھی نکل آیا اور اس کی شعاعیں اس جگہ اتر آئیں جہاں وہ صدیوں سے نہ اتر پائی تھیں۔

”اے حسینہ! کون ہو تم؟“ نوئی نے سسکی نما آواز میں پوچھا ”ہاں ہاں میں جانتی ہوں۔ تم زو لوؤں کی دیوی انکو سازا نہ ہو۔ وہی جس کے متعلق ہم نے بہت سے خواب دیکھے تھے۔ وہی جسے میں نے بلا بھیجا ہے۔ حسینہ! تم یقیناً پاگل نہیں ہو“

”نوئی! یہ بڑی بی کیا کہہ رہی ہیں؟“ ریکل نے پوچھا ”میں تو صرف چند الفاظ ہی سمجھ پائی ہوں۔“

بونی نے جو کچھ کہا تھا اس کا لفظی ترجمہ نوئی نے ریکل کو سنا دیا۔ موزالہ کرنے اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے اور پھر چند ثانیوں بعد اپنی آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا کر کہا:-

”یہ غلط نہیں کہہ رہی ہے۔ میری روح بھٹک گئی تھی۔ وہ ایک دوسری روح کے ساتھ رخصت ہو گئی تھی لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اب وہ واپس آگئی ہے۔ ان سے کہہ دو کہ میں اپنی روح کی تلاش میں بڑا طویل سفر کر کے آئی ہوں اور اب مجھے اپنی روح مل گئی ہے۔“

نوئی نے جو ریکل کے چہرے پر سے اپنی نظریں ہٹا نہ سکتی تھی، اس حکم کی تعمیل کی لیکن بونی شاید اس کی باتیں سن نہ رہی تھی کیونکہ اس وقت وہ اپنا سینہ کوٹ کر آگے پیچھے ڈول رہی تھی اور رد کر یوں کہہ رہی تھی:-

”ہائے! ہائے! میرا درخت گر گیا۔ ہاں۔ وہ زمین پر لیٹا ہوا ہے جو ابتداً آفرینش سے بڑی شان سے کھڑا ہوا تھا۔ میری دنیا لٹ گئی لیکن ایدو کا درخت اب تک کھڑا ہوا ہے“ اور اس نے ایک دوسرے عظیم درخت کی طرف اشارہ کیا جسے طوفان گرا نہ سکا تھا ”نایا کا درخت گر گیا لیکن ایدو کا درخت کھڑا ہوا ہے۔ اس کا سحر میرے سحر پر غالب آگیا۔“

ابھی یہ الفاظ نایا کی زبان پر ہی تھے کہ ایک بونار بیگتا ہوا درخت کے تنے پر چڑھ آیا۔ یہ بونا کوئی اور نہیں بلکہ ایدو تھا۔ اس کی گول گول آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک اور اس کے پیلے بشرے پر ختمندی کی دمک تھی کیونکہ اب طوفان گزر چکا تھا۔

”نایا!“ ایدو نے نایا کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا ”تمہارا بھوت تمہیں چھوڑ گیا۔ اے بڑھیا! تیرا درخت پیچھے آ رہا۔ دیکھ میں تھوکتا ہوں اس پر“ اور اس نے درخت کے تنے پر تھوک دیا ”تمہارا دور ختم ہوا۔ اب تم مادرِ شجر نہیں بلکہ ایک مہولی بڑھیا ہو۔ بوڑھی نایا۔ بھورے لوگوں پر، خوابوں کے شکاریوں پر اب ایک نئی ملکہ حکومت کرے گی اور میں اس کا وزیر ہوں گا کیونکہ اس کی روح پر میری حکومت ہے۔ اور دیکھو! یہ ہے نئی ملکہ۔“

اور اس نے ریچل کی طرف اشارہ کیا جو اپنے ایک ہاتھ میں بھالائے خاموش کھڑی تھی۔

”اے نئی مادرِ شجر!“ ایدو نے کہا ”حکم مانو میرا اور اس بڑھیا کو موت کے حوالے کر دو۔ سرخ موت کے حوالے تاکہ اس کی روح خون میں مل جائے اور پھر کبھی اس جسم میں نہ آ سکے۔ میں اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیتا ہوں اپنا بھالا اٹھاؤ اور اس بڑھیا کا خاتمہ کر دو اور اس کی جگہ میرے وسیلے سے خوابوں کے شکاریوں پر حکومت کرو کیونکہ میں تمہیں مادرِ شجر بناتا ہوں۔“

اور ایدو سر جھکا کر منتظر کھڑا رہا۔

”نہیں۔ نہیں۔ سرخ موت نہیں“ نایا نے روتے ہوئے کہا ”اے حسینہ! مجھے سفید موت دے کر میری روح کو بچا لو اور اس کے عوض میں تمہیں وہ چیز دوں گی جس کی تم آرزو کرتی ہو۔ ہر چند کہ میرا درخت گر گیا ہے لیکن میں ان تمام لوگوں سے زیادہ دانا ہوں۔“

نئی نے ریچل کے کان میں کچھ کہا۔ اس عرصے میں جنگل کے تمام بونے وہاں جمع ہو گئے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے اور جو کچھ ہوا وہ ان

کی توقع کے خلاف تھا۔ ریچل نے جھاک کر کا پنتی ہوئی نایا کو ایک بچے کی طرح اپنے سینے سے لگا لیا۔

”ماں!“ اس نے کہا۔ میں نہ تو تمہیں سرخ موت کے توالے کر رہی ہوں اور نہ سفید۔ بلکہ میں تمہیں اپنی محبت دے رہی ہوں۔ بے شک تمہارا درخت گر چکا لیکن اب تم میرے سائے میں بیٹھو گی اور محفوظ رہو گی۔ سرخ موت اسی پر نازل ہو گی“ اور اس نے ایدو کی طرف دیکھا۔ ”تو تمہیں نقصان پہنچائے گا۔“

بیٹوال باب مادرِ شجر

ایدو جب ریچل کے یہ الفاظ سمجھ سکا تو چکر اگیا اور اپنا سر اٹھا کے
حیرت سے ریچل کی صورت دیکھنے لگا۔

”یہ سب کچھ تیرا کیا دھما ہے حوامزادی“ اس نے بڑے غصے کے عالم
میں فونی سے کہا جس نے ریچل کی بات کا ترجمہ کر دیا تھا ”ایک عرصے سے
میں تیری قوتوں سے شکرا تے محسوس کر رہا تھا اور یہ تو ہی ہے جس نے انگو سارا
کو میرے خلاف اکسایا ہے۔ تو نے ہی اس بڑھیا کو جو تیری دادی باجی یا کچھ
بھی ہے، اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ اس سفید خام ساحرہ کو یہاں لایا جائے
اور چونکہ اس وقت اس منچوس بڑھیا کا درخت کھڑا ہوا تھا اور میں حکم عددلی
کی جرأت نہ کر سکتا تھا اس لئے میں نے یہ طویل اور تکلیف دہ سفر کیا اور
جب میں نے ڈنگان کے کراں میں اسے دیکھا تو پہلی ہی نظر میں معلوم کر لیا کہ
یہ سفید خام ساحرہ عظیم ہے اور حسین ہے اور یہ کہ اس کی روح بھٹاک
گئی ہے چنانچہ میں اسے اپنا آلہ کار بنا سکتا ہوں اور اپنے الفاظ اس کی
زبان سے ادا کر سکتا ہوں اور اس کی آنکھیں وہ چیزیں دیکھ سکتی ہیں جو
مجھے نظر نہیں آتیں حتیٰ کہ وہ مستقبل میں بھی جھانک سکتی ہے اور وہاں ڈنگان
کے کراں میں اس نے مستقبل معلوم کر لیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب اس
کی روح واپس آگئی ہے چنانچہ اس کے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں رہ

گئی ہے اور وہ خود اپنے الفاظ کا کہہ رہی ہے 'میرے نہیں' اور یہ سب تو نے کیا ہے حرامزادی۔

”شاید“ نوئی نے بڑی بے پروائی سے جواب دیا۔

”تو سمجھتی ہے“ ایدو نے غصے کے عالم میں درخت کے تنے پر، جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا، گھونٹے مار تے ہوئے کہا۔

”تو سمجھتی ہے اس بڑھیا کو اس خزانہ کو بچالے گی کیونکہ تیری رگوں میں اسی کا خون گردش کر رہا ہے؟ لیکن بیوقوف تیرا یہ خیالی غلط ہے کیونکہ نایا کا درخت اب لیٹ گیا ہے اور جیسے جیسے اس کے پتے مرجھاتے جائیں گے یہ بڑھیا بھی مرجھاتی جائے گی۔ اور جیسے جیسے اس کا اس خشک ہوتا جائے گا اس بڑھیا کا خون بھی خشک ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ مرجھائے گی۔ ہاں۔ وہ مرجھائے گی جو اپنے خیالوں کی برسوں تک جینے والی تھی۔“

”اس سے کیا فرق پڑ جائے گا ایدو؟“ نوئی نے کہا ”خصوصاً اس لئے کہ نایا مر کر روتوں میں چلی جائے گی اور پھر تجھے اس وقت تک آسیب بن کر ستانی رہے گی جب تک کہ تو خود مر کر اپنے کرتوتوں کی سزا پانے کے لئے روتوں میں نہیں چلا جاتا۔“

”تو سمجھتی ہے“ غصے سے پاگل ہوتے ہوئے ایدو نے نوئی کی دھمکی سنی ان سنی کر کے کہا ”تو سمجھتی ہے کہ جب نایا اس دنیا سے چلی جائے گی تو خود تو مادرِ شجر بن جائے گی یا اس سفید فام کی وساطت سے ایک عظیم کاہنہ کی طرح بھورے لوگوں پر حکومت کرے گی۔“

”اگر ایسا ہوا ایدو تو پھر وہ دن تمہارے لئے بہت بُرا ہوگا۔“

نوئی نے کہا۔

” لیکن ایسا نہ ہوگا۔ دوغلی نسل کی عورت کبھی مادرِ شجر نہیں بن سکتی۔ ہمارا قبیلہ ہم خوابوں کے شکاری کسی دوغلی نسل کی ملکہ کے سامنے سر نہ جھکائیں گے۔ یہ نہ بھولو کہ زہر بنانے میں میں اپنی مثال آپ ہوں۔ یہ نہ بھولو کہ میں ساحر ہوں اور سحر کر سکتا ہوں اور یہ بھی یاد رکھو کہ میرے پاس وہ غلام ہیں جو تیرا کر سکتے ہیں۔“

” تو پھر انہیں استعمال کر لو اگر کر سکتے ہو۔“

” بے شک۔ میں ان سے کام لوں گا اور اپنی تمام قوت آزمائوں گا اور تنہا تجھ پر نہیں بلکہ اس سفید فام ساحرہ پر بھی جس پر تو جان چھڑکتی یاد رکھ کہ یہ سفید فام اس سرزمین سے زندہ نہ جاسکے گی۔ اس لئے اب وہی راستے رہ گئے ہیں یا تو وہ میرے ذریعہ یہاں حکومت کرے یا پھر مرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ پنہ دلوں کے لئے نایا اسے اپنے علم سے بچا لے لیکن اس کے بعد کوئی اسے بچانے والا نہ ہوگا اور نایا کی زندگی کے اب بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے ہیں کیونکہ میں اس کے درخت تلے آگ جلا دوں گا کہ وہ جلد ہی خشک ہو جائے اور اس کے بعد دیکھوں گا کہ یہ سفید فام ساحرہ کیا پسند کرتی ہے۔ میری حکومت یا موت۔“

اب نوئی کے صبر کا پیمانہ چھلکا۔

” کتے!“ وہ چیخ کر بولی ” غلیظ سور! تیری یہ ہمت کہ انکو سازانہ کی شان میں گستاخی کر رہا ہے؟ اب اگر ایک لفظ بھی کہا تو میں تیرا دل نکال کر اس سورج کے سامنے پھینک دوں گی جس سے تجھے نفرت ہے۔ اور وہ ریکل کے ہاتھ سے بھالا گھسیٹ کر اور اسے بلند کر کے ایدو

ایدو نے اسے بھالا بلند کئے اپنی طرف پکے دیکھا تو خوف کی ایک
جسج کے ساتھ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور گرے ہوئے درخت کے تنے پر اپنی
نخعی نخعی ٹانگوں سے بھاگ پڑا اور ٹہنیوں اور پتوں میں گھس کر غائب
ہو گیا۔ نوئی ہنستی ہوئی واپس آئی۔ مادرِ شجر نایار بچل کی گود سے اتر آئی
تھی اور اب اس کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ نوئی نے بچل کو بھالا
واپس دیتے ہوئے بونوں کی بولی میں مادرِ شجر سے کہا:-

”ایدو باتیں تو بہت بڑی بڑی کہتا ہے لیکن ہے زرا بزدل۔“
”بے شک وہ اول درجے کا بزدل ہے“ نایا نے کہا ”کیونکہ ہمارے
قبیلے کے ہر فرد کی طرح وہ بھی سرخ موت سے ڈرتا ہے لیکن بیٹی! وہ
ہے بڑا خطرناک۔ وہ مجھ سے ٹھن اس بے نفرت کرتا ہے کہ میں کالے
نہیں بلکہ سفید علم سے حکومت کرتی تھی۔ لیکن جب تک میرا درخت کھڑا
تھا اسے مجبوراً میرے ہر حکم کی تعمیل کرنا پڑتی تھی اور میں محفوظ تھی۔
لیکن اب میرا درخت زمین پر لیٹ گیا ہے چنانچہ اب اگر ایدو کا بس
چلا تو وہ مجھے قتل کر دے گا کیونکہ یہی یہاں کا قانون ہے اور پھر اس لڑکی
کو مادرِ شجر بنادے گا جس کے قدموں میں میرا درخت جھک گیا ہے اور
آسمان کے حکم سے گر پڑا ہے۔ اور لوگ اس لڑکی کو ملکہ تسلیم کریں گے
اور اسی کے ذریعہ ایدو خوابوں کے شکاریوں پر حکومت کرے گا اور تمام
اختیارات حاصل کر لے گا کیونکہ رسم و رواج کے مطابق ان پر ایک عورت
ہی حکومت کر سکتی ہے۔ چلو بیٹی۔ اور سفید فام تم بھی چلو۔ میں وہ جگہ
جانتی ہوں جہاں ہم چھپ سکتے ہیں۔ خاتون! وہ قوت جو میری تھی

اب تمہاری ہے چنانچہ جب تک میں زندہ رہوں تم میری حفاظت کرنا اور اس کے عوض میں تمہیں وہ دوں گی جس کی آرزو تمہارا دل کرے گا۔
 ”ماں! مجھے کچھ نہیں چاہئے اور میں کوئی معاذِ طلب نہیں کر رہی۔
 نوئی نے نایا کی تقریر کا ترجمہ سنایا تو ریچل نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔
 ”بلکہ میں تو سمجھتی ہوں کہ فی الحال مجھے حفاظت کی ضرورت ہے کہ کسی طرح اس بونے شیطان سے بچ سکوں۔“

اور پھر نایا کی راہبری میں جس نے ریچل کی اچھلی پکڑ رکھی تھی،
 نوئی اور ریچل تنے پر چلتے ہوئے اس کے سرے تک پہنچ گئے اور پھر
 اس کے ایک موٹے ٹھٹھے پر چل پڑے یہاں تک کہ ایک ایسی جگہ پہنچ
 گئے جہاں سے وہ نیچے اتر سکتے تھے۔ ٹھنیوں کے الجھڑے میں سے نکلنے
 سے پہلے نایا نے جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، جھٹک کر
 ایک ٹھنی کو بوسہ دیا اور روتے ہوئے کہا:-

”الوداع! اے درختوں کے بادشاہ! الوداع۔ تیرے سائے
 میں بیٹھ کر میں نے اور مجھ سے پہلے دالی ملکائوں نے خواب دیکھے ہیں۔
 اب تو نہیں رہا۔ تیرا عروج عظیم تھا اور تیرا زوال بھی عظیم ہے اور تیرے
 ساتھ مجھے بھی زوال آگیا۔ اے عظیم درخت کی روح! میں سرخ موت
 سے پناہ مانگتی ہوں۔ مجھے سرخ موت سے بچائیو تاکہ میں روحوں کی
 سرزمین میں ایک بار پھر تیرے سائے میں بیٹھ کر خواب دیکھ سکوں۔“

اور پھر اس نے ایک ٹھنی توڑ لی جس کے پتے چکنے اور چمکدار تھے
 اور ریچل سے کہا:-

”میں اسے اگادوں گی۔ شاید یہ ٹھنی ان ملکائوں کا گھر بن جائے

جواب تک پیدا نہیں ہوئی ہیں۔ چلو۔ اب چلو۔“

اور وہ جنگل کی طرف گھوم گئی۔

طوفان گزر چکا تھا اور وقتاً فوقتاً سورج بادلوں میں سے نکل کر تیزی سے چمکنے لگتا تھا۔ اس قدر تیزی سے کہ وہ بونے، جو گریس ہوئے درخت کے قریب جمع ہو گئے تھے، بھاگ کر آس پاس کے درختوں کے سائے میں چلے گئے تھے اور اب وہ درختوں کے سائے میں بیٹھے ان تینوں کو جاتے دیکھ رہے تھے، عورتیں، مرد اور بچے۔ سب کے سب انھیں دیکھ رہے تھے اور انہوں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر رچل کو سلام کیا لیکن اس کو سلام نہ کیا جو خدا جانے کتنے برسوں سے ان کی ”ماں“ رہی تھی۔ البتہ ایک بد صورت بونا بھاگتا ہوا نایا کے سامنے آیا اور پکار کر کہا:-

”نایا ایک دفعہ تم نے مجھے سزا دی تھی اب کیوں نہ میں تمہیں قتل کر دوں کیونکہ اب تمہارا درخت نہیں رہا۔“

نایا نے اُداس نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
 ”ہاں مجھے یاد ہے۔ تمہارا گناہ بڑا تھا اور اس کی سزا موت ہی ہو سکتی تھی۔ لیکن میں نے تم سے درگزر کیا اور تمہیں معمولی سی سزا دی تم مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ بے شک میرا درخت لیٹ گیا ہے لیکن وہ ابھی مرا نہیں ہے۔“

اور اس نے وہ ہر می ٹہنی، جو اس کے ہاتھ میں تھی، بونے کی طرف بڑھا دی اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:-

”دیکھو! اب تک میرا علم میرے سینے میں موجود ہے اور سنو

جو میں کہتی ہوں اور یوں کہتی ہوں میں کہ مجھ سے پہلے تمہیں موت آئے گی اور تمہاری موت ایسی نہ ہوگی جیسی تم چاہتے ہو۔ اسے خوابوں کے شکاریو! میرے یہ الفاظ یاد رکھنا۔“

اور وہ اس بونے کو دم بخود چھوڑ کر نوئی اور ریچل کے ساتھ آگے بڑھ گئی اور بونا ان تینوں کو جاتے دیکھتا رہا اور اس کے بشرے سے بہ یک وقت نفرت اور خوف کے جذبات عیاں تھے۔

”تو بکیتی ہے“ بونا سنبھل کر چیخا ”تیرے درخت کے ساتھ تیری قوتیں بھی ختم ہو گئیں۔“

ابھی یہ الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ ایک چٹاخے کی آواز سنائی دی۔ آواز کہیں اوپر سے آئی تھی۔ سب نے سر اٹھا اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ایک ٹہنی، جو طوفان کی وجہ سے ٹوٹ کر لٹک گئی تھی، اب پوری طرح سے ٹوٹ کر نیچے گر رہی تھی۔ وہ سیدھی اس بونے کے سر پر آ پڑی اور بونے کا صحیح معنوں میں کچھ مر نکل گیا۔

”نایا ٹھیک ہی کہتی ہے“ دوسرے بونوں نے بد نصیب بونے کی لاش کی طرف اشارہ کر کے اور پھر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”اس کا علم ابھی اس کے سینے میں موجود ہے۔ جب تک اس کا درخت مر نہیں جاتا تب تک کوئی اسے قتل نہیں کر سکتا۔“

جو کچھ ہوا تھا اس کی طرف ذرا بھی متوجہ ہوئے بغیر نایا جنگل میں داخل ہو گئی۔ ہر درخت کی چھاؤں میں چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں تھیں چنانچہ معلوم ہوا کہ بونوں کا قبیلہ خاصا بڑا تھا لیکن جیسے جیسے نوئی، نایا اور ریچل آگے بڑھتی جا رہی تھیں جھونپڑیاں کم ہوتی جا رہی تھیں۔

اب کسی درخت کی چھاؤں میں اکا دکا جھونپڑی نظر آرہی تھی اور پھر یہ جھونپڑیاں بھی پیچھے چھوٹ گئیں اور اب وہ لوگ بستی سے باہر نکل آئے تھے اور یہ دنیا کی عجیب ترین بستی تھی۔

اور اب چاروں طرف درخت ہی درخت — سینکڑوں، ہزاروں درخت جو کئی سو فٹ تک بلند ہوتے چلے گئے تھے اور اوپر، بہت اوپر ٹہنیوں نے آپس میں مل کر سبز رنگ کا شامیانہ ساتان دیا تھا چنانچہ نیچے جنگل میں پڑا سر اراندھیرا تھا اور خاموشی، گہری خاموشی طاری تھی کیونکہ اس جنگل میں اگر پرندے اور درندے تھے بھی تو طوفان سے خوفزدہ ہو کر وہ کہیں جا چھپے تھے۔ کبھی کبھی کوئی درخت، جس کی جڑیں طوفان نے ڈھیلی کر دی تھیں، نہایت آواز کے ساتھ گرتا اور ہر ایسی آواز کے ساتھ نایا کہتی:۔

» ایک اور زندگی ختم ہو گئی۔ کس کی زندگی ختم ہوئی ہوگی؟ میں دیکھوں گی ہاں میں اپنے پیالے میں دیکھوں گی۔

ریچل کو بعد میں معلوم ہوا کہ خوابوں کے شکاریوں کا یہ اعتقاد تھا کہ ہر شخص کی زندگی اس جنگل کے ایک نہ ایک درخت سے وابستہ ہے خواہ وہ شخص کہیں دور اور کسی دوسرے ملک میں ہی کیوں نہ ہو اور یہ کہ جب اس کی زندگی کا درخت گرتا ہے تو وہ شخص مر جاتا ہے۔ کبھی اچانک اور کبھی فوراً اور کبھی آہستہ آہستہ اور گھل گھل کر۔ اور پھر اس شخص کی روح اور اس کی زندگی کا درخت ایک ساتھ روحوں اور بھوتوں کی دنیا میں چلے جاتے ہیں اس اندھیرے پراسرار اور خاموش جنگل میں وہ تینوں چلتے رہے۔ میلوں تک چلتے رہے۔ حالانکہ زمین خشک و تازہ پتوں سے ڈھکی ہوئی

تھی اور کوئی راستہ نظر نہ آ رہا تھا تاہم نایا ریکل اور نوئی کو کسی جانے بوجھے راستے پر ہی لئے جا رہی تھی کیونکہ ان کے راستے میں نہ تو گرسے ہوئے درخت تھے، نہ جھاڑیاں اور نہ بیلین حالانکہ ان کے دائیں بائیں کثرت سے جھاڑیاں اور بیلین نظر آ رہی تھیں۔ اور آخر کار وہ لوگ یکا یک ایک میدان میں پہنچ گئے۔ یہ میدان قدرتی معلوم ہوتا تھا یا کم سے کم بہت قدیم تھا کیونکہ اس میں نہ تو درختوں کے ٹھنڈے تھے، نہ جھاڑیاں اور نہ بیلین البتہ پورے میدان میں گھاس اگ رہی تھی۔ اس میدان کے عین وسط میں ایک چہار دیواری تھی جو بیچاس فٹ بلند تھی اور جس نے میدان کے ایک چوتھائی حصے کو گھیر رکھا تھا۔ یہ دیوار بھی قدیم تھی کیونکہ اس پر فرسٹ اگ رہے تھے۔ یہ دیوار پتھر کے بڑے بڑے چوکور ٹکڑوں کی بنی ہوئی تھی۔ یہ ٹکڑے اتنے بڑے اور وزنی تھے کہ کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ یہ دیوار انسانوں نے بنائی ہوگی اس دیوار پر نظر پڑتے ہی ریکل اور نوئی کے قدم مارے حیرت کے رک گئے۔

”ماں! یہ دیوار کس نے بنائی ہے؟“ نوئی نے پوچھا۔

”ان دیواروں نے جو دنیا کے ابتدائی دور میں یہاں بسے ہوئے تھے“ نایا نے جواب دیا ”ہم لوگ اتنے بڑے اور ایسے وزنی پتھر کبھی اٹھا سکتے ہیں بھلا؟“

اور نایا نے وہ ٹہنی، جو اس کے ہاتھ میں تھی، زمین میں گھونپ دی۔

”چلو بیٹی چلو۔ یہاں خطرہ ہے“ اس نے کہا۔

نایا نے یہ الفاظ کہے ہی تھے کہ کوئی چیز ”سوں“ سے اس کے سر پر

شے گزرتی ہوئی ایک پودے میں پیوست ہو گئی۔ نوئی دوڑ کر وہ چیز گھسیٹ لائی۔ یہ ایک نیدھا اور چھوٹا نرسل تھا جس کے ایک سرے پر گھاس بندھی ہوئی تھی اور دوسرے سرے پر ہاتھی دانت کا تیز اور نوکیلا پھل تھا۔ پھل نیلے رنگ کی کسی چیز میں لتھڑا ہوا تھا۔

”نہ چھوؤ۔ اسے نہ چھوؤ“ نایا نے چیخ کر کہا۔ ”یہ زہر ہے۔ قاتل زہر۔۔۔ یہ۔۔۔ ایدو کا کام ہے۔ لیکن ابھی میرا وقت نہیں آیا ہے اس سے پہلے کہ دوسرا تیر چلایا جائے کھلے میدان میں پہنچ جاؤ۔“

اور یہ دیکھے بغیر کہ تیر چلانے والا کون تھا تینوں عورتیں چہار دیواری کی طرف بھاگ پڑیں اس قدیم اور عظیم دیوار کے قریب پہنچ کر ریکل نے دیکھا کہ یہ دیوار ایک ٹیلے کے گردا گرد بنائی گئی تھی اور اس ٹیلے پر شاہ بلوط کی قسم کا ایک عظیم الشان درخت اگ رہا تھا جس کی ٹہنیاں یوں پھیلی ہوئی تھیں کہ انہوں نے تقریباً نصف احاطے پر سایہ کر رکھا تھا۔ اس دیوار میں کہیں کوئی دروازہ نظر نہ آ رہا تھا۔ ریکل اور نوئی سوچ ہی رہی تھیں کہ وہ انھاطے میں کہاں سے داخل ہوں گی کہ نایا انہیں دیوار میں بنے ہوئے ایک شکاف کے سامنے لے آئی۔ شکاف کے کناروں پر لابی لابی گھاس کی جھالرسی لٹک رہی تھی نایا گھاس کو ہٹاتی اور توڑتی ہوئی شکاف میں جا گھسی۔ نوئی اور ریکل اس کے پیچھے تھیں۔ یکایک انہوں نے سرسراہٹ کی آوازیں سنیں اور گردنیں اٹھا کر دیکھا تو نظر آیا کہ شکاف کے پتھروں پر بہت سے سفید پوش بولے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر بولے کے ہاتھ میں کمان تھی، کمان میں تیر جڑھا ہوا تھا اور تمام تیروں کا رخ ان تینوں عورتوں کے سینوں کی طرف تھا۔ نایا چلتے چلتے رک گئی اور اس نے بولوں کی طرف دیکھ کر کچھ اشارہ کیا۔ سفید پوش بولوں نے اسی

اشارے سے نایا کو پہچان لیا۔ چنانچہ انہوں نے حیرکان میں سے نکال کر چھوٹے چھوٹے ترکشوں میں، جو ان کے کندھوں سے لٹک رہے تھے رکھے اور اٹھ کر خدا جانے کہاں چلے گئے۔

”یہ لوگ مندر کے محافظ تھے“ نایا نے کہا۔ ”جو نہ سن سکتے تھے اور نہ بول سکتے ہیں۔ شکاف کے دہانے پر اگی ہوئی گھاس اور وہاں بندھے ہوئے دھاگوں کے ٹوٹنے کی وجہ سے یہ لوگ یہاں آگئے تھے۔“

اور اتنا کہہ کر نایا پھر چل پڑی۔ وہ کبھی دائیں طرف مڑ جاتی اور کبھی بائیں طرف۔ یہ پر پیچ راستہ دیوار کے اندر ہی اندر چلا گیا تھا۔ اور اس راستے میں اندھیرا تھا اور ہر راستے میں ایک طاق نما شکاف تھا اور ہر شکاف میں اس راستے اور اس مقدس مقام کے محافظ، یعنی سفید پوش تیر انداز بیٹھے ہوئے تھے۔

اور آخر کار یہ پر پیچ راستہ دفعتاً ختم ہو گیا اور اب ان کے سامنے ٹھوس دیوار تھی۔ ریتچل اور نوئی اس دیوار کی طرف دیکھ اور سوچ رہی تھیں کہ اب کس طرف جائیں گے وہ لوگ کہ یکا یک دیوار میں کا ایک بڑا سا پتھر گھوم کر اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور ایک تنگ دروازہ نمودار ہو گیا۔ تینوں عورتیں اس دروازے میں سے گزر کر دوسری طرف پہنچ گئیں تو پتھر پھر اپنے آپ گھوم کر بند ہو گیا۔ ریتچل اور نوئی یہ نہ معلوم کر سکیں کہ یہ دروازہ کس طرح کھولا اور بند کیا جاتا تھا۔

اور اب وہ تینوں عورتیں احاطے میں تھیں۔ سامنے وہ ٹیلہ یا مٹی کا وہ بلند تودہ تھا جو انھیں چار دیواری کے باہر سے بھی نظر آیا تھا۔ یہ ٹیلہ ننگا تھا۔ یعنی اس پر جھاڑیاں وغیرہ نہ آگ رہی تھیں کیونکہ اگر کبھی اس پر کوئی

بھاڑی یا خود رو پودا اگتا بھی تو اسے فوراً اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا اس
 ٹیلے کی چوٹی پر شاہ بلوط کی قسم کا وہ عظیم الشان درخت کھڑا تھا جو ”قبیلے کا
 درخت“ کہلاتا تھا اس ٹیلے کے قدموں میں ایک میدان تھا جو چار دیواری
 تک جلا گیا تھا۔ یہ میدان ہموار اور صاف ستھرا تھا اور اس میدان میں
 مٹی کی سیکڑوں چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں تھیں جو دھڑوں سے مشابہ تھیں:

”خاتون! یہ ہے خوابوں کے شکاریوں کا قبرستان“ نایا نے اس میدان
 اور اس کی ڈھیریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ریچل سے کہا ”وہ وقت
 دور نہیں جب میری ہڈیاں بھی یہاں دفن کر دی جائیں گی۔“

اس عجیب و غریب قبرستان کو عبور کر کے وہ تینوں اس ٹیلے کے قدموں
 میں پہنچ گئیں جس پر وہ عظیم الشان شاہ بلوط خدا جانے کب سے کھڑا ہوا تھا
 اور اس کی ٹہنیوں سے کائی کی لابی لابی چٹائیں سی لٹک رہی تھیں جو
 ہوا کے جھونکوں سے جھول رہی تھیں جب وہ وہاں پہنچیں تو دائیں اور بائیں
 طرف سے وہ بونے نکل آئے جنہیں اندرون دیوار کے راستے کے موڑوں
 پر بیٹھے دیکھ چکی تھی یا یہ اگر وہی بونے نہ تھے تو ان کے جیسے ہی تھے۔ ان
 آنے والوں میں چند مرد تھے اور چند عورتیں۔ ان لوگوں کی آنکھوں سے
 ادا سی جھانک رہی تھی۔ ان لوگوں نے نایا کو سجدہ کیا اور پھر حیرت و خوف
 سے ریچل کی طرف دیکھنے لگے۔ یہ تمام کے تمام بونے ہرے اور گونگے تھے
 کیونکہ وہ نایا سے اشاروں میں کچھ پوچھ رہے تھے اور نایا اشاروں سے ہی
 جواب دے رہی تھی۔ موزالہ کر کے اشاروں نے بونوں کو بے حد غمزہ کر دیا۔
 ”یہ لوگ اپنے پیالوں میں میرے درخت کو گرتے دیکھ چکے ہیں۔“
 نایا نے نوٹی سے کہا ”اور پوچھ رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے پیالوں میں

جو کچھ دیکھا ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔ میں نے ان سے کہا کہ میں یہاں مرتے کے لئے آئی ہوں اور اسی جواب نے انہیں غمزدہ کر دیا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں خوابوں کے شکاری آکر مرتے ہیں۔ یہ خوابوں کے شکاریوں کا مقام موت ہے اور اسی جگہ سے ان کی روح بھوتوں کی دنیا میں چلی جاتی ہے۔ یہ مقام مقدس ہے اور یہاں خون بہانا گناہ ہے۔ ہاں۔ سب سے بڑا گناہ یہاں آکر محفوظ ہو جاتا ہے۔ اگر کائناتوں میں کا کوئی کائناتی اپنی زندگی میں یہاں پہنچ جاتا ہے تو پھر سفید موت حاصل کرنے کا فخر اسے حاصل ہو جاتا ہے۔ آؤ میرے ساتھ اور دیکھو۔“

پہنا پچھل اور نوئی نایا کے پیچھے چلتے ہوئے ٹیلے کی ڈھلان چڑھے اور ایک شکاف میں، جو غار کے دہانے سے مشابہ تھا، گھس کر دوسری طرف اور نرسلوں کی ایک باڑھ کے سامنے نکل آئے نرسلوں کی اس باڑھ کا دروازہ کھلا تھا۔

خاتون! دروازہ کھلا ہے لیکن اس میں داخل نہ ہونا“ نایا نے سرگوشی میں کہا“ کیونکہ جو بھی اس احاطے میں داخل ہو جاتا ہے وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہتا۔ دیکھو خاتون دیکھو۔“

اور پچھل نے دروازے میں سے جھانک کر اندر دیکھا لیکن وہ مقام مقدس اس قدر تاریک تھا کہ پہلے تو پچھل کو کچھ نظر نہ آیا سو اسے شاہ بلوط کے زبردست تنے اور اس کی ٹہنیوں سے لپکتی ہوئی کائی کی جٹاؤں کے رفتہ رفتہ اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں اور اس نے دیکھا کہ شاہ بلوط کے زبردست تنے سے کچھ فاصلے پر بہت سے سفید پوش بونے زمین پر پھکڑا مارے بیٹھے کاٹھ کے ان پیالوں میں دیکھ رہے تھے جو ان

کے سامنے دھڑے ہوئے تھے۔ ان لوگوں میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی اور ایک بچہ بھی تھا۔ ریچل اور نوٹی اس حیرت انگیز منظر کو ابھی دیکھ ہی رہی تھیں کہ وہ بونا، جو دروازے سے زیادہ دور نہ تھا، اپنے پیالے پر اوندھے منہ گرا اور بے حس و حرکت پڑا رہا۔ فوراً ہی اس کے قریب بیٹھے ہوئے بونوں نے شور ماتم بلند کیا لیکن ان کے اس ماتم میں بھی خوشی کی جھلک تھی۔ گونگے بونے، جو ریچل، نوٹی اور نایا کے ساتھ تھے، ایک دم سے اندر دوڑ گئے۔ کیونکہ اس مقدس مگر اہم مقام میں صرف وہی داخل ہو سکتے تھے۔ انہوں نے جھک کر اس بونے کو دیکھا جو اپنے پیالے پر اوندھے منہ گرا تھا اور پھر اسے اٹھا کر باہر لے آئے اور جب وہ ریچل کے قریب سے گزر رہے تھے تو اس نے دیکھا کہ مرنے والی ایک جوان لڑکی تھی جس کے چہرے پر اب بھی تازگی تھی۔

”بیمار تھی یہ؟“ ریچل نے غمزہ آواز میں پوچھا۔

”شاید“ مادر شجر نے اپنا سفید بالوں والا سر ہلا کر جواب دیا۔ ”یا شاید شکھی نہ تھی چنانچہ زندگی سے تنگ آکر مرنے کے لئے یہاں آگئی تھی۔ بہر حال اب وہ خوش ہے اور سکھی ہے۔“

”نوٹی! ان سے پوچھو کہ کیا وہ سب لوگ مرجائیں گے جو اس درخت تلے بیٹھے ہوئے ہیں؟“ ریچل نے کہا۔

”ہاں۔ سب مرجائیں گے“ نایا نے جواب دیا۔ ”سوائے ان گونگوں اور بہروں کے جو نسلًا بعد نسلًا درخت کے جنت چلے آ رہے ہیں۔ جو بھی اس تنے کو چھوئے گا جلد یا بدیر مرجائے گا۔ یہ موت و حیات کا درخت ہے اور اسی درخت میں پوری قوم کی روح ہے۔“

”اگر ایسا ہی ہے ماں تو پھر اس وقت کیا ہوگا جب یہ درخت گر جائے گا“

تمہارے درخت کی طرح؟“ ریحل نے پوچھا۔

”تو پھر خوابوں کے شکاری بھی نہ رہیں گے“ نایا نے جواب دیا ”کیونکہ پھر ان کی روح بے گھر ہو کر بھوتوں کی دنیا میں چلی جائے گی اور پھر خوابوں کے شکاریوں کے لئے لازمی ہو جائے گا کہ وہ بھی وہاں چلے جائیں۔ اپنے دن پورے کر کے اگر یہ درخت مر گیا، بشرطیکہ ایسا ہونا ممکن ہو، تو پھر خوابوں کے شکاری بھی نہ رہیں گے۔“

”اور اگر کوئی اسے کاٹ کر گرا دے تو پھر؟“

جب نوئی نے اس سوال کا ترجمہ مادرشجر کو سنایا تو اس کے بشرے سے انتہائی خوف کے آثار پیدا ہو گئے اور وہ کانپنے لگی۔ نوئی کے بشرے سے بھی خوف عیاں تھا۔

”ایسی بری بات نہ کہو خاتون مبادا ہم پر سراپ نازل ہو جائے۔“ نایا نے کہا ”جو اس درخت کو کاٹ دے گا وہ خوابوں کے شکاریوں کی پوری قوم کو برباد کر دے گا۔ اگر ایسا ہوا تو خوابوں کے شکاری بھاگ جائیں گے جنگل کے قلب میں، دور۔ بہت دور بھاگ جائیں گے اور پھر کبھی کوئی انہیں نہ دیکھ سکے گا۔ ہاں۔ کوئی انسان انہیں کبھی نہ دیکھے گا۔ اس کے علاوہ جو بھی یہ برا کام کرے گا وہ مرجائے گا اور اپنے کئے کی سزا پانے کے لئے بھوتوں کی دنیا میں چلا جائے گا اور ایسی سزا ہے یہ جس کے خیال سے بھی روکنے کے لئے ہو جاتے ہیں۔ خاتون! یہ خیال اپنے دماغ سے جھٹک دو اور کبھی بھولنے سے بھی اس کا اظہار نہ کرنا۔“

”تم ان باتوں میں یقین رکھتی ہو نوئی؟“ ریحل نے مسکرا کر پوچھا۔

”ہاں زولا“ نوئی نے کانپ کر جواب دیا ”کیونکہ یہ سچ ہے اور یہ تمام باتیں میرے والد نے مجھ سے کہی تھیں اور یہ بھی بتایا تھا کہ اس پاگل شخص کے ساتھ کیا واقعہ ہوا جو مقام مقدس میں گھس پڑا تھا اور شجر حیات کی طرف تیر چلائے تھے۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ داستان میں تمہیں نہ سناؤں گی کیونکہ بہت ہی خوفناک داستان ہے یہ۔“

”تم کچھ بھی کہو نوئی تاہم میرے خیال میں تو یہ زرا دہم ہے کیونکہ تم جانو ایک درخت کا اختیار ان لوگوں کی زندگی پر کیسے ہو سکتا ہے؟۔“

”یہ تو میں نہیں جانتی لیکن اختیار ہے اور ضرور ہے۔ اگر میں اس درخت کی طرف ایک پتھر بھی پھینک دوں تو پوچھیں گھنٹوں کے اندر اندر مرجھاؤں گی۔ حتیٰ کہ تم بھی۔ ہاں تم بھی۔ کوئی قوت تمہیں نہ بچا سکے گی۔ زولا! میری نہیں!“ نوئی نے بے چینی سے کہا ”قسم کھاؤ میرے سامنے کہ تم اس درخت کو چھوؤ گی بھی نہیں۔ قسم کھاؤ بہن۔“

پنناچہ نوئی کو خوش کرنے کے لئے ریچل نے قسم کھا دی کیونکہ اب وہ اس درخت اور اس کی سمجھ میں نہ آنے والی قوتوں کے ذکر سے اکتا چکی تھی۔

اور وہ تینوں پھر ٹیلے کی ڈھلان اترنے لگیں۔ آہستہ آہستہ اترنے لگیں یہاں تک کہ غار کے دہانے کے سامنے پہنچ گئیں۔

”اس غار میں داخل ہو جاؤ خاتون“ نایا نے کہا ”اب یہی تمہارا گھر ہے اور تمہیں اس وقت تک اسی میں قیام کرنا ہے جب تک کہ تم مادرِ شجر نہیں بن جاتیں یا زندگی سے اکتا کر مرنے کے لئے شجر حیات کے سائے میں نہیں چلی جاتیں۔ اور ان دونوں میں سے ایک بات اس وقت ہوگی

جب میں نہ رہوں گی۔“

اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا اس لئے وہ غار میں داخل ہو گئیں۔
 غار خاصا وسیع و عریض تھا اور صرف اس روشنی سے روشن تھا جو
 باہر سے آ رہی تھی۔ البتہ اس کے انتہائی سرے پر چراغ بھی جل رہے
 تھے۔ ریکل نے غار کا معائنہ کیا تو نظر آیا کہ اس کی چھت سفید رنگ
 ستونوں پر ٹکی ہوئی تھی۔ یہ ستون قدرتی تھے اور اس تہ نشین مادے
 سے بن گئے تھے جو اس قسم کے غاروں میں چھت سے ٹپکا کرتا ہے۔
 صدیوں سے پانی کے رسنے اور چونے کے ٹپکنے سے یہ ستون اپنے آپ
 بن گئے تھے۔ غار کے انتہائی سرے پر چراغ جل رہے تھے اور ایک
 چشمہ خوارے کی شکل میں غار کے فرش سے نکل رہا تھا اور اسی جگہ چونے
 کا ایک کافی بڑا ستون کھڑا ہوا تھا جس کی شکل درخت کے تنے جیسی
 تھی اور اس کی شاخیں، جو ہو ہو درختوں کی ٹہنیوں کی طرح تھیں،
 غار کی چھت پر پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ درخت نما ستون بھی قدرتی تھا
 اور چھت میں سے پانی اور چونے کے رسنے کی وجہ سے بن گیا تھا۔ ریکل
 نے اس عجیب و غریب ستون کو دیکھا اور سمجھ گئی کہ اسی کی وجہ سے خوابوں
 کے شکاریوں یا ان کے پہلے بننے والی کسی قدیم قوم نے اس غار کو اپنی
 عبادت گاہ یا مندر بنا لیا تھا۔

”دیکھو خاتون۔ یہ ہے ہمارا قوم کا بھوت درخت۔ یہی ہے
 شجر روح“ نایا نے کہا ”یہ کبھی نہیں گرتا بلکہ بڑھتا رہتا ہے۔ جب
 میری ماں چھوٹی سی تھی تو یہ شجر روح چھوٹا سا تھا۔ لیکن اب یہ
 بڑھ گیا ہے۔“

وہ لوگ اس عجیب و غریب، روحانی اور بھوت کے سے ستون کے قریب پہنچے تو ریچل نے دیکھا کہ اس کے چاروں طرف بہت سی قیمتی چیزوں کے انبار تھے۔ سونے کے چمکدار برادے کا ڈھیر، کچے سونے کے ڈھیلوں کا انبار اور سرخ سنہرے چمکدار پتھرؤں کا انبار اور یہ پتھر لسل اور جواہرات تھے اور ہاتھی دانت بھی رکھے ہوئے تھے جن میں نقش و نگار کندہ تھے اور ایک طرف کمبلوں اور کپڑوں کا ڈھیر تھا اور یہ کمبل اور کپڑے سڑگل گئے تھے اور پتھرؤں اور لکڑی سے تراشے ہوئے دیوتاؤں کے چھوٹے چھوٹے بت تھے۔ یہ تمام چیزیں اس عجیب و غریب اور چونے کے درخت کے چاروں طرف رکھی ہوئی تھیں۔

”یہ چڑھاوے ہیں“ نایانے کہا۔ ”جو ان قوموں نے چڑھائے ہیں جو اندھیرے میں رہتی ہیں اور جن کے پاس علم کی روشنی نہیں ہے۔ یہ بڑی قیمتی چیزیں ہیں لیکن ہمارے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک تو صرف دانائی اور اختیارات ہی کی اہمیت ہے۔ ہاں۔ ہاں۔ قیمتی چیزیں ہیں یہ اور ان جاہلوں نے چڑھائی ہیں جو کچھ نہیں جانتے چنانچہ جب بھی وہ کوئی بات معلوم کرنے شجر روح اور اس کے ہنتوں کے پاس آتے ہیں تو یہ چیزیں رکھ جاتے ہیں۔ دیکھو! وہ چڑھاوا ڈنگان نے بھیجا ہے جو اس نے اپنی موت کا استخار معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا اور بیٹی نوئی! یہ چڑھاوا تم لے کر آئی تھیں۔“

”ہاں میں ہی لے کر آئی تھی“ نوئی نے کہا۔ ”اور وہ استخارا انکو سازانے نے نہ دیکھا تھا۔ اپدو نے انکو سازانہ کو پیالہ دیا تھا اور اس نے اس میں تصویریں دیکھی اور ڈنگان کو دکھائی تھیں۔“

”نہیں نہیں۔“ نایائے کہا ”وہ میں تھی جس نے وہ تصویریں دیکھی تھیں اور میں نے ہی اید و اور اس سفید فام حسینہ کو دکھائی تھیں۔ یہ باقیں تم نہیں سمجھ سکتیں لیکن یہ سچ ہے۔ سچ ہے۔ اید و کی قوتیں محدود ہیں لیکن میری لا محدود ہیں۔ کوئی میری طرح دانا اور پر قوت نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ اید و اور دوسرے بھی میرے درخت کی موجودگی برداشت کرتے رہے ہیں کیونکہ میرے علم اور میری دانائی کا ہالہ ان کے سروں پر چمکتا رہا اور میرا علم ان کی زبان سے بولتا رہا اور جب میں چلی جاؤں گی تو وہ اس علم اور اس دانائی کو تلاش کریں گے لیکن پانہ سکیں گے۔ خاتون! تم نے اس علم کو اپنے سینے میں داخل کر لیا ہوتا کیونکہ تمہارا دل خالی تھا۔ لیکن اب وہ پھر پر ہو گیا ہے چنانچہ اب اس میں ہمارا علم کہاں جگہ پاسکتا ہے؟ یہ خوابوں کے شکاریوں کا علم ہے نہ کہ موت و حیات اور دل کی دھڑکنوں کا۔“

نوئی نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا تو ریچل نے ان کی طرف کچھ زیادہ دھیان نہ دیا۔

”ڈنگان!“ ریچل نے پوچھا ”کیا ڈنگان مر گیا؟ جب رچرڈ زولولینڈ میں آیا تھا تب وہ تندرست تھا۔ لیکن اس کے بعد سے میں نے ڈنگان کو نہیں دیکھا۔ کیسے مرادہ؟“

”وہ نہیں مرا زولا“ نوئی نے جواب دیا ”لیکن بہت جلد مر جائے گا کیونکہ خود تم اس کی موت کی پیشین گوئی کر چکی ہو۔ البتہ خود تم عارضی طور پر گویا مر گئی تھیں لیکن یہ کہانی میں تمہیں بعد میں سناؤں گی۔ اس وقت تو تمہیں آرام کرنا چاہئے کیونکہ تم بہت زیادہ تھکی ہوئی ہو۔“

”ہاں۔ ریچل نے ایک ہلکی لے کر کہا ”رچرڈ مر گیا تھا تو شاید میں بھی

مرگئی تھی لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ مجھے نئی زندگی مل گئی ہے اور یہ بہت بُرا ہوا ہے۔ نوئی! نوئی! تم نے مجھے اپنے حال پر ہی کیوں نہ چھوڑ دیا کہ مجھے اس خوفناک جنگل میں لے آئیں اور مجھے سب کچھ یاد آ گیا۔ اب زندگی ایک عذاب ہو گی میرے لئے۔“

”اس لئے زولا کہ یہ تمہارے لئے مقدر ہو چکا تھا“ نوئی نے جواب دیا: ”نہیں زولا! بہ یک وقت سنسنے اور رونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ تمہارے لئے کچھ اور ہی مقدر ہو چکا ہے۔“

اور پھر اس نے جھٹک کر نایا کے کان میں کچھ کہا۔

بوڑھی بوئی نے اپنا سفید بالوں والا سر ہلایا اور ریچل کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس جگہ لے گئی جہاں چند نرم اور روئیں دار کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔

”نیٹ جاؤ“ نایا نے کہا ”اور آرام کرو اے سفید فام حسینہ۔ اور پھر بیدار ہو کر کھانا کھاؤ اور پُر قوت بن جاؤ۔“

اور اس نے ریچل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں بالکل اسی طرح جس طرح ایدہ اس وقت اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیتا تھا جب اس پر دیوانگی کا دورہ پڑتا تھا۔ نایا بونوں کی بولی میں کوئی لوری بھی گارہی تھی۔

وہ دیوانگی اور وحشت جو ریچل کی آنکھوں سے جھانکنے لگی تھی آہستہ آہستہ بجھنے لگی، اس کے پیوٹے خود بخود جیسے بوجھل ہو کر تھک گئے اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

کئی گھنٹوں بعد وہ بیدار ہوئی، اٹھ کر بیٹھ گئی اور حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگی اور پھر چراغوں کی مردہ روشنی میں دیکھا کہ اس کے قریب نوئی بیٹھی ہوئی تھی اور چند قدم کے فاصلے پر وہ بڑھیا بیٹھی اس کی طرف دیکھ رہی تھی جو مادرِ شجر کہلاتی تھی۔ اور ریحل کو سب کچھ یاد آگیا۔

”خاتون! بڑے دل خوش کن خواب دیکھے ہیں تم نے اور اب تم تندرست ہو پوری طرح ہے نا؟“ نایا نے پوچھا۔

”ہاں ماں۔ بہت حسین خواب دیکھے ہیں میں نے۔ بہت خوشگوار خواب تھے، اسی لئے تو بیدار ہونے کے بعد میں اُدا سی محسوس کر رہی ہوں اور بے شک میں تندرست بھی ہوں حالانکہ میں مرنا چاہتی ہوں۔“

”اگر ایسا ہی ہے تو پھر کھلے ہوئے دروازے میں سے گزر کر شجرِ حیات کے سائے میں جا بیٹھو اور تمہاری یہ آرزو بہت جلد پوری ہو جائیگی“ نایا نے جواب دیا لیکن پھر بدلی ہوئی آواز میں یوں اضافہ کیا ”لیکن ہمیں وہاں نہ جانا کیونکہ تم حسین ہو اور جوان ہو اور تمہاری رگوں میں سرخ گرم خون گردش کر رہا ہے۔ اور تم کھلی ہو اور روشنی کی بیٹی ہو، تمہاری اندھیر کی دنیاؤں اور عالمِ ارواح سے کیا تعلق؟ موت ہونوں کے لئے ہے، موت خوابوں کے شکاریوں کے لئے ہے، موت ان کے لئے ہے جو موت سے محبت کرتے ہیں لیکن تمہارے لئے تو زندگی ہے۔ زندگی۔“

”ان سے کہو نوئی کہ میری والدہ، جو غیب میں تھیں اکثر کہا

مکرتی تھیں کہ اپنی طویل عمر بوری کر کے مروں گی اور مجھے خوف ہے کہ مجھے یہ طویل عمر زندگی کا طویل راستہ اکیلے ہی طے کرنا ہوگا۔

”ہاں۔ ہاں۔ تمہاری ماں نے غلط نہیں کہا“ نایا نے کہا۔ ”رہی دوسری بات کہ زندگی کا راستہ تم اکیلی ہی طے کرو گی تو یہ تم نے کیسے کہہ دیا؟۔۔۔۔۔ لیکن خیر۔ تمہیں بھوک معلوم ہو رہی ہوگی۔ کچھ کھا لو۔ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔“

اور اس نے تپائی کی طرف اشارہ کیا جس پر کھانا چبنا ہوا تھا۔ ریچل نے چکھا تو لذیذ تھا۔ کسی قسم کا دلیہ تھا جو پتہ نہیں کا ہے کا بنا ہوا تھا اور جنگل کے پھل تھے لیکن گوشت نہ تھا۔ ریچل نے بڑی رغبت سے کھایا، نوئی نے اس کا ساتھ دیا لیکن نایا نے تھوڑا سا کھا کر ہاتھ کھینچ لیا۔

”کیا ضرورت ہے کھانے کی“ اس نے کہا ”کیونکہ میری موت قریب آ رہی ہے۔“

جب وہ کھانے سے فارغ ہوئیں تو گونگے اور بہرے بونے آئے اور بچا کھچا کھانا اٹھا کر چلے گئے۔ ان کے جا چکنے کے بعد تینوں عورتوں نے اس چٹے میں غسل کیا جو فوارے کی شکل میں غار کے فرش میں سے نکل آیا تھا۔ پھر نوئی نے ریچل کے سنہرے ریشمی بالوں میں کنگھی کی اور اسے وہ جغہ پہنا دیا جو دھولیا گیا تھا اور پھر اس پر بوت جیسا سفید لبادا ڈال دیا۔ یہ ایسا لبادا تھا جیسا کہ بونے نے پہنا کرتے تھے جب ریچل سو رہی تھی تو نوئی اور نایا نے کسی قسم کے ریشموں سے یہ لبادا بن لیا تھا۔

نوئی اسے یوں سنوار کر پیچھے بٹھی۔ وہ اس کے حسن کو دیکھ رہی تھی اور محظوظ ہو رہی تھی۔ چند ثانیوں بعد ہی مندر کے دوہرے اور گونگے محافظ غار میں رینگ آئے اور نایا کے سامنے بیٹھ کر کچھ اشارے کرنے لگے۔

”کیا بات ہے؟“ ریحل نے بے چینی سے پوچھا۔
 ”ایدو آیا ہے اور ہم سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔“ مادرِ شجر نے جواب دیا۔
 ”ایدو سے مجھے خوف آتا ہے چنانچہ باہر نہ آؤں گی“ ریحل نے کہا۔
 ”نہیں خاتون۔ ڈر نے اور خوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہاں وہ تمہیں اور کسی کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ مقام مقدس ہے۔ آؤ۔ اس کاہن سے ملاقات کریں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم چند اہم باتیں معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔“

اکیسواں باب

مردوں کا شہر

نایا اور اس کے پیچھے ریکل اور نوئی غار کے دہانے کی طرف چلیں۔ اول
وہاں غار کے دہانے میں کہ سورج کی شعاعوں سے بچ سکے، ایدو بیٹھا ہوا
تھا اور اکیلانہ تھا بلکہ ہانا اور چند دوسرے کاہن اس کے ساتھ تھے۔
جب ریکل آگے بڑھی تو ان سب نے اٹھ کر اسے سلام کیا البتہ نایا اور نوئی
کی طرف کوئی متوجہ نہ ہوا۔

”بڑھیا! تمہیں تو وہاں اس احاطے میں ہونا چاہیے“ ایدو نے نایا سے
کہا اور اس مقام موت کی طرف اشارہ کیا جو شاہ بلوط کے سائے میں تھا۔
رات بھر ہم تمہارے گرے ہوئے درخت کی ٹہنیاں کاٹتے رہے، میں کہ
وہ جلد از جلد خشک ہو جائے۔ تمہاری موت کا وقت آگیا ہے۔“
”میں اس وقت مردوں کی جب میرا درخت مر جائے گا۔ نہ اس
سے پہلے اور نہ اس کے بعد“ نایا نے جواب دیا ”مرنے سے پہلے مجھے
بہت سے کام کرنے ہیں اس کے علاوہ عمدہ مٹی میں میں نے ایک نیا درخت
لگا دیا ہے جو آگ آئے گا۔“

”ہاں۔ تمہارا یہ نیا درخت میں دیکھ چکا ہوں۔ وہ چہار دیواری کے
باہر ہے لیکن کئی نسلوں بعد ہی کوئی مادرشجر اس کے سائے میں بیٹھ سکے گی۔
بہر حال جب تک تمہارا جی چاہے زندہ رہو کیونکہ اس سے کوئی فرق نہ

پڑ جائے گا۔ اب تم ہماری ماں تو رہی نہیں۔ اور یہ بھی سن لو کہ ہر ایک نے تمہیں چھوڑ دیا ہے البتہ چند بیوقوف اب بھی تمہارا دم بھر رہے ہیں لیکن وہ لوگ بھی اب موت کے ٹیلے پر چلے گئے ہیں کہ عالم ارواح میں تمہارا استقبال اور تمہاری خدمت کر سکیں۔“

” میں ان کی مشکور ہوں“ نایانے کہا ” اور روحوں کی دنیا میں ہم سب ساتھ مل کر حکومت کر سکیں گے۔“

” رہے بقیہ لوگ“ ایدو نے سلسلہء کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ” تو وہ تمہارے خلاف ہیں کیونکہ دیکھ چکے ہیں کہ تم نے ہمارے ایک ساتھی پر سرخ موت نازل کر دی تھی۔ میری مراد ہمارے اس ساتھی سے ہے جس پر تم نے اپنے جادو کے زور سے ایک ٹہنی گرا دی تھی۔“

” اے کاہن! کون تھا وہ جس نے موت نازل کرنے کی کوشش کی تھی؟ اس مقام مقدس سے باہر کس نے مجھ پر تیر چلا یا تھا؟۔“

” میں نہیں جانتا“ ایدو نے جواب دیا ” لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ تیر انداز اناڑی تھا کہ تم اب تک زندہ ہو۔ بہر حال ہم بہت برسوں تک تمہاری واپسیات حکومت برداشت کرتے رہے کیونکہ گزشتہ مادر شجر کا درخت تمہارے قدموں پر گرا تھا جس طرح کہ تمہارا درخت اس سفید نام حسینہ کے قدموں پر گرا ہے۔ کئی برسوں سے میرے اور تمہارے درمیان اقتدار حاصل کرنے کے لئے خاموش جنگ ہوتی رہی تھی لیکن اب تم مر چکیں اور فتح میری ہوئی چنانچہ اب خاموش رہو اور چونکہ اس اناڑی تیر انداز کا نشانہ خطا کر گیا اس لئے اب مجاہد سکون سے۔ اب کسی کو تمہاری ضرورت نہیں ہے کیونکہ اب تم بوڑھی ہو چکی ہو نہ تم میں جوانی ہے، نہ نزاکت ہے۔

اور نہ ہی قوت ہے۔

”بے شک میں تو سکون سے مردوں کی“ نایا نے غصے ہو کر کہا۔ لیکن اے غدار کاہن! آج کے بعد تم کبھی سکون نہ پاسکو گے اور نہ وہ لوگ پائیں گے جو تمہارا ساتھ دیں گے۔ جب جوانی اور نزاکت ماند پڑ جاتی ہے تو دانائی چمک اٹھتی ہے اور ایدو دانائی حقیقی قوت ہے۔ گزشتہ رات میں نے پیالے میں دیکھا تھا اور وہ باتیں نظر آئی تھیں مجھے ایدو جو تمہارے متعلق اور ہماری پوری قوم کے متعلق ہیں۔ یہ باتیں تمہاری نظروں سے پوشیدہ ہیں اور بڑی لرزہ خیز باتیں ہیں یہ۔ وہ واقعات جو اس وقت سے اب تک یہاں وقوع پذیر نہیں ہوئے جب سے یہاں شجر حیات کا بیج پڑا تھا اور ہماری قوم کی روح اس میں چلی گئی تھی۔“

”تو پھر بتاؤ کیا دیکھا تم نے؟ بتاؤ کون سے ہیں وہ خوفناک واقعات جو ہونے والے ہیں؟“ ایدو نے اس خوف کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا جو اس کی گول گول آنکھوں سے ظاہر ہونے لگا تھا۔

”نہیں کاہن۔ میں نہ بتاؤں گی۔ تم زندہ رہو گے اپنی آنکھوں سے ان واقعات کو دیکھ لو گے۔ ہاں۔ تم اور تمہارے غدار ساتھی ان واقعات کو دیکھ لیں گے۔ بہر حال برسوں تک میں نے تم سب کی خدمت کی ہے میں نے تمہیں امن و سکون اور رحم و کرم دیا ہے اور سفید علم سے حکومت کی ہے۔ جسے میں بچا سکی ہوں۔ اسے میں نے بچا یا ہے، جہاں تک میرے اختیار میں تھا میں نے لوگوں سے موت اور مصیبت دور رکھی۔ میرے سائے میں ہمارے غلام بھی امن اور سکون سے رہے ہیں اور آرام و اطمینان سے رہے ہیں۔ یہ سب میں نے کیا ہے کیونکہ جاننتی تھی کہ تم میرے خلاف

سازش کر رہے ہو، جانتی تھی کہ تم اپنے سحر کے زور سے میرے درخت کو گرا دینا چاہتے تھے اور یہ بھی جانتی تھی کہ میرا وقت ہے اور وہ وقت آگیا جیسا کہ اسے آنا ہی چاہئے تھا اور مجھے اس کا غم نہیں ہے۔ بیوقوف! میں جانتی تھی کہ یہ وقت آئے گا اور یہ بھی جانتی تھی کس طرح آئے گا۔ اس کنواری حسینہ کو، جسے تم ملکہ بنانا چاہتے ہو، میں نے بلایا ہے کیونکہ جانتی تھی کہ میرا درخت اسی کے قدموں پر سجدہ ریز ہوگا۔ سیاپی کی روح نے۔۔۔

اس سیاپی کی روح نے جسے تم نے بلا وجہ اسی جلادطن کر دیا تھا۔۔۔

اس سفید نام اور اپنی بیٹی نوئی کے متعلق مجھے سب کچھ بتا دیا تھا اور انجام بھی بتا دیا تھا۔ چنانچہ ایدو تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ اس سفید نام کو تم لائے ہو۔ نہیں۔ اسے تو میں لائی ہوں اور اس کے قدموں پر میرا درخت سجدہ ریز ہو گیا جیسا کہ مقدر ہو چکا تھا اور اس حسینہ نے سرخ موت سے مجھے بچا لیا جیسا کہ مقدر ہو چکا تھا اور اس نے مجھے نفرت نہیں بھرت دی اور میں بھی اسے نفرت نہیں بھرت دے رہی ہوں۔ رہی دوسری باتیں سو وہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ ہاں۔ تم سب دیکھ لو گے۔ میں ختم ہو گئی۔ میں مر گئی لیکن میں کسی اور جگہ زندہ ہوں اور رہوں گی اور تم دیکھ لو گے۔

ایدو نے کچھ کہا ہوتا لیکن ہانانے، جس کو نایا کے الفاظ نے سجدہ خورزدہ کر دیا تھا، اس کی آستین کھینچ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔ چنانچہ وہ خاموش ہو رہا لیکن چند ثانیوں بعد ہی اس نے پھر زبان کھولی اور اس دفعہ ریچل کو مخاطب کیا اور نوئی سے کہا کہ وہ اس کی باتوں کا ترجمہ ریچل کو سناتی جائے۔

”سفید فام“ وہ بولا ”اس بڑھیا کی باتوں پر دھیان نہ دو کیونکہ یہ تو سٹھیا گئی ہے۔ جب تمہاری روح بھٹک رہی تھی تو اس وقت بھی مجھے تمہاری ذات میں عظمت کا تخم نظر آ گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے وحشی ڈنگان سے تمہیں مانگ لیا اس کے علاوہ میں نے اور پونی نے جو مرچکا، اور ہانانے اپنے علم کے زور سے معلوم کر لیا تھا کہ نایا کا درخت تمہارے ہی قدیموں پر سجدہ ریز ہوگا اور یہ کہ اس کے بعد تم ہی ہم لوگوں پر حکومت کرو گی۔ چنانچہ اب پوری قوم نے تمہیں مادرِ شجر نامزد کر دیا ہے اور تمہارے لئے ایک درخت بھی منتخب کر لیا گیا ہے جو جوان اور مضبوط ہے چنانچہ صدیوں تک گرنے نہ پائے گا۔ چنانچہ آؤ، اس درخت کے سائے میں بیٹھ جاؤ اور ہماری ملکہ بن جاؤ۔“

”میں کیوں آنے لگی؟“ ریکل نے کہا ”اور وہ بھی یہ جانتے ہوئے کہ تم اپنی ملکہ کو برے حالوں اور عبرت انگیز مقام تک پہنچا دیتے ہو؟ تم کسی اور کو اپنی ملکہ بنا لو۔“

”انکو سازانہ! اگر ہم چاہیں بھی تو ایسا نہیں کر سکتے“ ایدو نے جواب دیا ”کیونکہ یہ معاملات ہمارے نہیں بلکہ روجوں کے اختیار میں ہیں۔ سنو! ہم بہت عمدہ سلوک کریں گے تمہارے ساتھ۔ تمہیں عظیم بنا دیں گے اور تمہاری عظمتوں کے طفیل ہم بھی عظیم بن جائیں گے۔ کیونکہ تمہارے پاس وہ علم ہے جو کسی اور کے پاس نہیں ہے حالانکہ تم خود اپنی اس خصوصیت سے واقف نہیں ہو۔ ہم مہولی اور چھوٹی باتوں سے اب اکتا گئے ہیں چنانچہ اب ہم دنیا پر حکومت کریں گے۔ تمام قومیں، دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک تمہارے سامنے سر جھکائیں گی

اور تم سے استخارا معلوم کرنے کے دُفود آئیں گے۔ تم ان سے دولت حاصل کرو گی اور انہیں ادھر ادھر دوڑاؤ گی جس طرح کہ ہوا بادلوں کو دوڑاتی پھرتی ہے۔ تم جنگ برپا کرو گی اور تم امن قائم کرو گی۔ تمہارے ایک اشارے پر قومیں اٹھ کھڑی ہوں گی اور دوسرے اشارے پر موت کی آغوش میں جاسوئیں گی۔ ان کے بادشاہ تمہارے باج گزار ہوں گے اور شہزادے تمہاری خدمت میں تحائف لے کر حاضر ہوں گے۔ تم ایک دیوی کی طرح حکومت کرو گی۔“

”اور اس وقت تک حکومت کرو گی جب تک خود ایدو چاہے گا“ نایانے آہستہ سے کہا ”اور پھر تمہارا بھی وہی انجام ہوگا جو میرا ہوا ہے۔ اس کی باتوں میں نہ آنا خاتون۔ دیوی نہیں عورت بنی رہو کیونکہ اسی طرح تم زندگی کی تمام مسرتیں حاصل کر لو گی۔“

”تمہارا مطلب یہ ہے ایدو“ ریچل نے کہا ”کہ میں صرف نام کی ملکہ ہوں گی اور حکومت دراصل تم کرو گے اور یہ کہ تم جو کہو گے وہی مجھے کرنا ہوگا۔ نوئی! کہہ دو اس سے کہ اس کی یہ آرزو کبھی پوری نہ ہوگی۔ جب میں یہاں آئی ہوں تو ایک صدے سے پاگل ہو رہی تھی اور کچھ نہ جانتی تھی لیکن اب میں اپنے آپ میں آگئی ہوں اور جلد ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔ اس جواب نے ایدو کو آگ بگولا کر دیا۔“

”ایک بات کا میں وعدہ کرتا ہوں زولا“ وہ بولا ”خوابوں کے شکاری کی پوری قوم کی طرف سے وعدہ کرتا ہوں کہ یہاں سے تم زندہ نہ جاسکو گی بے شک یہاں تم شجر موت، جو شجر حیات بھی ہے، کے سائے میں بیٹھی ہو چنانچہ محفوظ ہو لیکن جلد یا بدیر تمہیں یہاں سے نکال لانے کا راستہ

تلاش کر لیا جائے گا اور پھر تمہیں معلوم ہو گا کہ کون زیادہ طاقتور ہے۔
 تم یا ایدو۔ جیسا کہ اس بڑھیا کو جو تمہارے پیچھے کھڑی ہوئی ہے معلوم
 ہو ہی چکا ہے چنانچہ فی الحال الوداع۔ میں لوگوں سے کہہ دوں گا۔ چونکہ
 تم تھکی ہوئی ہو اس لئے آرام کر رہی ہو اور یہ کہ تمہاری جگہ فی الحال میں حکومت
 کروں گا۔ اس وقت تک الوداع انکو سازا نہ جب تک کہ ہماری ملاقات
 اس مقام مقدس کی چار دیواری سے باہر نہیں ہو جاتی۔
 اور وہ اٹھا اور ہانا اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ باہر
 چلا گیا۔

چند قدم چلنے کے بعد وہ پلٹا اور ٹیلے کی چوٹی کی طرف اشارہ کر کے
 اور چیخ کر نایا سے کہا:-

”بڑھیا! جا کر دیکھو وہاں۔ شجر حیات کے سائے میں تمہیں اپنے وفادار
 بیٹھے اور موت کا انتظار کرتے نظر آئیں گے تم بزدل ہو کہ اب تک اس احاطے
 سے باہر بیٹھی ہوئی ہو۔“

”نہیں ایدو“ نایا نے جواب دیا ”بزدل تو تم ہو کہ تم نے ان لوگوں کو
 مقام موت میں بھیج دیا ہے کیونکہ وہ لوگ اچھے ہیں اور تم برے ہو
 جب میرا وقت آئے گا تو میں بھی ان کے پاس چلی جاؤں گی لیکن اس
 سے پہلے نہیں۔ اور یہ بھی سن لو کہ میرے بعد تم بھی جلد ہی روضوں کی دنیا
 میں پہنچ جاؤ گے۔ ایدو! تمہاری فتح اور کامرانی کا عرصہ بہت مختصر ہے
 اور پھر تمہارے لئے بھی رات آجائے گی۔ اندھیری اور نہ ختم ہونے
 والی رات۔“

ایدو نے یہ الفاظ سننے اور اس کے زرد چہرے کا رنگ غصے یا شاید

خوف سے سفید ہو گیا۔ وہ زمین پر پیر پٹھنے لگا، وہ اپنے ننھے ننھے گھونٹے ہلانے اور نایا کو کوسنے لگا لیکن نایا اس کی کچھ بھی پروا کئے بغیر پلٹ کر غار میں آئی اور وہاں بھی ہوئی کھال پر بیٹھ گئی۔

”ماں! یہ شخص ایدو تم سے اس قدر نفرت کیوں کرتا ہے؟“ رچل

نے پوچھا۔

”اس لئے خاتون کہ ہر برے شخص کو اچھے شخص سے نفرت ہوتی ہی ہے۔ کئی برسوں سے ایدو کوشش کر رہا تھا کہ وہ میرے ذریعہ خوابوں کے شکاریوں پر حکومت کرے اور اپنے کائے علم سے برے کام کرے لیکن میں نے اس کی ان کوششوں کو کامیاب ہونے نہ دیا۔ وہ زولوؤں کے بادشاہ ڈنگان کی طرح بادشاہ بننا، ہمارے قدیم رازدوں کو افشا کرنا اور قدیم رسم کو توڑنا چاہتا تھا۔ وہ غلام قبیلے اور مکلوس کی فوج تیار کر کے انہیں جنگ پر بھیجا اور ممالک فتح کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے لئے ایک بڑا گھربونا اور اپنے لئے بہت سی بیویاں رکھنا چاہتا تھا لیکن میں نے اس کی رستی مضبوطی سے اور کھینچ کر پکڑ رکھی تھی چنانچہ اس کی یہ آرزوئیں پوری نہ ہوئیں۔ چنانچہ وہ میرے خلاف سازش کرنے لگا لیکن میرا سحر اس کے سحر سے عظیم اور زوردار تھا اور جب تک میرا درخت ایٹادہ تھا ایدو کچھ نہ کر سکتا تھا لیکن آخر کار وہ ہمارے قدموں پر آگرا جیسا کہ پہلے سے مقدر ہو چکا تھا اور یہ ایدو بھی جانتا تھا اور اس نے مجھے فوراً سرخ موت کے حوالے کر دیا ہوتا لیکن تم نے مجھے بچا لیا اور اس کے لئے میں تمہیں ہمیشہ دعائیں دیتی رہوں گی۔“

”اور وہ تمہاری جگہ مجھے مادرِ شجر کیوں بنانا چاہتا ہے؟“

” اس لئے کہ میرا درخت تمہارے قدموں پر گرا تھا چنانچہ اب خوابوں کے شکاری یہی چاہتے ہیں تمہیں مادرِ شجر بنایا جائے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر ایک دفعہ تم کا ہنہ کے بندھن میں بندھ گئیں، اگر اس کا خون تمہاری رگوں میں آگیا تو پھر تمہاری پاک روح اسے اس کے گناہوں سے محفوظ رکھے گی اور تمہارا علم اور تمہاری دانائی، جو ایدو کو تمہاری ذات میں نظر آگئی ہے، اسے اس قدر عظیم بنادے گی کہ پہلے کبھی کوئی اس قدر عظیم نہ رہا ہوگا۔ لیکن خاتون کسی قسم کے لالچ میں نہ آنا کیونکہ اگر ایک دفعہ بھی تم نے ایدو کے حکم سے سرتابی کی تو وہ تمہارے درخت کو گرانے اور تمہاری زندگی کے چراغ کو بجھا دینے کا ایک نہ ایک طریقہ سوچ لے گا اور پھر تمہاری جگہ کسی اور کو مادرِ شجر بنالے گا۔ خاتون! اس کی باتوں میں نہ آنا کیونکہ جان لو کہ یہاں تم محفوظ ہو۔“

” ممکن ہے ایسا ہی ہو۔“ جیسا تم نے کہا۔ لیکن ماں میں کب تک یہاں اس ادا سے مقام میں رہوں گی؟ غموں سے اور صدمات سے میرا دل بوجھل ہو رہا ہے اور میں بھی بہت جلد ابدی سکون حاصل کرنے کے لئے شجرِ حیات کے سائے میں چلی جاؤں گی۔“

” بتاؤ مجھے کہ کیا غم ہیں تمہیں؟“ نایا نے بڑی شفقت سے پوچھا۔
 ” غالباً میں تمہارے تمام غموں سے واقف نہیں ہوں۔ بتاؤ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔“

چنانچہ ریچل نایا کے سامنے بیٹھ گئی، نوئی ترجمان کی خدمات انجام دینے لگی اور ریچل نے اپنی سرگزشتِ ابتدا سے اس مقام تک سنا

دی جب اس نے مافوقی ڈالوں کو ریچل کی لاش لے جاتے دیکھا تھا۔ اس نے کہا کہ اس کے بعد کے واقعات اسے یاد نہیں یہاں تک کہ اس نے اپنے آپ کو نایا کے گرے ہوئے درخت کے سامنے کھڑے پایا۔ بڑی طویل داستان تھی یہ چنانچہ جب اس نے اپنی داستان ختم کی تو رات کا اندھیرا اتر چکا تھا لیکن اس طویل داستان کو نایا غور اور خاموشی سے سنتی رہی اور ریچل کی طرف ہمدردی سے دیکھتی رہی۔

آخر کار ریچل خاموش ہو گئی اور نایا نے کہا:-

”بڑی غمناک داستان ہے اور واقعی درختوں کی سرزمین کے اس پار کی دنیا بہت بڑی دنیا ہے کہ وہاں بے دریغ خون بہایا جاتا ہے۔

بتاؤ خاتون اب تم کیا چاہتی ہو؟“

”صرف یہ کہ میں جلد از جلد اس کے پاس پہنچ جاؤں جسے میں چاہتی ہوں اور جسے اشمیل نے زہر دے دیا تھا۔“

”ریچل نے جواب دیا“ اور اپنے والدین کے پاس پہنچ جاؤں جنہیں اشمیل کے حکم سے زولوؤں نے قتل کر دیا تھا۔“

”اگر وہ لوگ مر چکے ہیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے الا یہ کہ خود تم بھی مر جاؤ؟ چنانچہ اوپر چلی جاؤ، درخت کے سائے میں بیٹھ جاؤ، شجر حیات کا زہر تم پر طے کرے گا اور پھر تم اس دنیا سے رخصت ہو کر ان لوگوں کے پاس پہنچ جاؤ گی جنہیں تم تلاش کر رہی ہو۔“

”نہیں ماں! یہ تو خودکشی ہے اور ہمارے مذہب میں خودکشی بہت بڑا گناہ ہے۔“

”تو پھر تمہیں انتظار کرنا ہو گا یہاں تک کہ موت تمہیں تلاش

”لیکن — لیکن —“ ریچل نے رک رک کر کہنا شروع کیا ”یہ کیسے ممکن ہے؟ ہاں۔ کیسے ممکن ہے؟ موت اسے لے گئی — موت نے، ہم دونوں کو جدا کر دیا — اور اب ہم دونوں کے درمیان وہ خلیج حائل ہے جسے مر کر عبور کیا جاسکتا ہے۔“

”یہ تو تم کہہ رہی ہو“ نایا نے کہا ”لیکن میں بڑی قوتوں والی ہوں اور تمہاری روح پاک اور صاف ہے۔ شاید میں تمہاری روح کو اس خلیج کے اس پار بھیج سکتی ہوں اور واپس اس دنیا میں بلا سکتی ہوں۔ لیکن اس راہ میں خطرات ہیں۔ میرے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی۔ آج تک میں نے یہ خطرہ مول نہیں لیا ہے اور تمہارے لئے تو یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری روح کو واپس بلا سنے میں ناکام رہوں اور پھر تمہاری روح اُسی دنیا میں، دوسری دنیا میں ہی رہ جائے۔“

”اگر میری روح دوسری دنیا میں رہ بھی گئی تو اس کی مجھے پروا نہ ہوگی بشرطیکہ وہ میرے محبوب کے ساتھ رہے۔ ماں! مجھے اس سفر پر بھیج دو اور اگر میں زندہ رہی تو اور اگر مر گئی تو بھی تمہارا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گی۔“

چند ثانیوں تک نایا کچھ سوچتی رہی۔ پھر بولی:-

”تمہارے لئے میں وہ کروں گی جو میں نے آج تک کسی کے لئے نہیں کیا کیونکہ تم نے مجھے ابد و سے اور سرخ موت سے بچا یا ہے۔ بے شک میں تمہارے لئے یہ بھی کروں گی۔ لیکن پہلے تم کھانا کھا لو اور پھر آرام کرو۔ جیسا میں کہتی ہوں ویسا ہی کرو ورنہ میں کچھ نہ کروں گی۔“

چنانچہ ریچل نے کھانا کھایا اور چونکہ وہ غنودگی محسوس کر رہی

خوابوں کے شکاری

۷۷

تھی اس لئے تھوڑی دیر کے لئے سو بھی گئی اس لئے سفر کی تکان اب
تک دور نہ ہوئی تھی یا شاید اس کا دماغ، جو حال ہی میں ٹھکانے
پر آیا تھا، آرام اور سکون چاہتا تھا یا پھر یہ بات تھی کہ کھانے میں
کوئی خواب آور دوا ملا دی گئی تھی۔ بہر حال وہ سو گئی اور جب سدا
ہوئی تو نایا اسے غار کے دہانے پر لے آئی۔ چند لمحوں تک وہ وہاں
کھڑی آسمان میں آنکھیں جھپکتے ہوئے تاروں کو دیکھتی رہی۔ ہوا
بند تھی اور گہری خاموشی طاری تھی البتہ وقتاً فوقتاً جنگل
میں گرتے ہوئے درختوں کی آوازاں کے کانوں تک پہنچ رہی تھی
کبھی یہ آواز بے حد ہلکی ہوتی جیسے کسی نے روٹی کا گٹھر زمین پر گرا
دیا ہو اور یہ اس درخت کی آواز ہوتی جو میلوں دور گرا ہوتا
اور کبھی یہ آواز بادل کی گرج سے مشابہ ہوتی اور یہ اس درخت
کی آواز ہوتی جو کہیں قریب ہی گرا ہوتا۔

اس جگہ کا پُر اسرار منظر اور خاموشی ریکل کے دل میں اتار
لگی۔ آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے، پراسرار اندھیرا اور میلوں
تک پھیلا ہوا جنگل جس میں درخت اپنی عمریں پوری کر کے صدیوں
کے بعد گر رہے تھے، ٹیلے پر کھڑا ہوا عظیم الشان شاہ بلوط جس کی
شاخوں سے کائی کی ہٹائیں لٹک رہی تھیں اور جس کے سائے
میں بیٹھے ہوئے بونے بوندیگے اس دنیا سے رخصت ہو
رہے تھے، وہ بونی اور بوڑھی عورت جو اس کے قریب کھڑی ہوئی
تھی اور جسے اپنی موت کا یقین تھا اور جس کے ماتھے پر موت کی چھ
لگ چکی تھی اور بونی جس نے ریکل کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا

تھا۔ قبول صورت، وقادار نوئی جوتاروں کی اندھی روشنی میں تقریباً غیر ارضی معلوم ہو رہی تھی اور وہ بہرے اور گونگے بونے جو چٹائیوں پر بیٹھے زمین کی طرف دیکھ رہے تھے اور کبھی کبھی اٹھ کر مقدس احاطے میں چلے جاتے اور باہر آتے تو کسی کی لاش اٹھائے ہوئے ہوتے۔ ہاں۔ یہ سب کچھ سراہا تھا، یہ سب کچھ عجیب تھا۔ ریچل یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی اور ایک نئی قوت اس کے رگ وریشے میں سرایت کر رہی تھی۔ ابتدا میں وہ خوفزدہ تھی۔ لیکن اب اس کے دل میں جرأت ہمت کے سوتے پھوٹ نکلے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہ قوت اس نفی عورت میں سے اس کے دل میں منتقل ہو رہی تھی جو اس کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ وہی مادرِ شجر، وہی اسرار کی ملکہ اور وہی ساحروں کی ماں جس کے سینے میں صدیوں سے ایک نیم انسان قوم کا علم اور دانائی سرایت کر گئی تھی۔

”تاروں کی طرف دیکھو خاتون اور رات کو دیکھو“ نایا ایک عجیب آواز میں کہہ رہی تھی ”کیونکہ جلد ہی تم اس کے پاس پارہو گی اور شاید سمجھ کبھی تم انھیں دیکھ نہ سکو گی۔ تم خوفزدہ تو نہیں ہو؟ اگر ہو تو کہہ دو کہ ہم یہ سفر پھر نہ کریں اور اسے تلاش کرنے نہ جائیں جسے شاید تم پا نہ سکو۔“

”نہیں۔ میں خوفزدہ نہیں ہوں“ ریچل نے جواب دیا۔ لیکن ماں! ہم جائیں گے کہاں؟۔“

”موت کی سرزمین میں اور مردوں کے شہر میں۔ چلو۔ اس سفر

پڑوانہ ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ آدھی دات رہا ہے۔ دیکھو وہ ستارہ شجر مقدس پر آ گیا ہے اور اس نے ایک بے حد روشن ستارے کی طرف اشارہ کیا جو عظیم الشان شاہ بلوط کی عین چوٹی پر روشن تھا۔ ”یہی وہ ستارہ ہے جو تمہارے سفر کا نشان راہ ہے اب وقت آ گیا ہے۔“

”ماں! نوئی نے پوچھا“ میں بھی آسکتی ہوں اپنی بہن کے ساتھ کیونکہ مجھے بھی اپنے مرحومین سے ملنا ہے؟ اور یہاں میری بہن جائے گی میں بھی جاؤں گی۔“

”اے سیاپی کی بیٹی! چاہو تو تم بھی چل سکتی ہو کیونکہ یہ راستہ کافی چوڑا ہے۔ اور اگر میں داپس نہ آسکی اور اوپر ہی رہ گئی تو شاید تم سفید فام کو زمین پر لے آؤ گی کیونکہ تمہاری رگوں میں ہمارا ہی تو خون ہے۔“

اور پھر نایا غار میں داخل ہو کر چراغوں کے دائرے میں اتر جانے کے اس ستون کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئی جس کی شکل درخت جیسی تھی اور اس نے ریچل اور نوئی کو اپنے ساتھ بٹھالیا۔ فوراً ہی دو گونگی اور بہری بونی عورتیں نمودار ہوئیں اور نایا کو دائیں بائیں بیٹھ کر ان پیالوں میں دیکھنے لگیں جن میں شفاف شبنم بھری ہوئی تھی۔ نایا نے اشارہ کیا اور دونوں گونگی بہری عورتوں نے بدستور پیالوں میں دیکھتے ہوئے ان چھوٹے چھوٹے نقاروں کو آہستہ آہستہ پلینا شروع کیا جنہیں وہ اپنے ساتھ لائی تھیں۔ نقاروں کی آواز عجیب اور لڑھکتی ہوئی سی تھی۔ نایا نقاروں کی آواز کی تال پر نیچی آواز میں

کوئی گیت گارہی تھی۔ ایک پر اسرار اور وحشت انگیز گیت۔ اپنے
دبے پتلے ہاتھوں سے اس نے ریچل اور لوئی کا دایاں ہاتھ پکڑ
لیا اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

اور ریچل نے دیکھا یا محسوس کیا کہ چیزیں بدل رہی تھیں۔

دائیں بائیں بیٹھی ہوئی بونی عورتیں غائب ہو گئیں لیکن ان
نقاروں کی آواز اس قدر بڑھ گئی کہ اس سے فضا پر ہو گئی اور اس آواز
کی تال پرستارے رقص کرنے لگی۔ نایا کی آواز کا حجم بھی بڑھنے لگا
بڑھتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ اس نے بھی زمین و آسمان کے درمیانی
خلا کو پر کر دیا۔ یہ آواز، یہ پر اسرار آواز کیا تھی؟ یہ جیسے دنیا
کے تمام دریاؤں کا شور تھا، دنیا کی تمام فوجوں کے غرے تھے، جنگل
میں بھٹکتی ہوئی تیز ہواؤں کی سنسناہٹ تھی اور دنیا کی تمام عورتوں
کے رونے کی آواز تھی۔ آواز مدھم مدھم ہو گئی۔ ریچل جیسے اس آواز سے دور
ہونے لگی، آواز دور ہو گئی، بہت دور — وہ کہیں نیچے بہت
نیچے سے آرہی تھی — لاکھوں اور کروڑوں میل نیچے سے اور
پھر وہ فاصلوں میں اور وسعتوں میں ڈوب گئی۔ یہ آواز خاموش
ہو گئی۔ وہ ارضی گیت ڈوب گیا۔ لیکن اب ایک نیا گیت شروع ہوا
اور یہ گھومتی اور جھپٹتی ہوئی دنیاؤں کا گیت تھا، دور، بہت دور
سے آتی ہوئی ان آوازوں کو وہ سن رہی تھی۔ گھومتے اور گردش کرتے
ہوئے سیاروں کی آوازیں، نئی اور انجانی دنیاؤں کی آوازیں جو خلا
میں گردش کر رہی تھیں۔ آواز قریب آنے لگی۔ بجتی ہوئی، عظیم اور مسرور
کن آواز — شور — ہزبردست شور — اس کے باوجود

ایسی آواز جو سمجھی جاسکے۔ آواز جو گاری ہی تھی اور دوسری آوازیں جو اسے جواب دے رہی تھیں۔ اور ان آوازوں سے بازگشت پیدا ہو رہی تھی، مشرق سے اور مغرب سے، شمال سے اور جنوب سے۔ اور اب دنیا میں اس کے قریب سے گزر رہی تھیں۔ سورج، چاند اور سیارے اور ستاروں کی جیسی چھڑی لگ گئی تھی۔ سب اس کے دائیں بائیں سے گزر رہے تھے۔ سنسناتے ہوئے گزر رہے تھے۔ اور وہ گزر گئے۔ وہ کہیں پیچھے، کہیں نیچے چھوٹ گئے اور ان کے ساتھ ان کی آوازیں بھی پیچھے چھوٹ گئیں۔ اور اب وہ دوبارہ آگئی تھی۔ بہت دور۔ گھومتے ہوئے سورج، گردش کرتے ہوئے سیاروں اور چاند اور ستاروں کی دنیا سے دور۔ چاند اور سورج اور ستاروں کی روشنی سے باہر اور دنیا کے حدود کے اس پار اس اندھیرے اور اٹھا ہوا خلا میں وہ روشنی ایک تنہا داغ کی طرح آگے بڑھ رہی تھی اور اس خلا کی تنہائی اور خاموشی اور اندھیرا اس کی روح کو لرزاتا تھا۔ وہ برداشت نہ کر سکی۔ — وہ برداشت نہ کر سکی۔ اور اس اٹھا ہوا خلا کے کسی ایسے کنارے کو تلاش کرنے لگی جس پر وہ اپنے فانی قدم ٹکاسکے۔

اور دیکھو — درپر ایک کنارہ نظر آیا۔ خلا کا ساحل جس کی چٹانوں سے خلا کے اندھیرے کی موجیں سر ٹک رہی تھیں اور ٹکڑا ٹکڑا کر واپس لوٹ رہی تھیں اور وہاں روشنی تھی اور ایسی عجیب سی روشنی۔ ریحل نے آج پہلی دفعہ دیکھی تھی۔ یہ چاند، سورج اور تاروں کی روشنی نہ تھی لیکن ایسی روشنی جو مسلسل بدل رہی تھی۔ جو کہیں نیچے سے

ہزار ہا رنگوں کے ساتھ اوپر اٹھ رہی تھی۔ جیسے وہ کسی دودھیا شیشے کی کان
سے یا کنوئیں سے اٹھ رہی ہو۔ مسلسل گھومتی اور بدلتی ہوئی روشنی اس
چمکا چوند کر دینے والی اور عجیب رنگین روشنی میں رچل کو عجیب و غریب مقامات
نظر آ رہے تھے۔ اس نے دیکھا کہ وہاں اہرام تھے، سمندر تھے، سفید اور
دودھیا پہاڑ تھے اور عجیب عجیب رنگوں کے پھول تھے اور میدان
تھے اور خلیجیں تھیں اور پٹا نہیں تھیں اور تالاب تھے جن میں لڑتے
ہوئے شعلے رقص کناں تھے۔ یہ سب کچھ کھادہ جو کسی کے تصور میں
بھی نہیں آ سکتا۔ یہ سب کچھ بہت حسین تھا اور بہت زیادہ خوف
ناک بھی۔

ایک زبردست گلاب کی طرح وہ دنیا کھلی ہوئی تھی اور تبدیلی
ہو رہی تھی۔ اس کی آب و تاب کو نیل بہ کو نیل، پنکھر سی بہ پنکھر سی،
ریزہ بہ ریزہ ٹوٹ کر گر رہی تھی اور اندھیرا خلا انھیں نگل رہا تھا۔
لیکن اس عجیب و غریب گلاب کے قلب میں سے، اس لافانی گلاب
کی تہوں میں سے نئی آب و تاب مسلسل پیدا ہو رہی تھی اور نئی شکلیں
پیدا ہو رہی تھیں اور نئے رنگ نمودار ہو رہے تھے اور ایک نیا
نگر، ایک نئی دنیا پیدا ہو جاتی تھی۔ اپنے نئے پہاڑوں، نئے برجوں
اور نئے چمکدار دروازوں کے ساتھ ایک نیا عالم جنم لے لیتا ہے اور
یہ نیا عالم ایک لمحہ ————— یا شاید ایک لاکھ صدیوں تک جو وہاں ایک
لمحہ تھا ————— قائم رہتا اور پھر اندھیرے خلا میں غرق ہو جاتا اور
پھر نیا عالم وجود میں آنا جو پہلے عالم سے قطعی مختلف لیکن ہزار گنا شاد
ہوتا۔ اس لافانی گلاب کے قلب سے یہ عالم وجود میں آتے اور

ایک چہرے غلامی گر کر فنا ہو جاتے اور پھر دوسرے نمودار ہوتے۔ اور ان عالموں کے ساتھ غلج بھی تبدیلی ہوتے۔ کبھی وہاں باغ نمودار ہو جاتے، کبھی پہاڑ اور کبھی آتش تالاب اور اس طرح ہر چیز بدلتی کہ جہاں پہاڑ ہوتے وہاں جنگل پیدا ہو جاتے جن میں سنہری اور گلابی دھند سرکشی نظر آتی اور موتیوں کی مشبنم ٹپکتی۔

اور پھر کسی نے ریچل کا ایک ہاتھ پکڑ لیا اور وہ ہاتھ اسے نیچے لانے لگا۔ لاکھوں، کروڑوں ردشنی کی لکیروں نے لپک کر اس کا استقبال اور ردشنی کی ہر لکیر کے سرے پر ایک چہرہ تھا اور یہ بے شمار چہرے اپنی سنہری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ چہرے ریچل کے متعلق ایک دوسرے سے سرگوشی کر رہے تھے اور ان سرگوشیوں کی آواز ایسی تھی جیسے پرسکون سمندر کی آواز ہو اور یہ چہرے اس عجیب اور لافانی گلاب کے قلب تک آئے اور وہ اسے ایک بھورے رنگ کے کمرے میں لے آئے جس کی چھت ٹپکتی ہوئی چٹانوں کی تھی اور یہ چہرے اسے وہاں بٹھا کر اور اکیلی چھوڑ کر چلے گئے۔

خوف اس کے دل پر مسلط ہو گیا۔ تنہائی اس کا دم گھونٹنے لگی۔ تنہائی کسی جاندار چیز کی طرح اس کا گلاب بار ہی تھی۔ وہ اس تنہائی کی وجہ سے مرنے کے قریب پہنچ گئی تھی کہ یکایک اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کے پاس آگیا ہے۔ اب وہ اکیلی نہ تھی۔ شبہیں اس کے چاروں طرف کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ ان شبہوں کو دیکھ نہ سکتی تھی البتہ ان کی آنکھیں صرف آنکھیں اسے نظر آرہی تھیں جو اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

بڑی بڑی اور خوفناک آنکھیں لیکن وہ اسے خوفزدہ نہ کر رہی
 تھیں کیونکہ ان میں ہمدردی تھی اور پھر انھوں نے اس کی بھیانک
 تنہائی کو بھی تو دور کر دیا تھا۔

ایک شبیہ اس پر جھک گئی کیونکہ اس کی آنکھیں بہت قریب آگئیں اور ایک آواز نے اس کے دل میں پوچھا کہ کس غرض سے وہ اتنا طویل اور ایسا خطرناک سفر طے کر کے اپنے وقت سے پہلے وہاں آگئی ہے۔ اور ریکل نے اپنے دل سے:۔۔۔ ہونٹوں سے نہیں:۔۔۔ جواب دیا کہ اسے اپنے محبوب کی تلاش ہے کیونکہ وہ دنیا میں اکیلی رہ گئی ہے۔ اور ایک بار پھر اس نے وہی آواز اپنے دل میں سنی جو حکم دے رہی تھی۔

”ریچل کے تمام مرحومین کو اس کے سامنے لے آؤ۔“

فوراَ ہسی اس کمرے کے تمام دروازے چو پٹ کھل گئے اور ایک شبیہ اترتی ہوئی آئی جس نے اپنے ہاتھوں پر ایک بچہ اٹھا رکھا تھا۔ یہ شبیہ ریچل کے قریب آئی اور اس نے بچے کو ریچل کی طرف بڑھا دیا اور ریچل نے اس بچے کو پہچان لیا۔ یہ اس کا وہ منابھائی تھا جسے ساحل افریقہ پر دفن کیا گیا تھا۔ بچہ بیدار ہو گیا، اس نے آنکھیں کھول دیں، وہ مسکرایا، اس نے اپنے دونوں ہاتھ ریچل کی طرف بڑھا دئے اور پھر وہ غائب ہو گیا۔

اور پھر دوسری شبیں آئیں۔ ریچل کی بچپن کی سہیلیاں، اس کے اسکول کے ساتھی، وہ شخص جس نے ریچل سے شادی کی درخواست کی تھی لیکن پھر ایک دریا میں اتفاقاً غرق ہو گیا تھا اور وہ زولو

نسباً ہی جسے ریچل نے نوئی کو بچانے کے لئے گونی مار دی تھی۔ اس
 زولو کو دیکھ کر ریچل سمٹ گئی کیونکہ اس کے خون سے ریچل نے اپنے
 ہاتھ رنگے تھے لیکن دوسروں کی طرح زولو بھی مسکرا رہا تھا۔ وہ چلا
 گیا اور اب وہ ساحرہ آئی جسے زولوؤں نے ریچل کے خاطر قتل کر
 دیا تھا۔ یہ ساحرہ نہ مسکرائی اور نہ ہی اس نے غصے کا اظہار کیا۔
 اور اب جو شبیہ کمرے میں داخل ہوئی اس کے ہاتھوں پر ریچل
 کی ماں تھی جس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک تھی اور اس نے اپنے دونوں
 ہاتھ اوپر اٹھا رکھے تھے جیسے وہ ریچل کو دعا دے رہی ہو۔ وہ ریچل
 سے گفتگو کرنے کے لئے بے تاب تھی لیکن نہیں۔ اس کی اجازت نہ
 تھی۔ اسے لے جایا گیا اور اب ریچل کے سامنے اس کا باپ تھا اور اپنے
 باپ کو دیکھتے ہی ریچل پر مسرت انگیز سکون اتر آیا۔ وہ بھی چلا گیا اور
 فوراً ہی ایک کالی اور بھیانک شبیہ نے کوئی چیز ریچل کے قدموں
 میں ڈال دی۔ یہ اشمیل تھا جو گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا، اس کے
 لبشرے سے سخت اذیت کے آثار نمایاں تھے اور اس کی آنکھیں ریچل
 سے معافی طلب کر رہی تھیں۔

ریچل کے دل میں ایک ہچل پڑ گئی۔ کیا وہ اس بد نصیب گنہگار کو
 معاف کر سکتی تھی؟ کیا وہ اسے معاف کر سکتی تھی جس نے ان سب
 کو قتل کر دیا تھا؟ اور یکایک پورا کمرہ روشنی کی لکڑیوں سے بھر گیا اور
 یہ رد حین تھیں اور اس کی طرف دیکھ رہی تھیں اور اس کے فیصلے کی
 منتظر تھیں۔ صاف در صاف وہ شبیہیں بھی اس کے چاروں طرف
 کھڑی تھیں جو رد حین کو لارہی تھیں اور پھر ریچل کے دل میں رحم کا سمندر

موجزن ہو گیا اور اس نے غدا ب میں پھنسی ہوئی روحوں پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دئے اور پہلی دفعہ اسے قوت گویائی عطا ہوئی اور اس نے کہا:-

” میں تمہیں معاف کرتی ہوں۔ میں نے تمہیں معاف کیا۔“

آوازوں اور بجلوں نے اس کے یہ الفاظ اٹھائے اور بھورے کمرے میں یہ آوازیں گونج گئیں۔ آوازیں ڈوب گئیں، شبیہیں چلی گئیں اور اب ریچل اس کی تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی جس کی تلاش میں وہ مردوں کے اس شہر تک آئی تھی۔ لیکن کھلے ہوئے دروازے میں سے وہ نہ آیا جس کی اسے تلاش تھی بلکہ ایک بونا آکر ریچل کے سامنے بیٹھ گیا۔ یہ پونی تھا۔ ایدو کا بھائی پونی جو ایک درخت تلے دب کر مر گیا تھا۔ کوئی شبیہ اسے اٹھائے ہوئے نہ تھی کیونکہ دنیا میں بھی یہ آدھا انسان اور آدھی روح تھا چنانچہ مردوں کے شہر میں اسے اپنی طمانگوں سے ہی چلنا تھا۔ شرم سے سرخ پہرہ لئے پونی چلا گیا۔

اور بھورے کمرے کے بڑے بڑے دروازے بند ہو گئے اور ایک بار پھر وہی خوفناک تنہائی اس پر مسلط ہو گئی۔ اس کے پیر جیسے گھٹنوں میں سے کٹ گئے اور وہ فرش پر ڈھے گئی اور اس کا جی چاہا کہ کمرے کی چٹانی چھت اس پر ٹوٹ پڑے اس نے اپنے سنہرے بال اپنے ہرے ڈال لئے اور رونے لگی۔ اور پھر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ دو بڑی بڑی آنکھیں، صرف آنکھیں اسے دیکھ رہی تھیں اور ایک آواز نے اس کے دل میں پوچھا کہ اس کی آواز پوری ہو گئی

نواہوں کے لئے رہا۔
بھروسہ کیوں رہ رہی ہے۔ اور اس نے جواب دیا کہ وہ اسے، رچرڈ دارین
کو نہ پاسکی جس کی تلاش میں وہ آئی تھی فوراً ہی آوازوں اور جگلوں
نے نام اٹھا لیا۔

”رچرڈ دارین۔ رچرڈ دارین۔“
لیکن کوئی شبہہ رچرڈ کو اٹھا کر کمرے میں نہ آئی۔
”وہ یہاں نہیں ہے“ اسی آواز نے رچل کے دل میں کہا ”جاؤ
اسے دوسری دنیا میں تلاش کرو۔“
رچل کو غصہ آگیا۔

”تم میرا مذاق اڑا رہے ہو“ وہ بولی ”وہ مرچکا ہے اور یہ مردوں
کا شہر ہے۔ پناچہ اسے ہیں، مونا چاہئے۔ تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔“
”نہیں۔ میں مذاق نہیں اڑا رہا،“ اسی آواز نے جواب دیا۔
اے فانی انسان دیکھ۔“

ایک بار پھر کمرے کے دروازے کھل گئے اور ان میں سے مردوں
کے قافلے کے قافلے داخل ہوئے یہاں تک کہ پورا کمرہ ان سے بھر گیا۔
یہاں تک کہ حد نظر تک روئیں، سی روئیں نظر آئیں۔ قبائل اور نسلوں کی
مناسبت سے الگ الگ گروہوں میں بٹی ہوئیں۔ بھکاری، بادشاہ
جنت، کاہن، مذہبی راہنما، عورتیں، مرد اور بچے۔ روئیں کا یہ
سیلاب کئی گھنٹوں تک جاری رہا، کئی دنوں تک جاری رہا، کئی برسوں
تک جاری رہا۔ اور کئی صدیوں تک جاری رہا اور ہر روح اس
سے بے ہوش رہی۔

”میری تلاش میں ہو تم؟“

لاکھوں اور کروڑوں روحیں آئیں اور اس کے سامنے سے گزرتی رہیں لیکن ان میں رچر ڈارین نہ تھا۔

اور اب زولوؤں کی روحیں اس کے سامنے سے گزر رہی تھیں اور شا کا اس کے سامنے کھڑا تھا اور رچل نے اسے پہچان لیا کیونکہ ڈیل ڈول اور شکل و شبابست میں وہ اپنے بھائی ڈنگان کی طرح تھا۔ شا کا اسے اپنے بھالے سے ڈرا رہا تھا اور پوچھ رہا تھا اور کہ اسے زولوؤں کی دیوئیاں کے تخت پر بیٹھنے کی جرأت کیونکر ہوئی۔ رچل اس کے سامنے صفائی پیش ہی کر رہی تھی کہ کمرے کی دیواریں یکایک بیٹھ گئیں اور عظیم قہقہے بلند ہوئے اور ان دیکھے اس کمرے کو پھر ٹھیر کرنے لگے لیکن اس غار کی شکل میں جو لونوں کی سرزمین اور اس ٹیلے میں تھا جس پر عظیم الشان شاہ بلوط کھڑا ہوا تھا۔

اور رچل نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے نایا بیٹھی نیچی آواز میں گیت گار رہی تھی اور دائیں بائیں گونگی عورتیں بیٹھی چھوٹے چھوٹے نقارے بجا رہی تھیں اور شبنم سے بھرے ہوئے پیالوں میں دیکھ رہی تھیں اور سامنے لوٹی تھی جو جیسے کسی خواب سے بیدار ہو رہی تھی۔ صدیوں پہلے، کئی صدیوں پہلے، جب وہ اس سفر پر روانہ ہوئی تھی، تو دائیں طرف بیٹھی ہوئی گونگی عورت نے اپنے پیالے کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا اور اس وقت، جب رچل واپس اس دنیا میں آگئی تھی، اس عورت کے ہاتھ بڑھانے کا عمل جاری ہی تھا۔ ایک پتنگا چراغ کی لو سے جھلس کے گرنے لگا تھا اور ابھی وہ گر ہی رہا تھا اس کے باوجود رچل صدیوں بعد اس غار میں واپس آئی تھی۔

مقام مقدس میں

نایا خاموش ہو گئی۔ اب وہ گانہ رہی تھی۔ بونی عورتوں
 نے بھی اپنے ہاتھ روک لئے۔ اب وہ نقار بے نہ بجا رہی تھیں۔
 ”سفر پر روانہ ہوئی تھیں خاتون؟“ نایا نے ریچل کی طرف
 غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”ہاں ماں،“ ریچل نے خوابناک آواز میں جواب دیا ”بڑا ہی
 طویل اور بڑا ہی عجیب سفر تھا وہ۔“

”نوئی تم؟“

”میں بھی ایک سفر پر روانہ ہوئی تھی“ نوئی نے کانپ کر جواب
 دیا ”لیکن اپنی بہن کے ساتھ نہیں بلکہ کیلی تھی۔ کئی برسوں کا سفر تھا۔“
 ”انکو سازانہ! تم کہتی ہو تمہارا سفر بڑا طویل تھا اور نوئی تمہارا سفر
 کئی برسوں کا تھا لیکن تمہاری آنکھیں صرف اتنی دیر بند رہی ہیں کہ
 ایک پتنگا جل کر فرش پر بھی گرنے نہیں پایا تھا۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ
 تم ایک لمحے کے لئے سو گئی تھیں اور اسی جھپکی میں تم نے خواب دیکھے۔“
 ”شاید ریچل نے کہا“ لیکن اگر ایسا ہی تھا تو پھر میرا خواب حیرت
 انگیز تھا۔ ایسا خواب نہ تو میں نے پہلے کبھی دیکھا تھا اور خدا سے دعا کر
 رہی ہوں کہ نہ آئندہ کبھی دیکھوں۔ کیونکہ مجھے ستاروں کے اس پار

عالم ارواح میں بھایا گیا تھا اور میرے سامنے مرحوم کو لایا گیا تھا اور انھیں لانے والی شیشیوں کی میں صرف آنکھیں ہی دیکھ سکتی تھی۔
”اور وہ تمہیں مل گیا جس کی تمہیں تلاش تھی؟۔“

”نہیں۔“ تنہا وہی مجھے نہیں ملا۔ میں نے اسے بہت تلاش کیا۔ میں

نے وہاں کے محافظوں سے درخواست کی کہ وہ میرے محبوب کو میرے سامنے لے آئیں اور انہوں نے تمام مردوں کو بلایا اور ان میں میں نے اسے تلاش کیا لیکن وہ ان میں بھی نہ تھا چنانچہ کسی غیبی آواز نے میرے دل میں کہا کہ میں اسے دوسری دنیا میں تلاش کروں۔“

”آہا!“ نایا نے چونک کر کہا ”ایسا کہا اس آواز نے! بہر حال دنیا میں بہت سی ہیں چنانچہ تمہاری یہ تلاش بڑی طویل ہو گی“ اور پھر اس نے جیسے موضوع تبدیل کرنے کی عرض سے نوٹی سے پوچھا ”یہی! تم نے کیا دیکھا؟۔“

”میں نے ہاں؟۔ میرا تو یہ ہے کہ میں ستاروں کے اس پار نہ گئی بلکہ میں نیچے بعد دیگرے زمینے اتر کر پاتال میں پہنچ گئی۔ میں ان وسیع عجیب غاروں میں پہنچ گئی جو اندھیرے تھے لیکن یہ اندھیرا چمک رہا تھا اور وہاں بہت سے مردے کہیں سے آرہے تھے اور کسی طرف جا رہے تھے۔ وہ لوگ بے قوت مگر خوش معلوم ہوتے تھے اور انہوں نے مجھ سے اوپر کی دنیا کی خبریں پوچھیں لیکن میں انھیں کوئی جواب نہ دے سکی کیونکہ جب میں نے انھیں جواب دینا چاہا تو ایک سرد ہاتھ میرے منہ پر آ پڑا۔ میں کئی چاندوں تک — حالانکہ اس دنیا میں چاند نہیں بلکہ اندھیرے تھے — ٹھہکتی رہی۔ ایک سے دوسرے غار میں

جاتی رہی۔ آخر کار میں اس غار میں پہنچ گئی جس میں میرا باپ سیاپنی
بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پاس میری ماں اور دوسری سوتیلی مائیں بیٹھی
ہوئی تھیں اور میرے بھائی اور میری بہنیں بیٹھی ہوئی تھیں۔
وہی جنہیں زو لوؤں نے قتل کر دیا تھا اور یہ کام انھوں نے ابو بوسی
کے مشورے سے کیا تھا۔

”میں نے دیکھا تھا ابو بوسی کو“ ریکل نے جلدی سے کہا۔ اس
نے مجھ سے معافی طلب کی اور میں نے اسے معاف کر دیا۔
”خیر۔ وہ مجھ کو نظر نہ آیا“ نوئی نے غصے سے پھنکار کر کہا۔
”اگر وہ میرے پاس آیا بھی ہوتا تو میں اسے کبھی معاف نہ کرتی
اور نہ ہی میرے والدین اسے معاف کرتے۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ وہ
لوگ موت کے دیوتا کے حضور بلائے جانے کا انتظار کر رہے ہیں
کہ ابو بوسی کے خلاف گواہی دے سکیں۔“

”سیاپنی نے کہا تھا تم سے؟“ ریکل نے پوچھا۔
”نہیں۔ وہ تو ایک کالے درخت کی چھاؤں میں، جس کی چوٹی
نظر نہ آئی، بیٹھا ہوا تھا اور ایک پیالے میں، جس میں کالا پانی بھرا
ہوا تھا، دیکھ رہا تھا اور اس پیالے میں میرے باپ نے بہت سی
تصویریں دکھائیں ماضی اور مستقبل کی تصویریں۔ لیکن یہ راز ہے
جس کے متعلق کچھ کہنا گناہ ہے۔“

”لیکن اس سب کا انجام کیا ہوا بیٹی؟“ نایا نے بڑے اشتیاق
سے آگے کی طرف جھک کر پوچھا۔

”انجام یہ ہوا ماں کہ وہ کالا درخت، جو ہمارے شجر حیات سے

عالم ارواح میں لے جایا گیا تھا اور میرے سامنے مرحومین کو لایا گیا تھا اور انھیں لانے والی شیشیوں کی میں صرف آنکھیں ہی دیکھ سکتی تھی۔
”اور وہ تمہیں مل گیا جس کی تمہیں تلاش تھی؟۔“

”نہیں۔“ تنہا وہی مجھے نہیں ملا۔ میں نے اسے بہت تلاش کیا۔ میں

نے وہاں کے محافل سے درخواست کی کہ وہ میرے محبوب کو میرے سامنے لے آئیں اور انہوں نے تمام مردوں کو بلایا اور ان میں میں نے اسے تلاش کیا لیکن وہ ان میں بھی نہ تھا چنانچہ کسی غیبی آواز نے میرے دل میں کہا کہ میں اسے دوسری دنیا میں تلاش کروں۔“

”آہا!“ نایا نے چونک کر کہا ”ایسا کہا اس آواز نے! بہر حال دنیا میں بہت سی ہیں چنانچہ تمہاری یہ تلاش بڑی طویل ہو گی“ اور پھر اس نے جیسے موضوع تبدیل کرنے کی عرض سے نوٹی سے پوچھا ”یہی! تم نے کیا دیکھا؟۔“

”میں نے ہاں ہے۔ میرا تو یہ ہے کہ میں ستاروں کے

اس پار نہ گئی بلکہ میں نیچے بعد دیگرے زینے اتر کر پاتال میں پہنچ گئی۔ میں ان وسیع عجیب غاروں میں پہنچ گئی جو اندھیرے تھے لیکن یہ اندھیرا چمک رہا تھا اور وہاں بہت سے مردے کہیں سے آرہے تھے اور کسی طرف جا رہے تھے۔ وہ لوگ بے قوت مگر خوش معلوم ہوتے تھے اور انہوں نے مجھ سے اوپر کی دنیا کی خبریں پوچھیں لیکن میں انھیں کوئی جواب نہ دے سکی کیونکہ جب میں نے انھیں جواب دینا چاہا تو ایک سرد ہاتھ میرے منہ پر آ پڑا۔ میں کئی چاندوں تک۔۔۔ حالانکہ اس دنیا میں چاند نہیں بلکہ اندھیرے تھے۔۔۔ ٹھہکتی رہی۔ ایک سے دوسرے غار میں

جاتی رہی۔ آخر کار میں اس غار میں پہنچ گئی جس میں میرا باپ سیاپی بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پاس میری ماں اور دو سری سوتیلی مائیں بیٹھی ہوئی تھیں اور میرے بھائی اور میری بہنیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہی جنہیں زو لوؤں نے قتل کر دیا تھا اور یہ کام انہوں نے ابو بوسی کے مشورے سے کیا تھا۔

”میں نے دیکھا تھا ابو بوسی کو“ ریچل نے جلدی سے کہا۔ اس نے مجھ سے معافی طلب کی اور میں نے اسے معاف کر دیا۔

”خیر۔ وہ مجھ سے تو نظر نہ آیا“ نوئی نے غصے سے پھنکار کر کہا۔

”اگر وہ میرے پاس آیا بھی ہوتا تو میں اسے کبھی معاف نہ کرتی اور نہ ہی میرے والدین اسے معاف کرتے۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ وہ لوگ موت کے دیوتا کے حضور بلائے جانے کا انتظار کر رہے ہیں کہ ابو بوسی کے خلاف گواہی دے سکیں۔“

”سیاپی نے کہا تھا تم سے؟“ ریچل نے پوچھا۔

”نہیں۔ وہ تو ایک کالے درخت کی چھاؤں میں، جس کی چوٹی نظر نہ آئی، بیٹھا ہوا تھا اور ایک پیالے میں، جس میں کالا پانی بھرا ہوا تھا، دیکھ رہا تھا اور اس پیالے میں میرے باپ نے بہت سی تصویریں دکھائیں ماضی اور مستقبل کی تصویریں۔ لیکن یہ راز ہے جس کے متعلق کچھ کہنا گناہ ہے۔“

”لیکن اس سب کا انجام کیا ہوا بیٹی؟“ نایا نے بڑے اشتیاق سے آگے کی طرف جھانک کر پوچھا۔

”انجام یہ ہوا ماں کہ وہ کالا درخت، جو ہمارے شجر حیات سے

مشابہ تھا، ایک دم سے جل اٹھا اور پھر غار کی چھت بیٹھ گئی اور پھر ہمارے لوگ غار میں سے نکل نکل کر خوشیاں مناتے اور گاتے ہوئے روشنی میں نکل آئے البتہ "اس نے اُداس آواز میں اضافہ کیا۔" میں خود شاید اندر ہی رہ گئی۔ ہاں۔ میں اور اس درخت کا سفید بھوت غار میں اکیلے رہ گئے پھر ایک آواز نے میرے دل میں کہا کہ میں ہمت رکھوں اور جو کچھ گزرے اسے صبر و سکون سے برداشت کر لوں کیونکہ، اس آواز نے کہا، جو لوگ محبت کی خاطر بڑے کام کر گزرتے ہیں بخش دئے جاتے ہیں۔ اور پھر میں بیدار ہو گئی لیکن ان الفاظ کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ نہ تو میں نے کسی مرد سے محبت کی ہے اور نہ کبھی کروں گی۔

اور لوٹی اپنا ایک گھٹنا اٹھا کر اور اس پر اپنی ٹھوڑی طسکا کر خاموش بیٹھ گئی۔

"ہاں واقعی،" نایا نے کہا "تم کسی مرد سے محبت نہیں کرتیں پتا چلے یہ معہ بڑا الجھا ہوا ہے۔"

اور اتنا کہ کردہ رچل کی طرف دیکھنے لگی۔

"ماں" رچل نے کہا "میرا سفر تو محض بیکار ہی رہا۔ کیا تم اپنے اپنے جادو کے زور سے مجھے دوبارہ مردوں کی دنیا میں نہیں بھیج سکتیں کہ میں اپنے محبوب کو تلاش کر سکوں؟"

"نہیں،" نایا نے کہا "اس راستے پر بہت کم لوگوں نے سفر کیا ہے اور جو دوبارہ گیا ہے وہ زندہ واپس نہیں آیا۔"

اور اب رچل رو پڑی۔

رونیس بیٹی - رو نہیں - ایک در بند تو سوادر کھلے ہاں - دوسرے
بھنی بہت سے راستے ہیں اور کل شاید تم ان راستوں پر سفر کرو گی -
بس اب تم دونوں سو جاؤ ————— سو جاؤ کہ تمہیں خواب نظر
نہ آئیں گے۔

چنانچہ دونوں لڑکیاں لیٹ گئیں اور تھوڑی دیر بعد ہی گہری نیند
سو رہی تھیں لیکن بوڑھی مادرِ بشر جاگ رہی تھی اور بیٹھی ان دونوں
کی طرف دیکھ رہی تھی۔

” میں سمجھ گئی ہوں - میں سمجھ گئی ہوں “ وہ زچل کی طرف دیکھ کر آپ ہی
آپ بڑ بڑائی ” تم پاک ہو، تم معصوم ہو اور تم نے بڑے دکھ برداشت
کئے ہیں چنانچہ مردوں کے شہر کے محافظ تمہارے سامنے جھوٹ نہیں
بول سکتے - میرا خیال ہے کہ میں سب کچھ سمجھ گئی ہوں اور میں کوئی راستہ
تلاش کر لوں گی - سو رہو حسینہ سو رہو - تمہارے لئے امید کا
دامن کشادہ ہے۔“

اور پھر اس نے نوئی کی طرف دیکھ کر اپنا سر ہلایا۔

” میں نہیں سمجھی “ وہ بڑ بڑائی ” کالا درخت جو ہمارے قبیلے کے

درخت کی طرح تھا، اس کے نیچے بیٹھا ہوا سیاپی، پھر درخت میں
آگ کا لگنا، نوئی اور درخت کے بھوت کا غار میں اکیلے رہ جانا اور
سیاپی اور اس کے ساتھیوں کا خوشیاں مناتے ہوئے روشنی اور
آزادی میں نکل آنا۔ کیا مطلب ہو سکتا ہے اس کا؟ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔
اس پیالے کی تصویر؟ ٹھیک ہے۔ اب کچھ کچھ یہ مہم حل ہو رہا ہے
اس آواز نے کہا تھا کہ جو محنت کی خاطر بڑے کام کر گزرتے ہیں۔۔۔

ٹھیک ہے۔ اس آواز نے یہ کب کہا تھا کہ مرد کی محبت کی خاطر چنانچہ یہ محبت دو عورتوں کے درمیان بھی تو ہو سکتی ہے اور ہے۔ تو کیا نوئی اس محبت کی خاطر وہ کام کر گزرے گی جو ہمارے قبیلے میں آج تک کسی نے نہیں کیا ہے؟ — بلکہ کسی نے اس کے متعلق سوچنے کی بھی جرأت نہیں کی ہے۔ — لیکن زولو خون بڑا ہی پر جوش اور گرم ہوتا ہے اور نوئی کی رگوں میں زولو خون بھی تو ہے شاید۔ شاید — ایدو — ایدو! — بد معاش شخص! عیار! تو کہاں لے جا رہا ہے ہماری قوم کو — جو کچھ ہو گا اس کی ذمہ داری تجھ پر تنہا تجھ پر عائد ہو گی۔“

دوسرے دن جب رتھل بیدار ہوئی تو تازہ دم تھی لیکن وہ بہت دیر تک اپنے بستر پر پڑی سوچتی رہی۔ گزشتہ رات کے عجیب و غریب خلائی سفر کی تمام تفصیلات اس کے ذہن میں تازہ تھیں البتہ اب اسے اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اس نے جو کچھ دیکھا وہ صرف ایک خواب تھا۔ اس کے باوجود کس قدر حیرت انگیز خواب تھا وہ! حیرت تھی اس بات پر کہ خواب میں بھی اس کا دماغ کس قدر عجیب کام کر گیا تھا اور کسی ناممکن اور ناقابل یقین تصویر میں اسے دکھائی تھیں۔ وہ ساحرانہ سفر، ستاروں کے اس پار تک، وہ حیرت انگیز دنیا جس کے ارد گرد عظیم الشان اور کالے پہاڑ تھے اور ان پہاڑوں سے ٹکراتی ہوئی خلا کی سیاہ موجیں، وہ دم بدم بدلتی ہوئی دنیا جو ایک بڑے گلاب کی طرح پنکھڑی بہ پنکھڑی کھلتی اور پھر

ہر پنکھڑی ٹوٹ کر خلا میں غرق ہو جاتی، وہ بھورا، وسیع و عریض اور چٹالوں کی چھت والا کرو اور فوج در فوج اور گروہ در گروہ مردے۔ کون سی قوت اس کے جسم میں بیدار ہو گئی تھی کہ اسے یہ تمام چیزیں نظر آئیں؟ اسے تصویریں بے شک نظر آیا کرتی تھیں، اس کی ماں کی طرح لیکن اسے ایسی تصویریں تو کبھی نظر نہ آئی تھی۔ یہ غالباً اس کی دیوانگی کے بعد کا رد عمل تھا کیونکہ پاگل کے دماغ میں عجیب نظارے اور آوازیں تھم لیتی ہیں اور یہ ہو گئے جو پراسرار جنگل میں رہتے تھے، جو درختوں کی پوجا کرتے تھے اور جو خوابوں کے شکاری کہلاتے تھے، ایسے اکھڑے ہوئے دماغ پر اپنے سحر کا اثر ڈال سکتے تھے یا شاید وہ اب بھی پاگل ہی تھی۔ پتہ نہیں کیا تھا یہ سب کچھ! — وہ نہ جانتی تھی اور اسے اس کی پروا بھی نہ تھی۔ البتہ وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ اسے چین نہ تھا۔ اس کا دل اس شخص کے لئے تڑپ رہا تھا جو مرجھا تھا تاہم وہ اسے مردوں میں بھی نہ پاسکی تھی۔ اب وہ مرنے کی آرزو مند تھی لیکن اب وہ اس خوف سے مرنا بھی نہ چاہتی تھی کہ کہیں اس خواب میں، جو گذشتہ رات نظر آیا تھا، حقیقت کا عنصر نہ ہو۔ کہیں اس کا رچرڈ زندہ نہ ہو۔ کاش کہ وہ اسے پاسکتی۔ اور پھر جہاں رچرڈ ہو گا وہاں وہ خوشی سے چلی جائے گی۔

اور اب نوٹی بھی بیدار ہو چکی تھی۔

”نوٹی! ہم نے شاید ایسے خواب دیکھے ہیں“ رچل نے کہا ”نایا ماں

نے ہمارے کھانے میں شاید کوئی دوا ملا دی تھی۔“

”میں کچھ نہیں کہہ سکتی زولا“ نوٹی نے جواب دیا ”لیکن اگر وہ

خواب ہی تھا تو میں اس سے پناہ مانگتی ہوں۔ شجر حیات کی روح کرے کہ آئندہ مجھے ایسے خواب نظر نہ آئیں۔ تاہم زولا کون بتا سکتا ہے کہ خواب کیا ہے اور حقیقت کیا ہے؟ بہت ممکن ہے کہ دنیا ایک خواب ہو اور جو کچھ ہمیں نظر آیا وہ حقیقت ہو۔ اور پھر وہ خاموش ہو گئی۔

اس مقدس احاطے میں اس دن کوئی خاص اور غیر معمولی واقعہ نہ ہوا۔ چند کاہنوں کو شجر حیات کے سائے میں لے جایا گیا کہ وہ وہاں بیٹھ کر "سفید موت" کو لہیک کہہ سکیں اور چند لاشوں کو دفنانے کے لئے باہر لایا گیا۔ مرنے کے لئے آنے والوں میں سے چند وہ تھے جو زندگی سے تھک چکے تھے اور چند وہ تھے جو کسی مرض میں مبتلا تھے چنانچہ مریضوں کو اٹھا کر شجر حیات کے سائے میں پہنچا دیا جاتا تھا البتہ سب کا انجام ایک ہی ہوتا تھا۔ یعنی موت۔ اب ریکل معلوم نہ کر سکی کہ ان کی موت کا ہے سے واقع ہوئی تھی۔ اس زہر سے جو بقول نایا کے شجر حیات سے ٹپکا کرتا تھا یا نفسیاتی طور پر۔۔۔۔۔ یعنی ان کا یہ اعتقاد کہ شجر حیات کے سائے میں بیٹھنے والا مرجاتا ہے، ان پر موت طاری کر دیتا تھا۔

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ وہ مرجاتے تھے۔ کوئی فوراً ہی مرجاتا، اور کوئی موت کے اس احاطے میں داخل ہونے کے دو تین دن بعد۔ اور پھر مقام مقدس کے گونگے اور پرے محافظ آتے اور ان لاشوں کو اٹھا کر قبرستان میں لے جاتے اور دفن کر دیتے۔ یہ محافظ فرصت کے وقت چھوٹی چھوٹی قبریں کھودا کرتے تھے اور کوئی مرجاتا تو اس کی

قبر پہلے ہی سے تیار ہوتی۔ یہ محافظ جانے لگتے تھے، یا یوں ظاہر کرتے تھے کہ فلاں فلاں قبر میں لیٹے والا کون ہوگا۔ کم سے کم اشاروں سے تو انھوں نے ہی بتایا تھا کہ پیالوں کی شبنم میں وہ مرنے والوں کو دیکھ لیتے تھے اور پھر جو لوگ مرنے کے لئے احاطے میں آتے محافظ انہیں قبرستان میں لے آتے اور قبریں دکھاتے اور اشاروں کی زبان میں ان سے کہتے کہ انہوں نے خاص آنے والوں کے لئے یہ قبریں تیار کی ہیں۔ اس خدمت کے لئے وہ قریب المرگ لوگوں سے چٹائیوں، چنوں اور غلے وغیرہ کی صورت میں اجرت بھی وصول کرتے تھے۔ یعنی مرنے کے لئے آنے والے لوگ محافظوں کے لئے، جو گورکن بھی تھے، یہ چیزیں اپنے ساتھ لے کر ہی آتے تھے۔ اکثر دفعہ ان محافظوں کو بطور اجرت سونے یا تانبے کی انگوٹھیاں، کنگن اور کڑے بھی مل جاتے تھے جو غلام قبیلے اوم کو س کے کمرالوں یا دوسرے وحشی قبائل کے بنائے ہوئے ہوتے۔

چند لوگ اپنی موت کو بلیک کہنے کیلئے گویا جبراً آتے اور یہ وہ سیاسی مجرم ہوتے جنہیں ایدو نے یہاں بھجوا دیا ہوتا یا دوسورتیں ان کے سامنے رکھی ہوتیں۔ ”سرخ موت“ یا ”سفید موت“ اور خوابوں کے شکاری چونکہ سرخ موت سے ڈرتے تھے اس لئے وہ بادل نا خواستہ مقدس اجاطے میں آجاتے۔ ان بچاروں کا صرف یہ گناہ ہوتا کہ وہ بوڑھی مادرِ شجر کے حمایتی ہوتے۔ یہ لوگ اوپر جانے سے پہلے مادرِ شجر سے چند باتیں کرنے کے لئے غار میں آجاتے۔

اور پھر وہ خاموشی سے اوپر چلے جاتے اور ان لوگوں کی طرف سے محافظوں کو کوئی اجرت نہ ملتی یا اگر ملتی تو بہت کم، نتیجہ یہ ہوتا کہ ان

کی لاشوں کو بے ڈھنگی اور بے آرام قبروں میں پھینک دیا جاتا بلکہ اکثر دفعہ تو یوں ہوتا کہ قبرستان کے کسی کونے میں کھودی ہوئی ایک بڑی سی قبر میں دو تین لاشوں کو ایک ساتھ دفن کر دیا جاتا۔

یہ گونگے اور بہرے محافظ بذات خود بھی عجیب لوگ تھے اور موت کے مقام میں رہنے کے باوجود خوش اور بکاش رہتے تھے اور انہیں نیا یہ کام بہت پسند تھا کیونکہ ریکل نے انہیں اکثر دفنہ سینتے اور بندروں کی طرح ”خوں۔ خوں“ کر کے آپس میں باتیں کرتے دیکھا تھا۔ اور بڑی بات تو یہ کہ وہ آپس میں تجارت اور بیوپار بھی کرتے تھے۔ یہ لوگ احاطے کے اس حصے میں رہتے تھے جو ٹیلے کے، شہر حیات والے ٹیلے کے عقب میں تھا۔ اس حصے میں کسی کو دفن نہ کیا جاتا تھا چنانچہ وہاں قبروں کے بجائے چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں تھیں اور اس عجیب و غریب گھاؤں کے چھوٹے چھوٹے راستے اور چوراہے تھے۔ اس گھاؤں اور ان جھونپڑیوں میں یہ محافظ اور ان کے اجداد خدا جانے کب سے غالباً صدیوں سے رہتے آئے تھے۔ یہ جھونپڑی کے سامنے چھوٹا سا پائیں باغ بھی تھا جس میں چھوٹے قد کے درخت آگ رہے تھے یہ گونگے اور بہرے محافظ شادیاں بھی کرتے تھے۔ فیٹی گونگی اور بہری عورتوں سے۔ لیکن ان کا کنبہ مختصر ہوتا تھا۔ اگر کسی محافظ کے تین بچے ہو جاتے تو وہ بڑا کنبہ سمجھا جاتا۔ ان محافظوں کی جو اولاد ہوتی وہ بھی گونگی اور بہری ہوتی لیکن ان کی دوسری حصیں غیر معمولی طور پر بیدار نہ ہوتیں۔

ان محافظوں میں خوبیاں بھی تھیں اور بُرائیاں بھی۔ مثلاً ان

میں سے چند بڑے ہمدرد تھے اور ان لوگوں سے بڑا احمد سلوک کرتے تھے جو باہر کے جنگل سے دنیا کو خیر باد کہہ کر آنے تھے اور یہ محافظان لوگوں کا بھی بڑا احترام کرتے تھے جو عمر بھر شادی نہ کرتے اور تمام عمر شجر حیات کی خدمت میں گزار دیتے۔ اور ان خوبیوں کے ساتھ چند برائیاں بھی تھیں۔ مثلاً چوری کی عادت، دوسرے کی منیگتر کو بھگالے جانا اور اپنے گھر میں ڈال لینا۔ لیکن سب سے بڑی چیز آپس کا حسد تھا جس کی وجہ سے آئے دن ایک نہ ایک محافظ دوسرے کو دھوکے سے زہر کھلا دیتا۔ یہ لوگ قاتل زہر بنا خفی میں اپنی مثال آپ تھے۔

جب ایسا کوئی مجرم پکڑا جاتا اور اس کا بھانڈا پھوٹ جاتا تو پھر اس کا مقدمہ ان محافظوں کے سردار کے سامنے جو خود بھی گونگا اور بہرہ ہوتا، پیش ہوتا۔ گواہ بلائے جاتے جو اشاروں میں اپنا بیان دیتے۔ اب اگر مجرم کے خلاف گواہی نوردار ملتی تو مقدمہ باقاعدہ قائم ہو جاتا اور پھر اسے کسی قسم کے مشروب کا پیالہ پینے کو دیا جاتا۔ اگر وہ یہ مشروب شوق سے پی لیتا تو اسے رہا کر دیا جاتا لیکن اگر وہ پیالہ پینے میں، سچ بچ کر تانا یا بادل ناخواستہ پیتا تو اس کا جرم ثابت ہو جاتا۔ اور اب اس مقدمے کے عجیب ترین اور ناقابل فہم باب کا آغاز ہوتا۔ یہ مجرم ظاہر ہے ٹیلے پر اور شجر حیات کی چھاؤں میں آتا جاتا رہا ہوتا اور اسے کوئی نقصان نہ پہنچا ہوتا لیکن جرم ثابت ہو جانے اور چند رسومات ادا کرنے کے بعد مجرم کو شجر حیات کے سائے میں پہنچا دیا جاتا اور چند دنوں بعد ہی عام لوگوں کی طرح مر جاتا۔ یہ کیسے ہوتا تھا؟ عمر بھر اس کی آمد و رفت ٹیلے پر جاری رہی تھی لیکن وہ مرانہ تھا پھر

منراپانے کے بعد وہ کیسے مر جاتا تھا؟ یہ کوئی نہ جانتا تھا۔ حتیٰ کہ نایا بھی نہ جانتی تھی غالباً اسے "آزمائشی پیائے" میں زہر پلا دیا جاتا تھا۔ یا شاید نفسیاتی رد عمل اس کا خاتمہ کر دیتا تھا یا شاید سحر کے زور سے اس کی جان لی جاتی تھی۔ بہر حال یہ ایک راز تھا جس سے کوئی واقف نہ تھا۔

ہر نئے چاند کی رات کو یہ گونگے اور بہرے محافظ ایک تیوہار مناتے تھے۔ یہ تیوہار اس طرح منایا جاتا کہ محافظ شجر حیات پر چڑھ جاتے، اس کی ٹہنیوں اور شاخوں پر بکھر جاتے اور کئی گھنٹوں تک وہاں بیٹھے لنگوروں کی طرح "ہوں ہاں" اور "خوں خاں" کیا کرتے۔ پھر وہ درخت سے اتر کر اور احاطے کے بلند اور سنگین دیوار پر چڑھ کر اس پر رینگنے لگتے۔ اکثر ان کا یہ عجیب و غریب "دیواری سفر" ایک نہ ایک حادثے پر ختم ہوتا۔ یعنی ایک آدھ محافظ اچانک اوپر سے نیچے پتھروں پر گرتا اور صحیح معنوں میں اس کے جیتھڑے اڑ جاتے اور اکثر دیکھا گیا تھا کہ یہ گرنے والا ہر چند کہ مجرم نہ ہوتا تاہم ایسا شخص ضرور ہوتا جو ہر دلعزیز نہ ہوتا اور کسی نہ کسی وجہ سے دوسرے محافظوں کی، جن میں عورتیں بھی شامل ہوتیں، نفرت یا کم سے کم ناپسندیدگی حاصل کر چکا ہوتا۔

اس "دیواری سفر" کے بعد الاؤ روشن کیا جاتا اور یہ گونگے اور بہرے بونے جشن مناتے، کسی قسم کی شراب پیئے جو ان پر نیند طاری کر دیتی اور اس نیند میں انھیں حیرت انگیز خواب نظر آتے۔ بس تو یہی تھی ان کی تفریح بشرطیکہ ہم اسے تفریح کہہ سکیں کیونکہ اس جشن کی اوجیت سراسر مذہبی تھی وہی دوسری باتیں تھیں ان کے لئے صرف یہ کہ دنیا کافی بڑھکا کہ وہ اس مقام مقدس سے جو "اندرون دیوار" کہلاتا تھا، باہر قدم نہ رکھتے تھے۔

• رہے ان کے کام تو وہ صرف ایک کام کر رہے تھے۔ یعنی مردوں کو دفن کرنا۔ اس کے علاوہ کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتے تھے کیونکہ ان کا کھانا جنگل کے خاص لوگ 'جو' دیوار کے غلام' کہلاتے تھے روزانہ لے آتے تھے۔ ان کی گفتگو صرف اشاروں سے ہوتی تھی اور انہیں کوئی دوسری ترکیب گفتگو معلوم بھی نہ تھی اور نہ ہی انہیں اس کی خواہش تھی کہ کاش وہ بھی اپنی زبانی استعمال کر سکتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان محافظوں کے کسی کے گھر میں ایسا بچہ پیدا ہو جاتا جو نہ گونگا، نہ ہوتا اور نہ بہرہ تو پھر اسے دیوار کے باہر والے کسی بونے کو دے دیا جاتا بشرطیکہ اس کی خصوصیت کا انکشاف زمانہ طفولیت میں ہی ہو جاتا لیکن اگر سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد پتہ چلتا کہ وہ بول اور سن سکتا ہے تو پھر خود اس لڑکے یا لڑکی کا باپ اسے بیٹے پر لے آتا اور اسے شجر حیات کے تنے سے باندھ دیتا اور چلا جاتا اور جب وہ لڑکا یا لڑکی مر جاتی تو اس کا باپ واپس آتا اور اسے اپنے ہاتھوں سے دفن کر دیتا۔

بھینٹ کی یہ بے دردانہ رسم اس لئے ضروری تھی کہ محافظوں کو یہ خطرہ لاحق ہو جاتا کہ کہیں یہ "بولنے اور سننے والا یا والی باہر جا کر" "شجر حیات" اور "اندرون دیوار" کے راز ہائے سربستہ لوگوں سے بیان نہ کر دے۔

تو ایسے تھے وہ لوگ جو عجیب پر اسرار تھے۔ اور ان لوگوں میں، جنہیں نصف انسان ہی کہا جاسکتا ہے، ریحل قیام کرنے پر مجبور تھی۔ بیشاک زولو لوگ نرے وحشی اور خونخوار تھے لیکن بونے ساحروں کے مقابلے میں اب وہی زولو ریحل کو فرشتوں کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ زولو کم سے کم اس کے دماغ میں نہ جھانکتے تھے لیکن یہ پر اسرار بونے تو جیسے اس کے دماغ میں گھس کر اس کے خیالات معلوم کر لیتے تھے۔ وہ اپنے سامنے

پیالے لئے بیٹھے رہتے اور اس میں ریچل کا مقدر دیکھتے۔ اس نے اکثر دفعہ ان لوگوں کو آپس میں خود اس کے متعلق اشارے کرتے دیکھا تھا۔

ایک بار پھر رات کا اندھیرا اتر چکا تھا، شجر حیات کی عجیب سی بو اٹاٹے میں پھیلی ہوئی تھی اور جلتے ہوئے چراغوں کی روشنی غار میں پھیلی ہوئی تھی اور لونی اور ریچل نایا کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں اور چراغ کی لو پر بڑے بڑے اور گھناؤنے پتنگے منڈلا رہے تھے۔

”تو تمہیں وہاں سایوں کی دنیا میں نہ ملا۔“ نایا نے دفعۃً کہا ”کو خاتون اب تم مطمئن ہو گئیں یا اسے اور تلاش کر دو گی؟“

”میں اسے تمام آسمانوں اور تمام دنیاؤں میں تلاش کروں گی۔“

ماں! اس کی دید کے لئے میری روح تڑپ رہی ہے اور اگر وہ مجھے نہ ملا تو میں مرجاؤں گی اور غالباً اس دنیا میں چلی جاؤں گی جہاں وہ نہ ہوگا۔“

”ٹھیک ہے۔“ نایا نے کہا ”یہ مشقت مجھے تھکا مارتی ہے کیونکہ اب میں بہت زیادہ بوڑھی ہو چکی ہوں۔ تاہم تمہاری خاطر میں ہر ممکن کوشش کروں گی کیونکہ تم نے مجھے سرخ موت سے بچایا ہے۔“

اور پھر محافظ عورتیں غار میں آکر بیٹھ گئیں اور چھوٹے چھوٹے نقارے پیسنے لگیں اور بوڑھی مادرِ شجر پہلے ہی کی طرح کوئی گیت گانے لگی۔

لونی اگ بھٹی رہی کیونکہ آج رات کے ٹائٹل میں وہ کوئی کردار ادا کرنے والی نہ تھی۔ ایک بار پھر اسے اپنا معلوم ہوا جیسے وہ ستاروں کے اس پار پہنچ گئی ہے اور وہ یکے بعد دیگرے اسے عجیب عالموں میں اسے تلاش کرنے لگی۔

اس نے جبرت انگیز مناظر اور حیرت انگیز چیزیں دیکھیں اور اتنی بہت سی کہ اس کی یاد ان میں دفن ہو کر رہ گئی چنانچہ جب وہ بیدار ہوئی ہے تو اسے ایک ایک تفصیل یاد تھی لیکن ریچل نے اس کو کسی عالم میں نہ دیکھا۔ البتہ جب وہ بیدار ہو رہی تھی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے لمحہ کھبر کے لئے رچرڈ اس کے بہت قریب آگیا تھا یا وہ خود اس کے بہت قریب پہنچ گئی تھی وہ اسے دیکھ نہ سکی تھی، وہ اس کی آواز نہ سن نہ سکی تھی اس کے باوجود وہ ریچل کے یقیناً بہت قریب تھا اور پھر اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور نایا نے اپنا گیت ختم کر کے پوچھا۔

”کہو رات کے مسافر! کیا خبر لائے؟“

اور ریچل نے ٹھکی ہوئی آواز میں اپنے حالیہ سفر کی تفصیلات سنا

دی۔

”واہ!“ نایا نے اپنے بھورے بالوں کو دالاسر ہلا کر کہا۔ اس دفعہ وہ تم سے زیادہ دور نہ تھا۔ کل میں تمہاری روح کو زیادہ پر قوت بنا دوں گی اور شاید پھر وہ تمہارے پاس آجائے۔ میں اب آرام کرو۔

چنانچہ دوسری رات نایا نے پھر ریچل پر سحر بھونکا اور ایک بار پھر اس کی روح رچرڈ کو تلاش کرنے لگی اس دفعہ ریچل نے محسوس کیا کہ وہ دنیا سے رخصت نہ ہوئی تھی بلکہ وہ اس عالم آب و گل میں ہی اسے تلاش کر رہی تھی اور لوگوں کے لامتناہی سیلاب سے بڑھلائی ہوئی تھی۔

اور آخر کار اس نے اپنے محبوب کو پالیا۔ اس نے رچرڈ کی آواز نہ سنی، اس نے اسے دیکھا نہیں، اسے یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کہاں تھا اس کے باوجود بے شک و شبہ وہ کھوٹری دیہ کے لئے اس کے ساتھ

تھی۔ وہ بیدار ہو گئی۔ وہ بے حد تھکی ہوئی تھی مگر خوش تھی۔

نایا نے اس کی پوری داستان سنی، ایک ایک لفظ غور سے سنا لیکن منہ سے کچھ نہ کہا اور پھر اس نے ان عورتوں سے، جو تقارے بجا رہی تھیں، شبہم سے بھرا ہوا پیالہ لانے کو کہا اور پھر جھک کر اس میں دیکھنے لگی۔ گونگی اور بہری عورتیں بھی اپنے اپنے پیالوں پر جھک گئیں۔ جب وہ جو کچھ معلوم کرنا چاہتی تھیں وہ معلوم کر چکیں تو تینوں عورتوں نے اپنے اپنے پیالے اٹھا کر اوندھا دئے۔

”ہاں! دیکھا کچھ؟“ ریچل نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔
 ”ہاں بیٹی! ہم تینوں نے کچھ دیکھا“ نایا نے جواب دیا۔ اور چونکہ ہمیں ایک ہی تصویر نظر آئی ہے اس لئے وہ سچ ہے۔ لیکن یہ نہ پوچھو کہ ہم نے کیا دیکھا کیونکہ یہ ہم تمہیں نہ بتائیں گے اور اگر ہم نے بتا بھی دیا تو تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ البتہ ہمت رکھو اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ چنانچہ نایا کے ان الفاظ پر غور کرتے کرتے ریچل سو گئی کیونکہ اس کی بات کا مطلب وہ اور نوئی سمجھ نہ پائی تھی۔ دوسری رات ریچل نے نایا سے درخواست کی کہ وہ پھر اس پر سحر پھونک دے کہ وہ اپنے محبوب کو تلاش کر سکے تو بڑھیا نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں۔ اب نہیں“ نایا نے جواب دیا۔ ”تین دفعہ میں نے تمہاری روح کو جسم سے الگ کر کے در دراز مقامات تک بھیج دیا تھا۔ اب اگر چوتھی بار میں نے کوشش کی تو تم زندہ نہ رہو گی۔ اس کے علاوہ اپنی مسلسل مشقتوں نے مجھے تھکا مارا ہے اور پھر اب اس کی ضرورت بھی نہیں رہ گئی ہے کیونکہ اب تمہاری روح تمہارے محبوب کے پاس ہے، خواہ وہ کہیں بھی ہو، اور اسے

تسکین دے رہی ہے حالانکہ خود تم اس بات سے واقف نہیں ہو۔
 ”یہ سب تو ٹھیک ہے ماں لیکن وہ ہے کہاں؟ مجھے تمہارے پیالے
 میں اس کی صورت دیکھنے دو کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ تم اس پیالے میں
 اس کی صورت دیکھ چکی ہو۔“
 ”بہت اچھا۔ اگر دیکھ سکتی ہو تو دیکھ لو۔“

اور اس نے ایک بونی عورت کو اشارہ کیا کہ وہ پیالہ ریحلی کے
 سامنے رکھ دے۔

چنانچہ ریحلی پیالے پر تھک گئی اور بہت دیر تک غور سے دیکھتی رہی
 لیکن اسے رچرڈ کے متعلق کچھ نظر نہ آیا البتہ چند دوسری حیرت انگیز
 تصویریں نظر آئیں جو اس کے ماضی کے متعلق تھیں آخر کار تھک کر کے
 اس نے پیالہ پھینک دیا اور نایا سے پوچھا کہ وہ لوگ اسے کیوں بنا
 رہے اور پریشان کر رہے ہیں حالانکہ وہ تالاب کے پانی میں رچرڈ کو اتے
 دیکھ اور ایدو کے دئے ہوئے پیالے میں ڈنگان کی سمت کا حال پڑھ
 چکی تھی پھر اب اسے تصویریں کیوں نظر نہیں آ رہیں۔

”تالاب میں تمہیں جو تصویر نظر آئی تھی اس کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ
 سکتی“ نایا نے خواب دیا ”کیونکہ وہ خود تمہارے دل یا شاید دماغ کی
 پیدا کردہ تھی چنانچہ ہمارے جادو سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ رہی وہ
 تصویریں جو تمہیں ایدو کے پیالے میں نظر آئی تھیں تو ان کے متعلق میں کہہ
 سکتی ہوں کہ وہ تصویریں ایدو کے روانہ ہونے سے پہلے میں نے دیکھی
 تھیں اور پھر انھیں پیالے میں محفوظ کر دیا تھا اور وہ تصویریں ایدو نے تمہیں
 دکھا دیں۔ بے شک تم غیب میں اور پاک و صاف ہو تاہم تم ہمارے

سحر سے واقف نہیں ہو چکا تھا۔ ہمارے پیالوں میں تمہیں اس وقت تک تصویریں نظر نہیں آ سکتیں جب تک کہ ہمارا خون تمہارے خون سے مل نہیں جاتا۔

”تم لوگوں کا خون میرے خون سے مل نہیں جاتا! کیا مطلب ہے تمہارا ماں؟“

”مطلب وہی ہے جو میں نے کہا۔ اگر ایدو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو میرے بعد خوابوں کی ملکہ تم نبوگی لیکن تمہاری بشریاتیں اور ایدو کی بشریاتیں کھول جائیں گی۔ یہ ضروری ہے۔ اور تمہارا خون اس کی رگوں میں اور ان کا خون تمہاری رگوں میں ٹپکایا جائے گا اور اس کے بعد تم بھی ہماری طرح پیالوں میں تصویریں دیکھ سکو گی اور ایدو تمہارا آقا ہوگا اور جب تک تم زندہ رہو گی اس کی تابع فرمان رہو گی۔“

”اگر ایسا ہی ہے تو پھر ہم دونوں میں سے ایک بھی زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہے گا۔“ رتھل نے کہا۔

اس رات رتھل اس قدر تھکی ہوئی تھی کہ اسے نیند نہ آئی۔ ایسا کیوں تھا یہ تو وہ خود بھی نہ جانتی تھی کیونکہ دن بھر اس نے کچھ نہ کیا تھا سوائے اس کے کہ محافظوں کو شجر مقدس کے احاطے میں آتے جانے اور قبریں کھودنے دیکھتی رہی تھی چنانچہ یہ واقعی عجیب بات تھی کہ وہ یوں محسوس کر رہی تھی جیسے سیلوں کا سفر طے کر کے آرہی ہو۔ چنانچہ وہ سو نہ سکی۔ پو پھٹنے سے کوئی ایک گھنٹہ پہلے اس نے دیکھا کہ نایا اسی اور اپنے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا نقارہ لئے غار کے دہانے کی طرف چلی کسی اندرونی قوت نے رتھل کو مجبور کر دیا کہ وہ نایا کا تعاقب کرے اور

دیکھیے کہ وہ کہاں جاتی اور کیا کرتی ہے۔ چنانچہ اس نے نوٹی کو، جو قریب ہی لیٹی ہوئی تھی، حقیقتاً بیدار کیا اور اسے بھی اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ غار سے باہر پہنچ کر تاروں کی روشنی میں انھوں نے دیکھا کہ نایا ٹیلے پر سے اتر رہی تھی اور نیچے پہنچ کر وہ سامنے والے میدان کی طرف بڑھی۔ دونوں لڑکیاں بھی اس کے پیچھے چلیں۔ ان کا خیال تھا کہ نایا دیوار سے باہر نکل جانا چاہتی ہے لیکن ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ دیوار کے قریب پہنچ کر وہ اس پر چڑھنے لگی۔ حالانکہ وہ بوڑھی اور کمزور تھی تاہم وہ دیوار کے کھر درے اور ابھرے ہوئے پتھروں پر چڑھ رہی تھی لیکن نایا ایک ہوشیار بیٹی کی طرح اوپر چڑھ رہی تھی۔ آخر کار وہ دیوار کی چوٹی پر جو ساٹھ فٹ بلند تھی، پہنچ کر وہاں بیٹھ گئی اور اب وہ نقارہ بجا رہی تھی لیکن صرف ایک ہاتھ سے۔ نوٹی اور ریچل نقارے کی آواز سن رہی تھیں۔ وہ رک رک کر ایک ہاتھ کی ضربیں، نقارے پر لگا رہی تھی۔ کبھی آہستہ آواز بھی زور سے اور ہر پانچ دس ضربوں کے بعد وہ اپنا ہاتھ ایک ثانے کے لئے رک لیتی۔

”یہ تو جیسے کوئی پیغام پہنچا رہی ہے کسی کو“۔ ریچل نے سوچا۔

آخر کار نایا نے نقارہ بجانا بند کر دیا۔ چاروں طرف گہری خاموشی تھی جسے کبھی کبھی کسی گرتے ہوئے درخت کی آواز توڑ دیتی تھی اور اس گہری خاموشی میں ریچل نے اور نوٹی نے بھی کہیں دور سے آتی ہوئی نقارے کی مدھم آواز سنی۔ یہ نایا کے نقارے کا جواب تھا۔ نایا نے بھی یہ آواز سن لی کیونکہ اس نے فوراً ہی اپنے نقارے پر ایک ضرب لگائی۔ اس کے بعد دور سے آتی ہوئی نقارے کی آواز جاری رہی۔ وہ چند ثانیوں

کے لئے خاموش ہو گئی۔ جیسے کسی دوسرے اور دور کے نقارے کا جو آسنے کے لئے۔ اور وہ آواز پھر سنائی دی۔ اب نقارہ غالباً وہ جواب دہرا رہا تھا جو کسی بہت دور کے نقارے نے دیا تھا۔

بہت دیر تک نقاروں کی آواز میں سوال و جواب ہوتے رہے یہاں تک کہ افق مشرق سرخ ہونے لگا اور ساتھ ہی نایا مسلسل کئی منٹ تک اپنے نقارے پر ضربیں لگاتی رہی اور دور کے نقارے پر صرف ایک ضرب لگا کر اس کا جواب دیا گیا۔ اب نایا نے آسمان کی طرف دیکھا اور دیوار پر سے اترنے کی تیاری کرنے لگی۔ ریچل اور لوئی فوراً پلٹ کر غار میں آ گئیں اور اپنے اپنے بستر پر لیٹ کر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور یوں ظاہر کرنے لگیں جیسی گہری نلیند سو رہی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد ہی نایا غار میں داخل ہوئی۔ وہ ریچل اور لوئی کے قریب آ کھڑی ہو اور سر ہلا کر بولی:

”میری بچیو! تم مادرِ شجر کو اتنی آسانی سے دھوکا نہیں دے سکتیں۔“

”تو تم نے ہمیں دیکھ لیا؟“ ریچل نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔

”نہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تو تم دونوں کو دیکھا نہ تھا البتہ میں

تم کو اپنے پیچھے آتے ضرور محسوس کر رہی تھی اور تم آپس میں جو کچھ سرگوشی کر رہی تھیں اسے بھی میں اپنے دل میں سن رہی تھی۔ کہو انکو سا زانہ!

میرا تواقب کر کے تم نے عقلمندی کا ثبوت دیا ہے؟۔“

”نہیں ماں۔ لیکن اگر مناسب سمجھو تو ہمیں بھی بتا دو کہ تم کیا کر

رہی تھیں؟۔“

”میں سرحد پر گئے غلاموں کو چند احکامات دے رہی تھی۔ وہ اب

بھی مجھے مادرِ جبرِ تسلیم کرتے اور میرے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔ شاید تم یقین نہ کر دو گی کہ میں اس دیوار پر بیٹھی ان افسروں کے نام جو اوم کو س قبائل کی انتہائی سرحد پر ہیں چند احکامات بھیج رہی تھی اور اب میرے حکم کے مطابق انہوں نے چند آدمی میرے ایک خاص کام کے لئے دوڑا دئے ہیں۔“

”یہ خاص کام کیا ہے ماں؟“ ریکل نے پوچھا۔

”یہ میرا معاملہ ہے تمہارا نہیں۔ ہر چند کہ یہ معاملہ اس قدر ضروری نہیں ہے لیکن چونکہ میں نہیں جانتی کہ میری جسمانی قوت کب تک برقرار رہے گی اس لئے میں نے اسے جلد ہی نپٹا لینا مناسب سمجھا۔“

اور پھر مزید کچھ کہے بغیر وہ اپنی چٹائی پر گھڑی سی بن کر لیٹ گئی اور شاید سو گئی۔

اس نقارے سے پیغام یا ”احکامات“ بھیجنے والے واقعات کے بعد ریکل کے دن بلکہ بیفتے بڑے ہی حیرت انگیز گزرے۔ نایا نے پھر اس پر نوم توجہ کا عالم طاری نہ کیا اور بظاہر کچھ بھی نہ ہوا۔ تاہم ریکل خود اپنے اندر بڑی بڑی تبدیلیاں محسوس کر رہی تھی۔ اس کی دیوانگی پوری طرح دور ہو چکی تھی اس کے باوجود وہ ہر عورت سے مختلف تھی۔ اس کا دماغ جیسے بھٹک رہا تھا لیکن وہ یہ نہ جانتی تھی کہ کہاں بھٹک رہا تھا۔ اس کے باوجود کئی گھنٹوں تک اس کا دماغ اور شاید اس کی روح بھی اس کے پاس نہ ہوتی اور یہ عالم بیداری ہوتا یعنی وہ جاگ رہی ہوتی اور پوری طرح اپنے ہوش میں ہوتی اور بعد اسے کچھ یاد نہ رہتا۔ یہ دورے اس پر رات کے وقت بھی پڑتے اور دن کے وقت بھی اور رفتہ رفتہ ان دوروں کا درمیانی وقفہ زیادہ سے زیادہ کم ہوتا

جار ہا تھا۔

اسے کچھ یاد نہ رہتا لیکن اس "لاشیئیت" میں ایک احساس مسلسل اور متواتر اُبھر رہا تھا۔ رچرڈ کے قریب کا احساس۔ رچرڈ کے وجود کا احساس جیسے وہ دم بہ دم اس کے دل کے زیادہ سے زیادہ قریب ہوتا جا رہا ہو۔ یہ اس کے قرب اور اس کے وجود کا احساس ہی تھا جس نے ان طویل اور اکتا دینے والے دنوں کو ریکل کے لئے بڑے خوشگوار دن بنا دئے تھے حالانکہ اکثر دفعہ جب وہ اپنے آپ میں ہوتی، وہ بھی سوچتی کہ یہ دراصل ایک خواب ہے اور بس۔ تاہم یہ کیا بات تھی کہ اس کا یہ احساس یقین میں بدلتا جا رہا تھا؟ اگر یہ خواب تھا تو اسے اس قدر متاثر کیوں کر رہا تھا؟ وہ ایسی تھکن سی کیوں محسوس کرتی تھی؟ اس کے اعضاء درد کیوں کرنے لگتے تھے؟ وہ مضحک کیوں ہوتی جا رہی تھی؟ جیسے وہ رات بھر سفر کرتی رہی ہو؟ وہ یوں کیوں محسوس کر رہی تھی جیسے وقتاً فوقتاً خطرات سے گزر رہی ہو؟ اسے سردی اور گرمی کیوں محسوس ہوتی تھی؟ وہ پانی کے پیاس کیوں محسوس کرتی تھی؟ اسے یوں کیوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ طوفانِ بادِ باران کا مقابلہ کرتی کہیں جا رہی ہے؟

وہ خود ان سوالات کا جواب نہ دے سکتی تھی۔ نوئی بھی نہ دے سکتی تھی اور جب اس نے نایا سے پوچھا تو بوڑھی مادرِ شجر سر ہلا کر خاموش ہو رہی۔ البتہ مقامِ مقدس کے محافظ شاید کچھ جانتے تھے کیونکہ جب وہ ان کے قریب سے گزرتی تو وہ ایک دوسرے کو ٹھو کے مارتے، مسکراتے اور بہت سے محافظ ایک ہی پیادل پر جھاک کر اور سر سے سر جوڑ کر اس میں کچھ دیکھنے لگتے۔ لیکن اگر نوئی اور نایا ان عجیب و غریب دوروں سے واقف نہ تھیں تو بھی ان

کلا اثر رکپل پر دیکھ کر بے چین ہوئی جا رہی تھیں۔ طویل القامت اور پرقوت رکپل دن بہ دن زیادہ سے زیادہ کمزور ہوتی جا رہی تھی اس شخص کی طرح جس کا کھانا کسی موذی اور جان لیوا مرض نے آدبا یا ہو۔

چنانچہ اسی طرح تین ہفتے گزر گئے اور ایک دن علی الصبح نایا نے ایدو کے ذہن پر اپنا اثر ڈالا اور وہ بوڑھی مادرِ شجر سے دو دو باتیں کرنے کے لئے بے تاب ہوا کھٹا۔ چنانچہ دوسری صبح ایدو اپنے ساتھی ہانا کے ساتھ مقدس احاطے میں داخل ہوا اور نایا نے غار کے دہانے میں ان دونوں سے تنہا ملاقات کی۔

”بڑھیا! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت زیادہ دہلی اور سفید ہو گئی ہو لیکن اب تک زندہ ہو“ ایدو نے کہا ”جنگل میں بسنے والے ہزاروں لوگوں کا خیال تھا کہ تم کبھی کسی شجر حیات کی چھاؤں میں چلی گئی ہو گی۔ کہو تو اب میں یہ خوشخبری انہیں سنادوں؟“

مادرِ شجر نے گھور کر ایدو کی طرف دیکھا۔

”میرا مضحکہ اڑالے عیار ایدو“ اس نے کہا ”یہ سچ ہے کہ میں کمزور اور سفید ہو گئی ہوں۔ یہ سچ ہے کہ میری رگیں خشک پتے کے ریشوں کی طرح ابھر آئی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ میری آنکھیں جیسے حلقوں سے نکلی پڑ رہی ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ میں بہت جلد شجر حیات کی چھاؤں میں چلی جاؤں گی اور یہی تم چاہتے بھی ہو تاکہ میرے بعد تم خوابوں کے شکاریوں پر حکومت کر سکو۔ یہ سب سچ ہے ایدو تاہم میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں اور مناسبت ہو گا کہ میں جو کچھ کہوں اسے تم غور سے سنو۔“

”کہو جو کچھ کہنا ہے“ ایدو نے کہا ”اس کا تو مجھے بھی اعتراف ہے کہ

تمہارا علم عظیم ہے۔ شہد کی مکھی کی طرح تم عمر بھر شہد جمع کرتی رہی ہو۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وقت گزرنے سے پہلے میں اس کا کچھ حصہ حاصل کر لوں۔ کہو۔ کہو۔ میں ہر تن گوشش ہوں۔

”ایدو! یہاں میں اکیلی ہی دہلی اور سفید پور ہی بلکہ کوئی اور بھی پورہا ہے وہ دیکھو۔“

اور اس نے ریچل کی طرف اشارہ کیا جو اس وقت ان کے قریب سے گزر رہی تھی۔ وہ کمزور ہو رہی تھی چنانچہ نوئی اسے سہارا دئے ہوئے تھی۔

”ہوں۔ ہوں۔“ ایدو نے کہا ”میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ مقام موت، ریحوں کا یہ مسکن انکو سازانہ کے جسم سے بھی حیات کھینچ رہا ہے۔ اس کے علاوہ میں سمجھتا ہوں کہ تم نے اس کی روح کو بھی طول طویل سفر پر بھیجا یا تھا۔۔۔۔۔ اور اس فن میں تم طاق ہو۔۔۔۔۔ اور ایسے روحانی سفر جسم اور روح کو پھوٹ لیتے ہیں۔“

”شاید۔ اور اب اس سے پہلے کہ وقت گزر جائے۔ میں اس کے جسم کو بھی سفر پر بھیج دینا چاہتی ہوں۔ لیکن اس وقت تمہیں اقتدار حاصل ہے اور تم اس کا راستہ رکھو گے۔“

یہ میں جانتا ہوں، ایدو نے سر ہلا کر کہا ”بلکہ ہم سب جانتے ہیں۔ جانتے ہیں ناہاندا؟ کیونکہ ہم نے نقاروں کی آواز سنی تھی اور اسی صبح درختوں سے شبنم کے قطرے کو چٹکتے دیکھا تھا۔ تم اسے ایک مسافر کے پاس بھیجنا چاہتی ہو۔“

”ہاں۔ اور اگر تم بیوقوف نہیں ہو تو انکو سازانہ کو نہ روکو گے بلکہ اسے جانے دو گے۔“

”میں اسے کیوں جانے دوں؟“ ایدو نے کہا ”اگر وہ چلی گئی تو میں خود کہیں کا نہ رہوں گا۔ میری ساری عظمت خاک میں مل جائے گی میرے سارے کئے دھڑے پر پانی پھر جائے گا۔ نہیں۔ یہ نہ ہوگا۔ تمہارے بعد انکو سازانہ مادرِ شجر بنے گی۔ خوابوں کے شکاری یہی چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب میرا خون اس کی رگوں میں ٹپکا پا جائے گا تو پھر اس کے علم اور دانائی کا عروج دیکھنے کے قابل ہوگا خصوصاً اس لئے کہ یہ سفید فام کنواری ہے۔ نہیں۔ میں اسے نہ جانے دوں گا۔ یہاں اس مقدس مقام میں، وہ محفوظ ہے چنانچہ اگر وہ اسی جگہ رہی تو ظاہر ہے کہ مر جائے گی پھر اس کی روح دوسرے مسافر کے پاس چلی جائے گی اور پھر ہم اسے نہ روکیں گے۔“

”ایدو! تم پاگل ہو گئے ہو۔ جاہ طلبی نے تمہیں اندھا کر دیا ہے۔ انکو سازانہ کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور کسی اور کو مادرِ شجر بنالو۔ یہ نوٹی ہے۔ اسے بنالو۔“

”نوٹی! — اس کی رگوں میں تمہارا ہی تو خون ہے۔ وہ بھی تمہاری طرح ہی تو سوچتی ہے۔ اسے بھی وہ پسند ہیں جنہیں تم پسند کرتی ہو اور ان نفرت ہے جن سے تم نفرت کرتی ہو۔ نہیں میں اس لڑکی کو مادرِ شجر بناؤں گا جس کے خون میں بلاوٹ ہے۔ انکو سازانہ ہی ہماری ملکہ ہوگی۔“

”تو پھر ایدو“ نایا نے آگے کی طرف جھک کر اور ایدو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرگوشی میں کہا ”انکو سازانہ خوابوں کے شکاریوں کی آخری ملکہ ہوگی۔ بیوقوف! انکو سازانہ کی حمایتی وہ قوتیں ہیں جن کا مقابلہ تم نہ کر سکو گی، اپنی تمام تر مساحرانہ قوتوں کے باوجود نہ کر سکو گے۔ میں ان قوتوں

سے واقف ہوں اور میں کہتی ہوں ایدو کہ وہ قوتیں تمہارا کفن تیار کر رہی ہیں
 بہت اچھا ایدو۔ جو تمہارا جی چاہے کر دے۔ میں یہ باتیں اس لئے نہیں کہہ رہی کہ
 مجھے انکو سازانہ سے محبت ہے بلکہ اس لئے کہہ رہی ہوں کہ مجھے اب بھی خوابوں
 کے شکاریوں سے محبت ہے۔ بیوقوف! تم جو جالا بن رہے ہو اور بننے رہو
 آخر میں خود ہی اس میں سمپنس جاؤ گے۔ سن لو ایدو کہ تمہاری موت اس قدر
 سرخ ہو گی کہ آج تک کسی کی نہیں ہوئی اور یہ موت تمہا تم پر نازل نہ ہو گی۔
 بس اب جاؤ اور آئندہ کبھی میرے پاس نہ آنا البتہ روحوں کی دنیا میں
 تمہارا البقیہ میرے پاس آئے گا اور معافی طلب کرنے گا لیکن اسے معافی نہ
 دی جائے گی۔ جاؤ۔ کہہ دو خوابوں کے شکاریوں سے کہ ان کی بوڑھی ماں
 جس کے خلاف انھوں نے بغاوت کر دی تھی، مر گئی اور کہو ان سے کہ
 بوڑھی ماں نے کہا ہے کہ وہ اس مصیبت اور اس عذاب کے لئے تیار ہیں
 جو اب تک بوڑھی مادر شجر تے ان سے دور رکھا تھا۔

اب ایدو نے جواب دینے کی کوشش کی لیکن اس کے منہ سے ایک
 لفظ بھی نہ نکل سکا کیونکہ نایا کی شعلہ بارنگا ہوں میں کوئی خاص بات کہتی جس
 نے ایدو کو خوفزدہ کر دیا۔ اس نے ہانکی طرف اور ہانانے اس کی طرف دیکھا
 اور پھر وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے لڑکھڑاتے قدموں سے دیوار
 کی طرف چل دئے۔

تیسواں باب

جذبہ دل

۔ رچھڑدار بن کر صرف اس قدر یاد تھا کہ اسے مانفوقی کراں کی ایک جھونپڑی میں تبدیل رکھا گیا تھا، اسے دودھ کا ایک پیالہ پینے کو دیا گیا تھا جسے پیتے ہی اس کے دل ذماغ میں ناقابل برداشت ٹھنڈک سی دوڑ گئی تھی اور اس کے بعد کئی دنوں تک اسے کچھ یاد نہ رہا لیکن رفتہ رفتہ یہ ہوشی اور عنودگی کے دوروں کے درمیان، اس کے بدن میں موت حیات کی لہریں دوڑنے لگیں۔ رفتہ رفتہ اس کا دماغ اور یادداشت بیدار ہونے لگی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک بے ڈھنگی جھونپڑی میں، جو درختوں کی ٹہنیوں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی، پڑے پایا۔ ادھیڑ عمر کی ایک کافر عورت اسکی تیمارداری کر رہی تھی۔

”کون ہو تم؟“ رچھڑنے پوچھا۔

”مجھے ماما کہتے ہیں عورت نے جواب دیا۔

”ماما! — ماما! — یہ نام میں نے پہلے بھی اکثر سنا ہے اور

آواز بھی کان آشنا ہے۔ ارے! تم ابو بوسی کی وہی بیوی تو نہیں جو جھونپڑی کی دیوار کے ایک سوراخ میں سے مجھ سے گفتگو کرتی تھی؟“

اس نے ٹہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کی لیکن اٹھ نہ سکا۔

”ہاں انکوس میں ابو بوسی کی بیویوں میں سے ایک تھی۔“

”ایک تھیں! — تو پھر — تو پھر ابو بوسی کہاں گیا؟“

”مر گیا۔“

”مر گیا! —“

”ہاں انکوس۔ آگ نے اسے اور اس کے کراں مافوقی کو جلا کر
راکھ کر دیا۔“

”مافوقی — مافوقی جل گیا — تو پھر انکو سازانہ کہاں ہے؟
جلد جواب دو مامی“ رچرڈ نے کھوکھلی آواز میں پیچ کر پوچھا۔

”افسوس انکوس۔ انکو سازانہ بھی مر گئی کیونکہ جب مافوقی جل رہا
تھا تو وہ کراں میں ہی تھی لوگوں نے اسے ایک جھونپڑی کی چھت پر کھڑے
دیکھا تھا اور پھر وہ نہ دیکھی گئی۔“

”تو پھر کچھ مرجانے دو کہ میں بھی اس کے پاس چلا جاؤں۔“
اور پھر وہ کراہ کر ڈھے گیا، اس کی آنکھیں بند ہو گئیں، اس
کا سینہ اٹھنے اور گرنے لگا۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا اور وہ تین دلوں تک
بیہوش رہا۔

اس کے باوجود وہ زندہ رہا کیونکہ وہ جوان اور طاقتور تھا اور مامی
اس کے حلق میں دودھ ٹپکاتی رہی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی جسمانی قوت کسی
حد تک عود کر آئی اور وہ اس قابل ہو سکا کہ سوچ اور بول سکے اور مامی
سے اس نے یہ پوری خوفناک داستان معلوم کر لی۔

مامی نے بتایا کہ ڈنگاں کے خوف سے مافوقی کے لوگ فرار ہو گئے
اور ساتھ ہی رچرڈ کو بھی، جسے وہ مردہ یقین کر چکے تھے، اپنے ساتھ اٹھا

لائے۔ ہر وہ شخص جو چل پھر سکتا تھا اپنے عویشی لے کر مافوقی سے فرار ہو گیا۔ صرف ابو بوسی، چند بوڑھے، بیمار اور وہ لوگ جو اس وقت اتفاقاً کراں سے باہر گئے ہوئے تھے، مافوقی میں رہ گئے انہی لوگوں میں سے دو، جو مافوقی میں رہ گئے تھے، کراں کی آتش زدگی کے وقت فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور انہی لوگوں نے ابو بوسی اور انکو سازانہ کے عبرت انگیز انجام کی تفصیلات سنائی تھیں۔ رہے وہ خود یعنی مامی اور اس کے ساتھ فرار ہونے والے جو چرہ ڈکی اپنے خیالوں لاش اٹھا لائے تھے، تو وہ رات دن چلتے رہے یہاں تک کہ وہ کوتالا میا میں پہنچ گئے۔ ان پہاڑوں میں وہ لوگ آباد تھے جو شا کا کی فوج کی تباہ کاریوں سے بچ گئے تھے۔ چنانچہ مامی اور اس کے ساتھی ان پہاڑوں میں اس امید کے ساتھ مقیم ہو گئے کہ ڈنگان ان سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ اور اب تک ڈنگان کی فوجیں وہاں تک نہ آئی تھیں خوش قسمتی سے وہ اپنے زیادہ عویشی ساتھ لے آنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور پھر ہاں کی زمین بھی زرخیز تھی چنانچہ یہ لوگ اب اسی جگہ مستقل طور پر مقیم ہو جانے کا ارادہ کر چکے تھے۔

تو یہ تھی پوری داستان جو مامی نے اسے سنائی تھی۔

دو تین دن بعد چرہ ڈرینگ کر اپنی جھونپڑی کے دروازے تک جانے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے دیکھا کہ یہ ایک قدرتی اور ناقابل تسخیر قلعہ سا تھا۔ چاروں طرف بلند و بالا پہاڑ تھے اور باہر جانے کے لئے صرف ایک راستہ تھا۔ کوتالا میا سلسلہ کوہ میں ایک تنگ ذرہ تھا۔ وہ لوگ جو کھیتوں میں کام کر رہے تھے، چرہ ڈ کو دیکھتے ہی

اس کے پاس آگے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی طرف یوں دیکھنے لگے جیسے وہ زندہ ہو کر قبر میں سے نکل آیا ہو۔ بہر حال انھوں نے بڑے احترام سے رچرڈ کو سلام کیا۔ اس نے ان لوگوں سے 'جن میں دو شخص بھی شامل تھے جنہوں نے مافوقی کو جلتے دیکھا تھا، چند سوالات پوچھے لیکن ان لوگوں نے وہی باتیں کہیں جنہیں وہ مامی سے سن چکا تھا۔ اس سے زیادہ وہ لوگ اسے کچھ نہ بتا سکے۔ البتہ یہ بات انہوں نے بڑے یقین سے کہی کہ ان زد لوگوں کے ساتھ، جو مافوقی میں گھس پڑے تھے، انکو سازانہ جمل مری۔ اب تو رچرڈ کو کو بھی ریکل کے مرنے کا یقین ہو گیا۔ وہ دل شکستہ ہو کر جھوپڑی میں رنگ آیا۔ اب دنیا میں اس کے لئے کچھ نہ رہ گیا تھا۔ وہ سب کچھ گنوا چکا تھا اور اب خود بھی مر جانا چاہتا تھا۔

لیکن وہ نہ مرا بلکہ وہ پوری طرح تندرست ہو گیا اور جب وہ سفر کرنے کے قابل ہو گیا تو وہ اس بستی کے سردار کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ اب وہ ان سے رخصت ہو کر اپنے لوگوں میں، جو کیرپ کالونی میں بسے ہوئے تھے، جانا چاہتا ہے۔

"نہیں نہیں انکو اس اتم نہیں جا سکتے" سردار نے کہا "کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ تم اپنے لوگوں کے پاس نہ جاؤ گے بلکہ انکو سازانہ کے متعلق تمام باتیں معلوم کرنے کے لئے ڈنگان کے پاس جاؤ گے۔ انکو اس تمہیں ہمارے ساتھ ہی رہنا ہے کہ اگر کبھی ڈنگان کو تمہارے خون کا انتقام لینے کا خیال آجائے اور اس کی فوجیں یہاں تک آجائیں تو ہم ان کے سامنے نہیں پیش کر کے اپنے آپ کو بچا سکیں۔ ابو بوسی کا گناہ خود ہم سے پرٹ گیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ تانبوسا اور ڈنگان نے ان لوگوں کو کیسی شرادینے کی قسم کھائی

تھی جو سفید خام سردار دار کو ذرا بھی نقصان پہنچائیں گے۔

رجرڈ اس کے ساتھ بحث کرنے لگا لیکن سردار نے اس کی ایک نہ سنی چنانچہ رچرڈ خاموش ہو رہا اور فرار کی تدبیریں سوچنے لگا۔ ایک اندھیری رات میں اس نے فرار کی کوشش بھی کی لیکن درے میں پرہ دیتے ہوئے لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور بڑی عزت اور احترام سے اسے اس کی چھوڑی میں پہنچا دیا۔ دوسرے دن سردار نے اسے بلایا اور کہا کہ وہ ان کی لاشوں پر سے اسی گزر کر یہاں سے جاسکتا ہے اور یہ کہ اس پر رات دن نظر رکھی جا رہی ہے اور یہ کہ درے پر ہمیشہ پرہ رہتا ہے۔ اور پھر سردار نے کہا کہ وہ سفید خام اور ہوشیار ہے چنانچہ وہ ان کا سردار بن جائے، ڈنگان کی فوجوں اور دوسرے دشمنوں سے انہیں بچاتا رہے اور یہ کہ ابوبوسی کی بیویوں کو اپنی بیویاں بنالے (یہ سن کر رچرڈ کانپ گیا) اور یہ کہ وہ لوگ اس کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے البتہ وہ انہیں چھوڑ کر چلے جانے کا ارادہ ترک کر دے۔

رجرڈ نے ان کی پیشکش ٹھکرا دی لیکن آخر میں وہ اس بستی کا سردار ہی بن گیا۔ اس لئے نہیں کہ وہ جاہ و طلب تھا بلکہ اس لئے کہ وہ بیکار بیٹھے اکتا گیا تھا۔ زہی ابوبوسی کی بیویاں تو رچرڈ ان کی طرف نگاہ بھی نہ کرتا تھا ان کو اپنی بیویاں بنانا خیر دور کی بات تھی۔

چنانچہ وہ کئی ہفتوں تک پہاڑوں سے گھرے ہوئے اس مقام پر بیٹھا رہا اور اس کی چھوٹی سی بستی کا سردار بنا رہا۔ دن بھر وہ کھیتوں میں چکر لگاتا اور لوگوں کے جھگڑوں وغیرہ کے فیصلہ کرتا۔ لیکن راتوں اس کے لئے عذاب جان تھیں، رات کے اندھیرے کے ساتھ ساتھ غم و اندوہ

اور ریچل کی یاد اس کے دل میں اتر آتی اور اس کی روح تک کو ایک عذاب میں مبتلا کر دیتی۔ ریچل کی یاد کسی طرح اس کا پیچھا نہ چھوڑتی تھی۔ اور وہ مریچکی تھی۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ مریچکی تھی۔ اور وہ خود زندہ تھا۔

ایک رات اس نے ریچل کو خواب میں دیکھا کہ وہ اسے تلاش کر رہی ہے اور اسے پکار رہی ہے۔ بڑا ہی صاف اور واضح خواب تھا یہ۔ اس کی آنکھ کھل گئی اور خواب غائب ہو گیا۔ لیکن دوسرے دن وہ اپنے دماغ میں عجیب بلبل سی محسوس کرتا رہا اور اس کے قدم خود بخود شمال کی طرف اٹھ جاتے۔

دوسری رات اس نے پھر ریچل کو خواب میں دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میں نے تمہیں بہت تلاش کیا رچرڈ۔ ہر جگہ تلاش کیا اور آخر کار میں نے تمہیں پالیا۔ اپنی آنکھیں کھولو رچرڈ اور تم مجھے دیکھ لو گے۔" اور رچرڈ نے آنکھیں کھول دیں تو ریچل کے چہرے کے نقوش اسے سامنے نظر آئے۔ ایک لمحے تک۔ صرف ایک لمحے تک اسے اندھیرے میں اپنی مجربہ کے چہرے کے خطوط نظر آئے۔ اور پھر وہاں کچھ نہ تھا۔ وہ اسے دیکھ نہ سکتا۔ وہ اسے چھو نہ سکتا تھا۔ لیکن وہ اسے اپنے قریب محسوس کر رہا تھا۔ رات کے اندھیرے میں ریچل کا چہرہ اس کی نظر کے سامنے آ جاتا۔ وہ اس کی نظر کے سامنے تیرنے لگتا اور خواب میں اس کی آواز کہتی:-

"آجاؤ رچرڈ۔ آجاؤ میرے پیارے۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ آجاؤ۔ میں خود تمہاری راہبر بنوں گی۔"

اور پھر اس کی آنکھ کھل جاتی، اسے یاد آتا کہ ریچل مرچکی ہے اور یہ کہ اس کی روح اب اسے دوسری دنیا میں بلارہی ہے۔ وہ آواز سے شمال کی طرف بلاتی رہتی ہے۔ ہمیشہ شمال کی طرف بلاتی رہتی یہاں تک کہ حالت یہ ہو گئی کہ اگر چرچر ڈچا ہلتا بھی تو مشرق یا مغرب یا جنوب کی طرف قدم نہ اٹھا سکتا۔ وہ جب بھی ان سمتوں میں بڑھتا تو چند گز کے بعد ہی اس کے قدم خود بخود شمال کی طرف پلٹ جاتے اور اس کا رخ درے کی طرف ہوتا۔

ایک رات وہ دماغی اور جسمانی طور پر بے حد تھکا ہوا اپنی تھوڑی سی میں اپنی اور تھوڑی دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد سو گیا اور آنکھیں بند ہوتے ہی ریچل سامنے کھڑی تھی۔

”رچرڈ! میرے پیارے! تم نہ آؤ گے؟“ وہ کہہ رہی تھی۔
 ”تم میری محبت ہو۔ تم میری حیات ہو۔ کہاں تک مجھے بتاؤ گے؟
 کب تک میں تمہارے سامنے گڑ گڑاؤں گی؟ وہ وقت دور نہیں جب میری قوت جواب دے جائے گی۔ پھر میں تمہارے پاس نہ آسکوں گی اور پھر تم مجھے کیسے پاسکو گے۔ میرے پیارے؟ اٹھو۔ اٹھو۔
 اس سے پہلے کہ وقت گزر جائے۔ اٹھو۔ آؤ۔ میں
 خود تمہاری راہبری کروں گی۔“

اس کی آنکھ کھل گئی۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اب وہ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ وہ شاید پاگل ہو گیا تھا اور یہ خواب اس کے اکھڑے ہوئے دماغ کی اختراع تھی جو اسے موت کی طرف بلارہے تھے۔ شاید ریچل کو کہیں شمال کی طرف دفن کیا گیا تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو پھر وہ بھی

شمال میں دفن ہوگا۔ شاید ریچل کی روح کہیں شمال میں مقیم تھی۔ اگر ایسا تھا تو پھر خود اس کی روح بھی اسی طرف چلی جائے گی۔ درے میں پہرہ دیتے ہوئے کافرا سے قتل کر دیں گے اگر ایسا ہوا تو وہ اپنا چہرہ شمال کی طرف کئے قتل ہوگا کیونکہ ریچل اسے اسی طرف تو بلا رہی تھی۔

وہ اٹھا، اپنے آپ کو بکری کی کھال کے کبیل میں بیٹھا، ایک چرمی تھیلے میں سکھایا ہوا گوشت اور ابال کر نرم کی ہوئی مکئی رکھی اور یہ بھیتلا اپنے ایک کندھے سے لٹکالیا ساتھ میں پانی سے بھری ہوئی ایک تو بنی بھی لٹکا لی کیونکہ چند دنوں کے لئے تو اسے بہر حال جینا تھا اور اس کے لئے پانی اور غذا کی ظاہر ہے کہ ضرورت تھی۔ اس کے پاس بندوق نہ تھی چنانچہ اس نے ایک مضبوط لاثٹی، ایک شکاری چاقو اور ایک چوڑے بھل واسے بھالے سے اپنے آپ کو مسلح کیا، جھوپڑی سے باہر آیا اور اپنا رخ شام کی طرف کر کے درے کی طرف قدم اٹھا دئے۔ اس نے پہلا ہی قدم اٹھایا تھا کہ اسکی دماغی بے چینی قدرے کم ہو گئی۔ اب اس کے دماغ میں سکون تھا۔ وہ اس پر اسراں بلاوے کا جیسے تابع فرمان ہو چکا تھا۔ سکون اور یقین اس کے دل میں اترتا چلا گیا۔ وہ اپنی موت کی طرف جا رہا تھا لیکن اس کی اسے پروا نہ تھی۔ خواب اسے بلا رہا تھا۔ آواز اسے بلا رہی تھی اور اسے بہر حال جانا تھا۔ آسمان میں چاند پوری طرح روشن تھا لیکن رچرڈ نے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش نہ کی۔ وہ اب ہر طرف سے — اور — ہر چیز سے بے پروا ہو چکا تھا۔

اب وہ درے میں داخل ہو چکا تھا۔ اب وہ اس مقام کے قریب تھا جہاں پہرے داروں کو متعین کیا گیا تھا لیکن رچرڈ بڑی بے خوفی

سے آگے بڑھتا رہا۔ جیسی کہ رچرڈ کو توقع تھی، پہرے دار جاگ رہے تھے اور چونکے تھے۔ وہ چٹانوں کے پیچھے سے نکل آئے اور اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔

”کہاں جا رہے ہو آقا داریو؟“ پہرے داروں کے سردار نے پوچھا۔
”تم یہاں سے نہیں جاسکتے۔“

”میں ایک روح کے پیچھے جا رہا ہوں۔“ رچرڈ نے جواب دیا۔ ”زندہ یا مردہ۔۔۔ میں اس کے پیچھے جاؤں گا۔ زندہ یا مردہ، میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔“

”کہہ رہا ہے کہ روح کے پیچھے جا رہا ہوں۔“ پہرے داروں کے سردار نے سہنس کر کہا۔ ”لیکن ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہم اسے نہ جانے دیں۔“

چنانچہ پہرے دار اس کی طرف بڑھے۔ رچرڈ خاموشی اپنی موت کا منتظر کھڑا رہا۔ پہرے دار اس کی طرف لپکے لیکن پھر کچھ ہوا۔ آگے بڑھتے ہوئے کافر دفعۃً پتھروں پر اوندھے منہ لیٹ گئے۔ رچرڈ نہ جانتا تھا کہ ایک دم کیا ہوا؟ اسے پکڑنے کے لئے آگے بڑھتے ہوئے پہرے دار ایک دم سے اوندھے منہ کیوں لیٹ گئے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ وہ معلوم کرنا بھی نہ چاہتا تھا۔ البتہ انھیں یوں سجدہ ریز دیکھ کر وہ انھیں کھلانگتا ہوا آگے بڑھا اور درے میں سے نکل کر میدان میں آگیا۔

وہ رات بھر چلتا اور بار بار گردن گھما کر پیچھے دیکھتا رہا کہ کوئی اس کے تعاقب میں تو نہیں آ رہا؟ لیکن کوئی اس کا تعاقب نہ کر رہا تھا۔

وہ اکیلا تھا — بالکل اکیلا — البتہ وہ خواب اس کے ساتھ تھا جو اسے شمال، بس شمال کی طرف ہی لٹے جا رہا تھا۔ سورج طلوع ہوا تو ہمیں اس تنہا مسافر نے ایک جگہ قیام کر دیا۔ اپنے چرمی تھیلے میں سے خشک گوشت نکال کر کھایا اور پڑ کر سو رہا۔ دوپہر کے وقت بیدار ہو کر وہ پھر چل پڑا۔ وہ راستے سے واقف نہ تھا تاہم وہ بڑے یقین سے جیسے راستے سے واقف ہو، آگے بڑھتا رہا۔ وہ نہ جانتے ہوئے بھی جانتا تھا کہ کہاں جا رہا ہے۔ اس رات اس نے اپنا کھانا ختم کیا، سو گیا اور پوچھے بیدار ہو کر پھر چل پڑا۔ آگے بڑھ کر اسے چند کافریہ جنوں نے اس سے چند سوالات پوچھے لیکن اس نے صرف یہ جواب دیا کہ وہ ایک روح کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔ کافر حیرت سے اس کی صورت تنکے لگے اور پھر دفتہ خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد واپس آئے اور اس کے سامنے کھانا رکھ گئے۔ رچرڈ نے کھانا کھایا اور آگے بڑھ گیا۔

اور اب وہ مافوقی کراں میں پہنچ چکا تھا اور اس جگہ ہوئے اور دیران کراں میں بھٹک رہا تھا۔ راکھ کے ڈھیروں میں سے ہڈیاں اٹھانے لگی تھیں، وہ اپنی لاشوں سے ان ہڈیوں کو الٹ پلٹ کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا ان میں ریکل کی ہڈیاں کون سی ہوں گی۔ اس رات وہ اسی دیران اور جگہ ہوئے کراں میں سو رہا اور سوچا کہ شاید یہی اس کی منزل تھی اور یہ کہ وہ اسی جگہ مر جائے گا کیونکہ ریکل، اس کے خیال میں، اسی جگہ مری گئی۔ لیکن صبح جب وہ بیدار ہوا تو پتہ چلا کہ کوئی قوت اب بھی شمال کی طرف کھینچ رہی تھی اور اس دفعہ یہ پراسرار کشش پہلے سے زیادہ زوردار تھی۔

چنانچہ وہ جلے ہوئے کراں میں سے نکل آیا اور اس چٹان کے قدروں میں چلنے لگا جس کی چوٹی پر سے چلتے ہوئے اشمیل نے چھلانگ لگا دی تھی وہ اس دریا کے کنارے پہنچ گیا جسے ریچل نے تیر کر عبور کیا تھا۔ اس وقت یہ دریا پایاب تھا۔ اس طرف کے کافروں کو شاید اس کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی کیونکہ وہ گردہ در گردہ آتے اور اس کے سامنے کھانا رکھ دیتے لیکن وہ خاموش رہتے لیکن جب وہ خود ان سے بات کرتا اور کہتا کہ وہ ایک روح اور ایک خواب کے پیچھے چلا ہے اور ان سے پوچھتا کہ آیا انہیں بھی روح یا وہ خواب نظر آیا ہے تو وہ لوگ ”تاگیتی۔ تاگیتی“ (سحر زدہ) چیختے ہوئے بھاگ جاتے۔

وہ چلتا رہا اور ہر رات اسے اپنے سونے کے لئے ایک جھونپڑی تیار مل جاتی اور اس میں کھانا بھی رکھا ہوا ہوتا۔ اور آخر کار وہ ڈنگان کے کراں میں پہنچ گیا۔ وہ کراں کے راستوں پر سے گزرنے لگا اور سیکڑوں لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے رہے اور پھر ایک زولو افسر نے ایک نئی بنی ہوئی جھونپڑی کی طرف اشارہ کیا۔ رچرڈ اس جھونپڑی میں داخل ہوا۔ حسب معمول کھانا تیار تھا۔ اس نے کھایا اور سو رہا۔

صبح تڑکے وہ بیدار ہوا اور چلنے کی تیاری کرنے لگا۔ اسے یہاں قیام نہ کرنا تھا کیونکہ ریچل کا چہرہ نظر کے سامنے تھا جو اسے شمال کی طرف کھینچ رہا تھا اور اس کی آواز کہہ رہی تھی :-

”آگے بڑھو۔۔۔ آگے بڑھو۔۔۔ شمال کی طرف۔ میں

خود تمہاری راہبر ہوں۔“

اور وہ چل پڑا اور عین اس کے راستے میں ڈنگان اپنے مشیروں اور چند فوجی افسروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور فوجیوں کا ایک دستہ بھی کھڑا ہوا تھا۔ رچرڈ ان سپاہیوں کے درمیان سے نکلا چلا گیا اور جب وہ بادشاہ کے سامنے پہنچا تو سپاہی اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ ”کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟“ اس بوڑھے مشیر نے پوچھا جس کا ایک ہاتھ خشک تھا اور جس کا نام مولو تھا۔

”میں رچرڈ دارین ہوں اور یہاں مجھے کچھ کام نہیں ہے“ اس نے جواب دیا۔ ”میں شمال کی طرف جا رہا ہوں۔ مجھے روکنے کی کوشش نہ کرو۔“

”ہاں۔ ہم پہچانتے ہیں تمہیں“ مولو نے کہا۔ ”تم سفید خام سردار دارین ہو۔ وہی سردار جو انکو سازانہ کے سائے میں بیٹھا کرتا تھا۔ تم وہی سفید خام سردار ہو جس کو ابولوسی نے اپنے کراں مافوقی میں قتل کر دیا تھا۔ اب تمہارا بھوت ہمیں یہاں پریشان کرنے کیوں آیا ہے؟“

”میں زندہ ہوں یا مردہ بھوت ہوں یا انسان، میں شمال کی طرف جا رہا ہوں۔ مجھے نہ روکو۔“

”شمال میں کیا تلاش کرنے جا رہے ہو؟“

”ایک خواب کی تلاش میں جا رہا ہوں اور ایک روح مجھے اس خواب کی طرف کھینچ رہی ہے۔“

”ایک خواب کی تلاش میں جا رہے؟“ زولوؤں نے کہا۔ ”ایک روح اسے کھینچ رہی ہے۔“

”کیسا ہے یہ خواب دارین؟“ مولو نے پوچھا۔

”آؤ میرے پاس کھڑے ہو جاؤ اور دیکھو۔ تم اسے فضا میں تیرتے

دیکھو گے۔ آؤ کیونکہ تمہاری آنکھیں اسے دیکھ سکتی ہیں۔“

موزیو اٹھ کر رچرڈ کے پہلو میں آکھڑا ہوا، اس نے اوپر نظر کی، اس کے بشرے سے خوف ہویدا ہو گیا اور اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔

”بے شک — سفید فام داریو — بے شک میں دیکھ رہا ہوں — میں اس کے چہرے سے واقف ہوں۔“

”بوڑھے بیوقوف“ ڈنگان چیخا ”تم اس چہرے سے واقف ہو تو پھر کس کا ہے یہ چہرہ؟“

”اے بادشاہ!“ موزیو نے نظریں جھکا کر جواب دیا ”اس کا نام لینا گناہ ہے لیکن یہ چہرہ اس کا ہے جو اس جگہ بٹھی ہوئی تھی۔ جہاں یہ سفید فام آوارہ گرد کھڑا ہوا ہے اور جس نے بادشاہ کو پیالے میں چند تصویریں دکھائی تھیں۔ یہ سننے ہی ڈنگان کانپ گیا کیونکہ اسے وہ تصویریں یاد آ گئیں جو اسے ایدو کے پیالے میں نظر آئی تھیں اور ان تصویروں کی یاد اسے آسیب بن کر دن رات پریشان کیا کرتی تھی اس کے علاوہ اکثر دفعہ اس کا یہ احساس شدت اختیار کر جاتا تھا کہ وہ وقت، جس کے متعلق اس نے تصویریں دیکھی تھیں، اب زیادہ سے زیادہ قریب آتا جا رہا ہے۔“

”یہ سفید فام پاگل ہے۔“ ڈنگان نے کہا۔ اور موزیو تم بھی پاگل ہو گئے ہو اکثر دفعہ مجھے خیال آیا تھا اور آج پھر سوچتا ہوں کہ تم کسی طویل سفر پر روانہ ہو جاؤ کہ تمہاری صحت بحال ہو جائے۔ یہ شخص داریو ہیں رہے گا۔ میں نہیں جانتا کہ میرے ملک میں بھٹکتا رہے اور اپنے خواب کی داستان سنا کر لوگوں کو پریشان کرتا رہے اور خوفزدہ کرتا رہے۔ پکڑ لو اسے۔ وچ ڈاکٹروں کی مجلس اس کے معاملے کی تحقیق کرے گی۔“

چنانچہ یوں کہا ڈنگان نے اور وہ دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں اس سفید فام آوارہ گرد داریو کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ خود ڈنگان نے انکو سازانہ کو جب وہ پاگل ہو چکی تھی، خوابوں کے شکار یوں کے حوالے کر دیا تھا اور وہ بھی محض اپنے آپ اور اپنے ملک کو اس کی بددعاؤں سے بچانے کے لئے اس کے علاوہ وہ یہ بھی نہ بھولا تھا کہ ابو بوسی نے جو خون کئے تھے انہی کی وجہ سے انکو سازانہ پاگل ہو گئی تھی اور یہ بات کسی طرح اس کی سمجھ میں نہ آرہی تھی کہ اگر داریو کو ابو بوسی نے زہر دے دیا تھا تو پھر یہ کیا ہوا اور کیسے ہوا کہ وہی داریو اس وقت اس کے سامنے زندہ کھڑا ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ وہ داریو کو قید کر دے گا اور پھر اس پورے معاملے کی تحقیق کر کے حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرے گا کہ یہ شخص داریو واقعی زندہ ہے یا پھر یہ اس کی روح ہے یا بھوت ہے جو انسانی قالب میں بھٹک رہا ہے۔

ڈنگان کا حکم سنتے ہی سپاہی رچرڈ کو گرفتار کرنے کے لئے آگے بڑھے لیکن سو پو گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا اور دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے۔ سپاہی آگے بڑھے لیکن وہ رچرڈ کو گرفتار نہ کر سکے اس کے برخلاف وہ لڑ کھڑا کر دائیں بائیں ہٹ گئے اور چلائے۔

”شاہ زولو! تمہارا جی چاہے تو بے شک ہمارے سراٹاؤ لیکن ہم اسے گرفتار نہیں کر سکتے۔“

”اس جادوگر نے میرے سپاہیوں پر سحر پھونک دیا ہے ڈنگان نے کہا“ وچ ڈاکٹر و! تمہارا کام ہی بھوتوں کو پکڑنا ہے چنانچہ آگے بڑھو اور اس سفید فام کی مشکیں کس دو۔“

دن بارہ وچ ڈاکٹر اہل ہواں موجود تھے، بادل ناخواستہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کے لئے اٹھے اور رچرڈ کی طرف بڑھے۔ وہ گیت گارہے تھے اور کوئی منتر بڑبڑا رہے تھے لیکن رچرڈ نے ہنسنے لگا کر کہا:۔
 مد سنبھل جاؤ۔ ساحر۔ سنبھل جاؤ۔ وہ خواب غصے بھری نظروں سے تمہاری طرف دیکھ رہا ہے۔

چنانچہ وچ ڈاکٹر بھی اڑکھڑا کر دائیں یا بائیں ہٹ گئے اور انہوں نے کہا:۔

”اس سفید فام ساحر پر ہمارا زور نہیں چل سکتا۔“
 اب تو ڈنگان مارے غصے کے پاگل ہو گیا اور چیخ چیخ کر حکم دینے لگا کہ رچرڈ کو فوراً گرفتار کر لیا جائے اور اگر وہ آزاد ہونے کی کوشش کرے تو فوراً اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اب سپاہیوں کا پورا دستہ حرکت میں آگیا۔ انہوں نے رچرڈ کو اپنے زرخیز میں لے لیا۔ وہ اپنے ڈنڈے ہلا ہلا کر پیچھے اور شور مچانے لگے کیونکہ بادشاہ کے حضور وہ بھاگے لے کر نہ آسکتے تھے۔

”ہیٹو۔ راستہ دو۔ مجھے شمال کی طرف جانا ہے۔“
 سپاہی جان بچتے وہیں کھڑے رہے البتہ ایک افسر نے چند قدم آگے بڑھ کر رچرڈ سے کہا کہ وہ اپنا بھالا پھینک کر اپنے آپ کو سپاہیوں کے حوالے کر دے یا پھر مرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ لیکن رچرڈ بڑی جوش و خروش سے آگے بڑھا، افسر نے اشارہ کیا اور سپاہی اس کا بھیجا پاش پاش کر دینے کے لئے اپنے ڈنڈے بلند کر کے رچرڈ کی طرف لپکے۔
 یکایک رچرڈ کے سامنے کوئی چیز نمودار ہو گئی۔ ایک دھندلی اور سفید

چیز جو اس کے آگے چل رہی تھی سپاہیوں نے اس چیز کو دیکھا اور ان کے ہاتھوں سے ڈنڈے چھوٹ گئے۔ پیچھے کھڑے ہوئے دستے نے اسے دیکھا اور اس کے سپاہی بھڑکی ہوئی بھیڑوں طرح بھاگ کھڑے ہوئے انھوں نے دروازہ بھی تلاش نہ کیا بلکہ باڑھ توڑ کر بھاگے۔ بادشاہ اور اس کے مشیروں نے بھی دیکھا۔

”انکو سازانہ!“ وہ چلائے ”یہ انکو سازانہ ہے جو اس کے آگے چل رہی ہے جس سے وہ مجرت کرتی ہے۔“

اور مشیر کا اپنے لگے، ان کی آنکھیں پھیل گئیں اور دوسرے ہی لمحے وہ سجدے میں پڑے تھے۔ صرف ڈنگان اپنی تپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ”جاؤ“ اس نے پھٹی ہوئی آواز میں رچرڈ سے کہا ”چاہے مشرق کی طرف جاؤ چاہے مغرب کی طرف، شمال کی طرف جاؤ چاہے جنوب کی طرف لیکن اس روح کو اپنے ساتھ لیتے جاؤ کیونکہ یہ میرے ملک پر مصیبت لے آئے گی۔“

چنانچہ رچرڈ، جس نے جیسے کچھ دیکھا اور سنا نہ تھا، آگے بڑھا، وہ ڈنگان کے کمرال سے نکل آیا اور ایک بار پھر شمال کی طرف چل پڑا۔ شمال جو اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

وہ اسی راستے پر سفر کر رہا تھا جس راستے سے ریکل اور نوئی اید و اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کسی تھیں۔ وہ نہ جانتا تھا کہ اس کے قدم اسے کہاں لے جا رہے تھے تاہم وہ چلتا رہا، مسلسل چلتا ہی رہا۔ یہاں کسی نے اسے نہ روکا کسی نے اس سے کچھ نہ کہا۔ بستیوں اور کراؤں میں بیابان کی آمد کی اطلاع دیتے جاتے تھے اور یہ کمرال والے اس کے لئے کھانا لے آتے

اور اس کی حفاظت کرتے اور جب وہ آبادیوں سے نکل آیا تو کوئی غیبی قوت اس کی حفاظت کر رہی تھی۔ اسے کسی قسم کا خوف نہ تھا۔ رات کے وقت وہ اللہ رشن کئے بغیر سو جاتا اور شیر اس کے آس پاس دباڑتے لیکن اس کے قریب نہ آتے۔ وہ بے خوف و خطر دلدل یا دریا میں اتر پڑتا اور بخیر و خوبی اسے عبور کر جاتا۔ اس کے پاس پانی نہ ہوتا تو وہ اسے تلاش کئے بغیر مل جاتے، اس کے پاس کھانا نہ ہوتا اور خود بخود اس کا انتظام ہو جاتا مثلاً ایک دفعہ ایک عقاب کی گرفت سے ایک خرگوش چھوٹ کر عین اس کے قدموں پر آگرا، ایک دفعہ شیر کا تازہ شکار کیا ہوا ہرن اسے مل گیا اور ایک دفعہ وہ بہت بھوکا تھا تو شتر مرغ کے ایک گھونسلے کے قریب ہی سو گیا اور اس گھونسلے میں شتر مرغ کے انڈے تھے۔ یہ غذا وہ کافروں کے طریقے سے آگ جلا کر پکا لیتا۔ یعنی دد خشاک ٹہنیاں رگڑ کر آگ جلا لیتا۔ آگ جلانے کا یہ طریقہ بجد قدیم تھا۔ اور اب بھی ہے۔ اور رچرڈ آگ جلانے کے اس طریقے سے واقف تھا۔

دلدلیں پیچھے چھوٹ گئیں اور اب وہ ڈھلوانی میدان طے کر رہا تھا ان ڈھلوانوں کے انتہائی سرے پر ایک رات اس نے قیام کر دیا اور صبح بیدار ہوا تو دیو قامت اوہم کو اس سے گھیرے کھڑے تھے اور حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ اکٹھ بیٹھا اور سوچا کہ اس کا آخری وقت آگیا ہے کیونکہ اس کے خیال میں یہ دیو اسے قتل کر دینے والے تھے لیکن اسے قتل کرنے کے بجائے ان دیو قامت لوگوں نے اسے سلام کیا اور گھٹنوں کے بل جھک کر اس کی خدمت میں کھانا پیش کیا اور اسے نئے چرمی جوتے دئے۔ کیونکہ خود اس کے جوتے پھٹ گئے تھے۔ اور اسے نیا لباس دیا اور

رچرڈ نے شکریے کے ساتھ یہ چیزیں قبول کر لیں کیونکہ اس کا لباس پھٹ گیا تھا اور وہ تقریباً عریاں تھا۔ پھر اوم کلوس اس کے لئے ڈولی لے آئے لیکن اس نے اس میں سوار ہونے سے انکار کر دیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اور تو نبی میں پانی بھر کر وہ پھر شمال کی طرف چل پڑا۔ اگر وہ چاہتا بھی تو وہاں اور کسی جگہ بھی قیام نہ کر سکتا تھا کیونکہ اس کے دماغ پر ایک خیال، صرف ایک خیال مسلط تھا۔۔۔ سفر۔۔۔ بس سفر کرتا رہے یہاں تک کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے پھر یہ منزل موت کی منزل ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس کی نظریے سامنے صرف ایک چیز تھی۔ ریکل کا چہرہ جو اسے آگے ہی آگے۔۔۔ منزل کی طرف۔۔۔ انجام کی طرف۔۔۔ لئے جا رہا تھا۔ کئی دفعہ گھٹٹوں تک یہ چہرہ اس کی نظر کے سامنے رہتا اور کئی دفعہ گھٹٹوں تک غائب رہتا۔ جب وہ سامنے ہوتا تو رچرڈ اسے دیکھا کرتا اور جب وہ غائب ہوتا تو وہ اس کے متعلق خواب دیکھتا۔ اس کے لئے اس چہرے کا وجود اور عدم وجود برابر تھا۔ البتہ ایک چیز ہمیشہ اس کے ساتھ تھی۔ وہ انجانی پراسرار کشش، وہ مقناطیس جو اسے برابر شمال کی طرف کھینچ رہا تھا۔

سو کے قریب دیو قامت اوم کلوس اس کے ساتھ ہو لئے لیکن رچرڈ نے ان کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ وہ اسے روکنے کی یا اسے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کر رہے تھے چنانچہ اگر وہ اس کے ساتھ بھی چل رہے تھے تو اسے کوئی اعتراض نہ تھا۔ بہر حال اوم کلوس کے ساتھ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا سفر نسبتاً آسان ہو گیا کیونکہ اسے کھانا پکا پکایا اور عمدہ مل جاتا تھا اور اور ہر رات سونے کے لئے وہ قیام گاہ بھی مل جاتی تھی جو اوم کلوس اس کے لئے تیار کر دیتے تھے۔ رچرڈ کو بہت جلد ملزم ہو گیا کہ اس

دیو قامت گروہ کے لوگوں کا افسر اس کا فریڈی کے چند الفاظ سمجھ لیتا تھا جسے خود چرڈیوں اور سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے پوچھا کہ وہ لوگ اس پر اس قدر مہربان کیوں تھے۔

”مادرِ شجر کا حکم“ افسر نے جواب دیا۔

اب باوجود کوشش کے چرڈیہ نہ معلوم کر سکا کہ یہ مادرِ شجر کیا تھی اور کون تھی چنانچہ اس نے افسر سے سوالات پوچھنا ترک کر دیا اور اپنا سفر جاری رکھا۔

زرخیز میدانوں اور کھیتوں سے گزر کر وہ لوگ خوفناک صحرا کے کنارے پہنچ گئے۔ اس بے آب و گیاہ ویرانے نے چرڈی کو خوفزدہ نہ کیا۔ وہ اس صحرا میں اتر پڑا۔ اگر آگ کا دریا اس کے راستے میں پڑتا تو وہ بے دھڑک اس میں بھی اتر پڑتا۔ وہ اس پرندے کی طرح بن گیا تھا جو اپنی جدت سے مجبور ہو کر اس دور دراز ملک کی طرف اڑا جا رہا ہو جہاں بہار کی آمد نہ ہو اور اپنی پرواز میں پہاڑوں، سمندروں اور صحراؤں کو خاطر میں نہ لاتا ہو دیو قامت اوم کلوس کا ایک دستہ بھی اس کے ساتھ صحرا میں اتر پڑا اور وہ بار بار بھی ساتھ تھے جو پانی سے بھری ہوئی چرمی مشکیں اٹھائے ہوئے تھے۔ اس جلتے ہوئے صحرا کا سفر بڑا ہی آزمائشی تھا تاہم چرڈی اسے بھی پار کر گیا اور جب وہ صحرا کے دوسرے کنارے پر پہنچا ہے تو اوم کلوس میں کا صرف ایک شخص اس کے ساتھ رہ گیا تھا لیکن وہاں پہنچ کر وہ بھی ڈھکے گیا اور زمین پر پڑے ہی پڑے اس چھوٹے سے نقارے پر ضربیں لگاتے لگا جو اس کے پاس تھا۔ لیکن چرڈی ذرا بھی تھکن محسوس نہ کر رہا تھا بلکہ اب تو اس کے رگ و ریشہ میں بقی لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔ وہ حیرت سے سوچ رہا

تھا کہ یہ تنہا ہوا شخص، جس میں چلنے تک کی سکت نہیں، خواہ خواہ تقارہ
کیوں بجا رہا ہے! بہر حال اس نے اس سوال پر زیادہ غور نہ کیا اور اکیلا ہی
آگے بڑھ گیا۔

اور اب اس کے سامنے اور چند میل کے فاصلے پر عظیم درختوں کا
جنگل تھا جو حد نظر تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ اس جنگل کی طرف اور
اس کے ایک خاص درخت کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ نہ جانتا تھا کہ اس
کے قدم اس خاص درخت کی طرف کیوں اٹھ رہے ہیں۔ اس وقت غروب
ہوتے ہوئے سورج کی شعاعوں نے اس درخت کو سرخ رنگ دے دیا
تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس میں آگ لگ گئی ہو اور اسے درختوں
کے سائے میں چند سائے حرکت کرتے نظر آئے اور اب وہ جنگل میں داخل
ہو گیا اور درختوں کی ٹہنیوں نے آپس میں مل کر اس کے سر پر اور بہت اوپر
ایک ساٹھان ساتھان رکھا تھا اور جنگل میں نیم تاریکی تھی جو رفتہ رفتہ
کمل تاریکی میں تبدیل ہو رہی تھی اور سسکیاں سی بھر رہی تھی اور یہاں
وہاں اڑتے ہوئے جگنو چنگاریوں کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ اور
اب رچرچ کو آگے بڑھنے کا راستہ نظر نہ آ رہا تھا، ایک فوری اور
شدید تھکن اس پر مسلط ہو چکی تھی چنانچہ حسب معمول وہ ایک
عظیم الشان درخت کے تنے کے قریب سونے کے لئے لیٹ گیا۔

تھوڑی دیر گزر گئی۔ وہ معلوم نہ کر سکا کہ کتنی دیر
رفتہ اس کی آنکھ کھل گئی۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اس کے
جسم کو چھو رہے تھے اور کچھ کر رہے تھے۔ اندھیرا اس قدر گاڑھا تھا کہ
وہ کچھ دیکھ نہ سکتا تھا تاہم ہاتھوں کا لمس وہ محسوس کر رہا تھا اور کہہ سکتا

تھا کہ یہ ہاتھ جیسے بچوں کے تھے۔ دو ہاتھوں نے اس کا حلق پکڑ لیا کہ وہ
 بیچ نہ سکے اور دوسرے ہاتھ اس کے بازوؤں، ٹانگوں اور کمر کے گرد
 رستیاں کس رہے تھے۔ اور اب وہ بل جل بھی نہ سکتا تھا۔ اور پھر
 اسے چند قدم تک گھسیٹا گیا اور اسے اس درخت کے تنے سے باندھ
 دیا گیا جس کی چھاؤں میں وہ سویا تھا۔ یہ بات اس نے اندازے سے
 معلوم کر لی تھی۔ ہاتھوں نے اس کا حلق چھوڑ دیا اور اب وہ مدد کے لئے
 پکار سکتا تھا چنانچہ وہ پکارنے لگا۔ لیکن اس عظیم الشان جنگل کی گہرائیوں
 میں اس کی آواز غیبی۔ ڈوب ڈوب جاتی تھی اور درختوں کی ٹہنیوں
 کے سائبان سے ٹکرا کر لوٹ لوٹ آتی تھی۔ البتہ کہیں قریب سے اسے
 جگے اور باریک قہقہے کی آواز سنائی دی۔ چنانچہ وہ خاموش ہو گیا۔
 کیونکہ وہاں کون تھا اس کی مدد کرنے والا؟

اس نے رستیاں توڑنے اور اپنے آپ کو آزاد کرنے کی کوشش
 کی کیونکہ وہ پراسرار قوت جو اسے یہاں تک لے آئی تھی، ایک بار پھر اس
 کے جسم میں بیدار ہو چکی تھی اور اب وہ پہلے سے زیادہ زوردار تھی۔ وہ
 اسے پکار رہی تھی، وہ اسے آگے بڑھنے کو کہہ رہی تھی اور اس کے کان
 میں سرگوشی کر رہی تھی کہ منزل قریب تھی۔ لیکن وہ رستیاں توڑنے کی جتنی
 زیادہ کوشش کر رہا تھا اتنی ہی زیادہ وہ اس کے گودشت میں پیوست
 ہوئی جا رہی تھیں۔ اس کے باوجود وہ کوشش کرتا رہا، کوشش کرتا رہا
 یہاں تک کہ اس کا سراپس کے سینے پر ڈھلک گیا۔

رچو ڈھبوش ہو چکا تھا۔

چوبیسواں باب

انجام و آغاز

جس دن ایدو ہانا کے ساتھ نایا سے ملنے آیا تھا اس کے دوسرے دن کا ذکر ہے کہ نایا غار کے دہانے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ شام کا وقت تھا اور اندھیرا ترانے کے قریب تھا۔ ریچل حسب معمول نوٹی کا سنہارا لے لے کر ٹہل رہی تھی۔ دفعۃً نایا نے اپنا جھکا ہوا سراٹھایا اور کان لگا کر کسی آواز کو سننے لگی۔ یہ آواز ریچل اور نوٹی کو نہ سنائی دے رہی تھی۔ پھر نایا نے اشارہ کیا اور نوٹی اور ریچل کو اس کے سامنے لے آئی۔

”انکو سازانہ!“ جب ریچل اور نوٹی اس کے سامنے بیٹھ گئیں تو نایا نے کمزور آواز میں کہا ”میرا وقت آگیا ہے اور میں نے الوداع کہنے کے لئے تمہیں بلایا ہے۔ اب ہماری ملاقات اُس دنیا میں ہوگی جس کی سیر تم تھوڑی دیر کے لئے کر چکی ہو۔ رات کا اندھیرا ترانے سے پہلے میں شجر حیات کے سائے میں چلی جاؤں گی۔“

یہ سنتے ہی ریچل رونے لگی۔ اس بڑھیا سے اسے بے حد محبت ہو گئی تھی کیونکہ دکھوں میں نایا کا سلوک اس کے ساتھ ایک شفیق ماں کا سا رہا تھا اس کے علاوہ وہ خود اس قدر کمزور ہو رہی تھی کہ اپنے آنسو نہ روک سکتی تھی۔

”ماں!“ اس نے کہا ”شجر حیات کے سائے میں جانا تمہارے لئے“

باعث مسرت اور باعث فخر ہے چنانچہ میں تمہیں نہ روکوں گی۔ لیکن تم مجھے ان ظالم لوگوں میں کیسی چھوڑ کر چلی جاؤ گی تو میں کیا کروں گی؟ بتاؤ میں کیا کروں گی؟۔“

”شاید تمہیں ایک دوسرا دنگار مل جائے گا اور شاید تمہیں ایک دوسرا محافظ مل جائے گا جو تمہیں سکون بخشے گا۔ اپنے دل کا کہا کرو اور نایا کے یہ آخری الفاظ یاد رکھو کہ تمہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔ نہیں۔ میں جانتی ہوتی تب بھی تمہیں کچھ اور نہ بتاتی کیونکہ تم ان نقاروں کی آواز نہیں سن سکیں جو مجھے ایک خاص اطلاع دے گئی ہے۔ الوداع انکساراً الوداع نوئی۔“

اور اس نے گھوم کر ان محافظوں کو اشارہ کیا جو وہاں جمع ہو گئے تھے غالباً انہیں نایا کے شبہ حیات کے سائے میں جانے کے خفیہ کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ جیسے حکم کے منتظر تھے۔

”ماں! میرے لئے تمہارے پاس آخری الفاظ نہیں ہیں؟“ نوئی نے پوچھا۔

”بیٹی!“ نایا نے کہا ”تمہارا دل بڑا ہی بہادر ہے اور تمہیں بھی اسی کا کہنا کرنا ہے۔ حالانکہ تمہارا گناہ عظیم ہو گا لیکن میں سمجھتی ہوں تمہاری حد سے بڑھی ہوئی محبت اس کا کفارہ ادا کر دے گی۔ بہر حال تم ایک تیر ہو جسے کمان میں لگا کر چلا چڑھا دیا گیا ہے چنانچہ جو کچھ ہوتا ہے ہو کر رہے گا میں سمجھتی ہوں کہ دوسری دنیا میں ہماری ملاقات بہت جلد ہو گی۔ آؤ۔ میرے قریب آؤ اور جھاک جاؤ۔“

نوئی نے اس حکم کی تعمیل کی اور نایا اس کے کان میں کچھ کتھی رہی اور

ریچل نے دیکھا کہ نوئی کی آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک تھی۔ خوف اور غم کی چمک، مایوسی اور امید کی چمک۔

”ماں نے کیا کلام سے نوئی؟“ ریچل نے پوچھا۔

”یہ میں نہ بتاؤں گی زولا“ نوئی نے جواب دیا۔ ”چنانچہ مجھ سے کچھ

نہ پوچھو۔“

اور اب مقام مقدس کے محافظ ایک چھوٹی سی ڈولی لے آئے۔ یہ ڈولی نایا کے گھرے ہوئے درخت کی ٹہنیوں سے بنائی گئی تھی۔ محافظوں نے نایا کو اٹھا کر۔ کیونکہ اب وہ چل پھر نہ سکتی تھی۔ اس ڈولی میں بٹھا دیا اور ڈولی اٹھا کر اپنے کندھوں پر رکھ لی۔ نایا نے کہا روں سے ذرا اٹھرنے کو کہا اور ریچل اور نوئی کو قریب بلا کر ان کے ماتھے پر بوسہ دیا اور انہیں دعائیں دیں۔ اور اب کہا روں لے آگے بڑھ گئے۔ نوئی اور ریچل ان کے پیچھے چلیں۔ سورج غروب ہو رہا تھا کہ وہ گونگے اور ہرے محافظ مقدس احاطے میں داخل ہو گئے اور نایا کی ڈولی شجر حیات کے تنے کے قریب رکھ کر چلے گئے۔

اندھیرا تر آیا اور اس اندھیرے میں ریچل اور نوئی نے نایا کی آواز سنی وہ کوئی گرت گاری تھی۔ چند منٹوں بعد وہ خاموش ہو گئی تو دونوں لڑکیاں ٹیلے پر سے اتر کر غاریں آگئیں۔ انھوں نے تھوڑا سا کھانا زہر مار کیا اور خاموش بیٹھی رہیں۔ وہ دونوں عورتیں، جو اس وقت جب نایا نے ریچل کو عالم ارواح کی سیر کرائی تھی تو اس کے دائیں بائیں بیٹھی ہوئی تھیں اس وقت بھی غاریں ہی بیٹھی ہوئی تھیں اور بار بار دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھ کر اپنے پیارے پر جھک جاتی تھیں۔ پیالوں میں یقیناً انھیں کوئی بے حد دلچسپ

تھویر نظر آرہی تھی۔

نوئی نے ریچل سے درخواست کی کہ اب وہ سو جائے اور ریچل نے اس کی کوشش بھی کی لیکن اسے نیند نہ آئی۔ کئی گھنٹوں تک وہ کروٹیں بدلتی رہی اور آخر کار اٹھ بیٹھی۔

”نوئی! میں نے بہت کوشش کی لیکن اب برداشت نہیں کر سکتی۔ نوئی! کوئی کشتی مجھے اس مقام سے باہر اور جنگل کی طرف کھینچ رہی ہے۔“

”ہن! کون سی کشتی ہے جو تمہیں کھینچ رہی ہے؟“ نوئی نے پوچھا

”یہ ایدو تو نہیں؟“

”نہیں۔ میں سمجھتی ہوں اس کشتی کا تعلق ایدو سے نہیں ہے۔ یہ۔ یہ۔ یہ رچرڈ کی روح ہے۔ وہ مرچکا ہے لیکن کئی ہفتوں سے میں اس کی روح کو اپنے قریب اور اپنے ساتھ محسوس کر رہی ہوں۔ اور اب وہ مجھے جنگل کی طرف کھینچ رہی ہے کہ میں وہاں جا کر مرجاؤں اور اس سے جا ملوں۔“

”تو پھر زولا یہ بہت بُرا سفر ہوگا۔“

”نہیں نوئی۔ یہ بہترین اور بے حد خوشگوار سفر ہوگا۔ اس کے خیال سے ہی میرے دل میں انبساط کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ نایا نے کیا کہا تھا؟ اپنے دل کا کہا کرو اور میں وہی کر رہی ہوں جو میرا دل کہہ رہا ہے۔ الوداع نوئی میں جا رہی ہوں۔“

”نہیں“ نوئی نے کہا ”اگر تم گئیں تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی کیونکہ مجھ سے بھی یہی کہا گیا ہے کہ میں بھی وہی کروں جو میرا دل کہے اور میرا دل تمہارے دل سے منسلک ہے۔“

بچنا نہ ریچل اسے سمجھانے لگی نوئی اپنی بات پر اڑی رہی۔ آخر میں وہ

دونوں اٹھیں، اپنے کندھوں پر لبادے ڈالے، ریچل نے بڑا سا دم کلوس بھالا اٹھالیا۔ یہ وہی بھالا تھا جسے وہ صحرا کے سفر میں عصا کے طور پر استعمال کرتی رہی تھی۔ دونوں بونی عورتیں خاموش بیٹھی انھیں دیکھتی رہیں۔

وہ دونوں غار سے نکل کر دیوار کے شکاف کے سامنے پہنچ گئیں۔ یہی باہر جانے کا راستہ تھا۔

”جب ہم دیوار سے گزر رہی ہوں گی تو یہاں کے محافظ شاید ہمارا خاتمہ کر دیں گے“ نوئی نے کہا۔

”اگر ایسا ہوا تو انجام بخیر ہوگا۔“ ریچل نے جواب دیا۔

اور اب وہ اندرون دیوار کے پرتیج راستے میں سے گزر رہی تھیں۔ اوپر سے محافظوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن ان لوگوں نے دونوں لڑکیوں کو روکنے کی ذرا بھی کوشش نہ کی۔ ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ انھیں پتہ نہ چلا کہ کس طرف مڑا جائے اور اس وقت ننھے ننھے ہاتھوں نے ریچل کے چنچے کا دامن پکڑ کر اسے سیدھے راستے تک پہنچا دیا۔ چنانچہ وہ صحیح سلامت جنگل سے نکل آئیں۔ باہر پہنچ کر ریچل ٹھہر گئی، چند ثانیوں تک وہ ادھر ادھر دیکھتی رہی اور پھر دفعۃً جنوب کی طرف چل دی۔

جنگل میں گہرا اندھیرا تھا لیکن ریچل بے دھڑک اور بڑے یقین سے چلی جا رہی تھی۔ نوئی کا ہاتھ پکڑے وہ درختوں کے بڑے بڑے تنوں کا چکر کاٹتی آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ نہ تو کسی درخت سے ٹکرائی اور نہ ہی اس نے ٹھوکر کھائی۔ ایک گھنٹے تک دونوں لڑکیاں اسی طرح چلتی رہیں یہاں تک کہ ریچل نے نوئی سے سرگوشی میں کہا:-

”کوئی آواز مجھے اس جگہ ٹھہرنے کو کہہ رہی ہے۔“

اور وہ ایک درخت سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ نوئی بے حد تھک گئی تھی چنانچہ وہ ریچل کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

یہ ایک خشک اور مردہ درخت تھا جس کی پوری چوٹی غالباً پھلے طوفان میں اڑ گئی تھی چنانچہ اوپر آسمان نظر آ رہا تھا۔ مارے ماند پڑنے لگے تھے۔ دونوں لڑکیوں نے سمجھ لیا کہ صبح زیادہ دور نہ تھی۔

سورج طلوع ہوا اور اس کی شعاعیں، جو ٹھیک دوپہر کے وقت بھی اس جنگل میں داخل نہ ہو سکتی تھیں، اس جگہ، جہاں دونوں لڑکیاں تھیں، راہ پا کر سیدھی نیچے اتر آئیں اور ریچل نے یہ جگہ پہچان لی۔ یہ وہی مقام تھا جسے اس نے چڑھے ہوئے ایک دریا کے جزیرے پر خواب میں دیکھا تھا۔ وہی مقام تھا، وہی جنگل تھا، ایسے ہی عظیم الشان درخت تھے لیکن اس نے اپنے خواب میں رچرڈ کو بھی ایک درخت سے بندھا دیکھا تھا، اور وہ جنگل کے اندھیرے میں جھانکنے لگی۔ اور اسے وہ نظر آ گیا۔

اپنے خواب، وہی نیم عریاں اور سنہری داڑھی والا شہزادہ۔ وہ ایک سے جیسے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ یقیناً مر چکا تھا۔ یہ شاید یہ خیالی پیکر تھا، یہ شاید رچرڈ کی روح تھی جو اسے مرنے کے لئے اس جگہ تک کھینچ لائی تھی۔

ریچل اس کی طرف بڑھی۔ اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ ریچل کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے علاوہ اس کا سایہ بھی خشک پتوں پر نظر آ رہا تھا۔ ریچل نے سوچا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر یہ رچرڈ کی روح تھی تو پھر روح کا سایہ کہاں ہوتا ہے؟ اور پھر روح کو درخت سے باندھنے کی کیا ضرورت تھی؟ رچرڈ نے بھی اسے دیکھ لیا اور اس کی آنکھوں میں عجیب جھک آ گئی اور

اس نے کہا:-

”ریچل! تم مجھے بہت دور سے پہنچ لائی ہو لیکن اس وقت تک میں نے تمہیں مکمل نہ دیکھا تھا، صرف تمہارا چہرہ میری نظر کے سامنے رہا تھا حالانکہ دوسروں کو تم مکمل نظر آتی تھیں۔ اور اب میں بھی تمہیں دیکھ رہا ہوں چنانچہ شاید میرا وقت آ گیا ہے۔ میرے سامنے کھڑی رہو ریچل اور بہت جلد ہم ساتھ ہوں گے۔ میں خوش ہوں کہ آخر کار میں نے تمہیں پالیا ہے۔“

ریچل خاموش رہی۔ وہ کچھ کہہ نہ سکی کیونکہ اس کے حلق میں پھندا سا بڑ گیا تھا۔ خوف و امید کے درمیان اس کا دل لٹک رہا تھا۔ البتہ اس نے اپنے بھالے کی نوک سے خود اپنے سائے کی طرف اشارہ کیا۔ رچرڈ نے دیکھا اور بندھا ہوا ہونے کے باوجود نمایاں طور سے چونک پڑا۔

”اگر تم روح ہو تو تمہارا سایہ کہاں سے آ گیا؟“ اس نے کہا ”اور اگر روح نہیں ہو تو بھوتوں کے اس جنگل میں کیسے آ گئیں؟۔“

ریچل اب بھی کوئی جواب نہ دے سکی البتہ اس نے آگے بڑھ کر رچرڈ کے ہونٹ چوم لئے۔ اور آخر کار اس کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا۔

دونوں کی سمجھ میں آ گیا۔ دونوں زندہ تھے۔ مجسم تھے۔ وہ روح نہ تھے۔

”مجھے کھول دو ریچل“ رچرڈ نے کمزور آواز میں کہا کیونکہ اس کا گھوم رہا تھا ”مجھے سوتے میں باندھ دیا گیا ہے۔ وہ لوگ آیا ہی چاہتے ہیں۔“

جلدی کر۔“

ریچل کی جیس بیکایک بیدار ہو گئیں۔ اپنے بھالے کے پھل سے اس نے رچرڈ کے بندھن کاٹ ڈالے اور زمین پر پڑا ہوا ابھالا اٹھا کر رچرڈ کے

سُن رہا تھا میں پکڑا دیا۔ یہ کھال خود در چر ڈکا تھا۔ بھالار چر ڈنے پکڑا ہی تھا کہ لکھا یک درخت کے تنوں کے پیچھے سے بہت سے بونے نکل آئے اور بھاگ کر ان کی طرف آنے لگے۔ سب کے آگے ایدو تھا۔ نوئی بھی ریچل اور رچرڈ کے قریب آکھڑی ہوئی۔ ریچل پھری ہوئی شیرنی کی طرح ایدو کی طرف گھوم گئی۔

”ایدو! کیا مطلب ہے اس کا؟“ اس نے پوچھا۔

”مطلب صاف ہے انکو سازانہ“ ایدو نے جواب دیا۔ مطلب یہ کہ میں نے تمہیں مقام مقدس میں سے باہر نکال لانے کا راستہ آخر کار تلاش کر ہی لیا۔ اس شخص کو تم نے بہت دور سے کھینچ بلایا ہے اور اس قوت کے ذریعہ کھینچ بلایا ہے جو نایا نے تمہیں بخشی تھی۔ ہم سب کچھ جانتے تھے، ہم سب کچھ دیکھ رہے تھے اور ہم منتظر تھے۔ ہم اپنے پیالوں میں اس شخص کو قریب سے قریب تر آتے دیکھ رہے تھے۔ ہم نایا کے نقارے کا پیغام سنتے رہے تھے جو اوم کلوس کو حکم دے رہی تھی کہ وہ اس شخص کو یہاں تک پہنچا دیں اور ہم نے اوم کلوس کے نقارے کا آخری جواب بھی سنا جو صحرا کے اس طرف کے کنارے سے بھیجا گیا تھا اور جب یہ شخص تمہاری کشش سے ضعیف چلا آ رہا تھا تو ہم نے اسے پکڑ کر باندھ دیا کیونکہ ہم جانتے تھے کہ اگر ہمارے پاس نہ پہنچ سکا تو خود تم اس کے پاس آ جاؤ گی اور دیکھو تم آئی ہو۔“

”تو یہ بات ہے۔ اب کیا کہتے ہو ایدو؟“ ریچل نے پوچھا۔

”سنو انکو سازانہ۔ خوابوں کے شکاریوں نے تمہیں مادرِ شجر نامزد کر دیا ہے۔ چنانچہ اب ہمارے ساتھ چلو کہ ہم تمہیں تمہارا وہ بلند مقام دے دیں جس کی تم بجا طور پر مستحق ہو۔“

”یہ شخص“ ریچل نے رچرڈ کی طرف اشارہ کر کے کہا ”میرا ہونے والا شہر ہے۔ اس کے متعلق کیا کہتے ہو؟“

ایدو مسکرایا۔ بڑی ہی خوفناک مسکراہٹ تھی اس کی۔
 ”مادر شجر کا کوئی شوہر نہیں ہوتا“ اس نے جواب دیا ”اور اگر اس کا شوہر ہوتا ہے تو وہ علم ہوتا ہے۔ یہ شخص اپنا کام پورا کر چکا۔۔۔ اور اس کا کام تمہیں مقام مقدس سے باہر لانا تھا۔۔۔ اور اسی مقصد کے لئے ہم نے اس مقدس جنگل میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ چنانچہ اب اس کا زندہ رہنا ضروری نہیں۔ چونکہ تم اس سے محبت کرتی ہو اس لئے ہم اسے سرخ موت نہ ماریں گے۔ اسے دوبارہ درخت سے باندھ دو۔ دوسرے ہی لمحے ریچل کے بھالے کی نوک ایدو کے حلق پر تھی۔

”خوابوں کے شکاریو“ ریچل نے چیخ کر کہا ”یہ میرا مرد ہے اور میں نہ مادر شجر ہوں اور نہ روح بلکہ میں زندہ ہوں اور عورت ہوں۔ اگر تمہارے ان بندروں نے میرے مرد کو انگلی بھی لگائی تو ایدو تم مارے جاؤ گے اور سرخ ترین موت ہوگی تمہاری۔۔۔ اگر ہمت ہو تو ایک قدم بھی آگے بڑھاؤ اور بھالے کی نوک ایدو تمہارے سینے میں اتر جائے گی اور تمہاری روح خون میں لٹھڑ جائے گی۔“

بونا کا بن کا نپ کر اپنے گھٹنوں پر گر گیا اور چاروں طرف دیکھ دیکھ کر فرار کی راہ تلاش کرنے لگا۔

”اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو تم بھی زندہ نہ رہو گی“ ایدو نے کہا۔
 ”میں موت سے نہیں ڈرتی“ ریچل نے جواب دیا ”اگر میرا مرد مر گیا تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گی؟۔۔“

اور پھر اس نے انگریزی میں رچرڈ سے کہا: ۱۔

”رچرڈ! تم اس بونے کا ایک ہاتھ اور نوٹی تم دوسرا ہاتھ پکڑ لو۔ اگر یہ فرار ہونے کی کوشش کرے تو بلا تکلف قتل کر دینا۔ اور اگر تمہیں خوف آتا ہو تو یہ کام میں کر لوں گی۔“

پہنچا رچرڈ اور نوٹی نے ایدو کو پکڑ لیا۔

”جلو اب مقام مقدس میں چلتے ہیں کیونکہ وہاں یہ لوگ ہمیں کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے کی جرأت نہ کریں گے“ رچرڈ نے کہا ”پانی کے انتظام کے بغیر ہم صحرا عبور نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ تعاقب کر کے اپنے زہریلے تیروں سے ہمارا خاتمہ کر دیں گے۔ نوٹی! ان لوگوں سے کہو کہ اگر انہوں نے ہمیں پریشان نہ کیا تو ہم ایدو کو آزاد کر دیں گے۔ میرا مطلب ہے مقام مقدس میں پہنچنے کے بعد لیکن اگر انہوں نے ہماری طرف انکلی بھی اٹھائی تو یہ کاہن سرخ موت مرے گا۔“

”ان لوگوں کو چھونا بھی نہیں“ ایدو نے باریک آواز میں کہا ”مبادا یہ لوگ میری روح کو خون آلودہ کر دیں۔ انہیں نہ چھو نا۔ یہ میرا حکم ہے۔“
 بونے آہیں میں طوطوں کی طرح ”ٹیں۔ ٹیں۔ ٹیں“ کرنے لگے اور پھر وہ لوگ اس طرح مقام مقدس کی طرف چلے کہ آگے آگے رچرڈ اور نوٹی تھیں جو اپنے درمیان ایدو کو گھسیٹے لئے جا رہے تھے، ان کے پیچھے رچرڈ تھی جس نے بھالا بلند کر رکھا تھا اور جنگل کے بونے ان کے دائیں بائیں اور درختوں کے پیچھے چھپتے چھپاتے چل رہے تھے اور وہ لوگ آخر کار مقام مقدس کی چار دیواری کے قریب اور اس کے شکاف کے سامنے پہنچ گئے اور نوٹی نے پوچھا:

”اب ہم کیا کریں؟ اس کاہن کا خاتمہ کر دیں، بطور برغمال اسے اپنے ساتھ لے چلیں یا آزاد کر دیں؟“

”میں تو کہتی ہوں کہ اسے آزاد کرنا ہی مناسب ہوگا“ ریچل نے کہا۔
”کیونکہ اگر یہ مر گیا تو خواہ مخواہ ہم پر مصیبت آجائے گی، اس کے علاوہ اس کا خون بھی ہماری گردن پر ہوگا۔ اسے اندر لے جا کر آزاد کر دو۔“

چنانچہ ایک بار پھر وہ دیواری راستے میں سے گزرنے لگے اور مقام مقدس کے محافظ انہیں جاتے دیکھتے رہے وہ دوسری طرف میدان میں نکل آئے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے اید کو چھوڑ دیا۔ اید اچھل کھیلوں کی زد سے باہر ہو گیا اور غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا:-

”بیوقوفو! میں تمہارے اختیار میں تھا اس وقت تمہیں چاہئے تھا کہ مجھے قتل کر دیتے کیونکہ اب تم جال میں پھنس گئے ہو۔ بے شک تم طاقتور بھی ہو اور عظیم بھی ہو لیکن غذا کے بغیر تم بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ بے شک ہم یہاں پہنچ کر تمہارے جسم کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے لیکن اب تمہیں بھوکوں مرنا ہے۔ ہاں اس وقت تک بھوکے رہو گے جب تک کہ باہر آ کر اور میرے قدموں پر گر کر رحم طلب نہیں کرتے۔“

اور پھر ان لونوں کی طرف، جو دیوار پر چڑھے ہوئے تھے، کچھ اشارے کر کے وہ شکاف میں گھس گیا۔

”زدلا! تم نے اسے قتل کر دیا ہوتا تو اچھا ہوتا“ نوئی نے کہا ”کیونکہ

اب وہ ہمارا خاتمہ کر دے گا۔“

”ایسی کوئی بات نہ ہوگی“ ریچل نے کہا ”نایا نے کہا تھا کہ میں ویسا ہی کروں

جیسا ہمارا دل کے اوزیر کے دل نے اید کو آزاد کرنے کو کہا۔ اور یہی میں نے

خوابوں کے شکاری

۷۴

کیا۔ بہر حال ہمارے ہاتھ اس کے خون سے رنگین نہیں ہیں اور اگر ہم قتل کر دیتے تو پتہ نہیں کیا ہوتا کیونکہ خون تم جا تو بڑی چیز ہے۔“
اور پھر ایدو کو بھول کر وہ رچرڈ کی طرف گھوم گئی اور اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

لیکن خود رچرڈ کچھ چکرایا ہوا تھا چنانچہ وہ رچرڈ کے چند سوالات کے انکا جواب دے سکا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی کوئی سا تھی قوت جو اسے سنبھالے ہوئے تھی، اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی اور اب کچھ سفر کی تمام تر تھکن اس پر حاوی ہوئی تھی۔ وہ مشکل کھڑا رہ سکتا تھا چنانچہ کسی شرابی کی طرح جھوم رہا تھا۔ اور رچرڈ نے اسے سہارا دے ہوئے تھیں اور وہ قبرستان سے گزر رہے تھے اور غار کی طرف بڑھ رہے تھے اور جب وہ شجر حیات کے ٹیلے کے قریب پہنچے تو ایک جلوس جنازہ ٹیلے پر سے اتر رہا تھا۔ آٹھ بونے محافظ ڈولی اکٹھے ہوئے تھے اور اس میں نایا لیٹی ہوئی تھی۔ وہ مریچی تھی اور اس کے سفید بال ڈولی سے باہر دائیں بائیں ہلک رہے تھے۔ تینوں ایک طرف اٹھ کر ادھر سر جھکا کر کھڑے ہو گئے اور محافظ جنازے کو دیوار کے قریب اس جگہ لے گئے جہاں پچھلے ہزاروں برس سے مادران شجر دفن ہوتی آئی تھیں۔

اور پھر وہ تینوں آگے بڑھے اور غار میں داخل ہو گئے جہاں سفید اور قدرتی درخت کے قریب چراغ جل رہے تھے اور چاروں طرف چڑھاوے کی چیزوں کے انباز تھے اور اس غار میں وہی دو گونگی اور بہری عورتیں بیٹھی بدستور اپنے اپنے پیالے میں دیکھ رہی تھیں۔ نایا کی موت نے انھیں متاثر نہ کیا تھا اور ایک سفید قلم مرد کی آمد انھیں متاثر نہ کر سکی تھی

بلکہ شاید وہ اس کی آمد سے واقف تھیں کیونکہ کھانا تیار تھا اور رچرڈ کے لئے بستر بھی لگا دیا گیا تھا۔

رچرڈ لیٹ گیا اور پورے چوبیس گھنٹوں تک اس طرح سوتا رہا کہ اس نے کر دٹ تک نہ بدلی۔ ریچل قریب بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہی یہاں تک کہ تکان اس پر بھی غالب آگئی اور وہ بھی سو گئی اور جب وہ بیدار ہوئی ہے تو غار میں صرف وہی روشنی تھی جو دہانے سے رینگ کر اندر آگئی تھی۔ وہ چراغ، جو ہمیشہ جلا کرتے تھے، بجھ گئے تھے۔ نوئی قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے ریچل کو آنکھیں کھولتے دیکھا تو کہا:۔

”زدلا! اگر تم اپنی نیند پوری کر چکی ہو تو مناسب ہوگا کہ ہم سفید سردار کو یہاں سے نکال لے جائیں کیونکہ وہ دونوں محافظ عورتیں جا چکی ہیں، چراغ بجھ گئے ہیں اور ان میں ڈالنے کے لئے مجھے کہیں تیل نہیں مل رہا۔“ چنانچہ وہ دونوں ٹٹولتی ہوئیں رچرڈ کی طرف بڑھیں کہ دونوں مل کر اسے اٹھا کر باہر لے آئیں۔ لیکن ریچل کے ہاتھ کالمس محسوس کر کے وہ بیدار ہو گیا اور دونوں لڑکیوں کا سہارا لے کر غار سے باہر آگیا۔ باہر آئے تو ایک حیرت انگیز منظر نظر آیا بہرے اور گونگے محافظوں کا ایک سیلاب سا سامنے والے میدان میں سے گزر رہا تھا۔ وہ لوگ اپنے بوڑھوں بیماروں اور بچوں کو لٹے اور ڈولیوں میں اپنا تمام سامان لادے جا رہے تھے۔ وہ لوگ مقام مقدس کو خالی کر کے جا رہے تھے۔

”یہ لوگ کیوں جا رہے ہیں؟“ ریچل نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتی زدلا“ نوئی نے جواب دیا ”شاید اس لئے کہ معمول

باہر سے ان کے لئے کھانا نہیں بھیجا جائے گا تم بھولی نہ ہوگی کہ ایدو نے

کہا تھا کہ ہم بھوکوں میں گئے۔ یہ لوگ نسل بعد نسل یہاں رہتے آئے ہیں۔ چنانچہ بھوک سے اڑیاں بگڑ گئی مرنے کا خیال ہی انہیں اس مقام مقدس سے باہر نکال رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ لوگ جا چکے تھے۔ مقام مقدس خالی ہو چکا تھا۔ وہاں کوئی نہ تھا سوائے اقلیتوں کے۔ اب باہر سے بولنے بھی شجر حیات کی چھاؤں میں مرنے کے لئے نہ آتے تھے اور پھر آخر کار چرڈ کے حواس جیسے بجا ہو گئے اور وہ چرڈ کا ہاتھ پکڑ کر نیچی اور لگنت زدہ آواز میں اس سے سوالات پوچھنے لگا۔ الفاظ اس کی زبان پر فوراً نہ آ رہے تھے کیونکہ ایک عرصے سے اس نے اپنی زبان استعمال نہ کی تھی، انگریزی نہ بولا تھا۔

”ہن ا“ نوئی نے کہا ”آؤ پہلے ہم دیوار کا شکاف بند کرنے کی کوشش کریں اس کے بعد تم اطمینان سے اپنی داستان سنا دینا۔ اگر راستہ کھلا رہا تو ہم اطمینان سے سمونہ سکیں گے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایدو اور اس کے ساتھی اندر آکر سوتے میں ہمیں قتل کر دیں۔“

”میں سمجھتی ہوں کہ وہ اپنے مقام مقدس میں خون بہانے کی جرأت نہ کریں گے۔“ ریچل نے جواب دیا ”تاہم احتیاط لازمی ہے۔“

چنانچہ وہ دیوار کے قریب پہنچے۔ دروازہ کھلا تھا اور چونکہ اسے بند کرنا ممکن نہ تھا اس لئے ایک تنگ گزرگاہ میں انہوں نے اس قدیم دیوار کے چند پتھر اکھاڑ کر لڑھکا دئے اور اب ان پتھروں کے دائیں بائیں سے یا ان سے گزرنا ممکن نہ رہا تھا یا کم سے کم مشکل ضرور تھا۔ اس کام میں کئی گھنٹے صرف ہو گئے اور ریچل کے خیال میں ان کی یہ محنت بیکار تھی کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ خوابوں کے شکاری انہیں قتل کرنے کے لئے اندر نہ آنے والے تھے بلکہ انہیں بھوکوں

ارنے والے تھے۔

شام کے وقت تینوں غار میں پہنچے اور جو کچھ غذا مل سکتی تھی تلاش کر کے جمع کی جو اتنی تھی کہ بمشکل دو وقت ان کا پیٹ بھر سکتا تھا۔ طیلے کے عقب میں محافظوں کی لمبی خالی پڑی ہوئی تھی۔ تلاش کے باوجود انھیں وہاں سے بھی کوئی ایسی چیز نہ ملی جسے کھایا جاسکتا۔ البتہ پانی کی کوئی کمی نہ تھی کیونکہ وہ چشمہ موجود ہی تھا جو گنگداتا ہوا غار میں سے نکل رہا تھا۔

انہوں نے چند لقمے کھائے اور اپنی اپنی چٹائی لے کر سونے کے لئے باہر آگئے کہ ناگہانی خطرے اور مصیبت کا مقابلہ کر سکیں۔ اور اب انھیں فرصت تھی اور وہ اطمینان سے باتیں کر سکتے تھے اور ریکل اور رچرڈ نے ایک دوسرے کو اپنی حیرت انگیز سرگزشت سنا دی۔ لیکن چند باتیں ایسی عجیب تھیں کہ وہ دونوں ہی ان کی تشکیق نہ کر سکے اور نہ ہی سمجھ سکے۔ بہر حال ان کے لئے تو یہ کافی تھا کہ وہ اتنے عجیب طریقے سے ایک دوسرے کے پاس آگئے تھے۔ وہ کون سی قوت تھی جس نے ان دونوں کا ملاپ کر دیا تھا؟ سو وہ یہ نہ جانتے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو مردہ یقین کر چکے تھے لیکن اب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے بیٹھے تھے اور یہ بڑی بات تھی اور پھر یہ بھی بات تھی کہ وہ ایک عجیب طرح کی تھکن محسوس کر رہے تھے۔ ایسی تھکن کہ ان کی زبان ہلانے کو بھی جی نہ چاہتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سو گئے، تینوں سو گئے اور صبح تک سوتے رہے۔ صبح بیدار ہوئے تو قدرے تازہ دم تھے اور جو کچھ ان کے پاس تھا وہ انہوں نے کھایا۔

دوسرا دن پہلے دن سے مختلف نہ تھا البتہ کہ وہ دن کچھ زیادہ ہی گرم اور اُداس تھا۔ نوٹی پہرہ دینے کے لئے دیوار پر چڑھ گئی اور ریکل ایک

دوسرے کا ہاتھ پکڑے بونوں کی قبرستان اور مجاہدوں کی خالی ٹپری ہوئی لہتی
میں اٹھتے اور آپس میں باتیں کرتے رہے۔ صورت حال نازک تھی تاہم
وہ دونوں خوش تھے۔ لیکن دن ختم ہونے سے پہلے بھوک اپنا اثر دکھانے
لگی۔ اوپر سے سخت اور ناقابل برداشت گرمی ان کا دم گھونٹ رہی
تھی۔ چنانچہ اب وہ یوں بول نہ سکتے تھے اور دیوار کے سائے میں بیٹھے ایک
دوسرے کی صورت تک رہے تھے اور بس۔

شام کے وقت فونی دیوار پر سے اترئی۔ اس نے بتایا کہ بونوں کا
ایک کافی بڑا گروہ باہر کھڑا ہوا نظر رکھے ہوئے تھا کہ وہ تینوں فرار ہونے
کی کوشش نہ کریں۔

گرم اور خاموش رات گزر گئی اور تیسرا دن طلوع ہوا۔ کھانے کو کچھ نہ تھا
چنانچہ وہ چٹنے پر پہنچے اور صرف پانی پی کر بھوک مٹانے کی کوشش کی۔ وہ
پھر سائے میں بیٹھ گئے اور دن کے طویل، گرم اور خوفناک گھنٹے گزرتے رہے
شام کے وقت جب گرمی کم ہو گئی، تینوں اپنی قوت سمیٹ کر اچھے کہ فرار کی کوئی
راہ تلاش کر سکیں۔ رچرڈ نے کہا کہ فرار چونکہ ممکن نہیں اس لئے مناسب ہوگا
کہ وہ اپنے آپ کو بونوں کے حوالے کر دیں لیکن رچرڈ نے اس کی مخالفت
کرتے ہوئے کہا کہ اس صورت میں ایدو، رچرڈ اور فونی کو قتل کر دے گا
اور خود اسے مادرِ شجر بنادے گا یہاں تک کہ وہ بوڑھی ہو کر کسی کام کی نہ رہے
گی اور اس وقت ایدو اس کا بھی خاتمہ کر دے گا۔

”تو پھر ہمارے بچے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا ہے کہ
بیٹھے رہیں اور موت کا انتظار کریں۔ رچرڈ نے کہا۔

”ہاں۔ اب موت کے سوائے کوئی راستہ نہیں ہے۔ لیکن اب ہم

دونوں ساتھ مریں گے اور پیار سے ہماری یہ موت آسان ہوگی خدو صبا اس لئے کہ ہم ایک دوسرے کو ایک عرصے سے مردہ یقین کر چکے تھے۔

”ریچل! اب مرنا آسان نہیں رہا“ رچرڈ نے کہا۔ ”اتنے دکھ برداشت کرنے کے بعد اور اتنے عرصے کی جدائی کے بعد ہم لے ہیں چنانچہ اب مرنے کی آرزو کرنا حماقت ہے۔ کم سے کم ہمیں ابھی نہیں مرنے ہے۔“

ریچل نے نوئی کی طرف دیکھا جو اپنے گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے خاموش بیٹھی تھی۔

”نوئی! تمہیں کچھ کہنا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں زولا! یہ ٹھوڑی سی کائی مجھے ایک پتھر پر سے مل گئی تھی۔“ اس نے کائی کی ایک گیند سی کہیں سے برآمد کی، ہم اسے ابال کر کھا لیتے ہیں۔ اس طرح ہم کل تک تو زندہ رہیں گے۔“

”ایک دن جی گئے تو کیا ہوگا نوئی؟“ ریچل نے کہا۔ ”ہاں اگر اور بھی کائی دستیاب ہو سکتی ہو تو بات دوسری ہے۔“

”کائی بس یہی ہے“ نوئی نے جواب دیا۔ ”دوسری کوئی چیز یہاں آگ نہیں رہی سوائے غمیر حیات کے اور اس کے پتے بڑے زہریلے ہیں۔ بہر حال یہ کھا لو اور زندہ رہو۔ میں ایک پیغام کی منتظر ہوں۔“

”کس کا پیغام؟“

”مردوں کا پیغام۔ جانے سے پہلے نایا نے اس کا وعدہ کیا تھا اور اگر پیغام نہ بھی آیا تو مرنے کے لئے دوسرے دن پڑے ہیں۔“

چنانچہ انھوں نے آگ جلا کر کائی ابال لی جو بڑی ہی بدبو دار لیس دار اور حکینی چیز بن گئی اور یہ چیز انھوں نے پانی کے گھونٹ کے ساتھ جیسے تیسے کر کے

حلق سے نیچے اتار لی۔ تاہم یہ ایک طرح کی غذا ہی تھی اچانچہ بھوک کی انٹین اور تکلیف سے فی الحال لڑا نہیں نجات ملی گئی البتہ نوئی نے ابالی ہوئی کافی بہت تھوڑی کھائی کہ ریکل اور چرڈ کے لئے زیادہ مقدار میں باقی رہے۔

رات پھیلی تمام راتوں سے زیادہ گرم تھی اور بعد کا دن تو اس قدر گرم تھا کہ مقام مقدس دوزخ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ لوگ غار میں گھس کر پڑ رہے اور باہر سے عجیب طرح کے چٹانوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ آوازیں غالباً ان مخلوق کی تھیں جو شب بیدگرمی کی وجہ سے چتر رہے تھے۔ دوپہر کے وقت آسمان یکایک کالے کالے بادلوں سے ڈھک گیا، ہوا بند ہو گئی اور ان لوگوں کو یوں معلوم ہوا جیسے وہ تنفس کے ذریعہ کوئی ٹھوس اور گرم چیز اپنے پھیپھڑوں میں پہنچا رہے ہوں۔ وہ لوگ پریشان ہو گئے، برداشت نہ کر سکے اور غار سے باہر نکل آئے اور انھوں نے حیرت سے دیکھا کہ دیوار کی چوٹی پر ایک بونا کھڑا ہوا تھا یہ ایدو تھا جو یہ کہنے آیا تھا کہ وہ تینوں مقام مقدس سے باہر نکل کر اپنے آپ کو خوابوں کے شکاریوں کے حوالے کر دیں۔

”شرائط کیا ہیں؟“ نوئی نے پوچھا۔

”یہ کہ تم اور یہ سفید آوارہ گرد سفید موت کو لبیک کہیں اور یہ کہ انکوسا زاتہ مادرِ شجر بن جائے“ ایدو نے جواب دیا۔

”یہ شرائط ہمیں منظور نہیں ہیں“ نوئی نے کہا ”ہمیں جانے دو اور ایشائے خور دو نوش کا دے دو اور ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔ اگر یہ منظور نہیں ہے تو ہم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تم اور تمہارے ساتھی سرخ موت مریں گے جیسا کہ نایا لے کہا تھا۔“

”یہ تو کل کا سورج غروب ہونے سے پہلے ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون مرنے لے گا“

ایرو نے کہا اور ایک قہقہہ لگا کر دوسری طرف اتر گیا۔

اس کے جاتے ہی گرم دوزخی ہوا کا ایک زبردست جھکڑ آیا جس کے زور سے ماہر کا جنگل کانپ کانپ گیا اور درخت جیسے کراہنے لگے۔ نوئی اس طرف رخ کرنے کھڑی ہو گئی جس طرف سے جھکڑ چل رہا تھا۔ یہی معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کان لگا کر کچھ سن رہی تھی۔

”کیا بات ہے؟“ ریچل نے پوچھا۔

”اس جھکڑ میں میں نے ایک آواز سنی ہے زدلا“ نوئی نے جواب دیا ”جس

پیغام کا مجھے انتظار تھا وہ آگیا ہے۔“

”کیا پیغام ہے یہ؟“ رچرڈ نے پوچھا۔

”سردار! یہ میں بتا دوں گی“ نوئی نے کہا ”لیکن پہلے غلامی چلو۔ اب یہاں

ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں کیونکہ ایک زبردست طوفان آرہا ہے۔“

چنانچہ وہ ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے غلامی پہنچے اور وہاں نوئی نے

آگ جلا کر وہ تمام چیزیں اس میں جھونک دیں جو چڑھنا و اٹھیں۔ رچرڈ اور

ریچل حیرت سے دیکھنے رہے کیونکہ یہ واقعی عجیب بات تھی کہ نوئی ایسی گرمی

میں آگ جلا رہی تھی اور وہ بھی اس وقت جب ان کے پاس پکانے کو کچھ نہ تھا۔

اس عرصے میں جھکڑ چلتا رہا اور اس کا زور بڑھتا رہا اور پھر چیخوں کا اور ہوا

کا طوفان پھٹ پڑا لیکن بارش کا ایک قطرہ بھی نہ گرا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ہوا

کا زور اس قدر بڑھ چکا تھا کہ ٹیلے پر کھڑا ہوا صدیوں پرانا شجر حیات جھومتے

اور چرچراہنے لگا اور احاطے کی دیوار کی چوٹی کے ڈھیلے پتھر اڑ کر اذھر اذھر

گرنے لگے۔

یہاں نوئی اچھل کر کھڑی ہوئی اور اس نے الاؤ میں سے ایک جلتی ہوئی

لکڑی اٹھالی۔ یہ دراصل کسی چوہی مجھے کا، جو کسی دیوتا کی شکل پر بنایا گیا تھا کوئی عضو تھا۔ غالباً ٹانگ بھٹی۔ اس سے پہلے کہ چڑا اور بچل اسے رک سکتے وہ غار سے باہر بھاگ کر گاڑھے ہوتے ہوئے اندھیرے میں غائب ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی تو اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

”اب باہر آ جاؤ“ اس نے کہا ”اور وہ نظارہ دیکھو جو تم نے نہ تو کبھی دیکھا ہوگا اور نہ کبھی دیکھ سکو گے۔“ نوئی کی آواز میں کوئی خاص بات تھی چنانچہ اپنی تھامت اور کمزوری کے باوجود چڑا اور بچل اٹھ کھڑے ہوئے۔

باہر پہنچے تو ہوائ کے زور کی وجہ سے کھڑے نہ رہ سکے اور اندھے منہ زمین پر لیٹ گئے اور یوں لیٹ کر انھوں نے اس طرف دیکھا جس طرف نوئی اشارہ کر رہی تھی۔ ادھر ٹیلے کی چوٹی پر کھڑا ہوا خوابوں کے شکاریوں کا شہر خیات دھڑا دھڑا جل رہا تھا۔ نشتر اس کے تنے اور ٹہنیوں سے لپٹے ہوئے تھے اور ان سے لٹکتی ہوئی کاٹی کی جٹائیں بھی جل رہی تھیں اور ہوا کے جھکڑ ان جلتی ہوئی بٹاؤ کو اپنے ساتھ اڑا لے جاتے تھے اور خوابوں کے شکاریوں کے جنگل میں پھینک رہے تھے۔

”یہ تم نے کیا ہے نوئی؟“ ریچل نے چیخ کر پوچھا۔

”ہاں زدلا اور کون کر سکتا ہے۔ یہی وہ پیغام تھا جو میرے پاس بھیجا گیا تھا۔ میرا کام پورا ہو گیا چنانچہ اب تم دونوں زندہ رہو گے حالانکہ میں مرجاؤں گی۔ میرا مرنا ضروری ہے کیونکہ اب میں نے خوابوں کے شکاریوں کا خاتمہ کر دیا ہے اور ان کا خاتمہ کرنے کے لئے ہی مجھے پیدا کیا گیا تھا۔ ہاں جس مقصد کے لئے مجھے دنیا میں بھیجا گیا تھا وہ پورا ہو چکا۔ میں نے خوابوں کے شکاریوں کا خاتمہ کر دیا۔“

”خاتمہ کر دیا!“ ریچل نے حیرت سے پوچھا ”کیا مطلب ہے؟“

”مطلب یہ کہ جب ان کا درخت مر جائے گا تو وہ بھی مرجائیں گے۔ نایا نے کہا تھا مجھ سے کہ ان کا درخت جل جائے گا اور خوابوں کے شکاریوں کی قوم ختم ہو جائے گی۔ چلو۔ چلو۔ دیوار کی طرف۔ دیکھو اب۔ میرے پیچھے آؤ۔“

اپنی بھوک اور اس سے پیدا شدہ کمزوری بھول کر چرچڑا اور ریچل ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے نوٹی کے پیچھے پیچھے بھاگ پڑے۔ وہ میدان میں پہنچ گئے تیز ہوا انھیں پیچھے ڈھکیل رہی تھی اور وہ گرتے اور گر کر اٹھتے ہوئے اور بھاگتے ہوئے دیوار کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ دیوار کے قریب اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے ایک زینہ دید بان کا برج پر جاتا تھا۔ وہ لوگ زینہ چڑھ کر اوپر پہنچ گئے۔ برج کھلانے تھا بلکہ اس کے چاروں طرف دیوار چینی ہوئی تھی اور اس دیوار میں بڑے بڑے سوراخ بنے ہوئے تھے اور ان سوراخوں میں سے جھانک کر انھوں نے ایک خوفناک منظر دیکھا۔ شجر حیات کی سلگتی ہوئی کافی جنگل کے چند درختوں کی چوٹیوں پر جا پڑی تھی اور یہ درخت یہاں وہاں سے سلک اٹھتے تھے اور تیز ہوا پنکھا چل کر اس آگ کو اور بھرکار ہی تھی اور شعلے لپک لپک کر ایک سے دوسرے درخت پر پہنچ رہے تھے اور یوں آگ بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی ہوا کا زور اور بڑھا اور تھوڑی دیر بعد وہ عظیم الشان جنگل جل رہا تھا۔ مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب کی طرف شعلے ہی شعلے نظر آرہے تھے۔ میلوں تک جنگل جل رہا تھا۔

زمین و آسمان ان عظیم الشان جلتے ہوئے درختوں کی وجہ سے سرخ ہو گئے آگ درختوں کی چوٹیوں پر سے نیچے اتر رہی تھی اور برج میں بیٹھنے والوں نے

دیکھا کہ سیکڑوں اور ہزاروں بونے چنچے اور چلائے اور اپنے ہاتھ ہلاتے نہایت
 ہی بدحواسی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ وہ شمال کی طرف بھاگتے
 اور اس طرف بھی شعلے ہوتے وہ جنوب کی طرف بھاگتے اور اس طرف بھی
 شعلے ان کا استقبال کرتے وہ جس طرف بھی جاتے آگ کا سامنا ہوتا یہاں
 تک کہ جلتی ہوئی ٹہنیاں اور تنے ان پر گرے اور یہ بھاگتے ہوئے بونے
 آتشیں اینار میں دفن ہو کر رہ گئے۔ بونوں کا ایک گروہ مقام مقدس کی طرف بھاگتا
 ہوا آیا۔ برج میں بیٹھنے والے انھیں بھاگ کر آتے دیکھ رہے تھے اور یہ بھی دیکھ
 رہے تھے کہ جلتی ہوئی ٹہنیاں ان پر گر رہی تھیں چنانچہ ان کی تعداد کم سے کم
 ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بھاگ رہے تھے، وہ اچھل کر ادھر ادھر ہٹ رہے
 تھے، وہ چیخ رہے تھے لیکن اوپر گرتی ہوئی ٹہنیاں ہر ہر قدم پر ان میں سے اکثر
 بونوں کا خاتمہ کر رہی تھیں۔ وہ سب کے سب جل کر ابدتہ صرف ایک بونا
 جنگل سے نکل کر اس میدان تک آنے میں کامیاب ہو گیا جو دیوار اور جنگل کے
 درمیان چھٹا ہوا تھا۔ اس کے سفید بالوں اور لباس میں سے دھواں نکل
 رہا تھا۔ یہ شخص اس ٹہنی کے قریب پہنچ گیا جو نایا نے مقام مقدس میں آنے
 وقت وہاں اگنے کے لئے لگا دی تھی یہ نایا کے درخت کی ٹہنی تھی۔ بونے نے وہ
 ٹہنی گھسیٹ لی اور اپنے بدن پر یوں مارنے لگا جیسے آگ بجھا رہا ہو۔ دوسرے
 لمحے وہ ٹہنی بھی جل اٹھی اور بونا سے پھینک کر دیوار کی طرف بھاگا اور جب وہ
 قریب آیا تو برج میں بیٹھنے والوں نے اسے پہچان لیا۔

یہ ایدہ تھا۔

عین اسی وقت نوئی کی قوت خواب دے گئی۔ وہ جھوم کر چٹ گری۔ رچرڈ
 اس کی طرف دوڑا اور اسے اٹھانے کے لئے جھکا تو نوئی نے اسے رد کرتے ہوئے

مردہ آواز میں کہا:۔

”مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میرا آخری وقت آگیا ہے۔ میں شبیر حیات کو آگ لگانے اچھے میں گئی تھی چنانچہ اس کا زہر میرے رگ وریشے میں سرایت کر گیا ہے اس کے علاوہ میری قوم کا سراپ اور بد دعائیں بھی اپنا اثر دکھا رہی ہیں نہر حال میری بہن۔۔۔ میں نے تمہیں اور تمہارے محبوب کو بچا لیا ہے۔

خوابوں کے شکاری نہیں رہے۔ میری قوم کے بھورے لوگ بھوری راکھ میں تبدیل ہو گئے۔ محبت کی خاطر میں نے یہ گناہ عظیم کیا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ میری یہ محبت ہی میرے گناہ کا کفارہ ادا کر دے گی۔ زولا! اب تمہاری ایک نئی اور خوشگوار زندگی کا آغاز ہو رہا ہے چنانچہ اپنی خوشیوں اور مسرتوں میں مجھے بھول نہ جانا اور جب تم اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ تو عالم ارواح میں اپنی نوئی کو تلاش کرنا۔ شاید وہ تمہیں وہاں مل جائے“

عین اسی وقت انھوں نے تھپڑوں پر کسی چیز کے گھسیٹنے کی آواز سنی۔ انھوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ برج کے چار دروازوں میں کے ایک دروازے میں ایک لہنا نمودار ہوا۔ اس کا چہرہ تجلس کر بگڑ گیا تھا اور اس کا لباس جیتھڑا ہو رہا تھا۔ یہ ایدو تھا جو دیوار پر چڑھنے اور ان تینوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ دروازے میں بیٹھا شہاب نظر آ رہا تھا۔ ان کی طرف بلکے یوں کہنے کہ زمین پر پڑی ہوئی نوئی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”سیا پی کی بیٹی! ایدو نے سانپ کی پھنکاری سی آواز میں کہا“ یہاں آؤ اور دیکھو کہ کیا کیا ہے تم نے۔ دیکھو تم نے خوابوں کے شکاریوں کی قدیم قوم کو نیست و نابود کر دیا۔ یہاں آؤ اور بتاؤ کہ تم نے یہ گناہ عظیم کیوں کیا تاکہ مرنے سے پہلے میں حقیقت سے واقف ہو جاؤں اور دوسری دنیا میں اپنے اجداد کی

روحوں کے سامنے تمہارے گناہوں کی گواہی دے سناں گوں۔

نوئی نے سنا اور ایدو کی طرف پیٹ کے بل رہ گئے لگی۔ زچر ڈاور رچیل کو ایسا معلوم ہوا کہ نوئی ایدو کے حکم سے سرتابی نہ کر سکتی تھی۔

اور اب وہ دونوں برج کے باہر اور دیوار کی چوٹی پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور نوئی کے لہجے اور کالے بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔

”ایدو!“ نوئی نے کہا ”یہ گناہ میں نے اسے بچانے کے لئے کیا ہے جس سے میں صحبت کرتی ہوں اور اسے بچانے کے لئے جس سے وہ خود صحبت کرتی ہے اور

اس طرح میں نے تم سے اور خوابوں کے شکاریوں سے نایا کی موت کا انتقام لیا ہے کیونکہ نایا نے مجھ سے ایسا ہی کرنے کو کہا تھا۔ یہ کام میں نے اس لئے کیا ہے

ایدو کہ تمہارے مظالم کا پیالہ لبریز ہو چکا تھا اور اس لئے کہ تم پر موت نازل کرنے کے لئے مجھے منتخب کیا گیا تھا۔ چنانچہ دیکھو ایدو یہ ہے تمہارے اس عروج

اور اس عظمت کا انجام جسے حاصل کرنے کے لئے تم برسوں سے سازش کر رہے تھے۔“

”بے شک ہی ہے میرا زوال ایدو نے کہا“ کیونکہ اس سفید خاتمہ سا حرہ کا سحر میری قوتوں پر اور میرے سحر پر غالب آ گیا۔ نوئی! میرے ساتھ خوابوں کے شکاریوں کی حکومت بھی ختم ہو رہی ہے اور وہ عظیم الشان جنگل بھی ختم ہو رہی ہے

جس میں وہ بسے ہوئے تھے اور غدار لڑکی ابھی تیرا بھی خاتمہ ہے کیونکہ تو نے خوابوں کے شکاریوں کا خاتمہ کر دیا ہے اور ان کی روح کو خون سے آلودہ کر دیا ہے۔“

اور یہ کہتے ہی ایدو نوئی پر جھپٹ پڑا۔ اور اس نے نوئی کی کمر بکڑ لی۔ زچر ڈاور رچیل اسے بچانے کے لئے لپکے لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچ

سکتے ایدو اسے گھسیٹ کر دیوار کے کنارے تک پہنچ چکا تھا۔ وہاں چند ثانیوں تک ایدو اور نوئی دست و گریباں رہے۔ اور پھر ایدو چھا۔ اس کی یہ چیخ

بڑی تیز اور بڑی بھیانک تھی اور پھر وہ نوئی سمیت ساٹھ فٹ بلند دیوار پر سے، نیچے، چٹانوں اور پتھروں پر کود پڑا اور پتھروں پر نوئی اور ایدو کی مسخ شدہ لاش پڑی رہی۔

تو یہ تھا انجام اس لڑکی کا جو سیانی کی بیٹی تھی، جس کا نام نوئی تھا، جس نے ریچل سے محبت کی تھی اور جس نے اپنی جان دے کر ریچل اور اس کے محبوب کی جان بچا لی تھی جس طرح کہ کبھی ریچل نے اس کی جان بچائی تھی۔

صبح کا وقت تھا۔ طوفان گزر چکا تھا۔ آسمان صاف اور شفاف تھا اور ہوائیں خوشگوار خنکی تھی کیونکہ طوفان کے بعد موسلا دھار بارش برس گئی تھی لیکن دور، بہت دور، دھوئیں کے بادل اس بات کا پتہ دیتے تھے کہ جنگل کے قلب میں اب بھی آگ جل رہی تھی۔ ریچل اور رچرڈ دیوار پر گئے برج میں ہاتھ میں ہاتھ دے بیٹھے تھے۔

”اب ہم کیا کریں ریچل؟“ رچرڈ نے کہا۔ ”اب ہماری موت زیادہ دور نہیں رہ گئی ہے۔“

ریچل چند ثانیوں تک کچھ سوچتی رہی اور پھر اس نے جواب دیا۔
 ”خوابوں کے شکاری نہیں رہے چنانچہ اب ان کی طرف سے تو، ہمیں کوئی خطرہ نہیں رہ گیا ہے۔ اس پار، جہاں آگ نہیں پہنچی ہے، ان کے غلام رہتے ہیں جن کی بستیوں میں اشیائے خورد و نوش موجود ہیں اور ان کی بستیوں کے بعد اوس کی بستیاں ہیں۔ یہ لوگ مجھے جانتے ہیں چنانچہ ہمارے دوست بن جائیں گے۔ آؤ ہم غذا کی تلاش میں چلیں کیونکہ اگر ممکن ہو تو اب ہمیں زندہ رہنا ہے۔“
 چنانچہ وہ نیچے آئے اور چونکہ وہ کمزور ہو رہے تھے اس لئے یہ قحط

تقریباً پتھر دیں پر سے رینگ کر دوسری طرف پہنچے جو انھوں نے بولوں کو روکنے کے لئے راستے میں لڑھکا دے تھے۔ اور اس طرح وہ دیوار میں گزر کر باہر میدان میں نکل آئے اور ایک عجیب منظر دیکھا۔ اس سرزمین میں، جو تمام کی تمام عظیم الشان درختوں سے ڈھکی ہوئی تھی، اب جگہ جگہ راکھ کے انبار تھے یا درختوں کے چلے ہوئے اور جھلے ہوئے لٹڈ منڈتے کھڑے تھے یہ سفر بڑا ہی خوفناک تھا لیکن وہ جنگل کے کنارے کنارے چلتے رہے اور پھر خوبی غلاموں کے ایک گاؤں میں پہنچ گئے آگ یہاں تک نہ پہنچی تھی جتنا کہ زرخیز زمین میں سبزہ اور کھیت لہلہا رہے تھے اور ان کھیتوں کے بعد بے آب و گیاہ صحرا تھا۔

اس گاؤں میں ایک بھی شخص نظر نہ آ رہا تھا۔ وہ سب کے سب بھاگ گئے تھے اور گاؤں خالی پڑا ہوا تھا البتہ کھونٹوں سے موشی اور بھیریں بندھی کھڑی تھیں۔ آگ لگنے سے پہلے ہی انھیں باندھ دیا گیا تھا اور گاؤں والوں نے اذیت فری میں انھیں اپنے ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا تھا اور بھولپڑیوں میں کھانا اور دودھ بھی تھا۔ چنانچہ انھوں نے کھانا کھا یا اور دودھ چار بھر آرام کیا اور پھر اٹھ کر دودھ پیا یہاں تک کہ ان کی قوت جو گر آئی۔ شام کے وقت وہ اس گاؤں سے باہر آئے اور ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر اپنے عقب میں چلے ہوئے جنگل اور سامنے پھیلے ہوئے ہرے بھرے کھیتوں کی طرف دیکھنے لگے۔

وہ دونوں اس وقت جیسے پوری دنیا میں اکیلے تھے۔ پوری دنیا میں کوئی نہ تھا سوائے ان کے ہزاروں کے دل شکر اور محبت سے دھڑک رہے تھے اور ان کے آگے اچھے اور دائیں اور بائیں خاموش اور غیر آباد سبکیں تھیں۔ وہ دیکھ رہے تھے! رچھڑنے چلے ہوئے اور جھلے ہوئے جنگل کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے کہا "وہ ہے ہمارا ماضی اور یہ سامنے ہمارا مستقبل ہے۔"
 خوبصورت رنگ برنگی پھول کھل رہے ہیں۔

سہ ہاں رہڑ "رہی ہے" نے آرا "لیکن کوئی اور وہ تمام لوگ جن سے مجھے محبت تھی، اس ہفتی میں دفن ہیں اور ان کی روحیں مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ ہمارے مصائب اور ہمارے دکھ ماضی کی راکھ ہیں دفن ہو چکے اور اب ہمارے لئے، میرے اور تمہارے لئے، زندگی کی مسرتوں نے آغوش وا کر دی ہے۔"

اور وہاں اس ٹھیلے پر رہی پل اس شخص سے پٹ گئی جس کے ساتھ زندگی گزری
 اس کے لئے مقدمہ ہو چکا تھا۔

اور ان دونوں کے ہونٹ آپس میں پیوست ہو گئے اور ان کے پیچھے
 جلی ہوئی ادھ بولناک ویرانیاں تھیں اور سامنے سبزہ زار بھیلتا چلا گیا تھا۔
 اور اس سبزہ زار میں ہر طرف پھول کھلے ہوئے تھے۔ رنگ برنگی فلفلیں کے
 پھول ادھ رہیں آخر کار اس شخص کی آغوش میں تھی جس کی تلاش میں اس نے
 وہ جہاں چھان مارے تھے۔

منظر الحق علی کی

ختم شد

کے ساتھ

نعم کی دلوں کو
تکھنوں

شہر خموشاں - کٹرپریا - بھونرہ

پڑا سرار جزیرہ - تار عنکبوت - جوش محبت

نخستین شب بختیروز. آدم خود سونا بپزند

برات کا کالا کفن - مجلسی آئینہ - عالم گم گشتہ

عالم سفل ہندو میں کے سوداگو۔ فرنگی شاہین

گنج سلیمان - گرد و بوم - گردش آیام - موج بلا

گھر کا بھیدی - ندائے روح - نیل کی ساحرہ

2/50
1/-
10/-

اور کتب مطبوعہ: ایک محبت و غریب ناول
ناویک: بڑے سا بڑا پنورہ روپے

مظہر الحق علیٰ صاحبہ کے بعد

نسیم بکٹ لڑپو کے غصوں مترجم ایم جے عالم

نے بھی انگریزی کے عجیب غریب ناولوں کو اردو کا جامہ پہنا کر بیٹھا ہے

ضرور ملاحظہ فرمائیے

جاسوسی ناول

سنگ ہلاکت۔ آتش انتقام۔ دُعائی لاکھ۔ سرخ سیل

ادونچرس

مکہ کہنا۔ خوفناک قتل۔ آتش خیر۔ روح بریلیاں

سرخ کی شہزادگی۔ مرنی دیتا۔ مرنی جاننا

خونخو مرنی۔ زرد دیتا۔ روح کا اغوا

رومانی اور ادونچرس راہیں سیار کی قیمت جلد چار روپے

ناشر: نسیم بکٹ لڑپو، ۲۵۔ لائوس روڈ